تفسیر کبیر کامل اردو

بحذف زوائد و زیادت فوائد

ترجمہ مولوی حاجی محمد یوسف حسین صاحب

اس سے بہتر معلومات مذہبی کا خزانہ۔ مذاہب غیر کی نکتہ
چینیوں کے شکست جواب۔ دلائل عقلیہ کا بحر ذخار اور فلسفہ
کی باریکیوں کا خزانہ۔ مولانا شیخ امام فخر الدین رازی کی
غیر فانی کوش[illegible] لیتو نکا پورا نمونہ کسی کتاب میں نہیں مل سکتا

اسلامیہ پرنٹنگ [illegible] کمپنی لمیٹڈ دہلی نے

باہتمام مینجر [illegible] حیرت

کرزن اسٹیم پریس دہلی میں طبع کرایا

اول مرتبہ ایک ہزار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

اُن بعض مسائل کا ذکر جو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم سے متعلق ہیں۔ **پہلا مسئلہ** اکثر کا اسپر اتفاق ہے کہ اعوذ پڑھنے کا وقت فاتحہ کے پڑھنے سے قبل ہے۔ اور نخعی سے مروی ہے کہ اُسکے بعد ہے اور یہی قول داؤد (ظاہری) اصفہانی کا ہے اور ایک روایت ابن سیرین سے بھی ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی جب پوری فاتحہ پڑھ چکے اور آمین بھی کہہ لے تب اسکے بعد اعوذ پڑھے اور پہلے قول والوں کی دلیل جبیر بن مطعم رضی کی حدیث ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب نماز شروع کی تو تین مرتبہ اللہ اکبر کبیرا کہا اور تین مرتبہ الحمد للہ کثیرا کہا اور تین مرتبہ سبحان اللہ بکرۃ واصیلا کہا پھر کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم من ھمزہ ونفخہ ونفثہ اور **مخالف** نے اپنے قول کی صحت کے لیئے اللہ سبحانہ کے اس قول سے حجت پکڑی ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرات قرآن شرط ہے اور استعاذہ کا ذکر جزا ہے اور جزا شرط کے بعد معلق ہے تو ضروری ہوا کہ استعاذہ قرات قرآن کے بعد ہو۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات عقل کے بھی موافق ہے اسلیئے کہ جو قرآن پڑھیگا وہ ثواب عظیم کا مستحق ہوگا تو اگر ہر طاعت کے ادا کرنیکے اثنا میں اُسکے دل میں فخر پیدا ہوا تو وہ ثواب جاتا رہے گا اسلیئے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہلاک کردینے والی ہیں منجملہ اُن کے آدمی کا اپنی ذات پر فخر کرنا ہے۔ اسی سبب سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُسکو حکم دیا کہ شیطان سے پناہ مانگے تاکہ بعد قرأۃ کے شیطان اُسکو ایسے کام پر نہ ابھارے جو اُسکی طاعت کے ثواب کو باطل کردے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ اذا قرات القرآن فاستعذ باللہ سے مراد اذا اردت قراءۃ القرآن فاستعذ ہے جیسے کہ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم سے مراد اذا اردتم القیام الی الصلوٰۃ ہے اسلیئے کہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی جگہ کسی دلیل کی وجہ سے ظاہر کو چھوڑنا اسبات کو واجب نہیں کرتا کہ باقی سب جگہوں میں بغیر دلیل کے ظاہر کو چھوڑ دیا جائے۔ (اور نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وضو کی آیت میں اذا قمتم الی الصلوٰۃ سے مراد اذا قمتم فی الصلوٰۃ نہیں ہے کہ ... مقتضائے ظرفیت تاخیر وضو لازم آوے اور پھر چونکہ فی بمعنی الی آسکتی ہے اسلیئے اگر اذا قمتم فیہم فاغسلوا ہوتا تب اس سے حجت پکڑ

ٹھیک ہوتا لیکن جمہور فقہا کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ قولہ تعالیٰ اذا قرأت القرآن فاستعذ اسبات کا محتمل ہے کہ اُس سے مراد اذا اردت ہو اور جب احتمال ثابت ہوا تو لفظ کو اُس احتمال پر محمول کرنا واجب ہو گیا تا کہ اس آیت میں اور حدیث مذکور میں موافقت ہو جائے۔ اور منجملہ اُن مناسبات عقلیہ کے جو اسبات کو تقویت دیتی ہیں یہ ہے کہ مقصود استعاذہ سے قرأت کے وقت شیطان کے وسوسوں کا دور کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی اُمنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان اور صرف اسی وجہ سے اللہ نے قرأت سے پہلے استعاذہ کا حکم دیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ بمقتضائے حدیث قرأت سے پہلے اعوذ پڑھے اور بمقتضا قرآن کے اُسکے بعد بھی پڑھے تاکہ بقدر امکان دونوں دلیلیں جمع ہو جاویں۔ **دوسرا مسئلہ عطاء** کہتے ہیں کہ استعاذہ واجب ہے ہر قرأت کے لیئے نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب آدمی نے اپنی تمام عمر میں ایک ہی مرتبہ اعوذ پڑھی ہے تو وہی کافی ہے واجب اس سے ساقط ہو گیا۔ باقی لوگ (جمہور) کہتے ہیں کہ استعاذہ واجب نہیں ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو اعمال نماز کی تعلیم دینے کے وقت استعاذہ نہیں سکھایا۔ اور کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ (اعرابی کی) حدیث تمام واجبات نماز کو حاوی نہیں ہے اسلیئے استعاذہ کے ذکر نکرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واجب نہو۔ اور **عطاء** نے استعاذہ کے وجوب پر کئی وجہوں سے دلیل پکڑی ہے **اول** یہ کہ آنحضرت علیہ السلام نے اسپر مداومت کی ہے اسلیئے واجب ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واتبعوہ **دوم** یہ کہ قول اللہ تعالیٰ کا فاستعذ امر ہے اور امر وجوب کے لیئے ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ سب قرأتوں کے وقت واجب ٹھیریگا اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ اور کسی وصف مناسب کے بعد کسی حکم کا ذکر کرنا اُس وصف کے علت ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جب علت مکرر ہوتی ہے تو حکم بھی مکرر ہوتا ہے **سوم** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے استعاذہ کا حکم اسلیئے دیا ہے تو کہ شیطان مردود کا شر دفع ہو اسلیئے کہ قولہ تعالیٰ فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم سے یہی بات معلوم ہوتی ہے اور شیطان کے شر کو دفع کرنا واجب ہے اور جس چیز سے سوا واجب پورا نہو سکے وہ بھی واجب ہوتی ہے تو ضرور ہوا کہ استعاذہ واجب ہو۔ **چہارم** یہ کہ طریقہ احتیاط کا استعاذہ کو واجب کرتا ہے **تیسرا مسئلہ** (اسکا استعاذہ سے کچھ تعلق نہیں ہے بلکہ اُن آداب کا ذکر ہے جنکا جاننا قاری کو قبل قرأت ضروری ہے) سنت یہ ہے کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھے اور ترتیل کے معنی یہ ہیں کہ تمام حروف اور کلمات کو ٹھیر ٹھیر کے اور صاف اور واضح طور پر ادا کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ورتل القرآن ترتیلا اور اسکا فائدہ یہ ہے کہ جب اس طرح پڑھے گا تو خود بھی اُسکے مطالب کو اچھی طرح سمجھے گا اور جو سُنے گا وہ بھی خوب سمجھے گا اور اگر جلدی جلدی پڑھے گا تو نہ خود سمجھے گا اور نہ سننے والا سمجھے گا اسلیئے ترتیل سے پڑھنا بہتر ہوا۔ ابو داؤد نے اپنی سند سے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (روز قیامت) قرآن پڑھنے والے کو کہا جائیگا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جس طرح دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا۔ ابو سلیمان خطابی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتوں کی گنتی اتنی ہے جتنے جنت میں درجے ہیں تو قاری سے کہا جائیگا کہ پڑھتا جا اور درجوں میں چڑھتا جا جتنا کہ تو پڑھا کرتا تھا تو جو کوئی

سب آیتیں قرآن مجید کی پڑھ دیگا وہ جنت کے اوپر کے درجے پر پہنچ جائیگا **چوتھا مسئلہ** جب آدمی قرآن کو آواز سے پڑھے تو سنت یہ ہے کہ اچھی آواز سے پڑھے ابو داؤد نے براء ابن عازب کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو **پانچواں مسئلہ** ہمارے نزدیک بہتر بات یہ ہے کہ پڑھنے میں ضاد کے ظاء سے مشابہ ہوجانے سے نماز باطل نہیں ہوتی اسلئے دونوں کے درمیان بہت سخت مشابہت ہے اور تمیز مشکل ہے تو واجب ہوا کہ ان دونوں کے درمیان فرق کرانے کی تکلیف اٹھا دی جائے۔ اور ان دونوں کے درمیان مشابہت کا ہونا کئی وجہ سے ثابت ہے **اول** یہ کہ یہ دونوں حروف مجہورہ میں سے ہیں **دوم** یہ کہ دونوں حروف رخوہ میں سے ہیں **سوم** یہ کہ دونوں حروف مطبقہ میں سے ہیں **چہارم** یہ کہ ظاء اگرچہ زبان کے کنارے اور ثنایائے علیا کے کنارے کے درمیان میں سے نکلتی ہے اور ضاد زبان کے کنارے اول سے اور اسکے پاس کی ڈاڑہوں کے درمیان میں سے نکلتا ہے تاہم رخاوت کی وجہ سے ضاد کا مخرج اسقدر فراخ ہوگیا کہ ظاء کے مخرج سے بہت ہی قریب ہوگیا ہے **پنجم** یہ کہ ضاد کا ٹھیک مخرج سے ادا کرنا عرب کا خاصہ ہے ایک (موضوع) حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سب ضاد کے ادا کرنے والوں میں سے میں زیادہ فصیح ہوں۔ ہمنے جو یہ وجوہ ذکر کیے ان سے ثابت ہوا کہ ضاد اور ظاء میں سخت مشابہت ہے اور تمیز بہت مشکل ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ فرق معتبر ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور صحابہ رضہ کے زمانہ میں اس مسئلہ کی کرید ضرور ہوتی خصوصاً جو وقت عجم اسلام میں داخل ہوئے۔

جب اسکی بحث نقل کی رو سے ہم تک نہیں پہونچی تو ہم نے جان لیا کہ لوگ ان دو حرفوں میں تمیز کرنے کی تکلیف نہیں دیئے گئے **چھٹا مسئلہ** لام کا پُر کرکے پڑھنا فصیح لغات میں سے ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اگر فصیح مان بھی لیں تب بھی سب کا اسبات پر اتفاق ہے کہ جب مکسور ہو یا ساکن ہو اور اسکا ماقبل مکسور ہو یا لام موقوف ہو اور اسکے ماقبل یائے ساکنہ ہو اور یا سوائے یے کے کوئی اور حرف ساکن ہو لیکن ماقبل اُس ساکن کا مکسور ہو تو ہرگز پُر کرکے نہ پڑھنا چاہیئے۔ اسلئے کہ کسرہ سے لام کی پُری کی طرف انتقال کرنا زبان پر ثقیل ہے تو اس صورت کو اس لغت سے دور کرنا ضروری ہوا (اور نیز لام کا پُر کرکے پڑھنا صرف لفظ اللہ ہی میں فصیح ہے جبکہ موانع مذکورہ موجود نہوں) **ساتواں مسئلہ** اکثر کا اسپر اتفاق ہے کہ نماز میں قرآن کی شاذ قراءتوں کو نہ پڑھنا چاہیئے جیسے کہ اَلْحَمْدِ لِلّٰهِ دال کی زیر سے یا اَلْحَمْدُ لُلّٰهِ لام کے پیش سے اسلئے کہ دلیل ایسی قراءتوں کے پڑھنے سے روکتی ہے اگر یہ قراءتیں قرآن میں سے ہوتیں تو تواتر کی حد تک شہرت کو پہنچتیں اور جب اس درجہ کو نہیں پہونچیں تو نماز میں اُن کا پڑھنا بھی ناجائز ہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعض مسائل کا ذکر۔ +

پہلا مسئلہ اسبات پر سب کا اتفاق ہے کہ لفظ بسم پر وقف کرنا ناقص اور قبیح ہے۔ اور لفظ بسم اللہ پر یا بسم اللہ الرحمٰن پر کافی اور صحیح ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر تام یعنی پورا ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ وقف ان تین حال سے باہر نہیں یا تو ناقص ہوگا یا کافی یا کامل۔ تو اُس کلام پر وقف کرنا جسکا مطلب سمجھ میں نہ آوے اسکو ناقص کہتے ہیں اور اگر ایسے کلام پر وقف کرے جسکا مطلب خوب سمجھ میں آتا ہے لیکن اس کے مابعد کا اس سے

بہت تعلق ہے تو اسکو کافی کہتے ہیں اور اگر پورے کلام کے اخیر وقف کیا جاوے جسکا ما بعد اس سے منقطع ہو تو اسکو تام کہتے ہیں **دوسرا مسئلہ** تمام قاریوں کا اسبات پر اجماع ہے کہ لفظ بسم اللہ میں اور لفظ الحمد للہ میں لام کو پُر کرکے نہ پڑھا جاوے اور سکا سبب یہ ہے کہ کسرہ سے پُر لام کیطرف انتقال کرنا ثقیل ہے کیونکہ کسرہ تسفل یعنی پستی کو چاہتا ہے اور پُر لام حرف مستعلیہ سے ہے جو کہ بلندی کو چاہتے ہیں اور پستی سے بلندی کو چڑھنا ثقیل ہے۔ اور قاریوں نے صرف اسی کلمہ (اللہ) میں لام کا پُر پڑھنا مستحسن (اچھا) سمجھا ہے جبکہ مرفوع ہو یا منصوب ہو کقولہ اللّٰہ لطیف بعبادہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد اور اِنَّ اللّٰہَ اشتری من المومنین انفسھم (اور ٹھیک بات یہ ہے کہ لام اللہ کا ماقبل اگر الف ساکنہ ہو یا کوئی اور حرف ساکن سوائے یے کے ہو جسکا ماقبل مفتوح یا مضموم ہو یا خود لام اللہ کا ماقبل مفتوح یا مضموم ہو تو ان سب حالتوں میں یہ لام پُر پڑھا جاوے گا اور ان صورتوں کے سوا کہیں بھی پُر کرکے نہیں پڑھا جاوے گا **تیسرا مسئلہ** لام اللہ اور ھاء کے درمیان جو الف زبان سے بولا جاتا ہے اور لکھنے میں نہیں آتا اُسکا تلفظ میں حذف کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ فقط ضرورت شعری میں جائز ہے حالتِ وقف میں (وہ بھی قبیح ہے) **چوتھا مسئلہ** کسی نے لفظ اللہ کو امالہ کے ساتھ نہیں پڑھا صرف بعض نے قُتیبہ سے روایت کیا ہے واللہ اعلم **پانچواں مسئلہ** اس پر سب کا اجماع ہے کہ لفظ الرحمن کا امالہ نہیں کیا جاتا (قرآن شریف میں اور قرآن مجید سے باہر) نحویوں میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ اسکا امالہ جائز ہے اور شاید یہ قول سیبویہ کا ہے اور سبب جواز کا الف کے بعد نون مکسورہ کا آنا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ جائز نہیں اور یہ قول نحویوں کے نزدیک زیادہ تر ظاہر ہے **چھٹا مسئلہ** اسپر بھی اتفاق ہے کہ دونوں لفظ الرحمنِ الرحیم کے آخر میں زیر ہے (یعنی قرآن میں سوائے زیر کے دوسری حرکت نہیں پڑھ سکتے) اور باعتبار قواعد نحو کے زبر اور پیش بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی پیش میں بعد اللہ کے ھُوَ ذہن میں مانا جائیگا گویا بسم اللہ ھو الرحمنُ الرحیمُ ہے اور زبر یعنی فتحہ میں بعد اللہ کے اَعْنِی ماننا پڑیگا گویا بسم اللہ اعنی الرحمنَ الرحیمَ ہے **ساتواں مسئلہ** بسم اللہ اصل میں باسم اللہ تھا لکھنے میں کثرت استعمال کی وجہ سے الف کو جو کہ حقیقت میں ہمزہ وصل ہے حذف کردیا (اور پڑھنے میں تو محذوف تھا ہی کیونکہ پڑھنے کی حالت میں درج کلام کے وقت ہمزہ وصل کا حذف کرنا واجب ہے) **اٹھواں مسئلہ** کہتے ہیں کہ لفظ اللہ اصل میں اَلْاِلٰہ تھا اور یہ پڑھنے میں چھ حرف ہیں جب اُسکو بدل کے اللہ کردیا تو خط میں چار حرف رہ گئے ہمزہ اور دو لام اور ایک ھا۔ سو ہمزہ کا مخرج اقصائے حلق ہے اور لام زبان کے کنارے سے نکلتا ہے اور ھے کا مخرج بھی اقصائے حلق ہے اور اس میں ایک عجب اشارہ ہے **نواں مسئلہ** تخفیف کے لیے الرحمان کے الف کو (جو کہ میم کے بعد ہے) لکھنے میں حذف کردیا گیا ہے تو الرحمن ہوگیا اور اس الف کو لکھ دیا کریں تب بھی اچھا ہے (یعنی کچھ قباحت نہیں لیکن اولی نہ لکھنا ہے)۔ ابتدائے سورہ فاتحہ ؛

پہلا مسئلہ سورہ فاتحہ کے نام

اس سورت کے بارہ نام ہیں فاتحۃ الکتاب اور سورۃ الحمد اور اُمّ القرآن اور السبع المثانی اور الوافیہ اور الکافیہ اور الاساس اور الشفاء اور الصلوٰۃ اور السؤال اور سورۃ الشکر اور سورۃ الدعاء **دوسرا مسئلہ** یہ سورہ کس جگہ اتری ہے اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ مکہ میں اتری ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ مدینہ میں اتری

اور یہ قول مرجوح ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ اول مکہ میں اُتری ہے اور دوبارہ مدینہ میں اُتری ہے (اور یہ قول بھی محکم نہیں ہے **تیسرا مسئلہ** اس سورۃ میں بہت فضائل ہیں (بسبب خوف طول کے ہم فقط اُسی ایک آیت پر کفایت کرتے جس میں اس کی دو بڑی بھاری فضیلتیں ثابت ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد اٰتیناک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم یعنی اور البتہ بیشک ہمنے تجھکو وہ سات آیتیں عنایت کی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور (پھر اُسی سورت کے بارے میں فرماتا ہے کہ) قراٰن عظیم یعنی بہت بڑی پڑھنے کی چیز عنایت کی)۔

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** حمد اور مدح اور شکر کے بیان میں۔ سو حمد اور مدح میں بہت فرق ہے کئی وجہ سے (۱) مدح جاندار اور غیر جاندار سب کی کی جاسکتی ہے دیکھو اگر کوئی شخص بہت عمدہ موتی دیکھ لیتا ہے تو اُسکی مدح کرنے لگتا ہے اور اُسکی حمد نہیں کر سکتا یعنی اس مدح کو حمد کہنا محاورہ عرب میں محال ہے تو ثابت ہوا کہ مدح حمد سے زیادہ عام ہے (۲) مدح قبل احسان کے اور بعد احسان کے بھی ہو سکتی ہے اور حمد صرف احسان کے بعد ہی ہوتی ہے (۳) مدح کبھی شرعاً ممنوع بھی ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے مداحوں کے مونہوں میں مٹی کی لپیں بھر بھر کے ڈالو بخلاف حمد کے کہ وہ ممنوع نہیں (۴) مدح وہ قول ہے جو فضائل کے انواع میں سے کسی نوع سے مخصوص ہو بغیر تعیین کے اور حمد وہ قول ہے جو کسی معین فضیلت کے ساتھ خاص ہو اور وہ فضیلت انعام اور احسان کی ہے اس بیان سے بھی ثابت ہوا کہ مدح حمد سے عام ہے۔ اور حمد اور شکر کے درمیان یہ فرق ہے کہ حمد کا باعث انعام ہے خواہ وہ انعام حمد کرنے والے پر ہوا ہو یا اُسکے سوا دوسرے پر اور شکر اُسی انعام پر ہوتا ہے جو شکر کرنے والے پر ہوا ہو اور نیز مدح افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ دونوں پر ہوتی ہے اور حمد محض اختیاری افعال پر ہوا کرتی ہے **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے اَحْمَدُ اللّٰہَ نہیں فرمایا اور بجائے اُسکے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمایا ہے اس لیئے کہ کئی وجہ سے یہ لفظ اولیٰ ہے (۱) احمد اللہ کے معنی ہیں حمد کرتا ہوں میں اللہ کی تو اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اسکا قائل اللہ کی حمد کا حق ادا کرنے پر قادر ہے۔ اور الحمد للہ کے لفظ کے کہنے سے یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ حمد کرنے والوں کی حمد کرنے سے پہلے ہی محمود یعنی مستحق حمد تھا ازل سے ابد تک وہ ایسا ہی ہے وہ قدیم حمد والا ہے اور قدیم کلام والا ہے (۲) ہم جو الحمد للہ کہتے ہیں اُسکا معنی یہ ہے کہ حمد و ثنا اللہ کا حق اور ملک ہے تو وہ حمد کا مستحق ہے اسلیئے کہ اُسکی نعمتیں اپنے بندوں پر بہت ہیں اور اُسکے احسان بے انتہا ہیں تو الحمد للہ کے معنی یہ ہوئے کہ سب حمد اللہ کے لئے ہے بایں طور کہ اسکی ذات قدیم سے اُسکی مستحق ہے اور اگر احمد اللہ کہتے تو اس سے اُسکا مستحق ذاتی حمد کا ہونا نہ پایا جاتا تو وہ لفظ بولنا جس سے اسکا مستحق حمد ہونا پایا جاوے بہتر ہے اُس لفظ سے جس سے صرف یہی پایا جاوے کہ ایک شخص نے اُسکی حمد کی ہے (۳) اگر آدمی احمد اللہ کہے تو اس سے یہ تو پایا جاوے گا اُس نے اللہ کی حمد کی لیکن وہ نہیں جو اُسکی شان کے لائق ہو اور اگر الحمد للہ کہے گا تو اُسکے معنی یہ ہوں گے کہ میں کون ہوں کہ اسکی حمد کر سکوں لیکن وہ سب حمد کرنے والوں کی حمد سے محمود ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ اگر تم سے کوئی پوچھے کہ فلاں شخص کا تم پر کوئی احسان ہے اور تم اُسکے جواب میں کہو کہ ہاں تو تمنے شکر یہ تو اُسکا کیا لیکن پورا شکریہ ہوا اور اگر اُسکے جواب میں یہ کہو کہ مجھ پر کیا بلکہ تمام جہان پر اُسکے احسانات ہیں تو

تم نے اسکا بہت پورا شکریہ کیا۔ (۴) حمد کا علاقہ دل سے ہے یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں شخص جسکی میں حمد کرتا ہوں انعام اور فضل کرنے والا اور تعظیم اور اجلال کا مستحق ہے تو جس وقت آدمی الحمد للہ ایسی حالت میں زبان سے کہے کہ اسکا دل یعنی تعظیم سے غافل ہے تو اسکا یہ کہنا جھوٹ ہوگا کیونکہ خبر یہ دے رہا ہے کہ میرا دل تمہاری تعظیم و حمد کر رہا ہے اور حالانکہ اسکا دل بالکل غافل ہے **تیسرا فائدہ** للہ کے لام میں تین احتمال ہیں لیاقت اور اختصاص کے لیے جیسے کہ الجلّ للفرس ہیں۔ یا ملک کے لئے جیسے کہ الدار لزید۔ یا قدرت اور استیلا کے لئے جیسے کہ البلد للسلطان اور الحمد للہ کے لام کے یہ تینوں مطلب ہو سکتے ہیں **چوتھا فائدہ** لفظ الحمد للہ میں آٹھ حرف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں تو جس شخص نے خلوص دل سے الحمد للہ کہا وہ جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہوگیا۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** عالمین جمع عالم کی ہے فتحہ لام سے اور اسکی معنی جہان کے ہیں تو جتنے جہان ہیں سب کا وہ مربی ہے اسلیئے کہ الف لام جمع مذکر سالم پر داخل ہوا ہے جس سے استغراق پایا جاتا ہے سوما سوا خدا کے ہر جنس کی مخلوقات کو عالم یعنی جہان کہتے ہیں تو وہ سب کا خالق و مالک و مربی ہے **دوسرا فائدہ** مربی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کہ اپنے نفع کے لیئے تربیت کرے دوسرا وہ جو فقط پرورده ہی کے نفع کے لیئے تربیت کرے سو پہلی قسم کی تربیت تو تمام مخلوقات کی ہے ایک دوسرے کو اور دوسری قسم کی تربیت اللہ کی ہے اپنے بندوں کو **تیسرا فائدہ** دنیا میں جس کسی کی حمد و مدح و تعظیم چار باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہوتی ہے یا تو اس لیے کہ وہ اپنی ذات و صفات میں پورے کمال والا ہے تمام نقصان اور آفتوں سے منزہ ہے گو حمد وغیرہ کرنیوالے پر کچھ بھی احسان نہیں کیا اور یا اسلیئے کہ مدح وغیرہ والے سے اس نے سلوک و احسان کیا ہے اور یا اسلیئے کہ آیندہ تمکو اسکے احسان کی توقع ہے اور یا اسلیئے کہ اسکے قہر و قدرت سے تم کو خوف ہے اور یہی صورتیں موجب مدح ہیں۔ تو گویا اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اگر تم میرے ذاتی کمال کی وجہ سے مدح و تعظیم کرتے ہو تو میں بیشک ذاتی کمال کی وجہ سے بھی مستحق حمد ہوں اور الٰہ العالمین ہوں اور یہی معنی الحمد للہ کے ہیں اور اگر تم احسان کی تعظیم کرتے ہو تب بھی میں رب العالمین ہوں اور مستحق حمد کا ہوں اور تم آیندہ کی طمع سے تعظیم کرتے ہو تب بھی الرحمن الرحیم ہوں اور مستحق حمد کا ہوں اور اگر تم خوف کی وجہ سے تعظیم کرتے ہو تب بھی میں مالک یوم الدین ہوں اور مستحق حمد کا ہوں **چوتھا فائدہ** اللہ تعالی اپنے بندوں کی بے انتہا طریقوں سے تربیت کرتا ہے اور اسکی بہت مثالیں ہیں پہلی مثال یہ ہے کہ جب نطفہ کا قطرہ باپ کی پیٹھ سے ماں کے رحم میں پہنچتا ہے تو دیکھو کیونکر خون کی پھٹکی بن جاتا ہے پھر گوشت کی بوٹی پھر اسکے بعد مختلف طرح کے اعضا اُس سے بننے شروع ہوتے ہیں ہڈیاں اور غضاریف و رباطات اور اوتار اور اوردہ اور شرائین پھر بعض بعض ملتے ہیں پھر خاص خاص قوتیں اُن میں پیدا ہوتی ہیں جیسے آنکھ میں قوت باصرہ اور کان میں قوت سامعہ اور زبان میں قوت ناطقہ پیدا ہوتی ہے۔ سو پاک ہے جو ہڈی سے سناتا ہے اور چربی سے دکھاتا ہے اور گوشت سے بلواتا ہے۔ تشریح اجسام کی کتابیں دیکھنے سے اللہ تعالی کی تربیت کا حال جو بندے کو کرتا ہے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے دوسری مثال یہ ہے کہ جب زمین میں دانہ پڑتا ہے اور زمین کی نمی اسکو پہنچتی ہے تو پھولتا ہے اور اوپر اور نیچے کی جانب کے سوا کسی طرف سے نہیں پھوٹتا حالانکہ پھولتا سب طرف سے ہے۔

تو اوپر کی طرف سے تو پیڑ ہو کر نکلتا ہے اور نیچے کی طرف سے جڑ ہو کر زمین میں گھستا جاتا ہے تو جدھر سے پیڑ ہو کر نکلتا ہے اول اُسکی ساق بنتی ہے پھر اُس ساق سے بہت سی شاخیں نکلنی شروع ہوتی ہیں پھر اُن شاخوں میں اول کلیاں پھول نکلتے ہیں پھر وہی پھول کلیاں پھل بن جاتے ہیں پھر اُن پھلوں کے اجزا بعض کثیف اور بعض لطیف ہو جاتے ہیں اور وہ اجزا چھلکا اور گودا اور روغن ہے - اور جو حصہ جڑیں بنکر زمین میں گھستا جاتا ہے اُسکو دیکھو کہ کس طرح سخت زمین میں گھستا ہے اور حالانکہ کسقدر نرم ہے کیسی اللہ تعالیٰ نے زمین میں قوت جاذبہ رکھی ہے اور اسی طرح اُن جڑوں میں قوائے جاذبہ ہیں کہ زمین کے اجزائے لطیفہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں یہ سب تدبیریں اس لیئے ہیں کہ بندے کو جو ضرورتیں ہیں غذا اور سالن اور میووں اور شربتوں اور دواؤں کی وہ سب اُسکو حاصل ہو چنانچہ اللہ فرماتا ہے انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا آخر تک تیسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک اور ستاروں کو اس ہیات سے بنایا ہے کہ جس سے بندوں کے مصالح حاصل ہوں - سورات کو اس لیئے بنایا کہ راحت اور سکون حاصل ہو اور دن اس لیئے بنایا کہ چلت پھرت اور صورت معاش حاصل ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق اللہ ذلک الا بالحق اور فرماتا ہے وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر اور اس آیت کو پڑھو الم نجعل الارض مھادا والجبال اوتادا آخر تک - حاصل یہ ہے جب تم غور کروگے کانوں اور روئیدگیوں اور حیوانوں کے عجائب احوال میں اور آدمی کی پیدائش میں جو اللہ تعالیٰ نے اُس میں حکمتیں رکھی ہیں تو تمہاری صاف اور سلیم عقل فیصلہ کر دیگی کہ اللہ تعالیٰ کے اسباب تربیت اور دلائل رحمت ظاہر باہر اور بے شمار ہیں اور جو الحمد للہ رب العالمین میں اسرار کے دریا بھرے ہوئے ہیں اُن میں سے ایک قطرہ تم پر ظاہر ہوگا +

الرحمٰن الرحیم

اس میں بہت فوائد ہیں **پہلا فائدہ** رحمٰن کے معنی ایسا انعام کرنے والا کہ بندوں میں سے کسی سے ایسا انعام کسی صورت سے نہ صادر ہو سکے اور رحیم کے معنی ایسا منعم کہ بندے بھی اُسکے اُس انعام کی طرح انعام کر سکیں - حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بعض لوگوں کا مہمان ہوا تو دسترخوان رکھا گیا تو ایک کوا آیا اور ایک روٹی جھپٹ کے لے گیا تو میں تعجب سے اسی کے پیچھے پیچھے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جنگل کے بعض ٹیلوں پر جا اور وہاں ایک آدمی بندھا ہوا ہاتھ جکڑے ہوئے پڑا تھا تو کوے نے وہ روٹی اُسکے مونہ پر ڈالدی - اور حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں وحشت اُٹھی اور میں گھر سے نکلا ہوا رود نیل کے کنارے جا پہونچا تو دیکھتا کیا ہوں کہ بڑا اجگر بچھو دوڑا جارہا ہے اور میں اُسکے پیچھے ہی پیچھے چلا گیا تو وہ بچھو رود نیل کے کنارے پہونچا اور وہاں ایک مینڈک کھڑا تھا اسی مینڈک کے کنارے پر تو وہ بچھو کود کر اُس مینڈک کے پیٹھ پر سوار ہو گیا اور مینڈک نے تیرنا شروع کیا یہاں تک کہ نیل کے پرلے پار جا اُترا اور میں بھی کشتی پر سوار ہو کر اسکے ساتھ ہی پار جا اُترا پھر وہ بچھو مینڈک کی پیٹھ سے اُتر کر ایک طرف کو دوڑنے لگا اور میں بھی اُسکے پیچھے ہی پیچھے گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نوجوان لڑکا درخت کے نیچے غافل سو رہا ہے اور میں نے ایک افعی اژدہا کو دیکھا کہ اُسکی طرف جا رہا ہے جب وہ افعی اس جوان کے قریب پہونچا تو بچھو جلدی سے کود

اُس اُفعی پر جا چڑھا اور اُسے ڈنک مارا اور سانپ نے بچھو کو کاٹ کھایا غرض دونوں مر گئے اور وہ آدمی اُن دونوں سے بچ گیا

دوسرا فائدہ لفظ رحمٰن صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے بولا جاتا ہے دوسرے کسی کو رحمٰن نہیں کہہ سکتے اور رحیم اللہ پر بھی بولا جاتا ہے اور دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے رحمٰن بہت بڑی صفت ہے اس کے وسیلے سے بڑے بڑے کام خدا سے مانگے جاتے ہیں اور رحیم کے ذریعے چھوٹے چھوٹے کام اور حاجتیں مانگی جاتی ہیں جیسے نمک مرچ اور جوتے کا تسمہ گٹھوانا وغیرہ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفتیں بیان فرمائیں ایک رحمٰن اور ایک رحیم اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو ایک رحمت عنایت کی چنانچہ فرماتا ہے وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا تو اس ایک رحمت کے سبب سے اُن کو کفار فجار کی جھڑکی اور ایذا رسانی سے نجات دی - اور پھر ہم لوگ ہر روز کم سے کم چونتیس مرتبہ اللہ کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے اس طرح سے کہ پانچوں نمازوں کی رکعتیں سترہ ہیں اور ہر رکعت میں دو مرتبہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں یعنی بسم اللہ میں اور الحمد میں تو جب ایک مرتبہ اُسکی رحمت کے ذکر سے مریم علیہا السلام کو مکروہات سے نجات حاصل ہوئی تو اسقدر کثرت سے عمر بھر ذکر کرنے سے مسلمانوں کو دوزخ اور عار اور ہلاکت سے نجات حاصل کیوں نہوگی - اور فوائد بھی اس آیت کے بیشمار ہیں لیکن بغرض اختصار کے اسی قدر پر کفایت کی گئی ہے +

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ

اور اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** یعنی اللہ تعالیٰ قیامت اور جزا کے دن کا مالک ہے اور اُسکی تقریر اس طرح پر ہے کہ نیکی کرنے والے اور برائی کرنے والے اور فرمانبردار اور نافرمان اور موافق اور مخالف میں ضرور فرق کرنا چاہیئے اور یہ فرق جزا ہی کے دن پورے طور پر ظاہر ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیجزی الذین اساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ اور فرماتا ہے ام نجعل الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار اور فرماتا ہے ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعیٰ تو غور کا مقام ہے کہ جو شخص کسی ظالم کو کسی مظلوم پر مسلط کرے اور پھر اُس سے اُسکا انتقام نہ لے تو یہ اُسکا انتقام نہ لینا تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ انتقام لینے سے عاجز ہے اور یا اُسکی مظلومی سے جاہل اور ناواقف ہے اور یا اس ظلم سے راضی ہے اور ان تینوں عیب دار صفتوں سے اللہ تعالیٰ پاک ہے محال ہے کہ اللہ میں یہ صفتیں پائی جاویں تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کا بدلہ ظالموں سے لیگا - اور جب دنیا میں یہ انتقام نہیں لیا گیا تو آخرت میں لا محالہ لیا جاویگا - اور یہی مطلب ہے مالک یوم الدین اور فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره الخ کا - بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک آدمی دربار الٰہی میں حاضر کیا جاویگا تو اپنے نفس کے احوال میں غور کریگا تو اسکو اپنی کوئی نیکی نظر نہ آئیگی اور اُسکو ارحم الراحمین کی طرف سے پکار دی جاویگی کہ اے فلانے تو اپنے عمل کی بدولت جنت میں داخل ہو جا - تو وہ عرض کریگا کہ یا الٰہی میں نے کون سا عمل کیا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ بھلا ایسا نہیں ہوا کہ تو ایک رات تو سو رہا تھا اور اِدھر اُدھر کروٹیں بدل رہا تھا اور اسی اثنا میں تونے کہا اللہ پھر تجھپر نیند غالب ہو گئی اور تو اس کہنے کو بھول گیا لیکن مجکو تو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اس لیئے میں نہیں بھولا - اور نیز ایک شخص لایا جاویگا اور اُسکی نیکی بدی تُلے گی تو بدیاں بھاری ہو جاوینگی اور نیکیاں بہت ہلکی ہو جاوینگی تو ایک پرچہ لایا جاویگا جس میں لا اله الا الله کا اقرار لکھا ہوگا تو اُس سے اُسکی نیکیوں کا پلہ بہت

بھاری ہو جاویگا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ واجبات دو قسم ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کا معاملہ تو درگزر پر ہے اسلیئے کہ وہ تمام جہان سے مستغنی ہے لیکن حقوق العباد سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے۔

دوسرا فائدہ اس آیت کی قرأت میں اختلاف ہے بعض تو مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ پڑھتے ہیں یعنی مالک میں میم کے بعد الف پڑھتے ہیں اور بعض مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ پڑھتے ہیں بغیر الف کے اور دونوں فریق وجوہ ترجیح بیان کرتے ہیں لیکن اولیٰ الف کے ساتھ ہے۔ **تیسرا فائدہ** مُلک سے مراد قدرت ہے تو مالک اور ملک ہونے سے بھی مراد قادر ہونا ہے۔ سو جب یہ مان لیا کہ وہ سچا مالک اور حقیقی بادشاہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ضرور وہ قیامت کے دن کا مالک ہے اسلیئے کہ مرنے کے بعد مخلوقات کے زندہ کرنے کی قدرت سوائے اللہ کے کسی میں نہیں ہے اور مُردوں کے جسموں کے متفرق اجزا کا علم بھی سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے اور جب حشر و نشر اور بعث و قیامت کا ہونا موقوف ہے اُس علم پر جو متعلق ہے تمام معلومات سے اور اُس قدرت پر موقوف ہے جو تمام ممکنات سے متعلق ہے تو ثابت ہوا کہ جزا کے دن کا مالک سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے **چوتھا فائدہ** اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سورت میں اپنے پانچ نام ذکر فرمائے ہیں۔ اللہ اور اَلرَّبُّ اور اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِیْمُ اور اَلْمَالِكُ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ گویا وہ فرماتا ہے کہ میں ہی نے اول تجھے پیدا کیا ہے اسلیئے میں ہی تیرا اِلٰہ (معبود) ہوں پھر طرح طرح کی نعمتوں سے میں نے تجھکو پرورش کیا اسلیئے میں تیرا رَبّ (پروردگار) ہوں پھر تو نے نافرمانی کی تو میں نے اُسپر پردہ ڈالدیا اور تیری پردہ پوشی کی اسلیئے میں تیرے لیئے رحمٰن (مہربان) ہوں پھر تو نے توبہ کی تو میں نے تیرا قصور معاف کر دیا اسلیئے میں تیرے لیئے رحیم (رحم کرنے والا) ہوں +

اِیَّاكَ نَعْبُدُ

اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** عبادت سے مراد وہ فعل ہے جو کسی کی تعظیم کی غرض سے کیا جاوے اور یہ ماخوذ ہے عرب کے اس قول سے طَرِیْقٌ مُّعَبَّدٌ یعنی معبد کے معنی مذلل جسکا مطلب ہوا ذلیل کیا ہوا یعنی مستعمل (اور باندھنے سے بھی ماخوذ ہے جیسے عرب کہتے ہیں نَاقَةٌ مُّعَبَّدَةٌ یعنی اونٹنی بندھی ہوئی اور اسی لیئے عَبْد کے معنی فارسی میں بندہ کے ہیں جو اصل میں بستہ تھا اور ہندی میں باندھا کہتے ہیں) اور ایاک نعبد کے معنی یہ ہوئے کہ سوا تیرے ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اس حصر کی دلیل یہ ہے (کہ جس چیز کا حق تاخیر ہو اُسکو مقدم بیان کیا جاوے تو یہ تقدیم فائدہ حصر کا دیتی ہے مثلاً مفعول بہ کا حق یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے بعد ذکر کیا جاوے اور پھر اسکو فاعل یا فعل وفاعل دونوں پر مقدم کیا جاوے بشرطیکہ جار و مجرور و ظرف نہو اور شعر کی مقام ضرورت میں بھی نہ واقع ہوا ہو تو اُس سے فائدہ حصر کا حاصل ہوتا ہے)

دوسرا فائدہ ایاک نعبد سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور جو کوئی سوائے خدا کے کسی اور کی عبادت کرے وہ مشرک ہے اور مشرکین کی بہت قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جنہوں نے معدنی مرکب جسموں کو خدا کا شریک ٹھیرایا یعنی پتھروں اور سونے اور چاندی وغیرہ کے بت بنالیے اور اُن کی پوجا کی۔ اور بعض وہ ہیں جنہوں نے نباتات کو خدا کا شریک قرار دیا یعنی درختوں کی پوجا کرنے لگے۔ اور بعض وہ ہیں جنہوں نے حیوانات کو خدا کا شریک قرار دیا۔ جیسے کہ بعض بچھڑے کو پوجنے لگے اور بعض وہ ہیں جنہوں نے آدمیوں میں سے خدا کا شریک ٹھیرایا جیسے کہ عزیر کو اور عیسیٰ کو لوگوں نے خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اور بعض وہ ہیں جنہوں نے بسیط اجسام کو معبود ٹھیرایا جیسے مجوس کہ اُنہوں نے آگ کی عبادت کرنی شروع کی۔ اور بعض وہ ہیں جنہوں نے اجسام علویہ کی

عبادت شروع کردی جیسے چاند سورج اور سوائے اُن کے اور ستارے کہ فرقہ صابئہ اور نجومی اُن کی پرستش کرتے ہیں اور سعادت اور نحوست اُنہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض وہ لوگ ہیں جنھوں نے اجسام کے سوا اور چیزوں کو خدا کا شریک ٹھیرایا اور وہ تین قسم ہیں۔ اوّل وہ جو نور اور ظلمت کو عالم کا مدبر قرار دیتے ہیں جیسے کہ فرقہ مَانَوِیَہ اور ثَنَوِیَہ دوم وہ ہیں جو ارواح فلکیہ کو ملائکہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر اقلیم کے لیئے علیحدہ روح نکلی ہے جو اُسکی تدبیر کرتی ہے۔ سوم وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ عالم کے دو خدا ہیں ایک خیر دوسری شر یعنی اس عالم کے دو مدبر ہیں ایک اللہ تعالیٰ جو کہ بھلائی کا خالق ہے اور دوسرا ابلیس ہے جو کہ خالق شر ہے اور یہ فرقہ بھی مجوس کی شاخ ہے اللہ کو یزدان کہتے ہیں اور ابلیس کو اہرمن کہتے ہیں **تیسرا فائدہ** یہ ضرور جاننا چاہیئے کہ عبادت اور عبودیت ایک مقام عالی اور شریف ہے اور کئی آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت وہ ہے جو سورہ حجر کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ اور اس آیت سے دو وجہ سے دلیل پکڑی جاتی ہے اول یہ کہ فرماتا ہے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ عبادت پر پابندی رکھو تا دم مرگ اسکا مطلب یہ ہوا کہ کسی صورت سے آپ کو جائز نہیں کہ عبادت میں کسی قسم کا خلل آنے دیں تو معلوم ہوا کہ عبادت بہت بڑا جلیل القدر اور عظیم الشان کام ہے دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول یہ خبر دی کہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا دل تنگ ہوتا ان کفار کی باتوں سے۔ اور پھر اللہ نے آپ کو چار چیزوں کا حکم دیا (۱) تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کا۔ (۲) تحمید یعنی اُسکی خوبیاں اور تعریف بیان کرنے کا (۳) سجدہ یعنی اسکے آگے ماتھا رگڑنے کا (۴) عبادت پر پابندی کرنے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت دل کی تنگی کو زائل کرتی ہے اور سینے کی کشادگی بخشتی ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ عبادت خلق سے ہٹا کے حق کی طرف پھیر دیتی ہے اور حق کی طرف متوجہ ہونا ہی سبب ہے دل کی تنگی دور ہونے کا۔ دوسری آیت عبودیت کے شرف و بزرگی میں یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی اگر عبودیت بہت بڑا عالی مقام نہ ہوتا تو معراج جیسے عالی منصب کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عبد (بندے) کے لفظ سے نہ یاد فرماتا اور جتنا عبادت کا درجہ ہوگا اتنا ہی اُس عبادت والے کا رتبہ ہو جتنا انبیاء کا ملکہ عبادت میں بڑا ہوا تھا اتنا ہی بڑا رتبہ اُن کو ملا یعنی منصب نبوت و رسالت اور چونکہ انبیا کی سی عبادت ہونی کسی سے ممکن نہیں اسی طرح نبوت اور رسالت کا رتبہ بھی کسی کو نہیں مل سکتا اور تمام انبیاء میں سب سے بڑھ کے مرتبہ ہمارے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور یہ کمال آپ کو کمال عبودیت سے حاصل ہوا ہے۔ تیسری آیت شرف عبودیت میں یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط یعنی عیسے علیہ السلام پیدا ہونے کے بعد اول کلمہ جو بولے ہیں وہ یہی کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی اسکی عبودیت کا دم بھرتا ہوں اور اُسی کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ ان کے اس کہنے کا ان کو دربار ایزدی سے یہ صلہ ملا وَرَافِعُکَ اِلَیَّ کیا ہی اعلیٰ درجہ کی عمدہ عنایت ہے جس طرح کی بلندی اور رفعت حاصل ہوئی۔ پھر جو زبان سے عبودیت کا سچا اقرار کرے وہ جنت میں بھیجا جاوے تو جو تمام برس تک عملی طور پر خلوص سے عبادت کریگا تو کیونکر جنت سے محروم رہے گا چوتھی آیت شرف عبودیت و عبادت میں یہ آیت ہے اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بعد توحید کے عبودیت کا حکم دیا اسلیئے

کہ توحید اصل ہے اور عبودیت فرع ہے اور توحید درخت ہے اور عبودیت اسکا پھل ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا قوام دوسرے کے ساتھ ہے اسلئے کہ درخت بے پھل کے بے سود ہے اور وجود پھل کا بدون درخت کے محال ہے یہاں سے بھی یہی ثابت ہوا کہ عبودیت کا بہت بڑا شرف ہے **چوتھا فائدہ** سب مقامات کا مجموعہ دو مقام میں ایک ربوبیت کی معرفت دوسری عبودیت کی معرفت اور ان دونوں کے حاصل ہونے کے وقت وہ عہد حاصل ہوتا ہے جسکا ذکر اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں کیا ہے وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ سو ربوبیت کی معرفت کا کمال تو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین میں مذکور ہے۔ اسلئے کہ بندہ کا اول عدم سے وجود میں آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا الٰہ (معبود) ہے اور خیرات اور سعادت کا حاصل ہونا حالت وجود میں اسباب کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ رب رحمٰن رحیم ہے۔ اور بندے کے احوال معاد اسباب پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ مالک یوم الدین ہے اور ان سب صفات پر حاطہ کرنے سے اعلیٰ درجہ کی معرفت ربوبیت کا کمال حاصل ہوتا ہے۔ اور معرفت ربوبیت کے بعد معرفت عبودیت کا درجہ ہے اور اس کا بھی ایک میدان ہے اور ایک اول اور آخر ہے۔ سو اسکا اول اور مبدا عبودیت میں مشغول ہوتا ہے اور یہی مراد ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے اور اسکا کمال اور آخر یہ ہے کہ بندہ بخوبی جان لے کہ بغیر اسکے کہ اللہ عصمت نصیب کرے اُسکی معصیت سے بچنا محال ہے اور جب تک اللہ توفیق نہ دے اُسکی اطاعت کے لیئے قوت حاصل نہیں ہو سکتی سو جب بندہ اس حالت کو پہنچتا ہے تو اپنے تمام مطالب کے حاصل کرنے کے لیئے اللہ سے استعانت چاہتا ہے اور یہی مراد ہے ایاک نستعین سے اور جب عہد ربوبیت اور عہد عبودیت دونوں کی وفا کرتا ہے تو فائدہ اور ثمرہ کی طلب اس پر مترتب ہوتی ہے اور یہی مراد ہے اھدنا الصراط المستقیم سے **پانچواں فائدہ** کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ الحمد سے یوم الدین تک تو غیبت کو استعمال کیا اور ایاک نعبد میں آخر تک غیبت سے خطاب کی طرف انتقال کیا تو اس میں کیا فائدہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اسکے مفید ہونے کی کئی وجہیں ہیں (۱) نمازی نماز کے شروع کے وقت اجنبی ہوتا ہے اسلئے مالک یوم الدین تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا غائب کے صیغوں سے کرتا ہے پھر گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُس سے کہتا ہے کہ تو نے میری حمد کی اور تو نے اسباب کا اقرار کیا کہ میں الٰہ رب رحمٰن رحیم اور مالک یوم الدین ہوں سو تو بہت اچھا بندہ ہے ہم نے تیرے سامنے سے حجاب اٹھا دیا ہے اور دوری کو قرب سے بدل دیا ہے اب تو ہم سے خطاب کر اور کہہ ایاک نعبد (۲) بہت اچھا سوال وہ ہے جو روبرو ہو دیکھو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جب کبھی اللہ سے کوئی سوال کیا تو روبرو جھکر مخاطب ہو کر سوال کیا چنانچہ کہا ربنا ظلمنا انفسنا اور ربنا اغفر لنا اور رب ھب لی اور رب ارنی اور اس کا سبب یہ ہے کہ سخی سے جب سامنے سوال کیا جاوے تو اُس سوال کا اُس سے رد کرنا بعید ہے اور نیز عبادت خدمت ہے اور خدمت روبرو اولیٰ ہے (۳) اول سورہ سے یوم الدین تک حمد و ثنا ہے اور حمد و ثنا غیبت میں اولیٰ ہے اور ایاک نعبد سے آخر تک دعا ہے اور دعا حضور میں اور روبرو ہو کر اولیٰ ہے (۴) جب نمازی نے دل میں یہ نیت کی کہ میں اس نماز سے اللہ کی نزدیکی اور تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں پھر اس نیت کے اثنا میں قسم قسم کی تعریف و حمد و ثنا اللہ کی کرتا ہے تو اللہ کا کرم اسباب کا تقاضا کرتا ہے کہ اُسکا ارادہ قبول کیا جاوے اور اُسکو نزدیکی عنایت کی جاوے تو مقام غیبت سے اسکو منتقل کر کے مقام حضور میں پہونچا دیتا ہے تب اسکی زبان سے بصیغہ خطاب

ایاک نعبد کی ضد انکلتی ہے۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اس میں بھی بہت فوائد ہیں لیکن یہاں پر دو فائدے ذکر کئے جاتے ہیں **پہلا فائدہ** یہ بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچنا اور دور ہونا ممکن نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ عصمت نصیب نکرے اور اسکی طاعت پر قوت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ توفیق نہ دے اور اس عصمت اور توفیق کا طلب کرنا یہی استعانت ہے اور یہ طلب عقل ونقل دونوں سے ثابت ہے۔ سو اُسکا ثبوت عقل کی رو سے کئی وجہ سے ہے اول یہ کہ جو قادر ہوتا ہے وہ جسطرح کسی کام کے کرنے پر قادر ہوتا ہے ویسا ہی اُسکے ترک پر قادر ہوتا ہے اور جب تک کوئی مرجح پیدا نہیں ہوتا تب تک ترجیح ثابت نہیں ہو سکتی اور وہ مرجح بندے کی طرف سے نہیں ہے ورنہ ہر وقت طلب کرتا رہتا تو ثابت ہوا کہ یہ مرجح اللہ ہی کی طرف سے ہے اور بندہ کسی کام کو نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ کی اعانت نہو دوسری یہ کہ سب لوگ سچا دین اور ٹھیک اعتقاد طلب کرتے ہیں اور قدرت اور عقل اور کوشش اور طلب میں سب برابر ہیں پھر اُن سب میں سے بعض کو جو حق کا ادراک ہوتا ہے اور باقیوں کو نہیں ہوتا تو یہ بات محض کسی اعانت کرنے والے کی اعانت ہوتی ہے اور وہ اعانت کرنے والا سوائے خدا کے دوسرا کوئی ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ اعانت کرنیوالا اگر بشر یا ملک ہوتا تو وہ بھی طالب ہی ہوتا تیسرے یہ کہ آدمی کبھی مدت دراز تک کسی چیز کو طلب کرتا رہتا ہے اور اُسکو حاصل نہیں کر سکتا پھر کبھی کسیوقت میں اسکو حاصل ہو جاتی ہے یا جس کام کو کرنا چاہتا ہے کرنہیں سکتا پھر تو اہی مدت کے بعد یہ حالت کا پیدا ہونا ممکن نہیں کہ بغیر کسی سبب اور داعیہ کے ہو جو اُسکو بالجزم اُس فعل پر آمادہ کرے سو اُس داعیہ کا دل میں ڈالنا اور اُسکے معارض اور مخالف دواعی کو نکالنا سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ہو سکتا اور یہی معنی اعانت کے ہیں۔ اور نقلی ثبوت بہت آیتوں سے ہے منجملہ ان کے یہی آیت ایاک نستعین ہے اور استعینوا باللہ ہے اور جبریہ اور قدریہ اس آیت سے عجب کشاکش میں ہیں جبری تو یہ کہتے ہیں کہ اگر بندہ بالاستقلال کوئی فعل کر سکتا ہے تو اسپر استعانت (مدد طلب کرنا) عبث ہے اور قدری یہ کہتے ہیں کہ جب تک فی الجملہ بندہ کسی فعل پر قادر ہی نہیں تو استعانت بیکار ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ قدرت فعل میں اثر نہیں کرتی مگر داعیہ جازمہ کے ساتھ اور جو اعانت مطلوب ہے اس سے مراد یہی ہے کہ داعیہ جازمہ پیدا کیا جاوے اور داعیہ صارفہ زائل کیا جاوے **دوسرا فائدہ** کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ استعانت (مدد طلب کرنا) کسی کام کے لئے اُس کام کے شروع کرنے سے پہلے زیبا ہے اور یہاں ایاک نعبد کو ذکر کیا پھر اُسکے بعد ایاک نستعین کو ذکر کیا تو اس میں کیا حکمت ہے۔ تو اسکا جواب کئی طرح سے ہے (۱) گویا نمازی کہتا ہے کہ عبادت میں نے شروع تو کر دی ہے لیکن اُسکے اتمام کے لیے میں تجھ سے مدد چاہتا ہوں سو تو اُسکے اتمام سے مجھکو مت روک موت سے یا مرض سے یا دواعی کے بدل دینے سے۔ (۲) گویا آدمی کہتا ہے کہ یا الٰہی میں اپنی ذات سے حاضر تو ہو گیا ہوں لیکن میرا دل میرے قابو میں نہیں ہے تو میں اُسکے حاضر رکھنے میں تجھ سے مدد چاہتا ہوں اور یہ بات کیونکر صحیح نہو حالانکہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کا دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں میں ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی اعانت کے انسان اپنے دل کو حاضر نہیں کر سکتا (۳) بندہ کہتا ہے کہ میں تیری اعانت کے سوا اور کسی کی اعانت نہیں چاہتا نہ جبرئیل کی نہ میکائیل کی بلکہ صرف اکیلا تجھی کو چاہتا ہوں اور میں اس طریق میں خلیل (ابراہیم) علیہ السلام کی اقتدا کرتا ہوں اسلئے کہ جب نمرود نے

آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر آپ کو آگ میں ڈالدیا تھا تو آپ کے پاس جبرئیل آئے اور کہا کہ تمکو کچھ حاجت ہے تو انہوں نے کہا کہ تمہاری طرف تو کوئی حاجت نہیں۔ تو کہا کہ اُس سے سوال کر تو کہا کہ سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں فقط اُسکا میرے حال کو جاننا ہی کافی ہے۔ بلکہ اس بارے میں میں خلیل سے بھی کچھ زیادہ مقید ہوتا ہوں اسلیئے کہ اُن کے تو صرف ہاتھ پاؤں ہی باندھے گئے تھے۔ اور میں نے تو اپنے پاؤں کو بدھ دیا سو چل نہیں سکتا اور ہاتھ باندھ دیئے انہیں ہلا نہیں سکتا اور آنکھوں کو باندھ دیا سو کسی طرف دیکھ نہیں سکتا اور کانوں کو باندھ دیا کچھ سُن نہیں سکتا اور زبان کو باندھ دیا اُس سے کچھ بول نہیں سکتا اور خلیل نمرود کی آگ کو دیکھ رہے تھے اور میں جہنم کی آگ کو دیکھ رہا ہوں سو جس طرح خلیل علیہ السلام نے تیرے سوا کسی معین (مددگار) کو پسند نہیں کیا اسی طرح میں بھی تیرے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا سو تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ سو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو نے خلیل سے زیادہ اپنے آپ کو مقید کیا اسلیئے ہم بھی تمہاری جزا میں زیادتی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہاں تو ہمنے کہا تھا یا نار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم اور تجھکو تو ہمنے دوزخ سے نجات دی اور جنت میں پہونچا دیا اور اس پر زیادتی یہ ہے کہ تجھکو کلام قدیم کا سماع اور موجود قدیم کا دیدار عنایت کیا تو جس طرح ہمنے نمرود کی آگ سے کہا کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم اس طرح دوزخ کی آگ تجھ سے کہے گی جُز یا مُؤمِنُ فَقَدْ اَطْفَاَ نُوْرُكَ لَهَبِيْ یعنی اے مومن جلدی پل صراط سے پار ہو جا کہ تیرے نور نے میرے شعلہ کو بجھا دیا ہے۔

(۴) ایاک نستعین کے معنی یہ ہیں کہ سوائے تیرے ہم کسی سے مدد نہیں چاہتے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ تیرے سوا دوسرا میری اعانت جب کر سکتا ہے کہ تو اُسکی اعانت کرے میری مدد کے لیئے سو جب غیر کی اعانت سوائے تیری اعانت کے پوری نہیں ہو سکتی اسی لیئے ہم اس واسطہ کو بیچ میں سے دور کرتے ہیں اور صرف تیری ہی اعانت کو کافی سمجھتے ہیں (۵) ایاک نعبد کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے ذریعہ سے نفس کو بہت بڑا رتبہ ملا اور اس سے گھمنڈ اور غرور کے پیدا ہونے کا خوف ہوتا ہے اسی لیئے اسکے بعد کہتا ہے ایاک نستعین تاکہ معلوم ہو کہ وہ رتبہ جو عبادت کے سبب سے حاصل ہوا ہے اُسمیں بندے کی قوۃ کا کچھ کام نہیں تھا بلکہ محض اللہ کی اعانت سے حاصل ہوا۔ سو ایاک نستعین کے ذکر کرنے سے مقصود عُجب (گھمنڈ) کا زائل کرنا اور نخوت اور کبر کو فنا کرنا ہے +

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ +

اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نمازی ضرور مومن ہوتا ہے اور مومن ضرور ہدایت والا ہے پھر جب وہ ہدایت پا چکا ہے تو پھر ہدایت کا طلب کرنا تحصیل حاصل ہے اور یہ محال ہے تو اسکا جواب کئی وجہ سے ہو سکتا ہے لیکن منجملہ اُن سب کے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے مانا کہ نماز ہدایت ہے لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے ارکان سب نماز ہی میں منحصر ہیں پھر صرف ادائے اعمال ظاہرہ ہی میں ہدایت منحصر نہیں یقین قلبی اسکے ارکان میں سے ہے اس لیئے نمازی کا مطلب ہدنا الصراط المستقیم سے یہ ہے کہ جس ہدایت میں ہوں اُسپر ثابت قدم رکھ اور باطن کو ظاہر کے مطابق کر جو ارکان ہمکو معلوم نہیں وہ ہمکو بتا اور جو معلوم ہیں اور ہم اُن پر چل نہیں سکتے اُنپر ہمکو چلا۔ **دوسرا فائدہ** کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نماز پڑھنے والا ایک ہوتا ہے جو وحدت صوری یا معنوی میں اکیلا خدا سے خطاب کرتا ہے اس بنا پر اھدنی ضمیر واحد متکلم کے ساتھ کہنا مناسب تھا نہ اھدنا ضمیر جمع متکلم سے۔ سو اسکا جواب

ئی طرح سے ہے بجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ دعا جہاں تک عام ہوتی ہے وہیں تک زیادہ مقبولیت کی مستحق ہوتی ہے نیز خدا کے بندوں کی دعائیں جامع اور غیروں کے شامل کرنے والی ہوتی ہیں جیسے کہ سورہ فرقان کے آخر میں عباد الرحمن کی دعائیں مذکور ہیں۔ اور نیز جب لفظ الحمد للہ میں سب حمد کرنے والے شامل ہیں تو دعا میں بھی سب کو شامل رکھنا چاہیئے

تیسرا فائدہ علم ہندسہ میں یہ بات مقرر ہے کہ خط مستقیم وہ سب سے چھوٹا خط ہے جو دو نقطوں کو ملا دے تو حاصل یہ ہوا کہ خط مستقیم تمام ٹیڑھے خطوں سے چھوٹا ہوتا ہے تو گویا بندہ کہہ رہا ہے کہ یا الٰہی مجھکو خط مستقیم دکھا اور اسکی کئی وجہیں ہیں۔ (۱) وہ سب خطوں سے زیادہ قریب اور سب سے چھوٹا ہے اور میں عاجز ہوں میرے حال کے لائق سوائے طریق مستقیم کوئی چیز مناسب نہیں (۲) دو نقطوں کے ملانے والے تمام خطوط میں خط مستقیم ایک ہی ہوتا ہے اور سب کج خط ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور خط مستقیم سے کوئی خط غیر مستقیم مشابہت نہیں رکھتا اس لیئے طریق مستقیم خوف سے دور اور امن سے بہت قریب ہے (۳) خط مستقیم منزل مقصود کو یقیناً پہونچاتا ہے اور کج خط بالیقین منزل مقصود کو نہیں پہونچاتا (۴) خط مستقیم متغیر نہیں ہوتا اور غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے۔ سو ان ہی اسباب کی وجہ سے بندہ صراط مستقیم کا طالب ہوتا ہے ✦

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ✦

اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** نعمت وہ منفعت ہے جو غیر کو پہونچائی جاتی ہے بطور احسان کے اور اس نعمت کی کئی شاخیں ہیں اول یہ کہ مخلوقات کو جو منافع پہنچتے ہیں اور جو جو ضرر ان سے دور ہوتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما بکم من نعمة فمن اللہ یعنی تمام قسمیں نعمت کی اللہ ہی کی طرف سے ہیں خواہ اسی کی ایجاد سے ہوں یا بندوں کی ایجاد سے ہوں اور سبب اُن کا وہی ہے یا نعمت ثواب اعمال ہو دوم یہ کہ پہلی نعمت اللہ کی بندوں پر یہ ہے کہ اُس نے اُن کو زندہ پیدا کیا ہے اور یہ بات عقل اور نقل سے بخوبی ثابت ہے عقلی دلیل یہ ہے کہ کوئی چیز نعمت نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُس سے نفع اٹھانا ممکن ہو اور بغیر زندہ ہونے کے نفع اٹھانا محال ہے اس لیئے کہ جمادات اور میت کسی چیز سے کچھ نفع نہیں اٹھا سکتے اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ اصل سب نعمتوں کی زندگی ہے وبس۔ اور نقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ اور اسکے بعد فرمایا ہُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا سو اول زندگی کو ذکر کیا جو سب نعمتوں کی جڑ ہے پھر اسکے بعد اُن اشیاء کا ذکر کیا جنسے نفع اٹھایا جا سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اسمیں اختلاف ہے کہ اللہ کا انعام کافر پر بھی ہے یا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیوی نعمتیں بیشک اللہ نے اُن پر کی ہیں لیکن نعمت ایمان ان کو نصیب نہیں ہوئی **دوسرا فائدہ** یہ آیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے اس طرح پر کہ نمازی کہتا ہے یا اللہ تو ہمکو وہ راہ بتا جسپر وہ لوگ تھے جن پر تو نے انعام کیا اور جن پر انعام کیا گیا اُن کا ذکر اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین الآیۃ اور اس میں شک نہیں کہ صدیقوں کے سردار اور رئیس ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تو گویا اللہ ہمکو حکم دے رہا ہے کہ ہم اُس سے وہ ہدایت طلب کریں جس پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور باقی صدیقین وغیرہم اور اگر ابو بکر ظالم ہوتے تو اُن کی اقتدا جائز نہوتی تو جو ہمنے ذکر کیا ہے اُس سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ابو بکر صدیق رضی کی امامت پر دلالت کرتی ہے

تیسرا فائدہ لفظ انعمت علیہم میں ہر طرح کی نعمت والے داخل ہیں خواہ دنیوی نعمت والے ہوں خواہ دینی نعمت والے ہوں لیکن اسجگہ سوائے نعمت ایمان والوں کے اور کوئی داخل نہیں بدلیل سیاق وتفسیر ضمیر علیہما

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؐ

اس میں کئی فوائد ہیں **پہلا فائدہ** مشہور ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من لعنہ اللہ وغضب علیہ اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل لیکن یہود ونصاریٰ میں حصر نہیں بلکہ مراد یہود سے وہ قومیں ہیں جو جانکر تکبر یا طمع دنیوی کی غرض سے حق پرستی کو چھوڑیں اور نصاریٰ سے مراد وہ قومیں ہیں جو راہ ہدایت سے بالکل واقف نہیں لیکن اُن کو راہ ہدایت کی تلاش بھی نہیں۔ **دوسرا فائدہ** جنپر اللہ تعالیٰ نے گمراہی کا حکم لگا دیا ہے اُن کا مومن ہونا محال ہے ورنہ اللہ کی سچی خبر منقلب ہو جائیگی اور جھوٹ بن جائیگی اور یہ محال ہے اور جو محال تک پہونچا دے وہ بھی محال ہے **تیسرا فائدہ** اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے انبیا اور ملائکہ علیہم السلام میں سے کسی سے مخالفت حق کی صادر نہیں ہوتی کیوں کہ اگر صادر ہوتی تو گمراہ ہونا پایا جاتا اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اور جب اُن کا گمراہ ہونا ثابت ہوا تو اُن کی اقتدا نا جائز ٹھیرے گی اور اُن کا انعمت علیہم سے خارج ہونا بھی لازم آئے گا حالانکہ یہ سب باطل ہیں تو بالیقین ثابت ہوا کہ ملائکہ اور انبیا علیہم السلام معصوم ہیں۔ **چوتھا فائدہ** اگر غضب کے یہ معنی ہیں کہ دل کا خون جوش میں آتا ہے انتقام لینے کی خواہش سے تو اس بات کو ہم اللہ تعالیٰ کے لیئے ثابت نہیں کر سکتے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے ضرر پہونچانے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس رحمت اور فرح اور سرور اور حیا اور غیرت اور مکر اور خداع اور تکبر اور استہزا ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں۔ **پانچواں فائدہ** سورۃ کے شروع میں اللہ کی حمد وثنا اور مدح ہے اور سورۃ کے آخر میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو اللہ کے ذکر وطاعت سے روگرداں ہیں تو معلوم ہوا کہ بھلائیوں اور سعادتوں کا مطلع اور عنوان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور آفتوں اور خوفوں کا مطلع اور سر اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنا ہے اور اُسکی اطاعت اور بندگی سے دور ہونا اور اُسکی خدمت سے گنارہ کشی کرنا ہے۔ **چھٹا فائدہ جامعہ** سورۂ فاتحہ کی آیتیں سات ہیں اور نماز کے جتنی اعمال بھی سات ہیں یعنی قیام اول اور رکوع اور قیام بعد الرکوع اور سجدہ اولیٰ اور جلسہ بین السجدتین اور سجدہ ثانیہ اور قعدہ سو جتنی آیتیں فاتحہ کی ہیں اتنے ہی ارکان نماز کے ہوئے اور یہ ارکان بطور جسم کے ہیں اور فاتحہ اُن کے لیئے بطور روح کے ہے اور کمال اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب جسم اور روح دونوں اکٹھے ہوں۔ سو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مقابل میں قیام اول کے ہے دیکھو بے بسم اللہ کی جب بسم اللہ سے متصل ہوئی تو کھڑی اور بلند ہو گئی۔ اور نیز بسم اللہ کاموں کے شروع کے لیئے مشروع ہے چنانچہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل امر ذی بال لا یبدا فیہ ببسم اللہ فھو ابتر اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلے اور نیز قیام بھی کاموں کے شروع کرنے کے لیئے ہوتا ہے تو بسم اللہ اور قیام میں مناسبت حاصل ہوئی۔ اور الحمد للہ رب العالمین رکوع کے مقابل میں ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ بندہ حمد کے مقام حق اور خلق دونوں کی طرف دیکھتا ہے اس لیئے کہ حمد کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ثنا کرنا اُس انعام کے سبب سے

جو اس سے صادر ہوئے تو بندہ اس حالت میں منعم اور نعمت دونوں کو دیکھ رہا ہے تو یہ حالت متوسط ہوئی اعراض اور استغراق میں اور رکوع بھی حالت متوسط ہے قیام اور سجدہ میں اور نیز حمد بہت نعمتوں پر دلالت کرتی ہے اور بہت نعمتیں پیٹھ پر بوجھ ڈالتی ہیں اس لیے جھک جاتی ہے۔ اور الرحمٰن الرحیم مقابل میں ہے قیام بعد رکوع کے اس لیے کہ جب بندہ حالت رکوع میں اللہ کے سامنے تضرع زاری کرتا ہے تو اُسکی رحمت کا مقتضا یہ ہے کہ پھر اُسکو کھڑا کر دے۔ اور مالک یوم الدین مقابل میں سجدہ اولیٰ کے ہے اس لیے کہ کمال قہر اور جلال اور کبریا پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات سخت خوف کا باعث ہے تو ایسے وقت میں کمال عاجزی اور ذلت اور زاری کرنی چاہیئے اور یہ بات سجدہ میں ہے۔ اور ایاک نعبد و ایاک نستعین مقابل میں ہے جلسہ بین السجدتین کے اس لئے کہ ایاک نعبد سجدہ اولیٰ کی خبر دے رہا ہے اور ایاک نستعین میں خدا سے اعانت طلب کرتا ہے کہ اسکو دوسرے سجدہ کے لیئے توفیق دے۔ اور اھدنا الصراط المستقیم مقابل میں ہے سجدۂ ثانیہ کے اسلیئے کہ اس میں بہت اہم اور ضروری چیزوں کا سوال ہے اور یہ سجدہ بھی کمال و نہایت خشوع و خضوع پر دلالت کرتا ہے جو کہ مناسب سوال کے ہے صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین مقابل میں ہے قعدۂ تشہد کے اس لیئے کہ جب بندہ نے کمال طور سے عاجزی اور تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے اُسکا مقابلہ اکرام سے کیا یعنے اُسکو حکم دیا کہ تو میرے سامنے بیٹھ جا اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے بندہ پر تو اُسکی مناسبت انعمت علیہم سے بہت ہی سخت ہے اور محکم ہے۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب معراج ہوئی اور دربار الٰہی میں مرتبہ قاب قوسین میں بیٹھے تب اُنہوں نے التحیات للہ والصلوٰت والطیبات الخ پڑھا تو ثابت ہوا کہ نماز بھی معراج المومنین ہے اور فاتحہ نماز کی روح ہے اس سے ثابت ہوا کہ بغیر فاتحہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی اور نہ مقتدی کی اور نہ منفرد کی **ساتواں فائدہ** سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ناموں پر شامل ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے احوال کے مراتب پانچ ہیں (۱) پیدائش (۲) تربیت باعتبار مصالح دنیویہ (۳) تربیت باعتبار معرفت مبدا (۴) تربیت باعتبار معرفت معاد (۵) عالم مبدا سے نقل کر کے عالم معاد کی طرف منتقل کرنا۔ سو اسم اللہ مقابل میں مرتبہ اول یعنی پیدائش کے ہے۔ اور اسم الرب مقابل میں مرتبہ دوم یعنی تربیت باعتبار مصالح دنیویہ کے ہے۔ اور اسم الرحمٰن مقابل میں مرتبہ سوم یعنی تربیت باعتبار معرفت مبدا کے ہے۔ اور اسم الرحیم مقابل میں مرتبہ چہارم یعنی تربیت باعتبار معرفت معاد کے ہے اور اسم مالک مقابل میں ہے مرتبہ پنجم یعنے عالم مبدا سے عالم معاد کی طرف منتقل کرنا۔ تو جب بندہ اُن مقامات کے مکاشفہ کو طے کرتا ہے تو کلام حالت غیبت سے حالت حضور و خطاب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جبھی کہتا ہے ایاک نعبد گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تو نے اُن پانچوں اسموں سے نفع اُٹھایا اور دار جزا کی طرف منتقل ہوا تو تو ایسے مرتبہ کو پہنچا کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے تو اس حالت میں تو اُس سے کلام کر مشاہدے کے طور پر نہ غیبت کے طریق پر سو کہہ ایاک نعبد و ایاک نستعین گویا کہ عبارت اس طرح پر ہے ایاک نعبد لانک اللہ الخالق و ایاک نستعین لانک الرب الرازق ایاک نعبد لانک الرحمٰن و ایاک نستعین لانک الرحیم ایاک نعبد لانک المالک و ایاک نستعین لانک المالک ٭

سُورۃُ البقرۃ

الٓمّٓ اس آیت میں دو مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** ترمذی وغیرہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) میں سے ایک حرف پڑھے گا اسکو ثواب ملیگا اور وہ ثواب دس گنے ہوگا میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے الخ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی حروف سے مرکب ہے۔ **دوسرا مسئلہ** الٓمّٓ و دیگر حروف مفردہ میں جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں اختلاف ہے بعض کا قول یہ ہے کہ یہ علم مستور اور محجوب ہے اللہ نے اسکو اپنے ہی لیئے خاص کر رکھا ہے سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دوسرا کوئی شخص اسکو جان نہیں سکتا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہر آسمانی کتاب میں ایک نہ ایک بھید ہوا کرتا ہے اور قرآن میں اسکا بھید وہ حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے شروع میں واقع ہوئے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہر کتاب کا کوئی کوئی خلاصہ ہوتا ہے اور اس کتاب کا خلاصہ حروف تہجّی ہیں۔ اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ علم بمنزلہ دریا کے ہے پھر اس سے ایک ندی نکالی گئی پھر اُس ندی سے ایک نہر نکالی گئی پھر اُس نہر سے نالا نکالا گیا پھر اُس نالے سے نالی نکالی گئی۔ اگر نالے کی طرف ندی چھوڑ دی جاوے تو اسے ڈبو دے گی اور بگاڑ دے گی اور ندی کی طرف دریا بہا دیا جاوے تو اُسے ڈبو دیگا اور بہا دیگا۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا سو علم کے دریا اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اُن میں سے پیغمبروں کو ندّیاں نصیب کیں پھر پیغمبروں نے اُن ندیوں میں سے علما کی طرف نہریں بہائیں اور علمانے زیادہ لیاقت والے عوام کی طرف نالے چھوڑے اور اُن عوام نے اپنے اہل وعیال کی طرف نالیاں چھوڑیں غرض ہر ایک نے اپنے ماتحت والوں کی طرف اُسقدر چھوڑا جسقدر اُن میں سکت دیکھی چنانچہ ایک (موضوع) حدیث میں آیا ہے للعلماء سر وللخلفاء سر وللانبياء سر وللملائكة سر ولله من بعد ذلك كله سر فلو اطلع الجهال على سر العلماء لابادوهم ولو اطلع العلماء على سر الخلفاء لنابذوهم ولو اطلع الخلفاء على سر الانبياء لخالفوهم ولو اطلع الانبياء على سر الملائكة لاتهموهم ولو اطلع الملائكة على سر الله تعالى لطاحوا حائرين بائدين وبائرين اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ ضعیف عقلیں قوی اسرار کی برداشت نہیں کر سکتیں جیسے کہ سورج کی روشنی کو چمگادڑوں کی آنکھیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ جب انبیا کو بہت بڑی عقلیں دی گئیں تب وہ اسرار نبوت کی برداشت کرنے پر قادر ہوئے اور علما کو جب زیادہ عقلیں دی گئیں تب وہ اُن اسرار کے برداشت کرنے پر قادر ہوئے جنکی برداشت کرنے سے عوام عاجز تھے۔ اور اسی طرح علما باطن یعنی حکما کی عقلیں زیادہ کردی گئیں تو وہ اُن اسرار کے برداشت کرنے پر قادر ہوئے جنسے علما ظاہر عاجز تھے۔ اور امام شعبی (تابعی) سے ان حروف کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ خدا کا بھید ہے اسکی تلاش میں مت پڑو۔ اور ابو ظبیان نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اُنہوں نے کہا کہ علما ان حروف کے سمجھنے سے عاجز آگئے ہیں اور حسین بن الفضل کہتے ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہیں۔ لیکن علمائے متکلمین نے اس قول سے انکار کیا اور کہا کہ ہرگز قابل تسلیم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی ایسی چیز وارد ہو جو مخلوق کی سمجھ میں نہ آسکے اور اس تو سمجھ

وہ عقلی اور نقلی دلیلیں پیش کرتے ہیں منجملہ نقلی دلائل کے چودہ آیتیں ہیں پہلی آیت یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا اللہ تعالیٰ لوگوں کو قرآن میں غور کرنے کا حکم دیتا ہے پھر اگر اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو سمجھ ہی میں نہیں آتی تو پھر اس میں غور کرنے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے۔ دوسری آیت یہ ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا جب قرآن میں غیر مفہوم چیزیں ہیں تو تناقض اور اختلاف اس میں نہونے کی معرفت کے لیئے کیونکر اس میں غور کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اسلیئے کہ غور و فکر اس میں کیا جاتا ہے جسکے سمجھ میں آنے کی توقع ہو تیسری آیت یہ ہے وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ جب سمجھ میں نہیں آسکتا تو رسول کا اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ڈرانا بالکل باطل ہے اور لفظ بلسان عربی مبین اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لغت عرب میں اترا ہے اور جب ایسا ہے تو اسکا سمجھ میں آنا ضروری ہوا۔ چوتھی آیت یہ ہے لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ اور جب تک اسکے معنوں پر احاطہ نہو گا اس سے استنباط کرنا ممکن نہیں پانچویں آیت یہ ہے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ اور مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ چھٹی آیت یہ ہے ھُدًی لِّلنَّاسِ اور ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ اور غیر معلوم چیز ہدایت نہیں ہو سکتی۔ ساتویں آیت یہ ہے حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ اور شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اور یہ سب صفات غیر معلوم چیز سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ آٹھویں آیت یہ ہے قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ نویں آیت یہ ہے اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اور جو کتاب سمجھ میں نہیں آسکتی وہ کیونکر کافی ہو سکتی ہے اور کیونکر وہ جب نصیحت ہو سکتی ہے دسویں آیت یہ ہے ھٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ جو چیز غیر معلوم ہے وہ کیونکر بلاغ بن سکتی ہے اور کیونکر اسکے ذریعہ سے خوف دلانا ممکن ہے اور ایک آیت یوں ہے وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ لیکن ایسا وہ جب ہو سکتا ہے کہ معلوم ہو۔ گیارہویں آیت یہ ہے قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا برہان اور نور مبین اسوقت ہو سکتی ہے کہ معلوم ہو بارہویں آیت فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا اور جو چیز معلوم ہی نہیں اس سے اعراض کرنا یا اسکی پیروی کرنی کیونکر ممکن ہے تیرہویں آیت اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ اور جو چیز معلوم نہیں ہو سکتی وہ ہادی کیونکر ہو سکتی ہے۔ چودہویں آیت اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا تک اور جب تک فہم میں نہ آئے اطاعت کرنا ممکن نہیں۔ تو ضرور ہوا کہ تمام قرآن مفہوم ہے اور منجملہ نقلی دلائل کے یہ حدیث ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وسنتی پھر کیونکر ممکن ہے کہ قرآن کے ساتھ چنگل ماریں جبکہ وہ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علیکم بکتاب اللہ فیہ نبا ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغ الھدٰی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین والذکر الحکیم والصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تشبع منہ العلماء ولا یخلق علی کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ من قال بہ صدق ومن حکم بہ عدل ومن خاصم بہ فلج ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم۔

اور عقلی دلائل بھی اس بارے میں بہت ہیں اول یہ ہے کہ جو چیز کسی صورت سے سمجھ میں نہ آسکتی ہو اسکے ساتھ خطاب کرنا

ایسا ہے جیسے کسی عربی آدمی سے زنگی بولی بولنا جب وہ جائز نہیں تو یہ بھی جائز نہیں۔ دوم یہ کہ مقصود کلام کرنے سے سمجھانا ہوتا ہے اور جب کلام سمجھ میں نہ آئے تو ایسا کلام بولنا عبث اور حماقت ہے اور حکیم کی شان کے لائق نہیں سوم یہ کہ قرآن مجید کے بارے میں تحدی (دعویٰ بابلاغت و احکمت ہونے کا) واقع ہوئی ہے اور جو چیز نامعلوم ہو اس کے ساتھ تحدی کرنی ہرگز جائز نہیں۔ متکلمین کے یہی دلائل تھے جو سب کے سب بیان کردیئے گئے اور قول اول والے جو انکے مخالف ہیں انہوں نے بھی آیت اور حدیث اور معقول سے حجت پکڑی ہے۔ آیت سے اس طرح دلیل پکڑی ہے کہ قرآن میں بعض متشابہات بھی ہیں اور وہ غیر معلوم ہیں اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ط اور اس جگہہ وقف یعنے آیت رکھنا کئی وجہ سے واجب ہے اول یہ کہ اگر وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا عطف اِلَّا اللّٰهُ پر ہے تو یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ بالکل کلام منقطع ہو جائیگا ماقبل سے کچھ لگاؤ نہ رہے گا اور یہ بالکل ناجائز ہے اور کلام لچر رہے گا اور حال واقع ہو نہیں سکتا تو مجموع ماسبق کی طرف اسکا رجوع ہو گا تو اس سے لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا اور یہ کفر ہے دوسری یہ کہ اگر راسخین فی العلم اسکی تاویل جانتے تو ایمان بالمتشابہ کے ساتھ انکو مخصوص کرنا بلا وجہ ہوگا اسلیئے کہ اگر دلالت کے ذریعہ سے اسکو جان لیا تو وہ ایمان بالمحکم ہوا نہ ایمان بالمتشابہ تو اور لوگوں پر اس ایمان کی وجہ سے انکو کچھ فوقیت حاصل نہوئی تیسری یہ کہ اگر اسکی تاویل کا جاننا واجب تھا تو اسکی تاویل کی حقیقت کا طلب کرنا موجب مذمت نہوتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسکی مذمت بیان فرمائی ہے چنانچہ فرماتا ہے فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ اور ایک (موضوع) حدیث اس حجت کی تائید میں وارد ہوئی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے ان من العلم کھیئۃ المکنون لایعلمہ الا العلماء باللہ فاذا نطقوا بہ انکرہ اهل العزۃ باللہ اور صحابہ کبار سے بھی مروی ہے کہ سور کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان کے معنی معلوم نہیں تو ضرور ہوا کہ یہ بات حق ہو اسلیئے کہ (بسند ضعیف) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جن جن افعال کی ہمکو شارع کی طرف سے تکلیف دی گئی ہے اُن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ افعال ہیں جنکی حکمت ہم فی الجملہ اپنی عقلوں سے سمجھ سکتے ہیں جیسے نماز اور زکوۃ اور روزہ۔ اسلیئے کہ نماز محض تواضع اور زاری ہے خالق کے سامنے۔ اور زکوۃ میں فقیر کی محتاجی دور کرنے کی کوشش پائی جاتی ہے اور روزہ میں شہوت کے توڑنے کی کوشش ہے اور ایک قسم دوم افعال ہیں کہ جنکی حکمت کی وجہ ہم نہیں جان سکتے جیسے کہ افعال حج میں کہ ہم اپنی عقلوں سے نہیں جان سکتے کہ جمرونکو کنکریاں مارنے میں اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے میں اور کعبہ کے گرد طواف کرنے کی حالت میں رَمَل (کود کود کر چلنے) میں اور اِضْطِبَاع (سیدھی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر چادر کے ایک طرف کو ڈالنے) میں کونسی حکمت ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ محققین نے اسبات پر اتفاق کیا ہے کہ جسطرح قسم اول کے ساتھ خدا کا لوگوں کو مکلف کرنا زیب دیتا ہے اسی طرح دوسری قسم کا حکم دینا بھی زیبا ہے اسلیئے کہ قسم اول میں اطاعت کرنا کمال فرمانبرداری پر دلالت نہیں کرتا اسلیئے کہ محکوم نے اسکی حکمت معلوم کرلی ہو اور اپنی ذات کا نفع دیکھ کے اس کام کو کیا ہو۔ لیکن دوسری قسم کے حکم کی اطاعت کرنے میں یہ احتمال نہیں ہو سکتا بلکہ کمال تابعداری اور پوری تسلیم پر دلالت کرتا ہے اسلیئے کہ اس میں کوئی ذاتی مصلحت اور منفعت اسکو معلوم نہیں ہوئی جسکی طمع سے اطاعت بلکہ محض انقیاد اور تسلیم کی وجہ سے تعمیل حکم کی۔ تو جب افعال میں یہ صورت جائز ہوئی تو اقوال

میں کیوں جائز نہوگی بایں طور کہ اللہ ہمکو کبھی ایسی چیز کے پڑھنے کا حکم دے جسکے معنی ہم سمجھ سکیں اور کبھی ایسی چیز کے پڑھنے کا حکم دے جسکا مطلب ہم نہیں سمجھ سکتے بلکہ ایسا حکم دینے سے مقصود صرف یہی ہو کہ محکوم حاکم کا حکم مانتا ہے یا نہیں اور اسکے سامنے سر تسلیم ہے یا نہیں بلکہ یہاں ایک اور وجہ بھی ہے کہ آدمی جب بعض چیز کے معنے سے واقف ہو جاتا ہے تو اُسکے دل سے اُسکی وقعت جاتی رہتی ہے اور اگر اُسکے معنی سے واقف نہو سکا اور یہ جانتا ہے کہ اسکا حکم دینے والا احکم الحاکمین ہے تو اسکا دل ہمیشہ اُس حکم میں متفکر رہتا ہے اور اصل مقصود تکلیف دینے کا یہی ہے کہ آدمی کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور اُسکے کلام میں غور کرتا رہے اسلیئے کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندے کے دل کو اُس غیر معلوم المعنی چیز کی طرف مشغول کر رکھا ہے کہ ہمیشہ اُسی کی طرف اُسکا ذہن متوجہ رہتا ہے اس میں بندے کے حق میں بہت بڑی عمدہ مصلحت ہو اسی لیئے اللہ نے اُسکو مکلف کر رکھا ہے۔ یہاں تک فریقین کی بحث کا خلاصہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان فواتح (حروف مقطعات) کے معنی معلوم ہیں پھر ان لوگوں نے بھی اُن کے معانی میں اختلاف کیا ہے کئی وجہ سے اول یہ کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اور یہی قول ہے اکثر متکلمین کا اور خلیل اور سیبویہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ قفّال کہتے ہیں کہ عرب نے ان حروف کے ساتھ بہت چیزوں کے نام رکھے ہیں۔ حارثہ الطائی کے والد کا نام لام رکھا ہے اور تانبے کا نام صاد اور نقد کا نام عین رکھا ہے اور بادل کا نام غین اور ایک پہاڑ کا نام جبل قاف ہے اور مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ یا کھیعص یا حم عسق کہا کرتے تھے۔ سوم یہ کہ یہ اللہ کے ناموں کے ٹکڑے ہیں۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ الر حم ن کا مجموعہ اسم الرحمٰن ہے لیکن ہم باقی حرفوں میں ترکیب کا طریقہ نہیں جانتے چہارم یہ کہ قرآن کے نام ہیں اور یہ قول کلبی اور سُدّی اور قتادہ کا ہے۔ پنجم یہ کہ ہر ایک ان حروف میں سے اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور کسی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں الٓمٓ میں الف کا یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احد اول آخر ازلی ابدی ہے اور لام کا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ لطیف ہے اور میم کا یہ اشارہ ہے کہ وہ ملک مجید منان ہے۔ اور کھیعص کے بارے میں کہا ہے کہ اسمیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی مدح کی ہے یعنے کاف کی دلالت کافی پر ہے اور ہا کی ہادی پر اور عین کی عالم پر اور صاد کی صادق پر اور ابن جریر نے ابن عباس سے یہ نقل کیا ہے کہ کاف سے مراد کبیر اور کریم ہے اور یا سے مراد یُجیرُ (بچائیگا) ہے اور عین سے مراد عزیز اور عدل ہے۔ اور ان دونوں نقلوں میں فرق یہ ہے کہ اول میں ہر حرف ایک اسم یا صفت کے ساتھ مخصوص تھا اور دوسری میں تعمیم ہے۔ ششم یہ کہ بعض ذاتی اسموں پر دلالت کرتے ہیں اور بعض صفاتی اسموں پر۔ ابن عباس کہتے ہیں الٓمٓ کے معنے ہیں انا اللہ اعلم اور المص میں کہا انا اللہ افضل اور الر میں انا اللہ اریٰ۔ اور یہ نقل ابن عباس سے بروایت ابو صالح و سعید بن جبیر ہے۔ ہفتم ہر حرف صفت فعل پر دلالت کرتا ہے۔ الف سے مراد اُسکی آلاء (نعمتیں) لام سے مراد اُسکا لطف میم سے مراد اُسکا مجد ہے یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ہر حرف اُسکی آلاء و نعم پر دلالت کرتا ہے۔ ہشتم یہ کہ بعض حروف اللہ کے ناموں پر دلالت کرتے ہیں اور بعض اور چیزوں کے نام پر دلالت کرتے ہیں ضحاک کہتے ہیں الف سے مراد اللہ ہے لام سے مراد جبریل ہے میم سے مراد محمدؐ ہے گویا اصل عبارت اس طرح ہے اَنْزَلَ اللّٰہُ الْکِتَابَ عَلیٰ لِسَانِ جِبْرَئِیْلَ اِلیٰ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نہم یہ کہ ہر حرف ایک صیغہ فعل پر دلالت کرتا ہے

تو الف سے مراد اَلِفَ اللّٰہُ مُحَمَّدًا فَبَعَثَہٗ نَبِیًّا اور لام سے مراد لَامَہُ الْجَاحِدُوْنَ اور میم سے مراد مِیْمَ الْکَافِرُوْنَ غِیْظُوْا وَکُبِتُوْا بِظُھُوْرِ الْحَقِّ اور بعض صوفیوں نے کہا ہے کہ الف سے مراد اَنَا اور لام سے مراد لِیْ اور میم سے مراد مِنِّیْ ہے دہم مبرد کا قول اور اسکو محققین کی ایک جماعت نے پسند کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے زک دینے کے واسطے ان حروف کو ذکر کیا ہے یعنی جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کو یہ اعلان سنایا کہ اگر تم میں کوئی سکت ہے تو ایک اور قرآن اپنی طرف سے گھڑ لاؤ یا دس سورتیں اسکی دس سورتوں کی طرح بنالاؤ بلکہ ایک ہی سورت تصنیف کرلاؤ اور وہ عاجز رہ گئے۔ تب اللہ نے یہ حروف اُتارے اس تنبیہ کے لئے کہ انہیں حروف تہجی سے مرکب ہے اور تم ان حروف کی ترکیبوں پر قادر ہو اور فصاحت کے قوانین سے واقف ہو تو تم پر واجب تھا کہ ایسا ہی قرآن ایک اور بنالاتے لیکن جب تم سب اس سے ہار گئے تو یقیناً ثابت ہوا کہ یہ ضرور منجانب اللہ ہے۔ یازدہم عبد العزیز بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ان حروف کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان حروف کو الگ الگ سُن لو اور پہچان رکھو پھر جب مرکب ہو کر تمہارے پاس پہونچیں تو حالت ترکیب کو بھی سمجھ لینا جیسے بچوں کو اول حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں علیحدہ علیحدہ اور مفرد پھر اسکے بعد مرکبات سکھاتے ہیں۔ دوازدہم ابن روق اور قطرب کہتے ہیں کہ جب کفار نے آپس میں کہا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ اور ایک دوسرے کو اس قرآن سے نفرت دلائی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصلاح اور نفع چاہا اسلیے سورتوں کے شروع میں ایسے حروف لایا جو ان کی سمجھ میں نہ آسکیں اور سنکر حیرت زدہ ہوں تو وہ لوگ جب ان حروف کو سنا کرتے تھے تو تعجب سے ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو یہ محمد (علیہ السلام) کیا کیا عجیب غریب چیزیں لاتا ہے اور دھیان لگاکے سننے لگے اور قرآن نے ایک دم اپنا اثر ڈالنا شروع کیا اور یہی ذریعہ اُن کے نفع رسانی کا ہوا سیزدہم ہر حرف کسی قوم کی مدت بتاتا ہے اور کسی کی اجل۔ ابن عباس کہتے ہیں مر ابو یاسر بن اخطب برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وھو یتلو سورۃ البقرۃ۔ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ثم اتی اخوہ حیی بن اخطب وکعب بن الاشرف فسالوہ عن الٓمّٓ ۷۱ فقالوا ننشدک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو حق انھا اتتک من السماء فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم نعم کذالک نزلت فقال حیی ان کنت صادقا انی لاعلم اجل ھذہ الامۃ من السنین ثم قال کیف ندخل فی دین رجل دلت ھذہ الحروف بحساب الجمل علے ان منتہٰے اجل امتہ احدٰے وسبعون سنۃ فضحک النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال حیی فھل غیر ھذا فقال نعم الٓمّٓصٓ فقال حیی ھذا اکثر من الاول ھذا مائۃ واحدٰے وستون ۱۶۱ سنۃ فھل غیر ھذا قال نعم الٓرٰ فقال حیی ھذا اکثر من الاولی والثانیۃ فنحن نشھد ان کنت صادقا ما ملکت امتک الا مائتین واحدی وثلاثین ۲۳۱ سنۃ فھل غیر ھذا فقال نعم الٓمّٓرٰ ۲۷۱ قال حیی فنحن نشھد انا من الذین لا یؤمنون ولا ندری بای اقوالک ناخذ فقال ابو یاسر اما انا فاشھد علی ان انبیاءنا قد اخبرونا عن ملک ھذہ الامۃ ولم یبینوا انھا کم تکون فان کان محمد صادقا فیما یقول انی لاراہ سیجمع لہ ھذا کلہ فقام الیھود وقالوا اشتبہ علینا امرک کلہ فلا ندری ابالقلیل ناخذ ام بالکثیر فذالک قولہ تعالیٰ ھو الذی انزل علیک الکتاب چہاردہم یہ کہ کلام اول سے کلام دوم کو قطع کرنے کے لیئے یہ حروف لائے گئے ہیں تو کہ بطور فاصلہ کے ہوں جیسے کہ عرب کی عادت تھی پانزدہم ابن الجوزی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کے ساتھ اپنی ذات پر ثنا کی ہے

شانزدہم اخفش کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان حروف کی قسم کھائی ہے اسلیئے کہ ان میں شرف اور فضیلت ہے کیونکہ جتنی کتابیں آسمانی نازل ہوئیں مختلف زبانوں میں اُن سب کی ترکیب انہیں حروف سے ہوئی اور اللہ تعالی کے اسمائے حسنے وصفات علیا انہیں سے مرکب ہیں اور تمام مختلف قوموں کی بولیاں انہیں حروف سے مرکب ہیں اور انہیں حروف سے اُسکا ذکر کرتے ہیں اور اُسکی توحید بیان کرتے ہیں اور مراد تو سب حروف کی قسم کھائی تھی لیکن بنظر اختصار تھوڑوں کے ذکر پر اکتفا کی جیسے کہتے ہیں کہ میں نے الحمد پڑھی ہے حالانکہ مراد پوری سورت ہوتی ہے گویا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اُقسم بھذہ الحروف ان ھذا الکتاب ھو ذلک الکتاب المثبت فے اللوح المحفوظ ہفدہم باتوں میں ان حروف کا تلفظ کرنا تو سب کی عادت ہے لیکن اُن کے ناموں کے تلفظ کی عادت سبکو نہیں ہوتی بلکہ جو علم سیکھتے سکھاتے ہیں وہی ان کے تلفظ سے واقف ہوتے ہیں توجب رسول علیہ السلام نے بغیر اسکے کہ کسی سے سیکھیں ان حروف کے نام بتا دیئے تو معلوم ہوا کہ غیب سے خبر دی ہے اسلیئے اللہ تعالی نے ان حروف کا ذکر مقدم کیا تو کہ اس سورت کا شروع ہی جو سنیں تو آپ کے صدق کا معجزہ ہو ہیژدہم ابوبکر تبریزی کہتا ہے کہ ایک جماعت اس امت کی کہتی ہے کہ یہ قرآن قدیم سے ہے تو اللہ تعالی نے ان حروف کو اس تنبیہ کے لیئے ذکر کیا کہ اسکا کلام انہی حروف سے مرکب ہے اسلیئے قدیم نہیں ہو سکتا نوزدہم قاضی ماوردی کہتے ہیں کہ الٓمٓ سے مراد الم بکم ذلک الکتاب یعنی نزل علیکم اور المام کے معنے زیارت کرنے کے ہیں اور اللہ تعالی نے اسطرح اسلیئے فرمایا کہ جبرئیل بطور زائر کے اسکو لیکر اُترے تھے بستم الف کا اشارہ ہے استقامت پر اسقدر کہ ممکن اور ضروری ہو اول الامر میں اور یہ شریعت کی رعایت اور محافظت ہے اللہ تعالی فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور لام کا اشارہ اُس جھک جانے کی طرف ہے جو مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے اور یہ طریقت کی رعایت ہے اللہ تعالی فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا اور میم کا اسطرف اشارہ ہے کہ بندہ مقام محبت میں بطور دائرہ کے ہو جاتا ہے کہ اُسکی ابتدا عین انتہا اور انتہا عین ابتدا ہو جاتی ہے اور یہ اُسوقت ہوتا ہے کہ بندہ بالکل اللہ تعالی میں فنا ہو جاوے اور یہ مقام حقیقت ہے اللہ تعالی فرماتا ہے ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ بست ویکم الف انتہائے حلق سے نکلتا ہے اور وہیں سے مخارج حروف کی ابتدا ہے اور لام زبان کے کنارے سے نکلتا ہے اور وہ وسط مخارج ہے اور میم ہونٹوں سے نکلتا ہے اور یہ سب مخارج کا اخیر ہے تو اس سے یہ اشارہ پایا گیا کہ بندہ کا ذکر اول اور اوسط اور آخر سب اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیئے اسلیئے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ یہانتک سب اقوال ختم ہو گئے ۔

ان سب اقوال میں سے اکثر محققین کے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہ سب حروف سورتوں کے نام ہیں اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ الفاظ دو حال سے خالی نہیں یا اُن کے معنے معلوم ہیں یا نہیں دوسری صورت باطل ہے دو وجہ سے اول یہ کہ اُس صورت میں صرف عربی بولی جاننے والے سے زنگی بولی بولنا روا ہوگا دوم یہ کہ اللہ تعالی نے سب قرآن کو ہدی اور بیان فرمایا ہے اور جب غیر معلوم اور غیر مفہوم ہوگا تو ہدی اور بیان کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور پہلی صورت میں یہ الفاظ اسماء القاب ہونگے یا اسماء معانی دوسری صورت باطل ہے اسلیئے کہ یہ الفاظ لغت عرب میں اُن معانی کے لیئے جنکو مفسرین نے ذکر کیا ہے موضوع نہیں ہیں اس بنا پر ان الفاظ کو حمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن لغت عرب میں اُترا ہے اس لیئے ان الفاظ کو ایسے معانی پر حمل نہیں کر سکتے جو لغت عرب میں حاصل نہوں۔ اور پھر مفسرین نے بھی ان کے معانی میں مختلف وجوہ

بیان کیئے ہیں یعنی کسی نے کچھ معنی بتائے ہیں اور کسی نے کچھ اور بعض کی ترجیح بعض پر ثابت نہیں ہوتی اور نہ سب معنی مراد ہو سکتے ہیں اسلیئے کہ یہ خلاف اجماع ہے کیونکہ ہر ایک نے مفسرین میں سے بعض ہی معنی مراد لیئے ہیں ایسا اُن میں سے کوئی نہیں ہے جس نے سب معنی مراد لیئے ہوں یا ان میں سے کوئی معنی مراد نہ لیا ہو اور جب یہ قسم بھی باطل ہو گئی تو ثابت ہوا کہ اسمار القاب ہیں۔ پھر اگر کوئی کہے کہ کیوں جائز نہیں کہ ان الفاظ کے معنی معلوم ہی نہوں اور یہ وجہ صحیح ہے یا نہیں کہ اگر ان کا غیر معلوم المعنی ہونا جائز ہو گا تو عربی زبان والے سے زنگی زبان بولنا جائز ہو گا۔ تو ہم کہیں گے کہ اسکے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے دیکھو قرآن مجید میں لفظ مشکاۃ حبشی زبان کا لفظ موجود ہے اور سجیل اور استبرق فارسی زبان کے لفظ موجود ہیں۔ اور یہ کہنا کہ اللہ نے سب قرآن کو ہدیٰ اور بیان کہا ہے اسکو ہم تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجملات اور متشابہات پر بھی شامل ہے تو جب مجملات اور متشابہات کے ہونے سے اُسکے ہدیٰ اور بیان ہونے کو نہ منع کیا تو اسیطرح ان حروف کے غیر معلوم المعنی ہونے سے اُسکا ہدیٰ اور بیان ہونا باطل نہیں ہو سکتا۔ پھر گو ہم تسلیم کرلیں کہ ان حروف کے معنی مفہوم ہیں لیکن یہ کہنا کہ یہ الفاظ یا تو اسماء الالقاب ہوں گے یا اسماء المعانی اسوقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب کسی امر کے لیئے موضوع ہوں اور اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے اسلیئے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور ہی حکمت کے لیئے ان الفاظ کے ساتھ تلفظ کیا ہو مثلاً وہ حکمت کہ قطرب نے بیان کی کہ جب کفار نے آپس میں ایک دوسرے سے تاکید کر دی کہ قرآن کے سننے کی طرف التفات نکریں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو تعجب دلانے اور توجہ کرانے کی غرض سے یہ سورتوں کے شروع میں اُتارے (اور اسکے سوا اور اس میں بحث بہت ہے) **فائدہ** اوائل سُوَر اس اعتبار سے کہ سورتوں کے نام ہیں اُنکی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ جو اعراب کو قبول ہی نہیں کرتے دو وجہ سے یا تو اس وجہ سے کہ اُن کے آخر میں الف ہے جیسے الٓرٰ یا طٰهٰ یا المٓ اسلیئے کہ الف حرکت کو قبول نہیں کرتا یا اس وجہ سے کہ اس میں چار حروف مکتوبہ سے زائد ہیں جیسے کٓهٰیٰعٓصٓ دوسری قسم وہ جو اعراب کو قبول کر سکتے ہیں یعنی جو ایک سے تین حرف تک سے مرکب ہے جیسے قٓ اور نٓ اور طٰسٓ اور طٰسٓمٓ سو بعض نے اُن کے آخر میں فتحہ کا اعراب دیا ہے اور بعض نے کسرہ کا لیکن تنوین کسی کے نزدیک نہیں اور اصل قرارت یہ ہے کہ ان سب حروف کے آخر میں وقف ہے کوئی حرکت نہیں اور یہی قرارت مشہور اور صحیح ہے واللہ اعلم

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ

اس میں کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مشار الیہ تو حاضر ہے اور ذٰلک اشارہ مبہم ہے اور بعید کے لیئے موضوع ہے۔ اسکا جواب دو وجہ سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم اسبات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مشار الیہ حاضر ہے اور اسکے کئی سبب ہیں (۱) اصم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو اسطرح اُتارا کہ ایک سورت پھر دوسری یا ایک آیت پھر دوسری آیت غرض اکٹھا یکبارگی نہیں اُتارا تو سورہ بقرہ سے پہلے بہت سی سورتیں اُتر چکی تھیں مکہ میں جنمیں توحید کی خوبیاں اور شرک کی خرابیاں مذکور تھیں اور نبوت اور معاد کا ثبوت تھا تو ذٰلک کا اشارہ اُن سورتوں کی طرف ہے جو اس سورت سے پہلے اُتری ہیں اور اس سورت کے اُترنے میں اور اُن کے اُترنے میں بہت فاصلہ اور دوری ہے اور قرآن کے بعض پر بھی قرآن اور کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اور جنوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا اور فرماتا ہے اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اور اس میں شک نہیں کہ اُن جنوں نے سب قرآن نہیں سنا تھا

بلکہ جتنا اُس وقت اُترا تھا یا جتنا حج کی قرات میں پڑھا تھا (۲) ابتدائے نبوت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وعدہ دیا تھا کہ میں تجھ پر ایسی کتاب اُتاروں گا جسکو کوئی مٹانے کی خواہش کرنے والا مٹا نہ سکے گا اور آنحضرت علیہ السلام نے اصحاب کی خبر اس کو پہونچا دی اور اسی کی تائید میں ہے یہ آیت اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اور یہ آیت سورہ مزمل کی ہے اور یہ سورت ابتدائے نبوت میں اُتری ہے۔ (۳) سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ سورہ بقرہ مدینہ میں اُتری ہے اور اُس میں اکثر یہود سے گفتگو ہے اور باقی بنی اسرائیل سے بھی اور موسیٰ اور عیسےٰ علیہما السلام نے بنی اسرائیل کو خبر دیدی تھی کہ بیشک اللہ تعالیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی کر کے بھیجے گا اور اُسپر ایک کتاب اُتارے گا اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یعنی وہ کتاب جسکا مدت دراز سے وعدہ چلا آتا ہے وہ یہی ہے اور سب انبیاء پہلے اسی کی بشارت دیتے چلے آتے ہیں کہ اس کتاب کو اللہ اُس نبی پر اُتارے گا جو اولاد اسمٰعیل سے ہوگا (۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ خبر دی ہے کہ وہ لوح محفوظ میں ہے چنانچہ فرماتا ہے وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا اور آنحضرت علیہ السلام نے اس بات کی اُمت کو خبر دیدی تھی تو کوئی محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یعنی وہ کتاب جو لوح محفوظ میں لکھی ہے (۵) ذلک کا اشارہ الٓمّٓ کی طرف ہو جسکا تلفظ ہو چکا اور ہو چکنے والی چیز بعید کے حکم میں ہوتی ہے (۶) جب بھیجنے والے سے نکل کر اُس شخص کے پاس پہونچ گئی تو بھیجنے والے سے دور ہو گئی اسلئے دور کا اشارہ کیا گیا ہے جیسے کوئی شخص جو کسی کو کوئی چیز دے چکتا ہے تو کہتا ہے احتفظ بذلك (۷) چونکہ قرآن بڑی حکمتوں پر شامل ہے اور ایسے مشکل علوم پر حاوی ہے کہ قوائے بشر یہ اُن سب پر مطلع نہیں ہو سکتیں تو اس بنا پر اگرچہ قرآن باعتبار صورت حاضر ہے لیکن باعتبار اسرار اور حقائق دور اور غائب ہے اسلئے اسم اشارہ بعیدہ سے اشارہ کرنا جائز ٹھیرا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مشار الیہ حاضر ہے لیکن یہ نہیں تسلیم کرتے کہ ذلك کے ساتھ سوائے دور کے اور کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسکا بیان یہ ہے کہ ذلك اور هٰذا دونوں اسم اشارہ ہیں اور اصل اشارہ کے لیئے دونوں میں ذا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور ھا حرف تنبیہ ہے تو جب کوئی چیز قریب ہوتی ہے اور اُسکی طرف اشارہ کرنا منظور ہوتا ہے تو هٰذا بولتے ہیں یعنی اے مخاطب جسکی چیز کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں اُسکے لئے متنبہ ہو جا اسلئے کہ وہ حاضر ہے تیرے پاس تو اُسے دیکھ سکتا ہے۔ اور کبھی اس ذا پر کاف خطاب کا اور لام جو تاکید اشارہ کے لیئے ہے داخل ہوتا ہے تو ذٰلِكَ ہو جاتا ہے۔ تو گویا متکلم نے تنبیہ میں مبالغہ کیا مشار الیہ کے متاخر ہونیکی وجہ سے اس تقریر کی دلالت اس بات پر ہے کہ ذٰلِكَ اصل وضع میں مفید بُعد نہیں ہے بلکہ عرف میں بعید کے لیئے خاص کر دیا گیا ہے اُس قرینہ کی وجہ سے جو ہمنے ذکر کیا تو لفظ دَآبَّة کی طرح ہو گیا کہ عرف میں گھوڑے کے ساتھ مخصوص ہے گو اصل وضع میں زمین پر چلنے والے ہر جانور پر بولا جا سکتا ہے۔ اور جب یہ بات ہو چکی تو ہم اسجگہ ذٰلك کو اصل وضع لغوی پر حمل کرتے ہیں نہ وضع عرفی پر اور اس صورت میں مفید بُعد نہو گا اور اسی وجہ سے هٰذا کا لفظ ذٰلك کے مقام پر اور ذٰلك کا لفظ هٰذا کے مقام پر مستعمل ہوتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ تک پھر فرمایا۔ هٰذَا ذِكْرٌ اور فرماتا ہے وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ اور فرماتا ہے وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ اور فرماتا ہے فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى اور فرماتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ پھر فرمایا

اِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ اور فرماتا ہے فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى یعنی هٰكَذَا يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى اور فرماتا ہے وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى یعنی مَا هٰذِهِ الَّتِيْ بِيَمِيْنِكَ واللہ اعلم **دوسرا مسئلہ** کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اسم اشارہ تو مذکر ہے اور مشار الیہ مؤنث ہے یعنی سورت۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مشار الیہ مؤنث ہے اسلیے کہ مؤنث یا تو مسمّٰی ہے یا اسم پہلی صورت باطل ہے اسلیے کہ مسمّٰی تو وہی بعض قرآن ہے اور وہ مؤنث نہیں اور دوسری صورت میں اسم الٓمٓ ہے اور یہ بھی مؤنث نہیں۔ ہاں اُس مسمّٰی کا ایک اور نام ہے جو مؤنث ہے یعنی سورت لیکن مذکور سابق الٓمٓ ہے وہ مؤنث نہیں اور لفظ سورت سابق میں مذکور نہیں ہوا **تیسرا مسئلہ** قرآن مجید کے نام بہت ہیں (۱) کتاب اور یہ مصدر ہے قیام اور صیام کی طرح اور بعض کہتے ہیں کہ فِعَالٌ بمعنی مَفْعُوْلٌ ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ مراد الکتاب سے قرآن ہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ اور کتاب کا مطلب قرآن میں کئی طرح سے آیا ہے اول فرض کے معنوں میں جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا دوم بمعنی حجت و برہان جیسے فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی بُرْهَانَكُمْ سوم بمعنی اجل جیسے وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی اَجَلٌ چہارم آقا کے مکاتبت ([illegible]) اپنے غلام کے لیے جیسے وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اور یہاں مصدر افعال بمعنی مفاعلۃ ہے جیسے جدال اور خصام اور قتال بمعنی مجادلہ اور مخاصمۃ اور مقاتلہ کے اور اشتقاق کتاب کا اس سے ہے كَتَبْتُ الشَّيْءَ اِذَا جَمَعْتُهٗ اور فوج کا نام بھی کتیبۃ اسی غرض سے رکھا گیا ہے اور کتاب کو کتاب اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ بھی لشکر کی طرح پر ہے شبہوں کی فوج پر یا اسلیے کہ اسمیں بہت سے علوم جمع کیے گئے ہیں یا اسلیے اللہ تعالیٰ نے اُس میں لوگوں پر تکلیفیں فرض کر دی ہیں (۲) دوسرا نام قرآن ہے جیسے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اور اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ اور قرآن کے معنی میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول ابن عباس کا کہ قرآن اور قراءۃ کے ایک ہی معنی ہیں جیسے خسران اور خسارۃ اور اُسکی دلیل یہ آیت ہے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ یعنی اِذَا تَلَوْنٰهُ عَلَيْكَ فَاتَّبِعْ تِلَاوَتَهٗ دوسرا قول قتادہ کا ہے کہ مصدر ہے قائل کے اس قول کا قَرَاْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ اِذَا جَمَعْتُهٗ اور سفیان بن عُیینہ نے بھی کہا ہے کہ قرآن کو قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ اُس میں حرف جمع کیے گئے تو کلمات ہو گئے اور کلمات جمع کیے گئے تو آیتیں ہو گئیں اور آیتیں جمع کی گئیں تو سورتیں ہو گئیں اور سورتیں جمع کی گئیں تو قرآن ہو گیا پھر اُس میں علوم اولین اور آخرین جمع کیے گئے۔ حاصل یہ ہوا کہ قرآن یا تو تلاوۃ سے ماخوذ ہے یا جمعیت سے (۳) فرقان اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ اور وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ اور اسلیے فرقان ہونے کی وجہ میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں اسلیے کہ متفرق اُترا ہے یعنی ۲۳ سال میں اسکا اترنا ختم ہوا اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ اور باقی آسمانی کتاب ایک دم اُتریں ہیں یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرکے نہیں اُتاری گئیں۔ اور اسکی حکمت کی وجہ ہمنے سورہ فرقان کی آیہ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ اور بعض کہتے ہیں اسلیے کہ حق اور باطل میں فرق کرتا ہے اور حلال اور حرام اور مجمل اور مبین اور محکم اور مؤوّل میں تمیز کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ فرقان کے معنی نجات کے ہیں اور یہ قول عکرمہ

اور رشد کی کلمہ ہے اور بیان اسکا یہ ہے کہ تمام مخلوق گمراہی کے اندھیروں میں تھی تو قرآن سے اللہ نے انکو نجات دی۔ اور مفسرین نے آیہ واذ اٰتینا موسی الکتاب والفرقان لعلکم تھتدون کو اسی معنی پر حمل کیا ہے (۴) ذِکْرٌ اور تَذْکِرَۃٌ اور ذِکْرٰی اور ذکر کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ خدا کی طرف سے یادگار اور یادداشت ہے ان تکالیف اور احکام کے بارے میں جنکا بندوں کو مکلف کیا ہے دوم یہ کہ جو شخص اسپر ایمان لائیگا اُسکے حق میں یہ قرآن یادگار اور شرف اور فخر ہے یعنی اس کی برکت سے تمام لوگ اُسکو یاد کریں گے اور عزت اور شرف اور محبت کی نگاہ سے اُسے دیکھیں گے تو یہ قرآن محمد صلے اللہ علیہ وسلم و آپکے امت کے حق میں موجب شرف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھذا ذکر مبارک انزلناہ اور انا نحن نزلنا الذکر اور وانہ لذکر لک ولقومک اور تذکرہ جیسے وانہ لتذکرۃ للمتقین اور ذکری جیسے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین (۵) تَنْزِیْلٌ جیسے وانہ لتنزیل رب العلمین نزل بہ الروح الامین (۶) حَدِیْثٌ جیسے اللہ نزل احسن الحدیث کتابا اور حدیث اسلیے اسکو کہا کہ بات کے طور پر اُتارا گیا لیکن کتاب کی صورت میں بہیأت مجموعی نہیں اُترا اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس میں مکلفین سے خطاب کیا ہے (۷) مَوْعِظَۃٌ جیسے یایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم اور موعظت کے معنی نصیحت اور پند کے ہیں اور حقیقی موعظت یہی ہے (۸) حُکْمٌ اور حِکْمَۃٌ اور حَکِیْمٌ جیسے وکذلک انزلناہ حکما عربیا اور حکمۃ بالغۃ اور واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیات اللہ والحکمۃ اور یٰس والقرآن الحکیم اور کتاب احکمت اٰیاتہ اور حکمت کے ماخذ میں اختلاف ہے خلیل کہتے ہیں کہ وہ احکام اور الزام سے ماخوذ ہے۔ اور مؤرج کہتا ہے حکمۃ اللجام سے ماخوذ ہے اسلیے کہ لگام چوپائے کو جکڑ رکھتی ہے اسی طرح حکمت آدمی کو حماقت سے روکتی ہے (۹) شِفَاءٌ جیسے وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین اور وشفاء لما فی الصدور اور اسکے شفا ہونے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ امراض جسمانی سے شفا بخشنے والا ہے دوسرے یہ کہ امراض روحانی سے جیسے کفر اور شک سے شفا بخشنے والا ہے چنانچہ فرماتا ہے فی قلوبھم مرض اور قرآن مجید سے ہر ایک شک دل کا زائل ہو سکتا ہے اسلیے اسکا نام شفا ہونا صحیح ہوا (۱۰) ھُدًی اور ھادی جیسے ھدی للمتقین اور ھدی للناس اور شفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین اور ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم اور اللہ تعالیٰ جنوں سے نقل کرتا ہے انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد (۱۱) صِرَاطٌ مُسْتَقِیْمٌ ابن عباس کہتے ہیں اسکی تفسیر قرآن ہے اور پڑھا وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ (۱۲) حَبْلٌ جیسے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اسکی تفسیر ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور اسکا یہ نام رکھنے کی یہی وجہ ہے کہ امور دین میں اسی کے ساتھ چنگل مار کر آدمی مصائب دنیا اور عذاب آخرت سے بچتا ہے جیسے کہ کوئی رسی کو پکڑ کر ڈوبنے سے یا اور جائے ہلاکت سے بچتا ہے اور اسی وجہ آنحضرتؐ نے اسکا نام عصمۃ رکھا اور فرمایا ان ھذا القرآن عصمۃ لمن اعتصم بہ اسلیے کہ گناہوں سے بچاتا ہے (۱۳) رَحْمَۃٌ جیسے وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین اور کونسی رحمت اس سے بڑھ کے ہے جو کہ جہالتوں اور گمراہیوں سے چھڑاوے (۱۴) روح جیسے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اور تنزل الملائکۃ بالروح من امرہ اور روح اسلیے اسکا نام رکھا کہ حیات ارواح کا سبب ہے اور جبرئیل کا نام بھی روح رکھا گیا ہے جیسے فارسلنا الیھا روحنا اور عیسے علیہ السلام کا نام بھی روح ہے جیسے القاھا الی مریم وروح منہ (۱۵) قَصَصٌ جیسے نحن نقص علیک احسن القصص اور یہ نام اسلیے رکھا کہ اسکی پیروی واجب ہے جیسے وقالت لاختہ قصیہ یعنی کہا تبعی اثرہ یا اسلیے کہ قرآن متقدمین کے قصوں کا تتبع کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (۱۶) بیان اور تبیان اور مبین جیسے هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ اور وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ اور تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ (۱۷) بصائر جیسے هٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ (۱۸) فصل جیسے إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ
وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (۱۹) النجوم جیسے فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ اور وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ اسلئے کہ نجم نجم (حصہ حصہ) ہو کر اترا ہے
(۲۰) مثانی جیسے مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ کہتے ہیں یہ اسلئے ہے کہ اس میں مکرر بیان کئے گئے ہیں
(۲۱) نعمة جیسے وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے (۲۲) برہان جیسے قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن
رَّبِّكُمْ اور بھلا کیونکر برہان نہووے حال آنکہ تمام زمانے کے فصحا اسکی نظیر لانے سے عاجز ہوگئے (۲۳) بشیر و نذیر جیسے سورہ
حم سجدہ میں ہے بَشِيرًا وَنَذِيرًا (۲۴) قیّمہ جیسے قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا اور دین کی صفت قیم ہے جیسے ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ اور
اللہ تعالیٰ سبحانہ بھی قیوم ہے جیسے اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اور قرآن کو قیم اس لیئے کہا گیا ہے کہ بیان اور فائدہ میں قایم بذاتہ
ہے (۲۵) مہیمن جیسے وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ اور یہ امین سے ماخوذ
ہے سو جو شخص قرآن سے تمسک کریگا دنیا اور آخرت میں ضرر سے بچ جائیگا اور باریتعالیٰ بھی مہیمن ہے اُسنے کتاب امین رسول
امین پر اتاری اس قوم کے لیے جو خدا تعالیٰ کے امین ہیں اُسکی مخلوق پر چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (۲۶) ہادی جیسے إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ اور يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ اور اللہ تعالیٰ
کا نام بھی ہادی ہے (۲۷) نور جیسے وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ اور رسول کو بھی نور کہا گیا ہے جیسے قَدْ جَاءَكُم مِّنَ
اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ اور دین کا نام بھی نور ہے جیسے يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ اور اسکا بیان بھی نور ہے
جیسے أَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ اور توراۃ کو بھی نور کہا جیسے إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ
اور انجیل کو بھی نور کہا جیسے وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ اور ایمان کا نام بھی نور کہا جیسے يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ اور
اللہ تعالیٰ سبحانہ کا نام بھی نور ہے جیسے اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲۸) حق جیسے وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ اور اللہ کا نام بھی حق ہے
(۲۹) عزیز جیسے وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ اور نبی بھی عزیز ہے جیسے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ اور امت بھی
عزیز ہے جیسے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ اور اللہ تعالیٰ بھی عزیز ہے جیسے وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ سو اللہ عزیز ہے
اس نے کتاب عزیز نبی عزیز پر امت عزیزہ کے لئے اتاری اور عزیز کے دو معنی ہیں ایک غالب اور باعزت اور دوسرے بینظیر
یعنے عزیز الوجود (۳۰) کریم جیسے إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ اور اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کا نام کریم رکھا ہے اول
تو اپنی ذات کو کریم کہا جیسے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ اس لیئے کہ اُس سے بڑھکے کوئی سخی نہیں ہے اور قرآن کو بھی کریم کہا اسلئے کہ جو
جو علوم اور حکمتیں قرآن سے مستفاد ہوتی ہیں اور کسی کتاب سے نہیں ہوتیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کریم کہا جیسے وَجَاءَهُمْ
رَسُولٌ كَرِيمٌ اور ثواب اعمال کو بھی کریم کہا جیسے فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ اور اپنے عرش کو بھی کریم کہا جیسے اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ
رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ اور جبریل کو بھی کریم کہا جیسے إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ اور سلیمان علیہ السلام کے خط کو بھی کریم کہا جیسے إِنِّي أُلْقِيَ
إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ سو قرآن کتاب کریم ہے رب کریم کی جانب سے جسکو ملک کریم لیکر اترا نبی کریم پر امت کریمہ کے لئے اور جب اسپر عمل
کریں گے تو ثواب کریم پا دیں گے (۳۱) عظیم جیسے وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات
کو عظیم کہا جیسے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ اور اپنے عرش کو عظیم کہا جیسے وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اور اپنی کتاب کو عظیم کہا جیسے وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

اور روز قیامت کو عظیم کہا جیسے لیوم عظیم یوم یقوم الناس لرب العالمین اور سلزلہ کو عظیم کہا جیسے ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم اور خلق رسول اللہ کو عظیم کہا جیسے وانک لعلے خلق عظیم اور علم کو عظیم کہا جیسے وکان فضل اللہ علیک عظیماً اور عورتوں کے مکر کو عظیم کہا جیسے ان کیدکن عظیم اور فرعون کے جادوگروں کے جادو کو عظیم کہا جیسے وجاءو بسحر عظیم اور ثواب کو بھی عظیم کہا وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منہم مغفرۃ واجراً عظیماً اور منافقوں کی سزا کو عظیم کہا ولہم عذاب عظیم (۲۳) مبارک جیسے وھذا ذکر مبارک اور اللہ تعالی نے کئی چیزوں کو مبارک کہا منجملہ ان کے کوہ طور میں وہ جگہہ جہاں اللہ تعالی نے موسیٰ سے کلام کیا جیسے فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ اور درخت زیتون کو جیسے یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ اور عیسے ع کو جیسے وجعلنی مبارکا اور بارش کو جیسے وانزلنا من السماء ماء مبارکا اور لیلۃ القدر جیسے انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ۔ سو قرآن مبارک ہے اسکو فرشتہ مبارک اتار کر لایا مبارک رات میں مبارک نبی پر مبارک امت کے لیے **چوتھا مسئلہ** الم کا اتصال ذلک الکتب سے کئی وجوہ سے ہے جب الم سورۃ کا نام قرار دیا جاوے جیسے کہ صاحب کشاف نے کہا ہے یا تو الم مبتداے اول ہوا ور ذلک مبتدا ثانی اور الکتاب خبر مبتداے ثانی اور جملہ خبر مبتداے اول اور اسکی تعبیر یوں ہوگی ذلک ھو الکتاب الکامل گویا اسکے مقابلہ میں سب کتابیں ناقص ہیں اور کتاب ہونے کے لایق یہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ھو الرجل یعنی الکامل فی الرجولیۃ الجامع لما یکون فی الرجال من مرضیات الخصال اور یا الکتاب صفۃ ہو ذلک کی اور تقدیر یوں ہو ھو ذلک الکتاب الموعود اور یا ھذہ الم ایک جملہ ہو اور ذلک الکتاب دوسرا جملہ ہو۔ اور الم خبر ہو مبتداے محذوف کی اور ذلک الکتاب خبر ثانی ہو یا بدل ہو اس بنا پر کہ الکتاب صفت ہو اور اسکی تقدیر ہوگی ھو ذلک۔ اور اگر الم کو بمنزلہ صوت کے قرار دیا جائے تو ذلک مبتدا ہوگا اور الکتاب اسکی خبر ہوگی تقدیر یہ ہوگی ذلک الکتاب المنزل ھو الکتاب الکامل اور یا الکتاب صفت ہو اور ما بعد اسکا اسکی خبر ہو یا مبتدا محذوف مقدر مانا جاوے تقدیر یہ ہوگی المؤلف من ھذہ الحروف ذلک الکتاب اور عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں یوں ہے الم تنزیل الکتاب لاریب فیہ اور یہ تالیف ظاہر ہے ؛

لاریب فیہ

اس میں دو مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** ریب شک کے قریب قریب ہے اور بدظنی اسمیں زیادہ ہے جو شک کے ساتھ لازم نہیں اہل لغت کہتے ہیں تقول رابنی امر فلان اذا ظننت بہ سوءً اور اسی باب سے ہے آنحضرت علیہ السلام کا قول دع ما یریبک الی ما لا یریبک **سوال** بعض ملحد اعتراض کرتے ہیں کہ لاریب فیہ سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ ہمکو اسمیں شک نہیں تو یہ بات ٹھیک نہیں اسلیے کہ ہمکو بیشک اسمیں شک ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ اس (یعنے خدا یا رسول) کے نزدیک اسمیں شک نہیں تو اس کلام میں کچھ فائدہ نہیں **جواب** اس میں وضاحت اور سادگی اس درجہ کی ہے کہ کسی شک والیکو اسمیں شک نہیں ہونا چاہیے (ہٹ دھرمی سے کہدینا کہ ہمکو اسمیں شک ہے اسکے حق میں مضر نہیں) اور حقیقت میں یہ امر ایسا ہی ہے اس لیے کہ باوجود اسکے کہ عرب فن فصاحت میں انتہا کو پہنچ چکے تھے اور پھر بھی ایک سورت چھوٹی سی اسی کی سی فصاحت والی نہ لا سکے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ حجت نہایت محکم اور واضح ہے کسی عاقل کو اسمیں شبہہ ہونا ممکن نہیں **دوسرا مسئلہ** مشہور یہی ہے کہ فیہ پر وقف ہے اور نافع اور عاصم سے مروی ہے کہ ان دونوں نے لاریب پر وقف کیا ہے اور لاریب پر وقف

کرنے والے کو لا کی خبر محذوف ماننی ضرور ہوگی جیسے لا ضَیْرَ میں اور جیسے عرب کہا کرتے ہیں لا بَأْسَ اور یہ اہل حجاز کی زبان میں بہت ہے اور تقدیر یوں ہوگی لا ریب فیہ فیہ ہدی للمتقین پہلا فیہ خبر لا کی ہے جو محذوف تھی اور تقدیر میں ظاہر کر دی گئی ہے اور دوسرا فیہ خبر ہے ھُدًی کی جو کہ اصل ہے اور موجود ہے لیکن نسبت لا ریب کے فیہ پر وقف کرنا اولیٰ ہے اسلیئے کہ خبر محذوف نہیں ماننی پڑیگی اور کتاب بنفسہ ھُدٰی ہوگی اور دوسری صورت میں کتاب ھُدًی کا ظرف ہوگا تو بنفسہ ھدی نہ ہوگی اور قرآن میں بہت جگہ ثابت ہے کہ قرآن بنفسہ ھدی اور نور ہے واللہ اعلم +

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ

اس میں کئی مسئلہ ہیں پہلا مسئلہ ھُدٰی اور ھِدَایَۃ میں تین قول ہیں اوّل یہ کہ دلالت کرنا اور کسی چیز کا رستہ دکھا دینا اور پتا بتا دینا ہے وبس اور یہ ضرور نہیں کہ جسکو رستہ دکھایا گیا ہے وہ اُس رستہ پر چلے ہی۔ اور صاحب کشاف کا قول یہ ہے کہ ایسی دلالت کہ منزل مقصود تک پہنچا ہی دے اور رستہ پر چلا ہی دے اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ھُدٰی کے معنی اھتداء (ہدایت پانا) اور علم ہے۔ لیکن پہلے قول کی صحت کی اور دوسرے اور تیسرے قول کے فساد اور بطلان کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ ھُدٰی کے معنے ایصال الی المطلوب ہے تو جہاں اھتداء نہ پایا جاتا وہاں ھدی ایسے معنے کینا کیا پایا جانا بھی محال ہوتا حالانکہ محال نہیں اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى تو اللہ تعالیٰ نے ھُدٰی کو ثابت کیا ہے اُس حال میں کہ اھتداء معدوم ہے اور لغت عرب میں یہ بات صحیح ہے کہ کہا جائے ھدیتہ فلم یھتد اور یہی ہمارے قول کی دلیل ہے۔ اور صاحب کشاف نے تین چیزوں سے حجت پکڑی ہے اوّل یہ کہ ھُدٰی کے مقابلہ میں ضلالۃ کا آنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى اور فرمایا لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ دوم مقام مدح میں مَھْدِیٌّ بولا جاتا ہے مُھْتَدِی کی طرح پس اگر ھُدٰی کے معنی دلالت مُوصلہ الی المطلوب کے نہوتے تو کسی کو مھدی کہنا اسکے حق میں مدح نہوتا کیونکہ احتمال تھا کہ ہدایت کیا گیا ہو لیکن ہدایت حاصل نکی ہو سوم یہ کہ اِھْتَدٰی مطاوع ھَدٰی کا ہے عرب کہتے ہیں ھَدَیْتُہٗ فَاھْتَدٰی جیسے کہتے ہیں کسرتہ فانکسر قطعتہ فانقطع سو جس طرح انکسار اور انقطاع کسر اور قطع کو لازم ہیں اسی طرح لازم اور واجب ہے کہ اھتداء بھی ھُدٰی کے لوازم میں سے ہو۔ سو صاحب کشاف کی پہلی حجت کا یہ جواب ہے کہ ھُدٰی اور اھتداء میں جو فرق ہے وہ بالضرورۃ اور بالبداہۃ معلوم ہے اس کا کوئی منکر نہیں ہو سکتا اسلیئے ھُدٰی کے مقابل میں اضلال ہے اور اھتداء کے مقابل میں ضلال ہے تو ضرور ہوا کہ ھُدٰی کی تاویل دونوں آیتوں میں اھتداء کے ساتھ کی جاویگی۔ اور دوسری حجت کا یہ جواب ہے کہ جو ھُدٰی سے منتفع ہوا اُسکا مھدی نام رکھا جاتا ہے اور جسنے ھُدٰی سے نفع نہیں اُٹھایا اُسکو مھدی نہیں کہتے اور نیز جب وسیلہ مقصود تک نہ پہونچائے تو بمنزلہ معدوم کے ہے اور تیسری حجت کا جواب یہ ہے کہ اِئْتِمَار (حکم ماننا) مطاوع اَمَرَ کا ہے کہا جاتا ہے اَمَرْتُہٗ فَائْتَمَرَ لیکن یہ کہاں لازم ہے کہ حکم اور امر کی شرط یہ ہے کہ محکوم اور مامور حکم اور امر کو مان ہی لے اسی طرح یہاں بھی ھدی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اھتداء کو حاصل کرا دے علاوہ بریں اس کا معارض ھدیتہ فلم یھتد موجود ہے۔ اور جو لوگ ھُدٰی کو مرادف اھتداء اور علم کا کہتے ہیں اُن کے قول کے فساد اور بطلان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صفت ھُدٰی کو قرار دیا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ ھُدٰی بذاتہ علم نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ ھُدٰی کے معنی دلالت کے ہیں

نہ اہتداء اور علم کے **دوسرا مسئلہ** متقی لغت میں اسم فاعل ہے اِتَّقٰی یَتَّقِی اِتِّقَاءً سے جو کہ افتعال ہے وَقٰی یَقِی
وِقَایَۃً کا جسکے معنے ہیں حد سے زیادہ بچاؤ کرنا اور آیت میں متقے مقام مدح میں آیا ہے تو اصل مطلب یہ ہوگا کہ جو باتیں
دین کے خلاف ہیں اُن سب سے بچنے والا اور تمام عبادات کا حتے الوسع بجالانے والا۔ سو اصلی معنی تقویٰ کے خوف اور
بچاؤ کے ہیں اور شریعت میں صحیح معنی اسکے ایمان اور توبہ ہے اور یہ دونوں چیزیں بندے کو بچانے والی ہیں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى اور قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ
تیسرا مسئلہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ھُدًی اُس چیز کو کہتے ہیں کہ بیان اور وضاحت میں اُس درجہ کو پہنچے کہ دوسری چیز
کو ظاہر کردے اور قرآن ایسا نہیں ہے اس لیئے کہ مفسرین جو آیت ذکر کرتے ہیں اُسکی تفسیر میں مختلف اور متعارض اقوال
ذکر کرتے ہیں اور جس چیز کا یہ حال ہو وہ خود تو صاف اور واضح ہوتی نہیں دوسری چیز کو کیونکر واضح کرسکتی ہے پھر ایسی
چیز ھُدٰی کیونکر ہوسکتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جو مفسر ایسا کرے اُسپر یہ اعتراض پڑسکتا ہے اور محققین اہل تفسیر جو راجح
کو ترجیح دیتے ہیں اور باطل کو رد کرتے ہیں یا قرائن ترجیح کے مقرر کرتے ہیں مثلاً ہر روایت کو سند سے ذکر کرتے ہیں تو فن
رجال والے سند کی صحت وسقم سے صحیح کو ضعیف پر ترجیح دے سکتے ہیں اور سوائے اسکے اور وجوہ ترجیح بہت ہیں حاصل یہ
کہ محقق کا منصب نہیں کہ ایسا اعتراض کرسکے **چوتھا مسئلہ** جملہ ھدی للمتقین کا محل رفع ہے اسلیئے کہ خبر ہے مبتدا محذوف
کی یا مع لاریب فیہ کے ذٰلک کی خبر ہے یا فیہ خبر مقدم ہے اور ھدی للمتقین مبتدا ہے یا منصوب ہو حالیت پر اور عامل
حال معنی اشارہ یا ظرف ہے۔ اور راجح یہ ہے کہ محل رفع میں ہے اسلیئے کہ مع لاریب فیہ کے ذٰلک الکتاب کی خبر ہے واللہ اعلم

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اس میں کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** صاحب کشاف نے کہا ہے کہ الذین یؤمنون یا موصول ہے متقین کے ساتھ بایں طور
کہ صفت مجرورہ ہے اور یا مدح منصوب یا مرفوع ہے بتقدیر اعنی الذین یا ھم الذین اور یا متقین سے منقطع ہے
اسلیئے کہ مبتدا ہے اور اسکی خبر اولٰئک علیٰ ھدی ہے۔ سو اگر متقین سے موصول ہوگا تو متقین پر وقف حسن یعنے جائز ہوگا نہ تام
یعنے کامل اور اگر منقطع ہوگا تو متقین پر وقف تام ہوگا لیکن ترجیح اول کو ہے واللہ اعلم **دوسرا مسئلہ** بعض نے کہا ہے
کہ الذین یؤمنون الخ بجائے تفسیر کے ہے متقین کے لئے اسواسطے متقے وہ ہے جو نیکیوں کا کرنے والا ہو اور برائیوں کا
چھوڑنے والا ہے۔ اور فعل یعنی کرنا دو طرح کا ہے یا تو فعل قلب ہے جو الذین یؤمنون میں ہے یا فعل جوارح (اعضا) جسکی اصل
نماز ہے پھر زکوٰۃ اور صدقہ اسلیئے کہ عبادت یا تو بدنی ہے اور اعلیٰ درجہ کی بدنی عبادت نماز ہے یا مالی اور اعلیٰ درجہ کی
مالی عبادت زکوٰۃ ہے اسلیئے آنحضرت علیہ السلام نے نماز کا نام عماد الدین (دین کا ستون) رکھا اور زکوٰۃ کا نام
قنطرۃ الاسلام ہے۔ اور ترک گناہ بھی نماز ہی میں داخل ہے اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ یہ چیزیں متقین کی تفسیر میں واقع ہوں اسلیئے کہ کمال سعادت تبھی حاصل ہوتی ہے
کہ آدمی نالائق کاموں کو چھوڑ دے اور لائق اور شایستہ کاموں کو کرے۔ سو ترک تو تقویٰ ہوا اور فعل اگر فعل قلب ہے
تو ایمان ہے اور فعل جوارح ہے تو نماز ہے اور زکوٰۃ ہے۔ اور تقویٰ کو مقدم کیا جو کہ بمعنے ترک ہے اور فعل کو مؤخر کیا
جو کہ ایمان اور نماز اور زکوٰۃ ہے اسلیئے کہ دل بطور ایک تختہ کے ہے جس پر نقش کھینچے جاتے ہیں عقائد حقہ اور اخلاق

فاضلہ کا اور قاعدہ یہ ہے کہ اول تختی کو خراب اور فاسد نقشوں سے صاف کرتے ہیں تاکہ اچھے نقش اُس پر جا سکیں اسی طرح اخلاق میں سمجھنا چاہیئے یہی وجہ ہے تقویٰ کے مقدم کرنے کی کہ اول ناشائستہ فعل چھوڑ دیئے جاویں پھر شائستہ فعلوں کا ذکر کیا **تیسرا مسئلہ** صاحب کشاف نے کہا ہے کہ ایمان بکسر ہمزہ افعال ہے اَمْن سے کہا جاتا ہے اٰمنہ اذا صدقہ اور اسکی حقیقت یہ ہوئی اٰمنہ من التکذیب والمخالفۃ اور بائے جارہ سے اسکو اس لیئے متعدی کیا کہ اَقَرَّ اور اِعْتَرَفَ کے معنی کو متضمن ہے اور ابو زید نے جو نقل کیا ما اٰمنت اَنْ اجد صحابۃ ای ما وثقت تو اسکی حقیقت صرت ذا امن ای ذا سکون و طمانینۃ اور یؤمنون بالغیب میں دونوں وجہیں اچھی ہیں یعنے یعترفون بہ یا یثقون بانہ حق اور اصل ایمان شریعت میں تین رکنوں سے مرکب ہے اوّل تصدیق بالجنان یعنی دل میں سچ ماننا دوم اقرار باللسان یعنے زبان سے شہادت دینا سوم عمل بالارکان یعنی اعضائے بدن کے ساتھ عمل کرنا سو پہلا رکن تو اصل ہے اور ملزوم ہے اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان اسکو لازم ہیں بشرط عدم موانع تو اگر کسی مانع سے ان دونوں رکنوں میں سے کسی میں خلل واقع ہو جاوے تو ایمان منتفی نہیں ہو سکتا جیسے کہ نگاہ کا کام نفوذ کرنا ہے مادامیکہ کوئی حجاب کثیف حائل نہو تو یہ دونوں رکن تصدیق کے علامات میں سے ہیں اور علامت ذی علامۃ کو لازم ہوا کرتی ہے لیکن اُس علامت کا ظہور کبھی مشکل ہو جاتا ہے بسبب کسی حائل کے واللہ اعلم

چوتھا مسئلہ اہل علم کہتے ہیں کہ غیب مصدر ہے قائم مقام اسم فاعل کے رکھا گیا ہے جیسے کہ کبھی صَوم بمعنے صائم کے آجاتا ہے اور زَور بمعنے زائر کے۔ پھر بالغیب کے معنی میں اس مقام پر دو قول ہیں پہلا قول ابو مسلم اصفہانی کا ہے یعنے اسکی تقدیر یوں ہے حال کونہم غائبین یعنے نظر سے غائب ہوں تو بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں جیسے کہ نظروں کے سامنے مومن رہتے ہیں۔ منافقوں کی طرح نہیں کہ سامنے کچھ اور پیچھے کچھ جنکے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَہْزِءُوْنَ اور اسی کے قول اللہ تعالیٰ کا ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْہُ بِالْغَیْبِ اور عرب کہتے ہیں ایکدوسرے سے نعم الصدیق لک فلان بظہر الغیب اور یہ سب باتیں مومنوں کی مدح میں ہیں یعنی اُن کا ظاہر و باطن یکساں ہے اور منافقوں کی طرح نہیں ہیں کہ مونہ سے کچھ کہیں اور دل میں کچھ ہو۔ اس صورت میں بالغیب کی بائے جارہ ظرفیت کے لیئے ہوگی دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ غیب وہ چیز ہے جو حاسہ بصر سے غائب ہو اور اس غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر دلیل قائم ہے دوسری وہ جسپر دلیل نہیں ہے۔ اور اس آیت میں مدح ہے اُن متقی لوگوں کی جو ایمان لاتے ہیں اُس غیب پر جسپر دلیل قائم ہے کہ اُس میں غور و فکر کریں اور صحیح استدلال کر کے اُسپر ایمان لائیں اور اس غیب میں علم ذات و صفات اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور علم آخرت اور علم اثبات نبوت اور علم اثبات شرائع اور علم احکام جن میں اجتہاد اور استدلال کو دخل ہے اور یہ سب باتیں موجب ثنائے عظیم ہیں

پانچواں مسئلہ بعض شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بالغیب سے مراد مہدی موجود ہے جسکا شیعہ انتظار کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسکا وعدہ قرآن میں دیا ہے اور حدیث میں بھی اُسکی بشارت موجود ہے قرآن کا وعدہ تو یہ ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ اور حدیث کی بشارت آنحضرت علیہ السلام کا یہ قول ہے لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یخرج رجل من اہل بیتی یواطئ اسمہ اسمی و کنیتہ کنیتی یملأ الارض عدلا و قسطا کما ملئت جورا و ظلما۔ لیکن آیت مطلق ہے اور حدیث سخت ضعیف ہے اور قاعدہ اصولی مسلمہ ہر فریق یہ ہے کہ

مطلق کی تخصیص بغیر دلیل کے باطل ہے **چھٹا مسئلہ** اقامۃ الصلوٰۃ کی تفسیر میں علماء نے کئی وجہیں ذکر کیں ہیں اول یہ کہ اقامت سے مراد نماز میں تعدیل ارکان ہے اور اُسکے فرائض اور سنن اور آداب میں خلل نہ آنے دینا اور یہ ماخوذ ہے اس مثال سے اقام العود اذا قومہ دوم یہ کہ اس سے مراد نماز پر مداومت کرنا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ اور فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَائِمُوْنَ اور یہ اس مثال سے ماخوذ ہے قامت السوق اذا نفقت اور بازار کی اقامت یہی ہے کہ اُس میں تجارت کی پابندی اور محافظت کی جائے اور اگر سستی کی جاویگی تو اچھا مال بھی بے سود ہونے کی وجہ سے کھوٹا قرار دیا جاویگا کہ کوئی اُسکا خواستگار نہیں ملتا سوم یہ کہ یکسو ہو کر کمال دھیان اور توجہ سے اُسکو ادا کرے کہ سستی کا اُسمیں دخل نہو جیسے کہتے ہیں قام بالامر اور قامت الحرب علی ساقھا اور اسکی ضد میں کہا جاتا ہے قعد عن الامر و تقاعد عنہ اذا تقاعس و تثبط چہارم یہ کہ اس سے مراد مطلق ادا ہے اور ادا کی جگہ اقامت کا لفظ اسلئے بولا گیا ہے کہ اُسکے ارکان میں سے ایک رکن قیام بھی ہے گویا اطلاق جزکا اور ارادہ کل کا ہے جیسے کہا جاتا ہے رکع رکعتین اور سجد سجدتین یا سبح بولتے ہیں بجائے صلی کے۔ لیکن اصل مراد اس سے دوام اور تعدیل ارکان اور حضور قلب ہے اور جبکہ یہ باتیں باہم نہ پہونچینگی موجب مدح اور ثنائے عظیم نہوگی **ساتواں مسئلہ** لفظ صلوٰۃ کے لغوی معنوں میں کئی وجہیں ہیں پہلی یہ کہ اُسکے معنے دُعاء کے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے

وقابلھا الریح فی دنھا ۔ وصلی علی دنھا وارتسم ۔

دوسری یہ کہ خارزنجی کہتے ہیں کہ اسکا اشتقاق صَلٰی سے ہے جیسے عرب کہتے ہیں صلیتُ العصا اذا قومتھا بالصلٰی تو گویا نمازی اپنے ظاہر اور باطن کو درست کرتا ہے اُس شخص کی طرح جو لکڑی کو آگ پر رکھکر سیدھا کرتا ہے تیسرے یہ کہ صلوٰۃ ماخوذ ہے ملازمۃ (پابندی) سے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً اور سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ اور گھُر دوڑ کے دوسرے نمبر کے گھوڑے کو مُصَلّٰی بولتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ کشاف والا کہتا ہے کہ صلوٰۃ کا وزن فَعَلَۃٌ ہے صَلّٰی سے جیسے زکوٰۃ ہے زکّٰی سے اور قرآن میں تفخیم کے لئے واو سے لکھی گئی ہے اور صَلّٰی کا حقیقی معنی تحریک الصَّلَوَیْن ہے یعنے جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو دونوں چوتڑ کو ہلاتا ہے جب رکوع سجود کرتا ہے اور دعا کرنے والے کو بھی مُصَلِّیْ کہا گیا ہے اسلئے کہ وہ بھی رکوع سجود کرنے والے کی طرح عاجزی اور زاری کرتا ہے۔ لیکن کشاف والے کا کلام مردود ہے دو وجہ سے ایک تو نمازی کے حق میں ایسا اشتقاق بے ادبی ہے دوم یہ کہ صلوٰۃ کو تحریک الصلوین سے مشتق کرنا نہایت نادر اور کمیاب لغت ہے اور غیر مشہور لغت سے قرآن کی تفسیر نہیں کی جاتی **آٹھواں مسئلہ** کلام عرب میں رزق کے معنی حظ کے ہیں یعنی نصیب اور حصہ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ یعنی حظکم اور وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا لیکن رزق دو قسم کا ہے ایک طیب (حلال) اور دوسرا خبیث (حرام) اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ اسلئے بالاتفاق حرام مال سے صدقہ دینا ہرگز جائز نہیں ہے **نواں مسئلہ** انفاق کے اصلی معنی یہ ہیں کہ مال سے ہاتھ نکال دیا جائے اور اسی قبیل سے ہے عرب کا قول۔ نفق المبیع نفاقا اذا کثر المشترون لہ و نفقت الدابۃ اذا ماتت ای خرج روحھا اور چوہے کے نکلنے کے سوراخ کو نافقاء کہتے ہیں اسلئے کہ وہ اُس سے باہر نکلتا ہے اور اسی سے نفق (سرنگ) ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ **دسواں مسئلہ** وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ میں کئی فائدے ہیں اول یہ کہ مَا پر مِنْ تبعیضیہ اسلئے داخل کیا گیا ہے تاکہ انکا

مالی اسراف اور فضول خرچی محفوظ رکھا جاوے اور بے موقع خرچ سے بچے اسلیے کہ اسراف اور تبذیر حرام ہے اور ممنوع ہے۔
دوم مفعول کو فعل پر اسلیے مقدم کیا تاکہ اسکا اہم ہونا پایا جاوے گویا تقدیر یوں ہے ویخصون بعض المال بالتصدق بہ
سوم یہ کہ انفاق قرآن میں عام ہے اس میں انفاق واجب اور انفاق مندوب دونوں داخل ہیں زکوٰۃ ہو یا ذاتی خرچ یا جہاد میں
خرچ کرنا اور اسی طرح نفلی صدقہ بھی عام ہے آیہ کنز میں ہے وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور دوسری جگہہ فرماتا ہے وَأَنفِقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الآیۃ یہ سب انفاقات موجب مدح ہیں۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن
قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اس میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** اہل سنت اور معتزلہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف
نہیں ہے کہ ایمان کا تعدیہ جب باء جارہ سے ہوتا ہے تو اُس سے مراد محض تصدیق ہوتی ہے صوم و صلوٰۃ وغیرہ مراد نہیں ہوتے
لیکن اسکی معرفت یعنی پہچان ضروری امر ہے اور اعمال گویا پہچان کے لیے رکھے گئے ہیں جب پہچان مفقود ہوگی تو مدح بھی مفقود
ہوگی بلکہ مذمت کی طرف زیادہ تر نزدیک ہوگا **دوسرا مسئلہ** انزال الوحی اور قرآن کے مُنزَل اور مُنزِل اور منزول
بہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آسمان میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور رسول پر اُسکو لیکر اُترا **تیسرا مسئلہ**
وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ میں جس ایمان کا ذکر ہے یہ ایمان بھی واجب ہے اسلیے کہ اُسکے آخر میں أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ
ہے اسلیے اس سے یہ ثابت ہوا کہ جسمیں یہ ایمان نہیں وہ مفلح نہیں اور جب اسکا وجوب ثابت ہوا تو جو کچھ آنحضرت محمد صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُترا ہے اُسکا مفصل علم حاصل کرنا واجب ہوا اسلیے کہ جب تک آدمی کسی چیز کا تفصیلی علم حاصل نہیں کر لیتا
اُسکی علمی اور عملی واجبات کو کماحقہٗ بجا نہیں لا سکتا کیونکہ جب ایک چیز کو جانے گا نہیں اُسکو بجا کیسے لاویگا لیکن یہ وجوب علی
الکفایہ ہے نہ علی الاعیان **چوتھا مسئلہ** الآخرۃ قیامت کا نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ دنیا سے بعد آخر میں آئیگی اور دنیا کو
دنیا اسلیے کہا گیا ہے کہ وہ آخرت سے ورے اور بہت قریب ہے **پانچواں مسئلہ** یقین اوس علم کو کہتے ہیں جسکی مضبوطی
بعد شک کے حاصل ہوئی ہو اسلیے یہ جملہ صحیح نہیں ہوگا تیقنت وجود نفسے ورنہ تیقنت ان السماء فوقی حاصل یہ کہ الکتابی اور
نظری علوم میں یقین کا استعمال ہوتا ہے **چھٹا مسئلہ** اللہ تعالیٰ نے تیقین بالآخرۃ کی مدح کی ہے اس سے وجود آخرت اور جو
اُس میں حساب کتاب وغیرہ ہوگا اُسکا وجود لازم ہوا اور اُسپر یقین بھی لازم ہوا تو گویا یقین ان سب امور پر شامل ہوا۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اس میں کئی مسئلے ہیں

پہلا مسئلہ اسکے تعلق میں ماقبل کے ساتھ تین وجوہ ہیں اول یہ کہ الذین یؤمنون بالغیب کو مبتدا مانا جاوے اسلیے کہ جب ہدی
للمتقین میں اس بات کی تخصیص کی گئی کہ یہ کتاب خاص اہل تقوی ہی کے لئے ہدایت ہے تو گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ اس تخصیص
کا باعث کیا ہے تو اسکے جواب میں الذین یؤمنون المفلحون تک وارد ہوا تو خلاصہ جواب یہ ہوا کہ جو شخص مشغول رہے ایمان اور
اقامۃ الصلوٰۃ اور ایتاء الزکاۃ میں اور اس سے چارہ نہیں کہ نجات اور فوز بالفلاح جبھی نصیب ہو سکتی ہے جب بندہ
اپنے مالک کی طرف سے ہدایت پر ہو دوم یہ کہ اولئک علی ہدی من ربہم کو تابع متقین کے بنایا جاوے اور پھر واولئک ہم
المفلحون سے ابتدا کی جاوے گویا کسی نے سوال کیا کہ جو لوگ موصوف با ین صفات ہیں کیوں مخصوص بہدایت ہیں تو ان کے
جواب میں کہا گیا کہ اسلیے کہ وہی فلاح پانے والے ہیں اور فلاح بغیر ہدایت کے ناممکن ہے خواہ فلاح اجل ہو یا عاجل سوم یہ کہ
موصول کو متقین کی صفت بنایا جاوے اور دوسرے موصول کو مرفوع بالابتدا کیا جاوے اور اولئک اُسکی خبر قرار دی جاوے تو

گویا اہل کتاب سے تعریض کی گئی ہے کہ اگرچہ تمکو انبیائے سابقین پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے لیکن یاد رکھو کہ ہرگز تمکو فلاح نہیں
ہوسکتی جب تک کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ گے بغیر اسکے تمہاری سب طرح اکارت ہے دوسرا مسئلہ علیٰ استعلاء کے
لئے ہوتا ہے تو علیٰ ہدیً اسلئے کہا گیا ہے کہ گویا وہ لوگ حق پر بمدرت پاچکے اور اسکے اوپر جم گئے تو اُن کی مشابہت اُس چیز سے دی
گئی جو کسی چیز پر چڑھ گئی ہو اور اُسپر سوار ہو گئی ہو اور اسی کی نظیر ہے قول لوگوں کا فلان علی الحق او علی الباطل اسی قبیل سے
ہے اُن کی تصریح جعل الغوایۃ مرکبا و امتطے الجہل اور حقیقت میں اُن کے ہدایت پر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دلیل سے
سلک کیا ہے اور جو دلیل سے تمسک کرنیوالا ہے اسپر لازم ہے کہ اُسپر ہمیشگی کرے تو گویا اولٰئک علیٰ ہدیً سے یہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے شریعت کو بغیر ایمان لائے ادا
دوبارہ اُن کی پابندی اور مواظبت کی طرح کی کہ وہ اُس ایمان پر قایم ہیں تیسرا مسئلہ اولٰئک کے مکرر لانے میں اسبات کی
تنبیہ ہے کہ جس طرح اُن کو ہدایت سے خصوصیت ہے اسی طرح فلاح سے بھی اُن کو خصوصیت ہے تو یہ لوگ غیروں سے ان دو خصوصیتوں کی
وجہ سے ممتاز ہوئے۔ اگر کہا جاوے کہ واو عاطفہ کے لانے کی کیا وجہ ہے اور اس آیت میں اور آیۂ اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
اُولٰئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ میں کیا فرق ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں دو خبریں مختلف ہیں اسلئے حرف عطف کے لانے کی
ضرورت ہوئی بخلاف دوسری آیت کے کہ اُس میں دونوں خبریں متحد ہیں اسلئے کہ اُنپر غفلت کا حکم لگانا اور بہایم سے تشبیہ دینا
ایک ہی چیز ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہے اسلئے عطف کی کوئی وجہ مناسبت نہیں ہے چوتھا
مسئلہ هُمْ ضمیر فصل کی ہے اور اُسکے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ جو لفظ اُسکے بعد ہے وہ خبر ہے نہ صفت دوسرا یہ کہ خبر کو مبتدا میں حصر
کردیتی ہے اسلئے کہ اگر تم کہو الانسان ضاحک تو اس جملہ سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا کہ ضاحکیت (ہنسنے والا ہونے) کا وصف سوائے
انسان کے اور کسی ذی روح میں نہیں پایا جاتا۔ ہاں اگر کہو گے کہ الانسان هو الضاحک تو اس جملہ سے ضرور یہ ثابت ہوگا کہ ضحک
فقط آدمی ہی کا خاصہ ہے پانچواں مسئلہ مفلح اُسکو کہتے ہیں جو اپنی مراد کو بخوبی پہونچ جاوے کسی قسم کی رکاوٹ اُس میں
نہ واقع ہو اور نہ کچھ کمی واقع ہو اور اصل معنی اُسکے شق (چیرنے) کے ہیں اور اسی وجہ سے ہل جوتنے والے کو فلاح کہتے ہیں ÷

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ اس میں کئی مسائل ہیں

پہلا مسئلہ انباری نے حکایت نقل کی ہے کہ کندی فلسفی امام مبرد نحوی کے پاس سفر کرکے آیا اور کہا کہ میں کلام عرب میں حشو
(بھرتی کے الفاظ) بہت پاتا ہوں میں دیکھتا ہوں کہ عرب کہتے ہیں عَبْدُ اللّٰهِ قَائِمٌ پھر کہتے ہیں اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ قَائِمٌ پھر کہتے ہیں
اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ لَقَائِمٌ تو امام مبرد نے کہا کہ نہیں بلکہ ہر ایک کا مطلب جدا جدا ہے پہلے جملہ میں تو مطلق عبد اللہ کے قیام کی خبر ہے
اور دوسرے جملہ میں جواب ہے کسی سائل کا۔ اور تیسرے جملہ میں جواب انکار منکر کا اور عبد القاہر جرجانی اِنَّ کے جواب واقع کیلئے
کئی آیتوں سے دلیل پکڑی ہے جیسے وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْهُ ذِکْرًا اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ
اور نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اور فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ اور قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ
اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ اور ان کے سوا اور بہت نظائر ہیں لیکن سوال کبھی
ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مقدر دوسرا مسئلہ اہل تفسیر کا اسمیں اختلاف ہے کہ الذین کفروا سے کون کافر مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ
رؤسا یہود مراد ہیں عناد والے جنکے وصف میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ جانکر حق کو چھپاتے ہیں اور یہ قول ابن عباس
رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مراد اس سے مشرکین کا ایک گروہ ہے جیسے ابولہب اور ابوجہل اور ولید بن المغیرہ وغیرہم

اور یہ وہ لوگ ہیں جو دلیل حقیت اسلام معلوم کر کے جان بوجھ کر کافر رہے اور ایسوں ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے + فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ اور آنحضرت علیہ السلام کو بہت بڑی حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جاویں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا اور فرماتا ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی طمع کو قطع کرنے کے واسطے یہ حکم سنا دیا لَا يُؤْمِنُوْنَ اسلیے کہ ناامیدی بھی ایک قسم کی راحت ہے **تیسرا مسئلہ** صاحب کشاف کہتے ہیں کہ سواء اسم ہے اِسْتِوَاءٌ کے معنوں میں تو یہاں مصدر بمعنے صفت واقع ہوا ہے اور اسی قسم سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اور فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ تو سَوَآءٌ کے معنے مستوٍ اور مستویۃ کے ہیں تو تقدیر کلام یوں ہوئی ان الذین کفروا مستو علیہم انذارک وعدمہ **چوتھا مسئلہ** سَوَآءٌ کے مرفوع ہونے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ چونکہ خبر واقع ہوا ہے اسلیے مرفوع ہے اور ءانذرتہم ام لم تنذرہم محل میں رفع کے ہے فاعلیت پر گویا تقدیر کلام یوں ہے ان الذین کفروا مستو علیہم انذارک وعدمہ جیسے کہ کہا جائے ان زیدا مختصم اخوہ وابن عمہ دوسرا یہ کہ ءانذرتہم الخ محل میں رفع کے ہے اسلیے کہ مبتدا موخر ہے اور سواء علیہم خبر مقدم ہے اور جملہ خبر انّ کی ہے اور یہی قول راجح ہے واللہ اعلم **پانچواں مسئلہ** ءانذرتہم میں چھ قراتیں ہیں (۱) ءَاَنْذَرْتَهُمْ (۲) ءَااَنْذَرْتَهُمْ یعنی ان دونوں قراتوں میں دونوں ہمزہ محقق ہیں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ پہلی قرات میں دونوں ہمزوں کے درمیان ایک الف زائد ہے (۳) پہلا ہمزہ صاف پڑھا جائے اور دوسرا بین بین اور دونوں کے درمیاں الف زائد ہو (۴) ان دونوں میں الف زائد نہو (۵) انذرتہم پہلا ہمزہ حذف کر کے (۶) سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَنْذَرْتَهُمْ یعنی ہمزہ استفہام کا حذف کر دیا گیا اور اسکی حرکت نقل کر کے میم ساکن کو دیدی جو اسکے ماقبل تھا جیسے قَدَ اَفْلَحَ کو پڑھ لیتے ہیں اگر کہا جاوے کہ ایک اور قرات بھی تو ہے یعنی پہلا ہمزہ برقرار رہے اور دوسرے کو الف سے بدل دیا جاوے یعنی آنْذَرْتَهُمْ پڑھا جاوے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ غلط ہے کلام عرب سے خارج ہے جیسے صاحب کشاف نے کہا ہے **چھٹا مسئلہ** صاحب کشاف نے کہا کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ یا تو جملہ موکدہ ہے اپنے ماقبل کے لیے اور یا ان کی خبر واقع ہوا ہے اور اسکے ماقبل کا جملہ معترضہ ہے +

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

اس میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** قرآن مجید میں ختم کے قریب المعنی الفاظ جو وارد ہوئے ہیں یہ ہیں طَبْع کِنَان رَیْن وقر غشاوۃ چنانچہ فرماتا ہے وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یا بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ اور وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اور كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ان سب آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ یہ امور حاصل ہو چکے تو اس سے جبریہ کو تقویت ہوئی۔ اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مانع موجود نہیں چنانچہ فرماتا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اور فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ اور لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ان آیتوں میں معتزلہ قدریہ کی تائید نکلتی ہے غرض ان دونوں قسموں کی آیتوں سے لبالب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسلامی مسائل میں یہ مسئلہ بہت سخت مشکل ہے اور بہت بھاری شور اسی میں ہے چنانچہ امام ابوالقاسم انصاری سے کسی نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں معتزلہ کو کافر کہنا چاہیے یا نہیں تو کہا کہ نہیں اسلیے کہ انہوں نے اللہ کی تنزیہ بیان کی ہے تو اہل سنت کے بارے میں ان سے سوال ہوا کہ ان کو کچھ کہنا چاہیے تو کہا کہ نہیں اسلیے کہ انہوں نے

اصلی تعظیم کی ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ دونوں فریق نے اللہ کی عظمت اور کبریا اور جلال ثابت کیا بحسب اپنی نیتوں اور لیاقتوں کے لیکن اہل سنت کی نظر زیادہ تر عظمت پر پڑی اسلیئے اُنہوں نے کہا کہ موجد حقیقی وہی ہے اُسکے سوا اور کوئی موجد نہیں ہے - اور معتزلہ کی نظر زیادہ حکمت پر پڑی اسلیئے اُنہوں نے کہا کہ اس قسم کی قباحتیں اُسکے دربار کے جلال کے لائق نہیں (لیکن تقابلہ حقیقی معتزلہ اور جبریہ کا ہے) اہل سنت کا خلاصہ مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے فرق اسقدر ہے کہ بندہ میں ارادہ پیدا کیا جاتا ہے اور اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں اور کسب اکتساب بندے کی طرف سے ہوتا ہے اس طرح نہیں ہے جیسے کہ ہوا سے ٹہنیاں اور پتّے ہلتے ہیں یا مردہ بدست زندہ اس سے زیادہ اس میں گفتگو نا جائز ہے اور سوائے حیرت کے کچھ نتیجہ نہیں ہے **دوسرا مسئلہ** صاحب کشاف نے کہا ہے کہ باعتبار لفظ کے احتمال ہے کہ سمع ختم کے تحت میں ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ غشاوہ کے تحت میں ہو لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ختم کے تحت میں ہو اسلیئے کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَخَتَمَ عَلٰى سمعہ وقلبہ وجعل علیٰ بصرہ غشاوۃ اور نیز یہ دلیل بھی ہے کہ سب قرّاء سمعھم پر وقف کرتے ہیں قلوبھم پر نہیں کرتے **تیسرا مسئلہ** علیٰ جو حرف جارہ ہے اُس کو سمعھم کے لیئے مکرر کیوں لائے - اسکا فائدہ یہ ہے کہ دونوں جگہوں پر سخت مُہر کی گئی ہے **چوتھا مسئلہ** ابصار اور قلوب کے جمع لانے اور سمع کے مفرد لانے کے کئی وجوہ ہیں (۱) اسلیئے کہ ہر ایک شخص کا ایک سمع ہے لیا اسلیئے کہ اس میں شرکت کا احتمال نہیں اسلیئے ایک سمع سب کے لیئے کافی سمجھا گیا ہے جیسے کہتے ہیں اتانی براس الکبشین یعنی راس کل واحد منہما جیسے کہ بطون عرب کے اس مصرع میں مفرد لایا گیا کلوا فی بعض بطنکمو تعیشوا اور جہاں احتمال شرکت کا ہو وہاں واحد پر اکتفا نہیں کرتے چنانچہ جہاں جمع مراد ہو تو فرسھم و ثوبھم نہیں کہتے (۲) سمع اصل میں مصدر ہے اور مصدر جمع نہیں کیا جاتا چنانچہ کہتے ہیں رجلان صوم و رجال صوم تو اس میں اصل کی رعایت کی گئی ہے اور اسکی دلیل ہے جمع اُذُن اس آیتیں وفی اذانہم وقر (۳) یہاں مضاف مقدر ہے وہ جمع ہے تقدیر یہ ہے وعلیٰ حواس سمعھم (۴) سیبویہ نے کہا ہے کہ سمع مفرد تو لایا گیا لیکن اسکے ماقبل اور مابعد کو جمع لانا دلیل ہے اس بات کی اس سے مراد بھی جمع ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ اور عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَائِلِ - قال الراعی

بہا جیف القتلی فاما عظامہا   فبیض واما جلدہا فصلیب

یعنی جلودھا - اور ابن ابی عبلہ کی قرارت ہیں وعلیٰ اسماعھم ہے **پانچواں مسئلہ** بعض لوگ کہتے ہیں کہ سمع (سننا) افضل ہے بصر (دیکھنے) سے اسلیئے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا ذکر کیا وہاں سمع کو مقدم رکھا بصر پر اور تقدیم دلیل ہے تفضیل کی - اور اسلیئے بھی کہ سمع شرط نبوت ہے بخلاف بصر کے اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے کوئی بہرا نہیں بھیجا اور نابینا بیشک بعض تھے - اور اس لیئے بھی کہ جب سماعت مفقود ہوتی ہے تو نطق بھی مفقود ہو جاتا ہے اور بصر کے باطل ہونے سے نطق باطل نہیں ہوتا - اور اسلیئے بھی کہ سماعت کے ذریعہ سے عقول کے نتائج بعض کے بعض تک پہنچتے ہیں تو سماعت عقلی معرفت کے کمال کا سبب ہے اور بصارت سے سوائے محسوسات کے اور کسی چیز سے نفع حاصل نہیں ہو سکتا - اور اسلیئے بھی کہ سمع کا تصرف چھیوں جہتوں میں ہے کیونکہ آدمی ایک ہی طرف رخ کیئے ہوئے ہر طرف کی آواز سُن سکتا ہے بخلاف دیکھنے کے کہ جدھر منہ ہوگا اُدھر ہی سے دیکھ سکتا ہے دوسری طرف سے نہیں دیکھ سکتا - اور بعض بصر کو سمع پر فضیلت دیتے ہیں اسلیئے کہ قوت باصرہ کا آلہ اشرف ہے اور اسلیئے کہ قوت باصرہ کا تعلق نور سے ہے اور قوت سامعہ کا تعلق ہوا سے ہے

چھٹا مسئلہ غِشاوۃً عین کے کسرہ اور آخر کے نصب کے ساتھ اور غُشاوۃٌ عین کے پیش اور آخر کے رفع کے ساتھ اور غَشاوۃٌ عین کے فتحہ اور آخر کے نصب کے ساتھ اور غِشوۃٌ کسرۂ عین اور رفع اخیر سے اور غَشوۃٌ فتحہ اور رفع سے اور فتح اور نصب سے اور عشاوۃ عین مہملہ اور رفع سے ماخوذ عشاء سے - یعنی علاوہ مشہور قرارت کے سات قراتیں اور ہوئیں اور غشاوۃ جو غین معجمہ سے ہے اُسکے معنے پردہ کے ہیں اور غاشیۃ بھی اسی سے ماخوذ ہے اور اسی قبیل سے ہے غشی علیہ اذا زال عقلہ اور غَشَیَان کنایہ ہے جماع سے **ساتواں مسئلہ** عذاب اور نکال دونوں کا وزن اور معنی ایک ہے اسلیے کہ عرب کہتے ہیں اَعذب عن الشئ اذا امسک عنہ اور اسی معنی میں کہتے ہیں نکل عنہ اور ٹھنڈے پانی کو اسی وجہ سے عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو قلع قمع کر دیتا ہے اور اسکو روک دیتا ہے اور اسلیے اُسکو نقاخ بھی کہتے ہیں کہ پیاس کو توڑ دیتا ہے اور فرات بھی اسلیے کہتے ہیں کہ پیاس کو دل سے دور کر دیتا ہے پھر اس عذاب کے معنوں میں وسعت کی گئی تو ہر درد اور دکھ کا نام عذاب رکھا گیا گو وہ نکال ہوا یا نہو - اور عظیم اور کبیر میں فرق یہ ہے کہ عظیم نقیض حقیر کا ہے اور کبیر نقیض صغیر کا ہے تو گویا عظیم کبیر پر فوقیت رکھتا ہے اور دونوں خارجی ذہنی ہوتے ہیں +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

اس میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** تمام مفسرین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں اتری ہے - مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تین قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے مومنین اور کافرین اور منافقین کا - تو اول مومنین مخلصین کی صفت بیان فرمائی جنکے دلی اور اندرونی حالتیں صحیح و سالم تہیں - پھر ان کے بعد کفار کا حال بیان کیا جنکا کفر و انکار و عناد و جحود ظاہر اور دائمی تھا اور وہی اُن کے دلوں میں بھی تھا پھر اُن کے بعد منافقوں کا حال بیان کیا جو زبان سے ایمان کا اقرار کرتے تھے اور اُن کے باطن اُسکے مخالف تھے - **دوسرا مسئلہ** نفاق کی حقیقۃ کا خلاصہ جبھی ٹھیک معلوم ہوگا جبکہ ہم ایک تقسیم بیان کریں گے اور وہ تقسیم یہ ہے کہ دل کی حالتیں چار صورتوں سے باہر نہیں (۱) اعتقاد مطابق واقع کے جو دلیل سے حاصل کیا گیا ہو اور اُسکو علم کہتے ہیں (۲) اعتقاد مطابق واقع کے جو بغیر دلیل کے حاصل ہوا ہو اور یہ اعتقاد مقلد کا ہے (۳) اعتقاد غیر مطابق واقع کے اور یہ جہل مرکب ہے (۴) دل کا ہر اعتقاد سے خالی ہونا خواہ مطابق واقع ہوا ہو اور یہ جہل بسیط ہے - پھر مطابق پہلی صورت کے جبکہ معرفت قلبی حاصل ہوگئی تو اسکے ساتھ زبانی اقرار یا انکار یا سکوت ہوگا - پھر معرفت قلبی کے ساتھ زبانی اقرار اختیاری ہوگا یا اضطراری - اختیاری والا تو سچا مومن ہے - اور اضطراری والا منافق ہے اسلیے کہ دل سے وہ انکار اور تکذیب کر رہا ہے سو جب وہ زبان سے تصدیق کر رہا ہے اور دل سے تکذیب کر رہا ہے تو ضرور ہوا کہ منافق کہلاوے - پھر معرفت قلبی کے ساتھ زبانی انکار یا تو اضطراری ہوگا یا اختیاری - اضطراری والا مُسلم (مسلمان) کہلائیگا جیسے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اور اختیاری والا کافر معاند کہلائیگا - پھر معرفت قلبی کے ساتھ زبانی سکوت اضطراری ہوگا یا اختیاری - اضطراری والا اگر زبان سے ذکر کرنے سے خوف کرتا ہے تو وہ بھی سچا مسلمان ہے - اور اختیاری سکوت والے میں اختلاف ہے امام غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ بھی مومن ہے اسلیے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ - یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان اور اس شخص کا دل بھی نور ایمان سے بھرا ہوا ہے تو پھر دوزخ سے

کیوں نہ نکالا جاویگا۔ پھر مطابق دوسری صورت کے تقلیدی اعتقاد والا زبان سے اقرار کریگا یا انکار یا سکوت۔ پھر اگر اقرار اختیاری ہے تو مقام اختلاف کا ہے اسلیئے کہ مقلد بعض کے نزدیک مومن ہے اور بعض کے نزدیک نہیں (ترجیح اسی کو ہے کہ مومن ہے) اور اگر اضطراری ہے تو یہ اختیاری کی فرع ہے اگر اس میں کافر کہیں تو یہاں بھی اُسکے کفر میں کچھ کلام نہیں اور اگر اُس صورت میں مومن کہیں تو اس صورت میں منافق کہنا ضروری ہوگا کیونکہ اس صورت میں اگر اُسکو معرفت قلبی حاصل ہوتی تو منافق ہوتا تو حالت تقلید میں اُسکا منافق ہونا بطریق اولی ثابت ہوا۔ پھر تقلیدی اعتقاد والا اختیاری انکار کریگا یا اضطراری۔ اختیاری والا بلاشک و شبہہ کافر ہے اور اضطراری والا مومن ہے اگر مقلد کا ایمان مقبول مانا جاوے (چنانچہ مذہب منصور یہی ہے) پھر تقلیدی اعتقاد والا اختیاراً ساکت ہو یا اضطراراً اُسکا حکم وہی ہے جو معرفت قلبی والے ساکت کا ہے۔ پھر مطابق تیسری صورت کے جہل مرکب یعنی انکار قلبی والا یا تو زبانی اقرار کریگا۔ یا انکار۔ یا سکوت۔ اضطراری اقرار والا منافق ہے۔ اور اختیاری والے کی یہ مثال ہے کہ ایک شخص نے بطور شبہہ کے دل میں اعتقاد رکھا کہ عالم قدیم ہے پھر اپنے ہی اختیار سے زبان سے اقرار کیا کہ عالم محدث ہے تو ایسا آدمی کچھ بعید نہیں کہ دل میں معرفت رکھے اور زبان سے انکار کرے اور اسی کو کفر جحود و انکار بولتے ہیں پھر کیوں جائز نہوگا کہ دل میں تو بالکل ناواقف اور جاہل ہو اور زبان سے اقرار کرے۔ تو یہ حالت بھی نفاق کی قسم میں سے ہے۔ پھر انکار قلبی والا اگر انکار لسانی کرے تو کافر ہے اور منافق نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ اُس نے کچھ خلاف باطن کے ظاہر نہیں کیا۔ اور انکار قلبی والا حالت سکوت میں بھی کافر ہے اس لیئے کہ اُس نے سرے سے کچھ ظاہر ہی نہیں کیا۔ پھر مطابق چوتھی صورت کے جہل بسیط والا یا تو اقرار کریگا یا انکار یا سکوت۔ پھر اقرار والا یا تو اضطراری ہوگا یا اختیاری۔ پھر اختیاری والا اگر غور کرنے کی مہلت بھی دیا گیا ہے تو کفر کا حکم اُسپر لازم ہوگا لیکن اُسنے ایک ناجائز کام کیا اسلیئے کہ اُسنے ایسی خبر دی ہے جسکی اصلیت سے بالکل واقف نہیں کہ سچ ہے یا جھوٹ اور اگر اُسکو غور کی مہلت نہیں ملی تو اُس میں بحث ہے لیکن اگر اضطراری ہے تو کافر نہیں کہلائیگا اسلیئے کہ غور کرنے میں اُسکو اپنی جان کا خوف تھا اسلیئے جلدی سے اُسنے اقرار کرلیا تو اُسکا یہ فعل قبیح نہیں ٹھیریگا۔ پھر جہل بسیط والا مع انکار زبانی کے حکم میں مذکو سابق کے ہے۔ پھر جہل بسیط والا ساکت یا تو مہلت دیا گیا ہوگا غور کے لیئے یا نہیں۔ حالت غور میں اُسپر کچھ حکم نہیں لگ سکتا اور اگر مہلت نہیں ملی تو ضرور کافر ہے۔ یہ ہیں مفصل احوال دل کے جن سے نفاق کی حقیقت بخوبی معلوم ہوسکتی ہے تیسرا مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ صریح کافر زیادہ قبیح ہے یا منافق۔ بعض کہتے ہیں کہ صریح کا کفر زیادہ تر قبیح ہے اسلیئے کہ وہ دل سے تو جاہل ہے اور زبان سے جھوٹ بولتا ہے اور منافق دل سے جاہل ہے اور زبان سے سچا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ منافق بھی زبان سے جھوٹ بولتا ہے اسلیئے کہ وہ خبر دے رہا ہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے حالانکہ اُسکا وہ عقیدہ نہیں ہے اسی لیئے اللہ تعالی فرماتا ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ اور فرماتا ہے وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ پھر منافق میں اور بڑے اُمور موجود ہیں (۱) منافق کا قصد فریب اور دغا کا ہے اور صریح کافر میں اس بات کا قصد نہیں (۲) کافر کی طبیعت مردو لوگوں کی سی ہے اور منافق کی مخنثوں کی سی ہے (۳) کافر نے اپنے نفس کے لیئے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا بلکہ اُسکو عار سمجھا اور جو اُسکے دل میں انکار تھا اُسکو سچ کہدیا اور منافق نے جھوٹ کو پسند کیا (۴) منافق نے علاوہ کفر کے شریعت اور شریعت والوں سے استہزاء و ہنسی مذاق کرنا بھی شروع کیا بخلاف صریح کافر کے۔ اور منافق کے کفر کے بہت گاڑھا ہونے کی وجہ سے ہی اللہ تعالی فرماتا ہے إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۵) مجاہد تابعی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اول تو مومنوں کا

ذکر چار آیتوں میں ذکر فرمایا پھر دو آیتوں میں کفار کا ذکر کیا پھر تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر کیا۔ یہ بات بھی اسپر دال ہے کہ منافق کا جرم کافر سے بہت بڑھ کے ہے۔ اور یہ بات بعید ہے اس لئے کہ کثرت ذکر جرم کی بڑائی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اُن کے جرم کی بُرائی اسوجہ سے ہے کہ انہوں نے کفر کے ساتھ اور معاصی کے وجوہ بھی ملالئے جیسے مخادعۃ (دہوکا) اور استھزا (ہنسی مذاق دین سے) اور سوائے ان کے اور فریب اور ایذا رسانی کی باتیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ منافقوں کے حالات کثرت سے بیان کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار کے شر کے دفع کرنے کی نسبت منافقوں کا شر دور کرنا زیادہ تر مہتم بالشان ہے **چوتھا مسئلہ** اہل علم نے لفظ انسان کے اشتقاق میں کئی وجوہ ذکر کیئے (۱) ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ آدمی کو انسان اس لیئے کہا گیا کہ اللہ کی طرف سے جو اسکو حکم ہوا وہ اُسے بھول گیا اور شاعر کا قول ہے ؎

سُمِّيتَ إنسانا لأنك ناسي + اور ابو الفتح البستی نے کہا ہے ؎

یا اکثر الناس احسانا الی الناس + واکثر الناس افضالا علی الناس +

نسیت عہدک والنسیان مغتفر فاغفر فاول ناس اول الناس +

(۲) اسلیئے انسان نام رکھا گیا ہے کہ اپنی جنس سے اُنسیت رکھتا ہے (۳) ظہور کی وجہ سے انسان کہا گیا ہے اِیناس سے جسکے معنی دیکھنے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا جیسے کہ جنوں کو اجتنان (پوشیدہ رہنے) کی وجہ سے جن کہا گیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر لفظ دوسرے لفظ سے مشتق نہیں ہوتا ورنہ تسلسل لازم آجائیگا۔ اور اس بناپر لفظ انسان کا کسی دوسرے لفظ سے مشتق ماننا کوئی ضروری نہیں **پانچواں مسئلہ** ابن عباس رض کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین اہل کتاب کے بارے میں اُتری ہے اور منجملہ انہیں کے عبد اللہ بن اُبی اور معتب بن قشیر اور جد بن قیس ہے یہ لوگ جب اہل ایمان کے پاس جاکے بیٹھتے تھے تو ایمان اور تصدیق ظاہر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگ اپنی کتاب (توراۃ وغیرہ) میں آنحضرتؐ کی صفت و نعت موجود پاتے ہیں اور حال آنکہ یہ لوگ اپنے دعوی ایمان میں جھوٹے تھے جب الگ میں بیٹھتے تو مسلمانوں کے حق میں مذاق و تمسخر کیا کرتے تھے **چھٹا مسئلہ** مَن کا لفظ تثنیہ اور جمع اور واحد سب کے لیے مستعمل ہے واحد کی مثال جیسے وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ اور جمع کی جیسے وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ اسکا تو مفرد ہے اور معنی جمع کا ہے تو حالت افراد میں اسکا لفظ ملحوظ ہوتا ہے اور حالت جمع میں اسکا معنے ملحوظ ہوتا ہے اور آیت باب میں دونوں اعتبار موجود ہیں یقول کی ضمیر باعتبار لفظ کے اور وما ہم کی باعتبار معنی کے اسکی طرف پھری ہے +

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

اس میں کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** اللہ تعالی نے منافقین کے افعال قبیحہ میں سے چار چیزیں ذکر کی ہیں (۱) وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دہوکا دیتے ہیں تو یہ بات ضرور سمجھنا چاہیئے کہ فریب اور دہوکہ سے یہاں کیا مراد ہے (۲) اللہ جو اُن کو دہوکا دیتا ہے اسکا کیا معنے ہے (۳) وہ خدا کو کیوں دہوکا دیتے تھے۔ اور وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ کا کیا مطلب ہے اسمیں غور کرنا چاہیئے **دوسرا مسئلہ** اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے خدیعہ (فریب دہی) فعل مذموم ہے اور فعل مذموم کا غیر مذموم سے ممتاز ہونا ضروری ہے تو کہ لوگ اسکے کرنے سے بچیں۔ اور اصل معنی اسکے اخفا کے ہیں اور اسی لیئے خزانہ کا نام مخدع

رکھا گیا اور اخدعان گردن کی دو رگوں کو کہتے ہیں جو کہ پوشیدہ ہیں اور عرب کا استعمال ہے خدع الضب خدعا
اذا توارى فى جحره فلم يظهر الا قليلا اور کج رستہ کو جو مقصد کے خلاف ہو اسکو خیدع اور خادع کہتے ہیں جبکہ اسکا پتا نہ لگے
اور اسی سے مخدع ہے۔ اور تعریف خدیعہ کی یہ ہے کہ ایسی بات ظاہر کی جاوے جس سے یہ وہم ہو کہ یہ آدمی سلامت اور
درستی کا خواہاں ہے اور دل میں وہ بات رکھی جاوے جس سے اپنے آپ کو چھوڑا لیوے اور غیر کو ایذا میں مبتلا کر دیوے
تو یہ خصلت حالت کفر میں بمنزلہ نفاق کے ہے اور نیک اعمال میں بمنزلہ ریا کے ہے اور دونوں باتیں مقتضائے دین کے
برخلاف ہیں اسلیئے کہ دین کا مقتضا استقامت کا اختیار کرنا ہے اور فریب اور ایذا رسانی سے باز آنا ہے جیسے کہ اسکا مقتضا
یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت نہایت خلوص اور نیک نیتی سے کی جاوے۔ اور اسی لیئے ریاکار کو لوگ مدلس کہتے ہیں
جبکہ خلاف باطن ظاہر کرے۔ اور حدیث میں راوی کی تدلیس بھی اسی سے ماخوذ ہے اسلیئے کہ راوی ایسا لفظ استعمال کرتا ہے
جس سے احتمال سماع کا ہو ایسے شخص کے بارے میں جس سے اسنے نہیں سنا اور اگر صاف صاف بیان کرے تو اسکو کوئی مدلس
نہیں کہہ سکتا **تیسرا مسئلہ** ان منافقین نے اللہ تعالیٰ کو کس طرح دہوکا دے لیا اس لیئے کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کو دہوکا دینا محال ہے دو وجہ سے اول تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ سب اندرونی اور بھید کی باتیں جانتا ہے
اسلیئے اسکو دہوکا دینا ممکن نہیں دوم یہ کہ منافقین کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجا ہے اس لیئے
نفاق میں ان کا یہ قصد نہیں تھا کہ خدا تعالیٰ کو دہوکا دیں اسلیئے ثابت ہوا کہ یہ لفظ اپنے ظاہری معنوں میں استعمال
نہیں کیا جا سکتا تو اسکی دو صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا ذکر فرمایا ہو اور مراد اس سے اپنا رسول
رکھا ہو جیسے کہ اکثر باری تعالیٰ کی عادت ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ اور اسکے عکس میں فرمایا
وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ سو جس حصہ کو رسول لے گا اسکو اپنے طرف منسوب کیا تو منافقوں نے جب
رسول کو دہوکا دیا تو کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو دہوکا دیا (۲) اللہ کے ساتھ منافقوں کی صورت حال کفر کی حالت میں
اظہار ایمان کرنے میں ایسی ہی ہے کہ وہ گویا خدا کو دہوکا دے رہے ہیں اور منافقوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ کرنا کہ اہل اسلام
کے احکام انپر جاری کرانے حال آنکہ وہ ان کے اندرونی حالات کو جانتا ہے کہ یہ لوگ کافر ہیں باطن میں گویا اللہ تعالےٰ
بھی انکو دہوکا دے رہا ہے اور اہل اسلام کا معاملہ بھی انکے ساتھ اسیطرح کا ہے کہ وہ انکے اکثر حالات جانتے ہیں پھر خدا و رسول کی طاعت کی وجہ سے انپر وہی احکام
جاری رکھتے ہیں جنکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے **چوتھا مسئلہ** منافقین جو یہ دہوکے دیا کرتے تھے انکی اس سے کیا غرض
تھی اس میں بھی کئی وجوہ ہیں اول یہ کہ جب انہوں نے یہ گمان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنین انکو مومن سمجھکر ہماری
تعظیم اور خاطر مدارات کرتے ہیں تو اسی مدارات کی غرض سے خلاف مقصود ان کے سامنے اپنا مومن ہونا ظاہر کرتے تھے۔
دوم یہ کہ ممکن ہے کہ ان کی غرض یہ ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے بھید معلوم کر کے مخالفین میں شائع کریں سوم
یہ کہ انہوں نے اپنے اوپر سے وہ احکام جو کافروں کے لیئے تھے جیسے قتل وغیرہ وہ اٹھا لیئے اور اپنی جانوں اور آبروؤں کو
بچا لیا اسلیئے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله چہارم یہ کہ اس بہانہ سے
غنیمت کے مالوں میں سے حصہ لیا کرتے تھے **پانچواں مسئلہ** نافع اور ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرات میں وَمَا يُخَادِعُوْنَ ہے
اور باقیوں کی قرات میں وَمَا يَخْدَعُوْنَ ہے۔ اور پہلوں کی حجت یہ ہے کہ دوسرا لفظ پہلے لفظ سے مطابق ہو جاوے

اور باقیوں کی بحث یہ ہے کہ مخادعت دو میں ہوتی ہے اس لیئے ایک انسان اپنے نفس کے لیئے مخادع (باب مفاعلت) سے نہیں بولا جاتا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔

یہ دوسری قسم ہے افعال منافقین کے قبائح میں سے اور اس میں چار وجہ سے بحث ہے اول یہ کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ کا قائل کون ہے سو ممکن ہے کہ اللہ تعالی کو قائل قرار دیا جاوے یا رسول کو یا مومنین کو اور سب احتمال ٹھیک ہیں لیکن زیادہ تر احتمال مومنین کے قائل بننے کا ہے دوم یہ کہ فساد فی الارض کے معنے کیا ہیں۔ تو فساد شئے کا معنے یہ ہے کہ چیز نفع پہونچانے کی حالت سے باہر ہو جاوے اور اسکا نقیض اور ضد صلاح ہے اور فساد فی الارض میں کچھ امر زائد بھی ہے اور مراد اس سے جیسے کہ ابن عباس رض اور حسن بصری اور قتادہ اور سدی سے منقول ہے یہ ہے کہ ظاہر باہر اللہ تعالی کی نافرمانی کی جاوے اس لیئے کہ نافرمانی کی نحوست سے ہرج مرج اور فسادات پیدا ہوتے ہیں قتل و خون تک نوبت پہونچتی ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ اور دوسری مراد فساد سے منافقوں کا کافروں سے ملنا اور ان سے اختلاط اور مداراۃ رکھنا۔ اور تیسری مراد یہ کہ پوشیدگی میں منافقین تکذیب رسول کی طرف پکارتے تھے سوم یہ کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ منافقوں کا مقولہ ہے گویا مقابلہ کر رہے ہیں شارع کا اور مومنین کا اس لئے کہ مومن لوگ ان کے قبائح کو فساد سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ بجائے فساد کے صلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ

یہ منافقوں کے قبیح فعلوں کی تیسری قسم ہے۔ اور اس میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ سے مراد یہ ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جس میں اخلاص ہو اور نفاق سے دور ہو اور یہی انسانیت کا مقتضا ہے **دوسرا مسئلہ** النَّاسُ کے الف لام میں دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ عہدی ہو تو معنی یہ ہوئے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسے رسول اور جو اسکے ہمراہ ہیں ایمان لائے اس لیئے کہ یہ معین لوگ ہیں یا عبد اللہ بن سلام رض اور ان کے ہمراہی کیونکہ وہ ان کے ہمجنس ہیں دوسری یہ کہ جنسی ہو اس میں بھی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے انصار کے اکثر مسلمان تھے اور یہ منافق لوگ بھی انہیں میں سے تھے لیکن تھوڑے تھے اور لفظ عموم کبھی اکثر پر بھی بولا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ناس یعنی انسانیت والے لوگ صرف اہل اسلام ہی ہیں جو کہ با ایمان ہیں اور اسلام و ایمان کا مقتضا انسانیت ہے اور انسان کو اور حیوانات پر فضیلت عقل و رشد ہی کے سبب دی گئی ہے تو جب ایمان نہیں عقل و رشد نہیں اور جب عقل و رشد نہیں تو انسانیت نہیں **تیسرا مسئلہ** اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کا قائل یا رسول ہے یا مومنین زیادہ تر احتمال مومنین کا ہے۔ اور منافقین بھی کہا کرتے تھے کہ بھلا ہم فلان قبیلہ بیوقوف کا سا ایمان لاویں اور آنحضرت علیہ السلام ان کے اس دھوکے کو نہیں پہچانتے تھے اس لیئے اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ یعنی جن لوگوں کو یہ منافقین احمق اور بیوقوف بتاتے ہیں وہ بیوقوف بالکل نہیں بلکہ یہ منافق لوگ ہی بیوقوف اور احمق ہیں **چوتھا مسئلہ** سفہ خفت (ہلکا پن) کو کہتے ہیں عرب کہتے ہیں سفهت الریح الشئ اذا حرکته ذو الرمہ کہتا ہے۔ **شعر** جرین كما اهتزت رماح تسفهت + اعاليها مر الرياح النواسم +

اور ابو تمام طائی کہتا ہے **شعر** سفيه الرمح جاهله اذا ما + بدا فضل السفيه على الحليم +

تقدیر اسکی یہ ہے سریع الطعن بالرمح خفیفه اور بدزبان فحش بکنے والے کو اسی لئے سفیہ کہتے ہیں کہ وہ ہلکا ہوتا ہے

اس میں باطل مناسبت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا اور آنحضرت علیہ السلام نے شراب خوار کو سفیہ فرمایا ہے۔ اور منافق لوگ سفہاء اس لیے کہلائے کہ ریاست اور مال والے تھے اور مومن اکثر فقیر تھے اور منافقوں کا خیال یہ تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین باطل ہے اور باطل کو جو شخص قبول کرے وہ سفیہ ہے تو اس لیے انہوں نے اہل ایمان کو سفہاء ٹھیرایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہی لقب الٹا انہیں پر تھوپ دیا اور منافقین پر اس لقب کا تھوپنا بہت ہی ٹھیک ہے اور یہی حق بھی ہے کئی وجہ سے اوّل یہ کہ جو شخص خود دلیل سے اعراض کرے اور دلیل پر چنگل مارنے والے کو بیوقوف اور احمق قرار دے تو وہ خود احمق اور سفیہ ہے دوم یہ کہ اپنی آخرت بیچ کے دنیا کو لیوے وہ بھی سفیہ ہے سوم یہ کہ جس نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے عداوت کی اُس نے اللہ تعالیٰ سے عداوت کی اور ایسا کام کرنے والا ضرور سفیہ ہے۔ اور یہ جملہ صفات منافقین میں موجود ہیں **پانچواں مسئلہ** پہلی آیت کے آخر میں لَا يَشْعُرُونَ کہا اور دوسری جگہ میں لَا يَعْلَمُونَ کہا اس میں اوّل یہ حکمت ہے کہ نفاق اور جو جو اُس سے فساد اور سرکشیاں پیدا ہوتی ہیں یہ امر ضروری بدیہی ہے جو شعور سے تعلق رکھتا ہے گویا محسوس ہے اور اسبات کو جاننا کہ مومنین حق پر ہیں اور اُن کے مخالف باطل پر ہیں امر عقلی اور نظری ہے جو غور اور فکر کو چاہتا ہے اس لیے اُسکے مناسب علم ہے دوم یہ کہ سفہ جہل ہے اور جہل کا مقابل علم ہے اور یہ مطابقت بہت اچھی ہے واللہ اعلم۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

منافقوں کے افعال قبیحہ میں سے یہ چوتھی قسم ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں لقیتہ ولاقیتہ اذا استقبلتہ قریبا منہ اور امام ابو حنیفہ کی قرأت واذا لاقوا ہے اور قالوا آمنا سے مراد اخلصنا بالقلب ہے اور اسکی دلیل کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ زبانی اقرار تو پہلے ہی سے معلوم ہی تھا اُسکے بیان کی کچھ ضرورت نہتھی تو صرف اخلاص بالقلب ہی تھا تو ضرور ہوا کہ یہاں بھی مراد ہو دوم یہ کہ مومنوں سے جو منافق آمنا کہتے تھے اُن کے اس قول کو ضرور اُس قول کے نقیض پر حمل کرنا جو کہ اپنے شیاطین سے جاکے کہتے تھے۔ سو جب اُن شیاطین کے سامنے تکذیب قلبی ظاہر کرتے تھے تو اُسکے خلاف مومنوں کے سامنے ضرور تصدیق قلبی ظاہر کرتے تھے اور خلوا کے بارے میں صاحب کشاف نے کہا ہے یقال خلوت بفلان والیہ اذا انفردت معہ تو خلوا سے یہاں خلوت مراد ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ خلا بمعنی مضیٰ ہو اور القرون الخالیۃ اسی سے ماخوذ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد تمسخر ہو جیسے کہا جاتا ہے خلوت بہ اذا سخرت منہ من قولک خلا فلان بعرض فلان ای یعبث بہ اور مطلب یہ ہوا کہ منافقین جو بطور بناوٹ اور تمسخر کے مومنوں سے آمنا کہتے تھے اسکی اطلاع اپنے شیاطین کو دیتے تھے کہ ہمنے مومنوں کو یہ چکمہ دیا اور الیٰ کے ساتھ تعدیہ خلا کا اس طرح ہے جیسے کہ تم اس لغت کا استعمال کرتے ہو احمد الیک فلاناً واذمہ الیک اور جن کفار سے منافقین اپنی چال بازیاں بیان کرتے اُن کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین اس لیے کہا کہ شیطانوں کی طرح وہ بھی تمرد کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ اور انا معکم کہنے والے کل منافقین ہیں یا بعض اس میں اختلاف ہے لیکن اصح یہ ہے کہ وہی منافقین یہ کلمہ اپنے اکابر کفار کے سامنے کہتے تھے جنپر دونوں طرف سے دباؤ تھا اسلیئے وہ اپنی برارت ظاہر کرنے کے لیئے اُن سے منافقانہ طور سے کہتے تھے کہ ہم آپکے مخالف نہیں ہیں صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے آمنا کہدیتے ہیں اور ہمیں شبہ نہیں کہ

شیاطینھم سے مراد اکابر ہی ہیں خواہ کفار میں سے ہوں یا انہیں کے ہمجنس ہوں چھوٹے بالکل مراد نہیں ہیں۔ اور منافقین کا خطاب مومنوں سے اٰمنا جملہ فعلیہ سے اور اپنے اکابر سے انا معکم جملہ اسمیہ سے اس لیئے ہوا کہ جملہ فعلیہ حدوث پر دلالت کرتا ہے اور منافقین بھی حدوث ایمان کا دعوی کرتے تھے نہ کمال ایمان کا اس لیئے کہ اُن کا نفاق اُن کو قدرت نہیں دیتا تھا کہ مبالغہ سے کمال ایمان ظاہر کریں۔ یا اس لیئے کہ کمال ایمان کا دعوی ہمارا مسلمانوں کے رائج نہیں ہوگا۔ اور اپنے شیاطین بھائی بندوں کے سامنے کفر کا دعوی رائج ہو سکتا ہے اس لیئے کہ اُن کے شیاطین جانتے تھے کہ مومن لوگ اُن کو بُرا جانتے ہیں اور ہم سے اپنا سچا عقیدہ ظاہر کر رہے ہیں تو کفر میں بیشک اُن کو کمال حاصل تھا اسلیئے جملہ اسمیہ جو کہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا گیا۔ اور استہزاء ماخوذ ہے ھزء سے جسکے معنی میں تیز دوڑنا لغت میں ہے ھزء یھزء اَمات علی مکانہ وناقتہ تھزا بہ ای تسرع اور تعریف استہزاء کی یہ ہے کہ موافقت کا ظاہر کرنا اور اُسکے ساتھ ہی دل میں بُرائی کا قصد رکھنا بطریق تمسخر کے تو اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمانوں سے اُن کی موافقت ظاہر کرتے ہیں اُن کے دین میں تو کہ اُن کے شر سے بچیں اور اُن کے بھیدوں سے واقف ہو جاویں اور اُن کے صدقات اور مال غنیمت میں بھی برابر حصہ دار رہیں۔ اور اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ میں نسبت استہزاء کی باریتعالی کی طرف بطور مقابلہ اور مجازاۃ کے ہے نہ اصل حقیقت پر اس لیئے کہ استہزاء میں ایک قسم کی تلبیس ہوتی ہے اور علاوہ بریں جہل بھی استہزاء کے اجزاء میں سے ہے چنانچہ اس آیت میں ہے اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ اور تلبیس اور جہل دونوں اللہ پر محال ہیں۔ اور یَمُدُّهُمْ میں ابن کثیر اور ابن محیص کی قرأت یمدھم نون کے ساتھ ہے۔ اور یمد کے ماخذ میں صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یہ ماخوذ ہے اس لغت سے مد الجیش وامدہ اذا زادہ والحق بہ مایقویہ ویکثرہ اور اسی طرح کہتے ہیں مد اللدواۃ وامدھا زادھا مایصلحھا اور کہتے ہیں مددت السراج والارض اذا اصلحتھما بالزیت والسماد اور کہتے ہیں مدہ الشیطان فی الغی وامدہ اذا واصلہ بالوسواس اور مد اور امد کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مد شر میں استعمال کیا جاتا ہے اور امد خیر میں مستعمل ہوتا ہے اللہ فرماتا ہے وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا اور نعمت کے بارہ میں فرماتا ہے وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور فرماتا ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مد فی العمر اور املاء اور امہال سے ماخوذ ہے لیکن قول صحیح نہیں ہے اور زید بن علی کی قرأت میں طغیانھم طاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور عمہ اور عمی کے ایک ہی معنی ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ عمی عام ہے آنکھوں سے اندھا ہونے اور عقل کے اندھا ہونے کو اور عمہ خاص عقل کے اندھا ہونے ہی کو کہتے ہیں۔ تو اسکے معنی تردد اور حیرت کے ہوں گے یعنے جانتا نہیں کہ کدھر جاوے حیران پریشان کھڑا ہے ایسا ہی کفار اور منافقین کا حال ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

گمراہی کا ہدایت کے ساتھ خریدنا اس سے مراد بدلنا ہے اور پسند کرنا ہے یعنے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی اور بجائے اسکے کہ ہدایت کو لیتا گمراہی کو لے لیا اگر کوئی کہے کہ ہدایت کے بدلے گمراہی کیونکر خریدی حالانکہ وہ ہدایت پر کبھی تھے ہی نہیں پھر ہدایت اُن کے پاس کہاں سے آئی جسکے بدلے گمراہی لی۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اُنکو قدرت تھی کہ ہدایت کو

اختیار کرنے اس اعتبار سے گویا وہ اُن کے ہاتوں میں تھی جب اُسکی طرف سے میلان کر کے گمراہی کی طرف متوجہ ہوئے گویا اُسکو بدلکے گمراہی لی - اور ضلالۃ کے معنی ہیں جوڑ اور خروج عن القصد اور فقد الاہتدا یعنی کجروی اور سیدھے سے پھر آنا اور راہ یابی کا گم کرنا اور بہکنا - پھر دین میں ٹھیک بات سے نکلجانے کے لئے بھی استعمال کیا گیا - اور ما ربحت کے معنی ہیں ما نفعت اور وما کانوا مھتدین کا مطلب یہ ہے کہ تجارت سے دو امر مد نظر ہوتے ہیں ایک راس المال کا سلامت رہنا دوسرا اُسپر نفع ہونا اور اُن لوگوں نے دونوں کو کھویا - یعنی عقل سلیم جو کہ موانع سے خالی تھی اُن کا راس المال تھا اور اُس سے یہ امید تھی کہ عقائد حقہ کی منفعت حاصل ہو لیکن جب انہوں نے گمراہیوں کے عقیدے اختیار کئے تو وہ عقیدہ عقائد حقہ کے حاصل کرنے سے مانع ہوئے اور عقل سلیم کی قوت زائل ہو گئی تو نہ عقل سلیم رہی جو کہ راس المال تھی اور نہ عقائد حقہ حاصل ہوے جو کہ بجائے منافع کے تھے - قتادہ رح کہتے ہیں کہ ہدایت کی طرف سے ضلالت کی طرف منتقل ہو گئے اور طاعت کی جانب سے معصیت کی جانب اور جماعت کی طرف سے تفرقہ کی طرف اور امن کی جانب سے خوف کی جانب اور سنت کی طرف سے بدعت کی طرف منتقل ہو گئے واللہ اعلم -

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ

اس میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** مثالیں دینے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ مثال جسقدر دلوں میں اثر کرتی ہے اُسقدر نفس شے کی حالت بیان کرنا اثر نہیں کر سکتا اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ مثال بیان کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ خفی چیز کو جلی چیز سے اور غائب کو حاضر سے تشبیہ دی جاوے تو کہ اصل شے کی ماہیت پر پورا وقوف حاصل ہو جاوے اور حس اور مشاہدہ مطابق عقل کے ہو جاوے - اور انتہا درجہ کی وضاحت یہی ہے - دیکھو ایمان کی ترغیب دینے کے وقت اگر ایمان کی تمثیل کسی شے سے نہ دی جاوے تو نری ترغیب دل میں اثر نہیں کرے گی اور اُسکی تشبیہ نور وغیرہ سے دی جاویگی تو بخوبی اثر کرے گی اسی طرح جب کفر سے نفرت دلائی جاوے گی تو اُسکا قبح اچھی طرح معلوم نہو گا جب تک کہ اُسکی تشبیہ ظلمت وغیرہ سے نہ دی جاویگی اور جب کسی کے ضعف کی خبر دی جاویگی تو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دینا اُسکی تقریر کو خوب واضح کر دیگا اسی لئے اللہ تعالی نے قرآن شریف میں اور باقی آسمانی کتابوں میں کثرت سے مثالیں بیان کیں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ انجیل کی سورتوں میں سے ایک سورت کا نام سورۃ الامثال ہے **دوسرا مسئلہ** مَثَل اور مِثل اور مَثِیل کا ایک معنی ہے یعنے نظیر جیسے شَبَہ اور شِبہ اور شَبِیہ اور تعریف اسکی یہ ہے کہ مَثَل ایسے قول کو کہتے ہیں جو شہرت پکڑ جاوے کسی واقعہ سے اور اُسکی مثل جب کوئی موقع آوے تو لوگ اُس موقع پر اُس مَثَل کو کہا کریں اور اُسکے مَثَل ہونیکی شرط یہ ہے کہ کسی قدر اُس میں غرابت بھی ہو کسی اعتبار سے **تیسرا مسئلہ** جب اللہ تعالی نے صفات منافقین کی حقیقت بیان فرمائی تو اُسکے ایضاح کے لیئے دو مثالیں بیان کیں تو کہ اچھی طرح اُن کی حقیقت کا کشف ہو جاوے - سو پہلی مثال یہی ہے جو اس آیت میں ہے - اور اس تشبیہ اور تمثیل علمائے کئی وجوہ بیان کیئے ہیں اول یہ کہ سدی نے کہا کہ کئی لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تھے جبکہ آنحضرت علیہ السلام مدینہ میں پہنچے تھے پھر منافق ہو گئے - اس شان نزول کے اعتبار سے تشبیہ نہایت ہی صحیح ہے اس لیئے کہ اول اُن لوگوں نے ایمان لا کر کچھ نور حاصل کیا تھا پھر منافق ہو کر اُس نور کو باطل کر دیا اور بہت بڑی حیرانی میں پڑ گئے اس لیئے کہ دینی حیرانی بہت ہی سخت ہوتی ہے - کیونکہ جو شخص زمین کے

رستہ میں حیران ہوتا ہے اسکو صرف کچھ دنیوی خسارہ ہوتا ہے۔ اور جو وہ دین میں حیران ہوتا ہے وہ ہمیشہ کیلئے آخرت کا خسارہ اٹھاتا ہے ابدالاباد تک۔ دوم یہ کہ اگر سدی کا قول صحت کو نہیں پہنچا بلکہ وہ لوگ اول سے آخر تک منافق ہی ہوں تو یہاں ایک تاویل ہے جسکو حسن بصری نے بیان فرمایا کہ جب ان منافقین نے ظاہر میں اسلام دکھایا تو انکو یہ نفع حاصل ہوا کہ اپنے خون اور مال بچا لیے لوٹ مارے اور اپنے اولاد کو غلامی سے بچایا اور مال غنیمت میں حصہ دار ہوئے اور اُن پر وہی احکام جاری ہوئے جو مسلمانوں پر جاری ہوسکتے تھے اور یہ باتیں بھی منجملہ انوار ایمان کے ہیں لیکن یہ دنیوی منافع باعتبار اُس ہمیشگی عذاب کے جو کہ قیامت کے دن ہوگا بہت قلیل المقدار ہیں اس لیے انکی تشبیہ اُس آگ جلانے والے کی آگ سے دی گئی جو کہ تھوڑی ہی دیر میں بجھ گئی اور اُسکا نفع بالکل جاتا رہا اور اندھیرا اور حیرت اور حسرت اسکی بھری ہوئی ہوگئی۔ سوم یہ کہ سعید بن جبیر رح کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارے میں اُتری ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کے منتظر تھے اور مشرکین عرب پر آپکے نام کے وسیلے سے فتح مانگتے تھے پھر آنحضرت علیہ السلام کا ظہور ہوا تو کافر ہوگئے تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکا انتظار آگ جلانے کے تھا اور آپکے مبعوث ہونے کے بعد کافر ہونا آگ کا بجھنا اور نور کا زوال تھا **چوتھا مسئلہ** ایمان کے نور سے اور کفر کی ظلمت سے تشبیہ دینا اللہ تعالی کی کتاب (قرآن مجید) میں بہت ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ نور (روشنی) انتہا ہے راستہ بتانے میں اور منفعت کے طریق کی طرف ہدایت کرنے میں اور حیرانی کے زائل کرنے میں اور نفع حاصل کرنے میں اور دین کے باب میں ایمان کا بھی یہی حال ہے جیسے کہ دنیا کے باب میں نور کا حال تھا اور ایسی ہی تقریر ہے کفر کی ظلمت (اندھیرے) سے تشبیہ دینے میں اس لیے کہ جب ایک شخص کو ایک راستہ پر چلنا ضروری تھا جسکے ذریعہ سے منزل مقصود کو پہونچتا وہ رستہ سے بہک گیا تو ضرور وہ منزل مقصود سے محروم ہوگیا اور کتنا سخت حیران ہوا لیکن یہ حیرانی صرف دنیوی ہی تھی۔ اور دین کے بارے میں حیرانی بہت ہی سخت ہے اور اُسی کو کفر کہتے ہیں **پانچواں مسئلہ** جماعت کی تشبیہ واحد سے دینے کی کئی وجہیں ہیں اول یہ کہ الذین کی جگہہ الذی کا لانا لغت عربیہ میں جائز ہے جیسے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا اور یہ باب تخفیف سے ہے جیسے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول میں بجائے الذی وغیرہ کے حرف آل پر ہی اکتفا کیا گیا۔ دوم یہ کہ جنس مستوقدین مراد لی گئی ہو یا جمع سے مراد لفظ فوج ملحوظ ہو گویا تقدیر یوں ہے کمثل الفوج الذی استوقد نارا سوم یہ کہ تشبیہ میں یہاں ذوات منافقین اور ذات مستوقد مراد نہیں بلکہ اُن کا قصہ اُسکے قصہ سے تشبیہ دیا گیا اس صورت میں جماعت کی تشبیہ واحد سے لازم نہیں آئیگی اور یہی وجہ سب سے زیادہ قوی بھی ہے جیسے کہ دوسری جگہہ اللہ تعالی فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ اور فرماتا ہے يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ +

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کفار منافقین کے کان بھی موجود تھے جنکے ذریعہ سے آوازیں سنتے تھے اور زبانیں بھی تھیں جن سے باتیں کرتے تھے اور آنکھیں بھی تھیں جنسے ہر قسم کی چیزیں دیکھتے تھے لیکن چونکہ اُن کے کان خوشی سے قرآن کو اور توحید کی باتوں کو نہیں سنتے تھے اور اُن کی زبان سے حق اور سچ کی باتیں اور کلمات انصاف نہیں نکلتے تھے اور اُن کی بصیرت کی آنکھیں راہ ہدایت کو نہیں دیکھتی تھیں اور نہ اُن کی بصارت کی آنکھیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اور قرآن کو نظر محبت اور اخلاص سے دیکھتی تھیں اس لیے اُن کے کان اور زبانیں اور آنکھیں اُن کے حق میں مفید نہوئیں اس لیے اُن کو بہرا اور گونگا اور اندھا کہنا بجا ہوا۔ اور فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ میں بھی کئی وجوہ ہیں ایک یہ کہ وے لوگ اپنی اُن عادات نفاقیہ قبیحہ مذکورہ سے کسی طرح سے

باز نہ آویں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اُسپر قائم رہیں گے۔ دوسری یہ کہ چونکہ حق اور ہدایت کو گمراہی اور کفر سے بدل چکے اسلیے پھر کبھی حق اور ہدایت کی طرف لوٹ کے نہیں آئیں گے۔ تیسری یہ کہ وہ لوگ اپنے مقام حیرت سے ہرگز نہیں ٹلیں گے اور بکے بکے ہوکر ایک حالت پر جمیں رہیں گے جس طرح رستہ بہکا ہوا آدمی حیران کھڑا ہوا ہوتا ہے اور اُسکا قدم کسی طرف نہیں اُٹھتا اس لیے کہ وہ جانتا ہی نہیں کہ میری منزل مقصود کدھر ہے اس لیے کبھی تو کہتا ہے کہ آگے بڑھوں اور کبھی کہتا ہے کہ پیچھے ہٹوں اور کبھی کہتا ہے کہ یہیں رہوں غرض اُسکے دل کو کسی طرف کا اطمینان نہیں ہوتا اور نفاق کا مقتضا یہی ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

اس آیت میں دوسری تمثیل ہے منافقین کی اور یہاں بھی کیفیت مشابہت میں کئی وجوہ ہیں اوّل یہ کہ جب ایسا بادل ہو جسمیں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہے اور بادل کی اندھیری کے ساتھ رات کی اندھیری اور مینھ کی اندھیری جمع ہوگئی اور ساتھ ہی بجلیاں بھی کڑک رہی ہیں اور آبادی سے بہت دور پر یہ واردات مسافروں پر ہو رہی ہے اور وہ مسافر لوگ بجلی کی ڈراونی گرج سے کانوں میں انگلیاں رکھ رہے ہیں کہ مبادا کلیجے پھٹ جائیں اور ہماری روحیں پرواز کر جائیں اور بجلی کی چمک سے آنکھوں میں ایسی چکاچوندھ ہو رہی ہے کہ عجب نہیں آنکھوں کی بصارت ہی کو نہ اُچک لیجاوے۔ اور جسوقت ذرا بجلی چمک دکھاتی ہے تو تھوڑی دور تک چلنے لگتے ہیں اور جب اُسکی چمک موقوف ہوئی وہ بھی کھڑے کے کھڑے ہی رہگئے اور حیران لاچار ہیں۔ سو جس شخص کو ایسی بارش اور اندھیریوں میں بجلی کی چمک دکھائی دیوے اور پھر یکایک غائب ہو جاوے اُسکی نظر میں اندھیری بہت سخت خوفناک معلوم ہوتی ہے اور اُسکی حیرت کو ترقی ہوتی ہے بنسبت اُس شخص کے جو نرا اندھیرے ہی میں ہے اور کوئی چمک اسکو دکھائی نہیں دی۔ سو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تشبیہ اُن لوگوں سے دی اُن کی حیرت دینی میں یعنی دین سے بالکل کورے اور جاہل ہیں اور حیرت زدہ ہیں کہ نہ اُن کو راہ حق دکھائی دیتا ہے اور نہ ہدایت پا سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ بارش گو فائدہ مند ہوتی ہے لیکن جب ایسی حالت میں حاصل ہو اور یہ ہول اور ایسا مقام ہو تو اُسکا سب نفع زائل ہو جاتا ہے اور سراسر موجب ضرر ہو جاتا ہے اسی طرح ایمان کا ظاہر میں دکھانا منافق کو جب مفید ہو سکتا ہے کہ باطن بھی اُسکے موافق ہو اور جب اخلاص اُس سے مفقود ہوگیا اور نفاق اُسکے ہمراہ ہوا تو اُسکے دین میں ضرر ہو جاتا ہے۔ سوم یہ کہ جس شخص پر ایسی حالت میں یہ گرجیں اور کڑکیں پڑنے لگیں وہ گمان کرتا ہے کہ کانوں میں انگلیاں کرنے میں مخلصی حاصل ہو جاویگی حالانکہ یہ بات اللہ کے ارادہ سے اسکو ہرگز نہیں بچا سکتی اگر اللہ نے اُسکے مارنے اور ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ جب دنیوی عادات میں یہ بات قرار پا چکی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حالات کو اسی حالت سے تشبیہ دی ہے کہ اُنہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم جو مومنوں سے اظہار ایمان کرتے ہیں وہ ہمارے حق میں مفید ہوگا حالانکہ حقیقت میں امر بالکل برعکس ہے اور اُن کا گمان غلط ہے۔

چہارم یہ کہ منافقوں کی عادت تھی موت و قتل کے خوف کے مارے جہاد سے بھاگنا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو اس شخص کے احوال سے تشبیہ دی جسپر یہ مصائب آن پڑے ہوں اور کانوں میں انگلیاں کرکے اُن مصائب کو دفع کرنا چاہتا ہے پنجم یہ کہ جو لوگ کہ کانوں میں انگلیاں رکھتے ہیں گو اُسوقت تھوڑی دیر کے لیے بچ جاتے ہیں لیکن موت اور ہلاکت تو اُن کو

دامنگیر ہوئے والی بالکل مخلصی تو اُس سے حاصل ہو نہیں سکتی اسی طرح منافق لوگ گو باتیں بنا بنا کر اپنے آپ کو دنیا میں قتل و ذلت سے بچالیں لیکن قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے اُنکا نجات پانا محال ہے ششم یہ کہ جس شخص کی یہ حالت ہو وہ حیرت کے انتہا درجہ کو پہونچ گیا ہے اسلیے کہ طرح طرح کے اندھیرے اور طرح طرح کے خوف اُسکو گھیرے ہوئے ہیں اسیطرح منافقین دین کے بارے میں غایت درجہ کے خوفوں اور حیرتوں میں گھرے ہوئے ہیں دنیا میں اسلیے کہ منافق کو ہر وقت کھٹکا اور تصور رہتا ہے مبادا کہیں ہمارا النفاق اظاہر ہو جاوے ورنہ قتل ہو جاویں گے اس لیے نفاق والے کے دل سے کسی وقت خوف زائل نہیں ہوتا۔ ہفتم یہ کہ صَيِّب (گہنی بارش) سے مراد ایمان اور قرآن ہے اور ظلمات (اندھیروں) اور رَعْد (گرج) اور بَرْق (بجلی) سے وہ احکام مراد ہیں جو منافقوں پر بہت سخت شاق گزرتے ہیں اور بہت سخت تکلیف دینے والے معلوم ہوتے ہیں جیسے نماز اور روزہ اور ماں باپ سے جہاد کرنا اور ریاست کو اور اپنے پُرانے مذہب کو چھوڑنا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا حالانکہ دل میں اس اطاعت کو اپنے حق میں عار و ننگ سمجھتے ہیں سو جس طرح آدمی سخت بارش سے اپنے آپ کو بہت سخت کوشش سے بچاتا ہے گو وہ بارش بہت ہی فائدہ مند ہے سب چیزوں سے بڑھکر لیکن ان اندھیریوں اور گرجوں اور وحشت ناک جنگلوں کے ہمراہ بہت سخت ہولناک ہو گیا ہے۔ اسیطرح منافقین ایمان اور قرآن سے اُن امور عبادات شاقہ کی وجہ سے بہت پرہیز کرتے ہیں اور كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ سے یہ مطلب ہے کہ جو وقت منافقین کو مالی منفعت ہوتی ہے اور جان و مال کے لیے امن حاصل رہتا ہے تو ایمان و دین کی طرف رغبت کرتے ہیں وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا کا یہ مطلب یہ ہے کہ جب کچھ منفعت دنیوی نہیں حاصل ہوتی تو ایمان کو سخت مکروہ سمجھنے لگتے ہیں اور بالکل اُسکی طرف رغبت نہیں کرتے ہشتم مِنَ السَّمَاءِ کی قید اسلیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ زمین وغیرہ کے ابخرے جب ہوا کی طرف چڑھتے ہیں تو ہوا کی شدت سردی سے منجمد ہو جاتے ہیں پھر جب آفتاب کی گرمی اُن کو پہونچتی ہے تو قطرہ قطرہ ہو کر زمین پر ٹپکنے لگتے ہیں اسی کا نام مطر (بارش) ہے سو یہ بات غلط ہے بلکہ آسمان سے بارش ہوتی ہے دوسری جگہہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا اور وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ ظاہر یہ ایسی مذہب ہے۔

نہم یہ کہ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ میں اللہ کا احاطہ کافروں پر مجازی ہے مطلب یہ کہ کسی صورت سے اُس سے بھاگ نہیں سکتے جیسے کہ محاط یہ محیط یہ حقیقی سے نکلکے کہیں نہیں جاسکتا اور اس احاطہ میں کئی قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ مراد محیط سے یہ ہے کہ وہ اُن کو جانتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا دوسرا یہ کہ اسکی قدرت انپر مستولی ہے وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ تیسرا یہ کہ وہ اُن کو ہلاک کرنے والا ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ دہم یہ کہ خطف کے معنی ہیں جلدی سے کسی چیز کو اُچک لینا مجاہد کی قرارت میں يَخْطِفُ طا کے کسرے سے ہے لیکن زیادہ ترفصیح فتحہ ہے اور ابن مسعود کی قرارت میں يَخْتَطِفُ ہے اور حسن بصری کی قرارت میں يَخِطِّفُ یا اور خا کے کسرہ سے اور طا کے فتحہ اور تشدید سے اور اُنہیں کی قرارت يَخِطِّفُ یا اور خا کے کسرہ کے ساتھ اور زید بن علی کی قرارت میں يُخَطِّفُ باب تفعیل سے اور اُبی کی قرارت میں يَتَخَطَّفُ باب تفعل سے ہے جیسے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہہ ہے وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اور اس آیت میں چند مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ معدوم پر شئی کا اطلاق ہو سکتا ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت شئی پر ثابت کی ہے اور

موجود پر قدرت پانا محال ہے اس لئے کہ موجود کا ایجاد محال ہے تو جسپر قدرت ہو سکتی ہے وہ معدوم ہے اور وہ شئے ہے اس لئے ثابت ہوا کہ معدوم شئے ہے۔ اسکا جواب بشرطیکہ کلام مذکور صحیح مانا جاوے یہ ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ قدرت نہیں رکھتا وہ شئے نہو تو اس بنا پر جب موجود پر اللہ کو قدرت نہیں تو تمام موجودات شئے نہ کہلاویں گے (معاذ اللہ) **دوسرا مسئلہ** اس آیت سے بعض نے یہ استدلال پکڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر شئ کا اطلاق نہیں ہوتا اس لئے کہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اور حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر قادر نہیں اس لئے ضرور ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو شئ نکہا جاوے اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے لیس کمثلہ شئ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ شئ ہوتا تو کم از کم اپنی ذات کی مثل ہوتا اور اُسکی ذات شئ ہے تو لیس کمثلہ شئ کا دعوی جھوٹ ہوتا تو ضرور ہوا کہ اللہ شئ نہو ورنہ آیت کے معنی میں تناقص لازم آویگا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہ اختلاف اسم میں ہے ورنہ موجود اور معدوم میں کیا واسطہ ہے۔ اور ہمارے اصحاب اسکا دو طرح سے جواب دیتے ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ای شئ اکبر شہادۃ قل اللہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لفظ شئ کا اطلاق کیا ہے دوم یہ کہ فرماتا ہے کل شئ ھالک الا وجھہ اور مستثنی مستثنی منہ میں داخل ہے اس لئے ضرور ہوا کہ اُسکو شئ کہا جاوے **تیسرا مسئلہ** ہمارے اصحاب نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ جو بندہ کا مقدور ہے وہ اللہ کا مقدور بھی ہے اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ بندہ کے مقدور پر شئ کا اطلاق ہوتا ہے اور جب وہ شئ ہوا تو اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے تو ضرور ہوا کہ بندہ کا مقدور اللہ کا مقدور ہو۔ اور ابو علی اور ابو ہاشم (معتزلی) اسکے برخلاف ہیں **چوتھا مسئلہ** ہمارے اصحاب نے اس آیت سے یہ حجت پکڑی ہے کہ مُحدَث حالت حدوث میں اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ قبل فعل کے قدرت محال ہے اسلیئے قبل حدوث کے شئے پر قدرت ہو سکتی ہے اور ہمارے اصحاب کا بیان استدلال یہ ہے کہ مُحدَث حالت وجود میں شئے ہے اور ہر شئے اللہ کا مقدور ہے اس سے ثابت ہوا کہ محدث کا جتنا حدوث باقی ہے وہ اللہ کا مقدور ہے **پانچواں مسئلہ** فی الجملہ تخصیص عام کی جائز ہے اور عقل سے بھی تخصیص عام کی جائز ہے اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانا واللہ علی کل شئ قدیر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اپنی ذات پر بھی قادر ہو پھر دلیل عقلی سے اسکی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی کہے کہ جب لفظ کل کے لیے موضوع ہو پھر یہ ظاہر ہو کہ کل پر صادق نہیں آیا تو کذب لازم آئیگا اور یہ بات قرآن میں باعث طعن کی ہوگی تو اُسکا جواب یہ ہے کہ خود کل کا لفظ کبھی مجموع میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مجازاً اکثر کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے تو جب یہ مجاز لغت میں مشہور ہے تو اسمیں لفظ کو استعمال کرنے سے جھوٹ لازم نہیں آتا واللہ اعلم۔

اب اللہ تعالیٰ توحید اور نبوت اور معاد پر دلیل قائم کرنا چاہتا ہے۔ توحید کی آیت یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** پہلے اللہ تعالیٰ نے تین فرقوں (مومنوں اور کافروں اور منافقوں) کے احکام بیان فرمائے پھر اس آیت میں اُن کو مخاطب کیا اور اسکو التفات کہتے ہیں غیبت سے منتقل ہو کر خطاب کو اختیار کیا جیسے سورہ فاتحہ میں ایاک نعبد وایاک نستعین میں التفات ہے غیبت سے خطاب کی طرف۔ اور اس التفات میں

اس جگہ کئی فائدے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے سامع کے دل میں زیادہ شوق اور ابھار اور توجہ پیدا ہوتی ہے جیسے کسی شخص کا حال تم دوسرے شخص سے بیان کرو کہ فلاں شخص ایسا ایسا ہے اور وہ بھی حاضر ہو پھر خود اسکی طرف توجہ کرو اور کہو کہ اے شخص تجکو ایسا ایسا کرنا مناسب تھا اور اپنے سب کاموں میں تجکو نیک چلنی اور حسن اخلاقی چاہیئے تھی تو یہ انتقال غیبت سے خطاب کی طرف اُس شخص پر بہت اثر ڈالنے والا ہے اور اُسکے دل کو ابھارنے والا ہے۔ دوم یہ کہ گویا اللہ سبحانہ وتعالٰے کہتا ہے کہ اول میں نے تیرے لئے اپنے اور تیرے درمیان رسول کو واسطہ بنایا تھا۔ اور اب تیری عزت اور توقیر بڑھانے کے لیئے اور تجھے مقرب بنانے کے لئے بلا واسطہ تجھ سے خطاب کرتا ہوں تاکہ علاوہ اسکے کہ تجکو دلائل توحید معلوم ہوں دوبدو خطاب اور گفتگو کرنے کا شرف تجکو حاصل ہو جاوے سوم یہ کہ بندہ جب عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اسکو روز افزوں ترقی نصیب ہوتی ہے اس دلیل سے کہ اللہ تعالٰی نے اس آیت میں غیبت سے خطاب کی طرف انتقال کیا چہارم یہ کہ گزشتہ آیتوں میں تو صرف اُن لوگوں کے احوال کا بیان تھا اُن میں خطاب کی ضرورت نہ تھی لیکن ان آیتوں میں تو بندوں کو مامور کرنا اور مکلف بنانا منظور ہے اور اس میں تکلیف اور مشقت ہے اور تکلیف اور مشقت کے ساتھ راحت کا ہونا بھی ضرور ہے جو اُس تکلیف کا مقابلہ کرے اور وہ رحمت یہی ہے کہ ملک الملوک (شاہنشاہ) درمیانی واسطہ کو دور کرکے بذات خود مامور سے خطاب فرماوے تو اسی طرح جب مولٰی اپنے غلام کو بلا واسطہ کوئی تکلیف دینا چاہے اور بذات خود اُس سے کہے کہ میں تم کو فلاں مہم کی تکلیف دینا چاہتا ہوں تو وہ مشکل کام اس روبرو خطاب کے سبب سے غلام کے نزدیک کسی قدر آسان ہو جاتا ہے **دوسرا مسئلہ** علقمہ اور حسن بصری سے منقول ہے کہ جہاں قرآن میں یَا اَیُّھَا النَّاسُ ہے وہ مکی ہے یعنے اہل مکہ سے خطاب ہے، اور وہ آیت یا سورہ مکہ میں اُتری ہے اور جہاں کہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے وہ مدنی ہے مدینہ میں اُتری ہے۔ قاضے نے کہا ہے یہ مطلب جو مفسرین نے ذکر کیا ہے باعتبار نقل کے تو مسلم ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ مومنین مکہ کے اعتبار سے مدینہ میں زیادہ تھے تو یہ بات ضعیف ہے اسلیئے کہ ممکن ہے کہ کبھی مومنون سے باعتبار اُن کی صفات کے خطاب کیا جاوے اور کبھی باعتبار جنس کے۔ اور ناس (لوگوں) سے خطاب کیا جاوے جو کہ ایمان نہیں لاتے اور کبھی ناس سے مومنین مراد ہوں سو ان سب طرح سے خطاب ممکن ہے **تیسرا مسئلہ** یاد رکھنے کی بات ہے کہ الفاظ کے مدلول کبھی تو لفظ ہوتے ہیں اور کبھی غیر لفظ۔ لفظ کی مثال جیسے لفظ اسم و فعل و حرف کہ یہ تین لفظ ہیں اور اُن کے مدلول بھی لفظ ہی ہیں۔ اور غیر لفظ کی مثال جیسے حجر اور سما اور ارض کہ یہ تینوں لفظ ہیں اور اُن کے مدلول اجسام محسوسہ ہیں یہ اغلب اور اکثر حال الفاظ کا ہے۔ لیکن لفظ ندا کسی چیز پر دلیل نہیں بنایا گیا بلکہ ایک عمل کے طور پر ہے جو کہ تنبیہ کے لیئے کیا جاتا ہے۔ اور ہم مثلاً یا زید جو کہتے ہیں اور بعض لوگ اُسکی تفسیر اُنادی زیدا یا اخاطب زیدا سے کرتے ہیں تو یہ تفسیر کئی وجہ سے غلط ہے اول یہ کہ انادی زیدا جملہ خبریہ ہے محتمل صدق اور کذب کا اور یا زید دونوں کا محتمل نہیں۔ دوم یا زید اس بات کا مقتضی ہے کہ زید کو فی الحال منادٰی بنادے اور انادی زیدا اس بات کا مقتضے نہیں۔ سوم یا زید اس بات کا مقتضی ہے کہ زید اس خطاب سے مخاطب ہے، اور انادی زیدا اسکا مقتضی نہیں ہے بلکہ اسمیں تو اس بات کا احتمال ہے کہ دوسرے شخص کو خبر دے رہا ہے کہ میں زید کو پکارتا ہوں چہارم یہ کہ انادی زیدا میں ندا کی خبر دے رہا ہے اور خبر ندا کی ندا نہیں ہو سکتا اور ندا تو فقط یا زید ہے۔ تو ان وجوہ مذکورہ سے اس تفسیر کا فاسد ہونا ثابت ہو گیا۔ پھر ہم اس جگہ ایک اور نکتہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اقسام ثلثہ کلمات میں سے اسم سب سے زیادہ قوی ہے اور حرف سب سے زیادہ ضعیف ہے اس لیے بعض لوگوں نے یہ

گمان کیا اسم اور حرف ملکر مرکب مفید نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح سب موجودات سے بڑا حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور سب سے ضعیف بشر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خلق الانسان ضعیفا اس لیے فرشتوں نے کہا کہ ان دونوں (خالق اور بشر) میں کون سی مناسبت ہے اتجعل فیہا من یفسد فیہا تو کہا جاتا ہے کہ کبھی اسم اور حرف ملکر مرکب مفید ہو جاتا ہے اور اسی طرح بشر بھی پروردگار کی خدمت کے لائق ہو جاتا ہے بحالت ندا اور تضرع وزاری ربنا ظلمنا انفسنا و قال ربکم ادعونی استجب لکم

چوتھا مسئلہ یا حرف ہے اسکی اصل وضع ندائے بعید کے لیے ہے گو ندائے قریب کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہو لیکن بہت مہم والا کام ہو تب ندائے قریب کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اصل ندائے قریب کے لیے ای اور ہمزہ مفتوحہ ہے۔ پھر یا کے ساتھ ہی قریب کو ندا کرنے لگے اگر منادی سہو یا غفلت میں مبتلا ہو گیا ہے گو یا سہو اور غفلت کی وجہ سے بمنزلہ بعید کے قرار دیا گیا۔ اگر کہا جاوے کہ دعا کرنے والا یا رب یا اللہ کیوں کہتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو حبل الورید (رگ جان) سے بھی زیادہ قریب ہے تو ہم کہتے ہیں اسلیئے کہ وہ اپنے نفس کو بارگاہ قرب سے بہت بعید سمجھتا ہے کسر نفس کی وجہ سے اور اپنی ذات کو دائمی نقص والا سمجھتا ہے تاکہ اسکی قبولیت ہو جاوے بمقتضائے حدیث قدسی انا عند المنکسرۃ قلوبھم من اجلی یا اس لیئے کہ دعا کرنیوالے کے لیئے بہت بڑی ضروریات اور اہم مہمات میں سے قبولیت دعا ہے

پانچواں مسئلہ ای وصلہ (ذریعہ) ہے اس منادی کے ندا کے لیئے جو معرف باللام ہو جیسے کہ ذو اور الذی وصلہ (ذریعہ) ہیں اسم جنس کو صفت بنانے کا اور معرفوں کی صفت میں جملوں کے لانے کا۔ اور یہ ایک اسم مبہم ہے ایسی چیز کا محتاج ہے جو اسکے ابہام کو زائل کرے۔ تو ضرور ہوا کہ اسکے مابعد اسم جنس واقع ہو یا جو اسکے قائم مقام ہو اور وہ اسم اس مبہم کی صفت واقع ہو تو کہ مقصود ندا حاصل ہو جاوے اور حرف ندا کا عمل ای میں ہوتا ہے اور ای کا مابعد اسکی صفت واقع ہوتا ہے جیسے کہ یا ایہا الظریف میں الظریف صفت منادی کی واقع ہوئی۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ای زید کی طرح بنفسہ مستقل نہیں ہے اس لیئے کسی وقت بھی صفت سے منفک (جدا) نہیں ہوتا۔ اور ہا جو کلمہ تنبیہ کا ہے اور صفت موصوف کے درمیان میں زائد پڑا ہوا ہے اسکے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ حرف ندا کے معنی کو موکد کرتا ہے دوسرا یہ کہ ای جو اضافت کا مستحق تھا یعنی مضاف الیہ کو چاہتا تھا اسکے عوض میں یہ حرف تنبیہ لایا گیا ہے۔ اور اسی قسم کا ندا اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) میں بکثرت وارد ہوا ہے اور اسکی وجہ یہی تاکید بھی اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو جو ندا بندوں کو دیے ہیں وہ سب اوامر اور نواہی اور وعدہ اور وعیدیں اور متقدمین کے مہتم بالشان قصے ہیں جنکا سننا اور ان میں غور کرنا خصوصاً بعد غفلت کے فرض انسانی تھا اسی لیئے ایسے موکد ندا سے ندا دیے گئے۔

چھٹا مسئلہ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو عبادت کا حکم دیتا ہے تو اگر اس حکم سے بعض کو نکالا جاوے تو عموم کی تخصیص لازم آئیگی بلا مخصص کے اور یہ جائز نہیں

ساتواں مسئلہ قاضی نے کہا کہ وجوب عبادت کا سبب یہی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے لیئے بیان کر دیا اور وہ یہ ہے کہ اس نے ہمکو پیدا کیا اور ہم پر فضل وانعام کیا اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے اصحاب اس آیت سے یہ حجت پکڑتے ہیں کہ بندہ فعل عبادت سے و مامور کے بجالانے سے مستحق ثواب کا نہیں ہوتا اس لیئے کہ سبب وجوب عبادت کا اسکا ہمکو پیدا کرنا اور ہمپر فضل و احسان کرنا ہے اور وہ ہو چکا ہے اور عبادت ادائے واجب ہے اور انسان ادائے واجب سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا۔ تو ضرور ہوا کہ بندوں کی عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر کوئی ثواب دینا واجب نہیں ہے

آٹھواں مسئلہ ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے بندوں کو عبادت رب کا حکم دیا اور اسکے بعد وہ ذکر لایا جس سے وجود صانع ثابت ہوا اور وہ مکلفین کا اور جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انکا پیدا کرنا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ بندوں کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی وحدانیت اور معرفت کے حاصل کرنے کے لیے غور کیا کریں اور نظر اور استدلال کو کام میں لایا کریں اور یہ بات کئی وجوہ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہوتی ہے۔ دلائل عقلیہ کے بے لگام ہونے کی وجہ سے ہم یہاں چند دلائل نقلیہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ اول یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی فزارہ میں سے ایک شخص آیا اور آپ سے یہ عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ لڑکا جنا ہے (اور میں اور میری بیوی دونوں گورے ہیں اس لیے مجکو اسکے میرا بیٹا ہونے میں شبہ ہے) تو آپ نے اس سے کہا کہ تیرے اونٹ بھی ہیں اس نے کہا ہاں ہیں تو آپنے فرمایا کہ کس رنگت کے ہیں اس نے کہا کہ سرخ ہیں آپنے فرمایا کہ ان میں کوئی مٹیالے رنگ کا بھی ہے اس نے کہا ہاں تو آپنے فرمایا کہ یہ رنگ کہاں سے آگیا اس نے کہا کہ شاید اوپر کی پشتوں میں سے کسی کی رگ غالب ہوگئی ہوگی تو آپنے فرمایا کہ اس میں بھی تو اوپر ہی کی پشت میں سے کسی کی رگ نے کشش کی ہوگی۔ یہ حجت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کی ہے محض استدلالی ہے۔ دوم ابو ہریرہ ہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ آدم کے بیٹے نے مجکو جھٹلایا اور اسکو مناسب نہ تھا کہ مجکو جھٹلاتا اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اسے سزاوار نہ تھا کہ مجھے گالی دیتا۔ اسکا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ نے مجکو اول مرتبہ پیدا کردیا پھر دوبارہ اس طرح مجکو ہرگز پیدا نکریگا حالانکہ اسکا اول مرتبہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان نہ تھا (بلکہ دونوں مرتبہ آسانی میں یکساں ہیں) اور مجھے گالی یوں دیتا ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد بھی ہے اور حالانکہ میں اللہ ہوں ایک بے نیاز نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ مجھے کسی نے جنا اور نہ میری ذات کا کوئی ہمجنس ہے۔ تو اللہ تعالی نے اول مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہونے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہونے کے لئے استدلال کیا۔ اور اپنی الوہیت احدیت صمدیت سے اس بات کا ثبوت دیا کہ میں والدیت اور مولودیت سے پاک اور منزہ ہوں سوم یہ کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کی ملاقات کو دوست رکھے گا تو اللہ تعالی بھی اسکی ملاقات کو دوست رکھیگا اور جو شخص اللہ تعالی کی ملاقات کو مکروہ جانے گا اللہ تعالی بھی اسکی ملاقات کو مکروہ جانے گا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مرنے کو تو مکروہ جانتے ہیں اور موت کا مکروہ جاننا ہی اللہ کی ملاقات کا مکروہ جاننا ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں نہیں ہے بلکہ عین موت کے وقت مومن اللہ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور کافر اسوقت اللہ کی ملاقات کو مکروہ جانتا ہے۔ اور ان دلائل کے سوا اور بیشمار ہیں۔ ان سب سے ثابت ہوا کہ نظر وفکر کرنا دلائل میں شرعا مامور بہ ہے لیکن یہاں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نظر وفکر سے مراد علم منطق اور کلام اور فلسفہ ہرگز نہیں بلکہ فکر صائب اور نظر صحیح علم شرع میں خلوص کے ساتھ عمر خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور اخلاص اور زہد وعبادت کی برکت سے دل میں قسم قسم کے دلائل وبراہین اور توحید والوہیت وربوبیت اور صمدیت کے انوار ساطعہ منکشف ہوتے ہیں اور یہ امر ہمت اور تجربہ پر موقوف ہے اور علم منطق اور کلام اور فلسفہ میں مشغول ہونا دلیل حرمان ہے بلکہ حرام ہے اور علم شرع سے روکنے والا ہے اور اس امر کے لئے پانچ مقام ہیں۔ پہلا مقام یہ ہے کہ نظر اور استدلال عقلی بالکل مفید علم نہیں ہے کئی وجہ سے اول یہ کہ ہمنے غور وفکر کی اور فکر کرنے کے بعد ہمارے دل میں ایک بات کا عقیدہ بیٹھا اور ہمنے اس عقیدہ کو علم سمجھا لیکن یہ علم دو حال سے خالی نہیں یا تو بدیہی ہوگا

یا نظری اول شق باطل ہے اس لیئے کہ آدمی اُس فکر کے حاصل کیئے ہوئے عقیدہ کو جسکو علم قرار دیا ہے جب غور کریگا اور بدیہات میں بھی غور کریگا کہ ایک عدد دو کا نصف ہے اور سورج روشنی کرنے والا ہے اور آگ جلانے والی ہے تو ضرور پہلے علم کو جسکو غور سے حاصل کر کے عقیدہ بنایا تھا بنسبت ان بدیہیات کے بہت ہیچ پائے گا تو یہ ہیچ ہونا اُسکے علم ہونے میں قدح کرتا ہے اور دوسری شق بھی باطل ہے اسلیئے کہ جو کلام شق اول میں ہے وہی شق ثانی میں ہے تو اس سے تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے۔ دوم یہ کہ ہمنے ایک جہان دیکھا لوگوں میں سے کہ اُنہوں نے غور وفکر واجتہاد کیا اور اُن کو اس فکر کے بعد ایک عقیدہ حاصل ہوا اور یقین اور جزم رکھتے تھے کہ یہ عقیدہ علم ہے پھر اونپر یا اُن کے سوا اوروں پر ظاہر ہوا کہ وہ عقیدہ جہل تھا علم نہ تھا تو اُنہوں نے اُس سے رجوع کیا اور اُسکو ترک کر دیا۔ تو جب ہم کو عقیدہ اولیٰ میں یہ مشاہدہ ہوا تو عقیدہ ثانیہ میں بھی یہ بات جائز ہے وَهَلُمَّ جَرًّا تو اس بنا پر جو عقیدے فکر سے حاصل ہوتے ہیں بالکل قابل یقین وجزم نہیں ہیں سوم یہ کہ مطلوب اگر معلوم ہے تو معلوم کا معلوم کرنا تحصیل حاصل ہے اور وہ محال ہے اور اگر غیر معلوم ہے تو ذہن اُس سے غافل ہے اور مغفول عنہ کی طرف طلب کا ہونا محال ہے چہارم یہ کہ اس بات کا علم کہ نظر وفکر مفید علم ہے بدیہی ہوگا یا نظری اگر ضروری ہے تو سب عقلا کا اس میں برابر شریک ہونا واجب ہوگا اور حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے اور اگر نظری ہے تو لازم آئیگا ایک چیز کے جنس کا ثابت کرنا اُسی کے افراد میں سے کسی فرد سے اور یہ محال ہے اسلیئے کہ جب نزاع ماہیت میں ہے تو اُس فرد میں بھی ہوگا تو اثبات شے کا نفس شے سے لازم آئیگا اور یہ محال ہے کیونکہ اس اعتبار سے کہ وہ وسیلہ علم کا ہے اُسکا معلوم ہونا واجب ہے اور اس اعتبار سے کہ مطلوب ہے اُسکا نامعلوم ہونا واجب ہے تو اجتماع نفی اور اثبات کا لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ پنجم یہ کہ ایک مقدمہ (قضیہ یا جملہ) نتیجہ نہیں دیتا بلکہ معاؔ و مقدمہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ نتیجہ حاصل ہو اور ایک ہی دفعہ دونوں مقدموں کا ذہن میں حاضر ہونا محال ہے اسلیئے کہ ہمنے تجربہ کیا ہے کہ جسوقت ہم نے ذہن کو ایک معلوم کی طرف متوجہ کیا تو اُسی وقت دوسرے معلوم کی طرف اُسکا متوجہ کرنا محال ہوا۔ اور اگر فی الجملہ نظر کا مفید علم ہونا مان بھی لیا جاوے تب بھی الٰہیات میں بالکل مفید علم نہیں ہوتا دو دلیل سے دلیل اول یہ ہے کہ حقیقت الٰہ بالکل غیر متصور ہے اور جب حقیقت تصور میں نہیں آسکتی تو تصدیق کا ہونا بھی محال ہوگا نہ اُسکے ذات کے ثبوت کی اور نہ اُسکے صفات میں سے کسی صفت کی۔ اول کا بیان یوں ہے کہ بشر کو یہی معلوم ہے کہ وہ واجب الوجود ہے عیب سے منزہ ہے اور علم وقدرت سے موصوف ہے تو وجوب اور تنزیہ قید سلبی ہے اور نفس سلب اُسکی ذات کی حقیقت نہیں ہے تو اس سلب کا علم اُسکی حقیقت کا علم نہوا۔ اور علم وقدرت سے موصوف ہونا نسبت ہے یعنی ان صفات کی طرف اُسکا منسوب ہونا اور یہ منسوب ہونا اُسکی ذات نہیں ہے تو اس منسوب ہونے کو جاننا اُسکی ذات کا جاننا نہوا۔ دوسری شق کا بیان یہ ہے کہ تصدیق موقوف ہے تصور پر اور جب تصور مفقود ہے تو تصدیق محال ہے۔ اور یہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ذات باریتعالیٰ گو اصلی حقیقۃ مخصوصہ کے اعتبار سے متصور نہیں ہے لیکن باعتبار لوازم کے متصور ہے یعنے ہم جانتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی ایک شے ایسی ہے جسکو وجوب ودوام اور تنزیہ لازم ہے تو اس متصور پر تصدیق مرتب ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ معلومات یا تو نفس ذات ہونگے اور یہ محال ہے یا خارج از ذات ہونگے تو جب ہم نے ذات کو معلوم نکیا تو اُسکے ان صفات سے موصوف ہونے کا علم بھی ہم کو حاصل ہونا ناممکن ہے۔ پھر جب وہ تصور جو ان صفات کو اُسکی ذات کی طرف منسوب کرنے کے لیئے شرط ہے وہ باعتبار اور صفات کے متصور ہے تو اُسمیں بھی ایسا ہی کلام ہوگا جیسے کہ پہلے تصور میں ہے تو پھر تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے۔ دلیل دوم یہ ہے کہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر اور واضح

چیز ہمارے نزدیک ہماری ذات اور ہماری حقیقت ہے جسکی طرف ہم لوگ اَنَا (میں) کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں پھر اس مشار الیہ میں بھی لوگ متحیر اور مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ یہ بدن ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مزاج ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بعض اجزائے داخلہ اس بدن کی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مراد اُس سے وہ چیز ہے کہ نہ داخل بدن ہے نہ خارج سو جو چیز سب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے اُس میں اسقدر اختلاف ہے تو جو چیز ہمارے وجود اور ہمارے احوال سے بہت ہی زیادہ دور ہو تو اُسکا کیا حال ہوگا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ جو نظر و غور یقین کو پہونچاتا ہے اُسکی ہمکو قدرت نہیں ہے اور اسکے کئی وجوہ ہیں اول یہ کہ جب تصورات تحت میں قدرت کے نہیں ہیں تو تصدیقات بدیہیہ بھی قدرت کے تحت میں نہیں ہیں تو اس بنا پر تمام تصدیقات قدرت کے تحت میں نہیں ہیں۔ اور ہمنے جو یہ کہا ہے کہ تمام تصورات قدرت کے تحت میں نہیں ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اُنکی تحصیل کا طالب ہے اگر پہلے سے اُن کو پہچانتا ہے تو اُن کی پہچان حاصل کرنا محال ہے اسلیئے کہ تحصیل حاصل ہے اور اگر اُن سے غافل ہے تو بھی اُن کا طلب کرنا محال ہے اس لیئے کہ جو شخص کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اُسکی طرف اُسکی طلب متوجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر کہا جاوے کہ کیونکر جائز نہیں کہ ایک وجہ سے معلوم ہو اور دوسری وجہ سے معلوم نہو تو ہم کہینگے کہ جو وجہ پر معلوم ہونا صادق آتا ہے وہ جو وجہ ہے سوا اُس چیز پر غیر معلوم ہونا صادق آتا ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو ایک چیز پر نفی اور اثبات دونوں صادق آئے اور یہ بات محال ہے۔ تو اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جو وجہ معلوم ہے اسکا طلب کرنا محال ہے اسلیئے کہ تحصیل حاصل ہے اور جو وجہ غیر معلوم ہے اسکا طلب کرنا بھی محال ہے اسلیئے کہ مغفول عنہ مطلوب نہیں ہو سکتا۔ اور ہمنے یہ جو کہا ہے کہ جب تصورات قدرت سے باہر ہیں تو تصدیقات بدیہیہ بھی قدرت سے باہر ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جب قضیہ کے دو طرف یعنی موضوع اور محمول ذہن میں حاضر ہوتے ہیں تو اُن کے حاضر ہوتے ہی ذہن کو اُن دونوں کے مابین نسبت نفی یا اثبات کا یقین حاصل ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اگر اُسیوقت حاصل ہونا لازم نہیں آتا تو قضیہ بالکل بدیہی نہیں ہے بلکہ مشکوک ہے اور اگر لازم آتا ہے تو اُن دونوں تصوروں کے حاصل ہوتے ہی تصدیق کا حاصل ہونا لازم ہوگا اور جب وہ دونوں تصور حاصل نہونگے تو تصدیق کا حاصل ہونا محال ہوگا اور جو چیز دوسری چیز پر موقوف ہو از روی نفی اور اثبات کے یعنی وہ موجود ہو تو یہ بھی موجود ہو اور وہ غیر موجود ہو تو یہ بھی غیر موجود ہو اور وہ دوسری چیز قدرت سے باہر ہے تو یہ موقوف بھی قدرت سے باہر ہوگا تو ثابت ہوا کہ تصدیقات بدیہیہ نظری اور کسبی نہیں ہیں اور ہمنے جو کہا ہے کہ جب تصدیقات بدیہیہ کسبی نہیں ہیں تو تمام تصدیقات کسبی نہیں ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جو تصدیق بدیہی نہیں ہوگی ضرور وہ نظری ہوگی اور جب نظری ہوئی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو تصدیقات بدیہیہ کے موجود ہوتے وقت اُسکا موجود ہونا لازم ہوگا یا نہیں اگر لازم نہوا تو اُن معتقدات کے صدق کے وقت مطلوب کا صادق آنا لازم نہوگا اس لیئے یہ استدلال یقینی نہوگا بلکہ یا تو ظن ہوگا یا اعتقاد تقلیدی ہوگا۔ اور اگر لازم ہوا تو وہ قضایا نظریہ حالت نفی اور اثبات میں قضایاے ضروریہ بدیہیہ کے ساتھ واجب الدوران ہونگے یعنی جہاں جس حالت میں وہ بدیہیات پائے جائیں گے وہاں وہ بھی پائے جائیں گے اور جہاں وہ نہ پائے جائیں گے وہ بھی نہ پائے جائیں گے تو ثابت ہوا کہ تمام نظریات بندے کے مقدور سے باہر ہیں۔ دوم یہ کہ انسان کسی شئے مطلوب کو اُسوقت وجود میں لا سکتا ہے جبکہ اُسکو غیر مطلوب سے تمیز کر سکے اور علم کی تمیز جہل سے جبھی ہوتی ہے کہ مطابق معلوم کے ہو بخلاف جہل کے اور یہ بات جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ معلوم کے تمام صفات معلوم ہوں۔ تو جب تک آدمی کسی چیز کے تمام صفات کو نہ جانتا ہو اُسکے علم کا ایجاد کرنا اُسپر محال ہے لیکن وہ خود محال ہے اسلیئے کہ جب وہ اُس چیز کے تمام صفات کو جانتا ہے تو اسکا علم اُسکو حاصل ہے اور

تحصیل حاصل محال ہے تو ثابت ہوا کہ بندے کو نہ ایجاد علم کی قدرت ہے اور نہ طلب علم کی قدرت ہے۔ سوم یہ کہ موجب نظر یا تو بداہت عقل یا نظر یا نقل۔ شق اول تو باطل ہے اسلیئے کہ بدیہی وہ چیز ہے جس میں سب عقلا شریک ہیں اور وجوب نظر و فکر میں یہ بات نہیں ہے اسلیئے کہ بہت عقلا بہت غور و فکر کو قبیح جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت غور و فکر آدمی کو جاہل بنا دیتی ہے تو اس سے بچنا ضروری ہوا۔ اور شق دوم بھی باطل ہے اسلیئے کہ جب وجوب نظر کا علم نظری ہے تو اس بناء پر قبل نظر کے علم وجوب نظر اسکو حاصل نہیں اور اسکی تکلیف بندے کو دینا تکلیف ما لا یطاق ہے اور بعد نظر ممکن نہیں اسلیئے کہ اُسمیں کچھ فائدہ نہیں ہے اور سوم بھی باطل ہے اسلیئے کہ قبل نقل وجوب نظر کی معرفت کی قدرت نہیں رکھ سکتا اور بعد نقل کے اُسکا ایجاب اُسکو ممکن نہیں اسلیئے کہ اس میں فائدہ نہیں ہے اور جب سب اقسام باطل ہوئے تو وجوب نظر کی نفی بھی ثابت ہو گئی۔ تیسرا مقام یہ کہ گو کہ نظر و غور و فکر مفید علم بھی ہے اور بندے کی قدرت میں بھی ہے۔ لیکن بہت قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کا تقاضا نہیں ہے کہ بندے کو اس کی تکلیف دے اور اُسکے کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ اکثر غور و فکر آدمی کو جہل تک پہنچا دیتا ہے تو غور و فکر پر توجہ کرنا گویا ایسی چیز کی طرف توجہ کرنا ہے جو غالباً آدمی کو جہل تک پہنچاتی ہے اور جو چیز ایسی ہو ضرور قبیح ہو گی تو نظر و فکر بھی قبیح ہو گی اور اللہ تعالیٰ قبیح چیز کا حکم نہیں دیتا۔ دوم یہ کہ جب آدمی ناقص قوت والا ہے اور ضعیف القلب ہے اور اُسکو طرح طرح کے بہت متناقض شبہات پیش آتے رہتے ہیں تو ہرگز جائز نہیں کہ اس حالت میں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنیکے لیئے اُسکی عقل پر بھروسہ کیا جاوے۔ اور ہم خوب دیکھ چکے ہیں کہ تمام اہل مذاہب میں کا ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے اور مخالف کو باطل پر پھر جب تعصب اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیا جاوے تو سب اقوال اہل مذاہب کے آپسمیں متناقض اور متعارض معلوم ہونگے اور یہی بات اسپر دلالت کرتی ہے کہ بندے کی عقل ان حقائق کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ سوم یہ کہ اگر دین کا مدار حقائق دلائل کے دریافت کرنے میں نظر و فکر پر ہوتا تو ضرور ہوتا کہ آدمی ایک گھڑی بھی ایمان پر ثابت نہ رہتا۔ اسلیئے کہ جب آدمی کے دل میں دین کی دلیل کے مقدمات میں سے کسی مقدمہ پر اعتراض وارد ہوا تو اس مقدمہ کے بارے میں وہ شکی ہو گیا اور جب دلیل کے بعض مقدمات مشکوک ہوئے تو نتیجہ بھی ظنی ہو جائیگا اسلیئے کہ مشکوک چیز مفید یقین نہیں ہو سکتی تو اُس سے لازم آئیگا کہ آدمی ہر گھڑی دین سے نکلتا رہے اس وجہ سے کہ ہر گھڑی اُسکے دل میں شکوک اور اعتراضات وارد ہوتے رہتے ہیں۔ چہارم یہ کہ اکثر لوگوں کی زبان زد یہ بات ہے کہ من طلب المال بالکیمیاء افلس ومن طلب الدین بالکلام تزندق یعنی جو شخص کیمیا کے ذریعے سے مال طلب کرنا چاہے گا وہ مفلس ہو جائیگا اور جو علم منطق سے دین طلب کریگا زندیق (دہریہ) ہو جائیگا۔ اسلیئے اس غور و فکر و نظر کا دروازہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔ چوتھا مقام یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ نظر اور غور و فکر فی نفسہ قبیح نہیں ہے لیکن ہم اس بات کی دلیل دے سکتے ہیں کہ اللہ و رسول نے اُسکا حکم نہیں دیا۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ ان مطالب کے دلائل کا علم دو حال سے خالی نہیں یا تو ضروری اور بدیہی ہوگا کہ حاصل کرنے اور سیکھنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور یا بدیہی اور ضروری نہ ہوگا بلکہ اُسکے حاصل کرنیکی اور اُسمیں غور و فکر و تامل و تدبر کی حاجت ہوگی۔ پہلی شق باطل ہے ورنہ سب لوگ اُسکو حاصل کر لیتے اور یہ مکابرہ ہے۔ اور اسلیئے کہ ہم نے بہت بڑی ذکی الطبع لوگوں کی عقلوں کا تجربہ کیا ہے کہ مدتوں اور برسوں استاذ سے سیکھا کیئے اور مغز زنی کیا کیے مگر پھر یہ رتبہ اُنکو حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر دوسری شق مانی جاوے تو لازم آئیگا کہ اسلام اور ایمان کا رتبہ جب ہی حاصل ہو کہ بہت سخت محنت اُٹھاوے اور کثرت سے مباحثہ کرے ورنہ حاصل نہو۔ اور اگر دین کی بنا

اسی پر ہوتی تو لازم آتا کہ رسول کسی شخص کے اسلام کو صحیح نہ بتاتے جب تک کہ اُس سے ان دلائل منطقیہ کا سوال نہ کر لیتے اور اسکا پورا امتحان نہ کر لیتے اور اگر رسول یہ کام کرتے تو ضرور مشہور ہوتا اور آپ سے متعدد سندوں سے منقول ہوتا اور جب بالکل مشہور نہیں ہوا بلکہ آپ سے بتواتر یہ منقول ہے کہ آپ ایسے شخص کے اسلام کا حکم دیتے تھے جسکے خیال میں بھی ان مسائل کا شمہ نہیں گزرا تھا تو ہمنے جان لیا کہ دین میں ان دلائل منطقیہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ انکا کچھ اعتبار ہے - اگر کوئی کہے کہ اصول دلائل کی معرفت اکثر عقلا کو حاصل ہے اور تدقیق کا محتاج تو صرف اعتراضوں کا دفع کرنا اور شبہات کا جواب دینا ہے - اور اصل دین کی صحت میں اسکا کچھ اعتبار نہیں - تو ہم کہیں گے کہ یہ بات بالکل لچر و پوچ ہے اسلیئے کہ دلیل بالکل گھٹ بڑھ نہیں سکتی کیونکہ مثلاً جب دلیل کی بنا دس مقدمات پر ہے اور آدمی کو اُن مقدمات کی صحت کا یقین ہے تو وہ دلیل کی ایسی معرفت رکھتا ہے جسپر زیادت بالکل ممکن نہیں اسلیئے کہ اُن دس میں اس زائد کا بھی اگر اعتبار ہے دلیل کے ثابت ہونے میں تو ہمارا یہ کہنا ہی غلط ہوگا کہ دلیل کی بنا فقط دس مقدمات پر ہے - اور اُن دس میں اس زائد کا کچھ اعتبار نہیں تو وہ علم دلیل سے جدا ہوگا دلیل سے اُسے کچھ علاقہ نہوگا اور دلیل کی بنا یقیناً دس ہی پر ہوگی - اور اسی طرح دلیل کمی کو بھی قبول نہیں کر سکتی اسلیئے کہ اگر اُن دس مقدمات میں سے نو یقینی ہوئے اور دسواں ظنی ہوا تو مطلوب یقینی نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ جسکی بنا ظنی پر ہے وہ بھی ظنی ہے تو ثابت ہوا کہ دلیل زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کر سکتی اور اسکے بطلان سے اعتراض بھی باطل ہو گیا - مثلاً جب آدمی نے دیکھا کہ بارش اور گرج اور بجلی پیدا ہوئی بعد اسکے کہ ہوا بالکل صاف تھی تو معاً کہے گا سبحان اللہ تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے اللہ کو دلیل سے پہچان لیا اور یہ خیال باطل ہے اسلیئے کہ عارف باللہ وہ شخص اُسوقت ہو سکتا ہے کہ جب دلیل کے رو سے یہ بات جان لے کہ یہ امر جو حادث ہوا ہے ضرور اسکے لیئے کوئی موثر ہے اور پھر دلیل کی رو سے یہ بھی جانے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اسکا موثر اور کوئی نہیں ہے اور یہ دوسرا مقدمہ اُسوقت ٹھیک ہو سکتا ہے جبکہ دلیل سے ثابت ہو جاوے کہ اس امر حادث کی نسبت فلک اور نجوم اور طبیعت اور علت موجبہ کی طرف نہیں کی جا سکتی اور جب اسکا باطل ہونا دلیل سے نہیں جانتا تو بغیر دلیل کے دوسرے مقدمہ کا معتقد ہوا تو وہ مقدمہ تقلیدی ہوا اور جسکی اوسپر بنائی ہوئی وہ بھی تقلیدی ہوئی یقینی نہوا - اس تقریر سے تمہارے قول کا فاسد ہونا ثابت ہو گیا - پانچواں مقام یہ ہے کہ علم منطق و کلام میں مشغول ہونا بدعت ہے اور اسپر دلائل قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس کے قائم ہیں اور اقوال سلف اسکے شاہد ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ اللہ تعالیٰ نے جدل کی مذمت کی ہے اور علم کلام خود علم جدل ہے اور نیز فرماتا ہے وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں جو لوگ بحث کرتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ اعراض اور روگردانی کا حکم دیتا ہے - اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مخلوق میں غور و فکر کرو خالق میں غور و فکر مت کرو اور ایک اثر میں یوں آیا ہے کہ بوڑھی عورتیں جو بالکل اُمی ہیں اُنکے سے عقیدے رکھو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تقدیر کا ذکر آوے تو چپ ہو جایا کرو - اور اجماع یہ ہے کہ صحابہ رضہ بالکل اس علم میں مشغول نہیں ہوئے اسلیئے یقیناً بدعت ہوگا اور بدعت ہوا تو حرام ہوا صحابہ کا اس میں مشغول نہونا تو ظاہر ہے اسلیئے کہ کسی صحابی کی نسبت یہ بات منقول نہیں ہوئی کہ اُسنے اپنے آپ کو ان دلائل عقلیہ منطقیہ کے شغل میں

قائم گیا ہو بلکہ جو شخص ذرا بھی گفتگو اس قسم کی کرتا تھا اُسپر سخت اعتراض سے پیش آتے تھے اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو اس علم کا بدعت ہونا ثابت ہوا اور ہر بدعت بالاتفاق حرام ہے اور اقوال سلف یہ ہیں کہ امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعے سے بچو شاگردوں نے عرض کیا کہ اے حضرت ابو عبداللہ بدع کیا چیز ہے انہوں نے کہا کہ اہل بدع وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اسکے اسماء و صفات میں بحث اور گفتگو کرتے ہیں اور جس چیز میں صحابہ اور تابعین نے سکوت کیا ہے اُس سے سکوت نہیں کرتے۔ اور امام سفیان بن عیینہ سے کسی نے علم کلام کا حال پوچھا تو کہا کہ سنت کی پیروی کرا اور بدعت کو چھوڑ دے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سوائے شرک کے جس گناہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بندیکو مبتلا کرے تو اسکے حق میں اتنا برا نہو گا جتنا کہ علم کلام کا ذرا سا مسئلہ اُسکے حق میں برا ہو گا۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی علمی کتابوں کو اپنی وصیت میں کسی کو ہبہ کر دے تو علم منطق و کلام کی کتابیں اس میں داخل نہونگی بلکہ وصیت سے خارج ہونگی۔ اور روایت فقہی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علماء کے واسطے کچھ مال وغیرہ کی وصیت کر جاوے تو جو عالم کہ علم کلام کا شغل رکھتا ہے وہ اُس وصیت سے خارج رہے گا۔ **نواں مسئلہ** جو شخص اخلاص اور نیک نیتی کو مد نظر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکی بصر بصیرت کو روشن کر دیتا ہے اور اُسکو خصم کے مقابلہ میں ایسے مقدمات سوجھا تا ہے جسے خصم لاجواب ہو جاتا ہے اور سلف صالحین میں بھی کمال تھا چنانچہ نہایت لطیف دلائل جو اُن سے منقول ہیں اُن میں سے ایک یہ نقل ہے کہ ایک شخص نے زنادقہ میں سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے وجود صانع کا انکار کیا تو امام جعفرؓ نے اُس سے کہا کہ تو کبھی سمندر میں کشتی پر بھی سوار ہوا ہے اُس نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کبھی اُس میں خوف بھی تمہیں پیش آیا اس نے کہا کہ جی کیوں نہیں ایک دن بڑی ہولناک ہوائیں چلیں جنہوں نے کشتیوں کو توڑ ڈالا اور ملاحوں کو بھی غرق کر دیا تو میں ایک تختہ پر لپٹ گیا پھر وہ تختہ بھی مجھسے چھوٹ گیا تو لہروں کے جوش نے مجھے دھکیلتے دھکیلتے ایک کنارہ پر ڈال دیا تو امام جعفرؓ نے کہا کہ پہلے تو تمہارا اعتماد کشتی اور ملاح پر تھا پھر اُس تختہ پر کہ شاید مجھے نجات دلوادے پھر جب یہ سب چیزیں تیرے ہاتھ سے نکل گئیں تو تو نے اپنی ہلاکت کو بالکل سونپ دی تھی یا اُسکے بعد بھی امید سلامت کی رکھتا تھا تو اس نے کہا کہ اسکے بعد بھی سلامت کی امید رکھتا تو تھا تو انہوں نے کہا کس سے تو وہ شخص چپ ہو گیا۔ تو امام جعفرؓ نے کہا کہ صانع وہی ہے جس سے تو اُسوقت امید رکھتا تھا اور اسی نے تجھے اُسوقت ڈوبنے سے بچایا تو وہ شخص اُنہیں کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ **دوم** یہ کہ کتاب دیانات العرب میں ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمران بن حصین رضؓ سے (قبل اُن کے مسلمان ہونیکے) کہا کہ تیرے کتنے خدا ہیں انہوں نے کہا کہ دس ہیں آپؐ نے فرمایا کہ پھر تیرے غم اور مصیبت اور بلائے عظیم کے دور کرنے کے لیئے کون ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تو آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ سوائے اللہ کے تیرے لیئے کوئی معبود و خدا نہیں۔ **سوم** یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دہریوں کے حق میں تلوار تھے اور وہ لوگ اُن کے قتل کی تاک میں لگے رہتے تھے سو ایک دن امام رحؒ اپنی مسجد میں بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک غول اُنہیں لوگوں میں کا ننگی تلواریں لیئے ہوئے اُنکے قتل کے ارادے سے اُنپر آن چڑھے تو امام رحؒ نے کہا کہ تم لوگ پہلے مجھے ایک بات کا جواب دیدو پھر جو چاہو سو کرو تو اُن لوگوں نے کہا کہ ہاں وہ بات پیش کرو تو اُنہوں نے کہا کہ تم لوگ اُس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جو تم سے کہے میں نے دریا میں ایک کشتی دیکھی ہے جسمیں قسم قسم کے مالوں کے بوجھ بھرے ہوئے ہیں اور دریا کی موجیں خواہ ہر طرف ہواؤں کا

زور ہوتا ہوا اُسکو اِدہر اُدہر نہیں کر سکتیں اور مختلف قسم کی ہوائیں چلتی ہیں اور وہ کشتی برابر سیدہی چلی جاتی ہے اور کوئی اُسکا خبرگیرا نہیں اور نہ کوئی ملاح ہے جو اُسکو چلا دے اپنے آپ ہی چلتی ہے تو کیا یہ بات عقل میں درست ہے یا نہیں تو اُن سب لوگوں نے کہا کہ اسبات کو عقل بالکل قبول نہیں کرتی تو امام ابو حنیفہ رح نے کہا کہ سبحان اللہ بڑا تعجب ہے کہ ایک کشتی کا دریا میں سیدہا چلا جانا بغیر کسی ملاح اور چلانے والے کے عقل تجویز نہیں کر سکتی اور اس تمام دنیا کے کاروبار مختلف حالات اور اطوار میں باوجود اسکے اتنا فراخ اور بے انتہا بڑا ہونے کے بغیر کسی محافظ کے کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ تو وہ لوگ سب کے سب رو پڑے اور کہنے لگے کہ تو نے بیشک سچ کہا ہے اور سب نے اپنی تلواریں میان میں کر لیں اور تائب ہو گئے۔ چہارم یہ کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ وجود صانع پر کیا دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ توت کا پتا کہ اُسکا مزہ اور رنگ اور بو اور طبیعت تم لوگوں کے نزدیک ایک ہے یا نہیں اُن لوگوں نے کہا کہ ہاں تو امام رح نے کہا کہ ریشم کا کیڑا اُسکو کہاتا ہے تو اُسکے پیٹ سے ریشم نکلتا ہے اور شہد کی مکھی اُسکو کہاتی ہے تو اُسکے پیٹ سے شہد نکلتا ہے اور بکری کہاتی ہے تو اُسکے پیٹ سے مینگنیاں نکلتی ہیں اور مشک کے ہرن اُسکو کہاتے ہیں تو اُن کے نافوں سے مشک نکلتا ہے تو بتاؤ یہ مختلف اثر کس نے اس میں رکہے ہیں حالانکہ طبیعت ایک ہے تو اُن لوگوں نے اُن کے اس جواب کو اچھا سمجہا اور اُن کے ہاتھ پر اسلام لائے اور وہ سترہ آدمی تھے۔ پنجم یہ کہ ایک اور مرتبہ امام ابو حنیفہ رح سے کسی نے ایسا ہی سوال کیا تو انہوں نے یہ حجت پیش کی کہ والد چاہتا ہے کہ میرے ہاں لڑکا ہووے اور اُسکی خواہش کے برخلاف لڑکی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر کبہی لڑکی کی خواہش ہوتی ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے یہ بات بھی وجود صانع پر دلالت کرتی ہے۔ ششم یہ کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حجت پیش کی کہ ایک بڑا مضبوط اور چکنا قلعہ ہے کوئی اُس میں سوراخ نہیں ہے اُسکی باہر کی جانب تو ایسی ہے جیسے کہ چاندی پگھلی ہوئی ہوتی ہے اور اُسکا اندر خالص سونے کی طرح پھر اُسکی دیواریں یکایک پھٹیں اور قلعہ کے اندر سے ایک حیوان سماعت اور بصارت والا نکلا تو ضرور اُسکا کوئی نہ کوئی فاعل ہونا چاہیئے۔ مراد امام کی قلعہ سے انڈا ہے اور حیوان سے مراد چوزہ ہے۔ ہفتم یہ کہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے ایسا ہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے آوازوں کے مختلف ہونے اور سُروں کی تبدیل اور رنگا رنگ ہونے لغات کے سے حجت پکڑی۔ ہشتم یہ کہ ابو نواس شاعر سے کسی نے پوچھا تو اُس نے یہ شعر پڑہ دیئے ؎

تأمل فی نبات الارض و انظر — الی آثار ما صنع الملیک

عیون من لجین شاخصات — و ازہار کما الذہب السبیک

علی قضب الزبرجد شاہدات — بان اللہ لیس لہ شریک

نہم یہ کہ کسی اعرابی سے یہ سوال ہوا تو اُس نے کہا البعرة تدل علی البعیر والروث علی الحمیر و آثار الاقدام علی المسیر فسماء ذات ابراج و ارض ذات فجاج وبحار ذات امواج اما تدل علی الصانع الحلیم العلیم القدیر + یعنے مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور لید گدہے پر اور نشان قدم کسی کے چلنے پر۔ تو برجوں والا آسمان اور مختلف رستوں والی زمین اور لہروں والے دریا کیا پیدا کرنے والے حلم والے علم والے قدرت والے پر دلالت نہیں کرتے۔ دہم یہ کہ ایک طبیب سے کسی نے پوچھا کہ تو نے اپنے رب کو کس بات سے پہچانا ہے تو اُس نے کہا کہ ہلیلہ دہڑ کے ساتھ خشک دست لاتی ہے اور اُسکا لعاب جو تر ہوتا ہے وہ قبض کرتا ہے۔ اور دوسرے حکیم نے کہا کہ میں نے شہد کی مکھی سے پہچانا ہے۔ کہ اُسکے ایک طرف تو شہد ہے اور دوسری طرف ڈنک اور ڈنک کی عربی لسع ہے اور اسکا مقلوب عسل ہے جسکے معنے شہد کے ہیں۔ یازدہم یہ کہ

فی البدیہہ ہر مہم کام کی نسبت اللہ ہی کی طرف کی جاتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ اور فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ **دسواں مسئلہ** قاضی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانا الَّذِي خَلَقَكُمْ اس فائدے کے لیئے ہے کہ استحقاق عبادت کا خلق (پیدا کرنے) ہی کے باعث ہے جب اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی عبادت فرض ولازم کی تو اسکی وجہ بھی ساتھ ہی جتا دی۔ **گیارہواں مسئلہ** اللہ تعالیٰ کے فرمان لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں دو بحثیں ہیں اول یہ کہ کلمہ لَعَلَّ ترجی اور اشفاق کے لیئے ہے اور یہ دونوں اسی وقت پائی جاتی ہیں جبکہ عاقبت سے بیخبری ہو اور اللہ تعالیٰ پر کسی چیز سے بے خبر ہونا محال ہے اسلیئے ضرور ہوا کہ اسکی تاویل کی جاوے۔ یا تو اس طرح کہ اسکا مطلب بندگی کرنیوالے سے متعلق ہے یعنے اے بندو تم ترجی (امید) کرو کہ شاید اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ یعنی چونکہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے اسلیئے اپنی عبادت ہی پر بالکل بھروسا مت کر بیٹھو اور بالکل بیکار بھی مت سمجھو۔ اور یا اس طرح کہ بادشاہوں اور امیروں اور بڑے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو کلمات اسی قسم کے بولتے ہیں جیسے لعل و عسیٰ اور مطلب اُسکا شک نہیں ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اس لیئے سننے والوں کو اسمیں شک باقی نہیں رہتا۔ تو قرآن مجید میں بھی اسی طریق سے وارد ہوا ہے اور یا لعل بمعنی کَیْ (تو کہ) ہے لیکن فقط کریم (سخی) کے کلام میں اسلیئے کہ کریم جھوٹا طمع نہیں دلاتا اور یا یہ کہ لعل اپنے معنوں میں ہے باعتبار اُن کے محاورے کے اُن سے گفتگو کی گئی ہے تاکہ وہ آپسمیں بھی ایک دوسرے سے ایسی ہی گفتگو کریں اور فہمائش کریں اور یا یہ کہ لعل مخفف عل کا ہے اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے مکرر عبادت کا خواہاں ہے یعنے اپنی عبادت سے تمکو سچی اور پکی طلب کی قوت حاصل ہوگی۔ دوم یہ کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر عبادت عین تقویٰ ہے تو عبارت بے معنی ہوگی یعنے تقدیر عبارت یوں ہوگی اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْبُدُونَ یا یوں ہوگی اِتَّقُوا رَبَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اسکا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ عبادت عین تقویٰ ہے بلکہ عبادت کرنے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اسلیئے کہ تقویٰ اور اتقا کے معنی ہیں ضرر اور تکلیفوں سے بچنا اور عبادت عین بچنا نہیں ہے بلکہ اسکا سبب ہے اور جہاں کہیں عبادت کو تقویٰ کہا گیا ہے سو مجازاً کہا گیا ہے **بارہواں مسئلہ** ابوعمرو کی قرات میں خَلَقَكُّمْ ہے یعنے وہ قاف کو کاف میں ادغام کرکے پڑھتے ہیں اور ابو السمیفع کی قرات میں وَخَلَقَ مَنْ قَبْلَكُمْ ہے بجائے وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور زید بن علی کی قرات میں وَالَّذِينَ مَنْ قَبْلَكُمْ ہے گویا دوسرا موصولہ زائدہ ہے جیسے کہ دوسرا لفظ تیم جریر شاعر کے کلام میں زائد ہے ؎ یا تیم تیم عدی لا ابا لکم **تیرہواں مسئلہ** الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا میں لفظ الَّذِي اسم موصول مع اپنے صلہ کے منصوب ہوگا محلاً اسلیئے کہ الَّذِي خَلَقَكُمْ کی نعت واقع ہوا ہے اور یا اسلیئے کہ مدح اور تعظیم کے لیئے ہے اور یا مرفوع المحل ہوگا بنا بر ابتدا کے اور جو مدح حالت نصب میں مستفاد ہوتی ہے وہی حالت رفع میں بھی حاصل ہوتی ہے **چودہواں مسئلہ** جب جملوں کی صفت جملے واقع ہوتے ہیں تو موصولات انکے اول لاتے ہیں کیونکہ صفت موصوف میں مطابقت شرط ہے تعریفاً تنکیراً اور جملے سب نکرے ہوتے ہیں الا انکے جب موصولات باعتبار موصولیت کے معرفہ ہیں اسلیئے وہ جملہ جو مبدا بالموصول ہوتا ہے وہ صفت واقع ہو سکتا ہے **پندرہواں مسئلہ** اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پانچ قسم کے دلائل ذکر کیئے ہیں دو تو نفس کے متعلقات میں سے اور تین وہ جو آفاق سے متعلق ہیں سو اول خَلَقَكُمْ فرمایا پھر دوبارہ آباء و اجداد کے داخل کرنے کے لیئے وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ کو ذکر کیا پھر سہ بارہ زمین کا فرش ہونا ذکر فرمایا پھر چوتھے درجے میں آسمان کا چھت ہونا بتایا اور پانچویں بار اُن امور کا ذکر کیا جو کہ آسمان اور زمین کی شرکت سے

پیدا ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ **سولہواں مسئلہ** اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے زمین کو تمہارے فائدے اور آرام کے لیئے فراش بنایا ہے اور یہ آیت بھی اسی کی نظیر ہے اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا اور یہ آیت بھی اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مِهٰدًا اور زمین کے فرش ثابت ہونے کے لیئے تین شرطیں ہیں۔ شرط اول یہ کہ ٹھیری ہوئی ہو حرکت نکرتی ہو اسلیئے کہ قرار خود ٹھیرنے کو کہتے ہیں اور اگر زمین متحرک ہوگی خواہ کسی طرح کی حرکت کرتی ہو فرش اور قرارگاہ نہیں ہوسکتی دوسری شرط یہ ہے کہ بہت سخت نہو پتھر کی طرح تو کہ اُسپر سونے اور چلنے میں بدن کو تکلیف نہو اور سخت ہونے سے نہ اُسپر کھیتی ہو سکتی ہے اور نہ کھد سکتی ہے اور نہ اُسپر بنائیں اور مکانات بن سکتے ہیں۔ اور نہ بہت ہی نرم ہو پانی کی طرح کہ آدمی اُسمیں دھس جائے ڈوب جائے اگر زیادہ سخت ہوئی یا بہت نرم ہوئی تو بھی ہمارے لیئے فرش نہیں ہوسکتی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بہت لطیف اور شفاف بھی نہو اسلیئے کہ اُسپر روشنی نہیں ٹھیر سکتی اور نہ ستاروں اور سورج سے گرمی حاصل کر سکتی ہے اور شفاف ہونے سے حد سے زیادہ اُسمیں برودت پیدا ہو جاتی ہی لیئے اللہ تعالیٰ نے اُسکا رنگ مٹیالا رکھا ہے اور کثیف بنایا کہ روشنی بھی اُسپر ٹھیر سکے اور گرمی بھی حاصل کرسکے ستاروں اور سورج سے اور حیوانات کے لیئے فرش ہوسکے۔ چوتھی شرط یہ کہ پانی سے باہر نکلی ہوئی ہو اُسمیں ڈوبی ہوئی نہو اگر چاروں طرف سے دریاؤں اور پانی سے گھری ہوتی جب بھی ہمارے لیئے فرش نہیں ہوسکتی تھی **سترہواں مسئلہ** زمین کے خواص اور منافع بیشمار ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اُسمیں معادن (کانیں) اور نباتات اور حیوانات اور آثار علوی اور سفلی اسقدر پیدا ہوتے رہتے ہیں جنکی تفصیل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا دوسری یہ کہ اُس میں ہر چیز کا خمیر اُٹھتا ہے اور اس سبب سے مرکبات میں تماسک (اجزا کا آپسمیں جکڑ جانا) حاصل ہوتا ہے تیسری یہ کہ زمین میں مختلف طرح کی جگہیں ہیں بعض نرم بعض سخت بعض ریتلی بعض پتھریلی سیاہ وغیرہ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ اور فرماتا ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا چوتھی یہ اُسکے جگہہ جگہہ کے رنگ جدا جدا ہیں کوئی سرخ کوئی سفید کوئی سیاہ کوئی خاکستری کوئی مٹیالی وغیرہ ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ پانچویں اُسکا نباتات کے نکلنے سے پھٹنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ چھٹی جو پانی آسمان سے برستا ہے اُسکو نگاہ رکھتی ہے اور اُسی کے طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اور فرماتا ہے قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ساتویں اُسمیں بہت چشمے اور بہت بڑی بڑی نہریں ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا آٹھویں اُسمیں بہت قسم کے معدنیات اور فلزات (دھاتیں) ہیں اور اُسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ اور پھر پورے بیان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ نویں دانہ اور گٹھلی کس طرح اُسمیں سے اُگتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی اور فرماتا ہے یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پھر زمین میں سخاوت کی طبیعت پائی جاتی ہے اسلیئے کہ تو اُسمیں ایک دانہ بوتا ہے اور وہ تجکو ایک کے بدلے سات سو نکال دیتی ہے كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ دسویں مر کر پھر زندہ ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا اور فرماتا ہے وَاٰیَةٌ لَّهُمُ

الارض المیتة احییناها واخرجنا منها حبا فمنه یاکلون گیارہویں مختلف قسم کے اسمیں جانور ہیں مختلف رنگوں اور صورتوں اور شکلوں کے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ فرماتا ہے خلق السموات بغیر عمد ترونها والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وبث فیها من کل دابة بارہویں مختلف قسموں اور رنگوں اور خاصیتوں اور منفعتوں والی نباتات اسمیں موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے وانبتنا فیها من کل زوج بهیج تو نباتات کی الگ الگ رنگتیں ہونا یہ بھی دلیل ہے اور انکے الگ الگ مزوں کا ہونا بھی دلیل ہے اور اُن میں الگ الگ قسم کی بُو کا ہونا بھی دلیل ہے پھر یہ نباتات بعض تو آدمیوں کا قوت ہے اور بعض اور حیوانوں کا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلوا وارعوا انعامکم اور کھانے کی چیزیں بھی بعض تو بجائے غذا کے ہیں اور بعض بجائے سالن کے ہیں اور بعض بجائے دوا کے اور بعض بجائے میوے کے اور پھر ان سب چیزوں میں بعض میٹھی بعض کھٹی وغیرہ وغیرہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام سواء للسائلین پھر انہیں چیزوں میں بعض آدمی کے لباس پوشاک میں کام آتی ہیں اسلیئے کہ پوشاک بھی تو بعض نباتی ہے جیسے روئی اور کتاں اور بعض حیوانی ہے جیسے اُون اور صوف اور ریشم اور چمڑے اور جتنے حیوانات اللہ تعالیٰ نے پیدا کیئے ہیں وہ بھی زمین ہی میں ہیں تو کھانے کی چیزیں بھی زمین ہی میں ہیں اور پہننے کی بھی زمین ہی میں ہیں پھر فرمایا ویخلق ما لا تعلمون اسمیں اُن منافع اور خواص وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جنکو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا - پھر یہ زمین آدمی کے عیوب کو ڈھانکنے والی ہے مرنے کے بعد اسلیئے کہ زمین میں دفن کرنے سے اُسکے بدن کی بو وغیرہ سب زمین ہی میں فنا ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم نجعل الارض کفاتا احیاء وامواتا اور فرماتا ہے منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافع ارضی اور سماوی کو جمع کر کے فرمایا وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض تیرہویں زمین میں قسم قسم کے پتھر ہیں بعض چھوٹے ہیں زینت کے لیے سو بعض کو انگوٹھیوں کے نگ بناتے ہیں اور بڑے مکانات کے واسطے ہیں پھر بعض میں سے آگ نکالی جاتی ہے اور کتنے کثرت سے ہیں اور پھر یاقوت سرخ کو دیکھو کتنا نادر الوجود ہے پھر اُس کثیر الوجود کے کثیر المنافع ہونے اور اُس عزیز الوجود کے قلیل المنافع ہونے کی طرف دھیان کرو چودھویں اس زمین میں کیا کیا شریف معدنیات بھرے ہوئے ہیں جیسے سونا چاندی پھر غور کرو کہ اسی زمین میں آدمیوں نے کیا کیا باریک اور دقیق اور عجیب عجیب صنعتیں اور حرفتیں نکالی ہیں اور دریا کی تہ میں سے مچھلیوں کو نکالا اور ہوا میں سے پرندوں کو اُتار لیا لیکن باایں ہمہ سونا چاندی بنانے سے عاجز ہی رہے - اور اُسکا سبب یہ ہے کہ سوائے قیمتی ہونے کے اور اُن کے وجود میں چنداں فائدہ نہیں اور یہ قیمتی ہونے کا فائدہ جبھی ہوتا ہے جب چیز قلیل الوجود ہو - اور جو قادر ہو جائیگا اُنکے بنانے پر وہ اس حکمت کو باطل کر دیگا اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے انکے بننے کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے اسی حکمت کے ظاہر کرنے کے لیئے اور اس نعمت کے باقی رکھنے کے لیئے - اور جنکے بنانے میں مخلوق کا ضرر نہیں ہے اُسکے بنانے کی لوگوں کو قدرت دیدی ہے جیسے تانبے سے کوٹ کے کانسی بنائی جاتی ہے اور آئینہ ریتے سے - سو جب عقلمند آدمی ان لطائف اور عجائب میں غور کرتا ہے تو بالضرور جان لیتا ہے کہ ان سب تدبیروں کی احتیاج اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے جو کہ صانع اور حکیم اور قادر مطلق ہے سبحانه وتعالی عما یقول الظالمون علوا کبیرا - پندرہویں زمین اور پہاڑوں میں بکثرت اس قسم کے درخت پائے جاتے ہیں جو مکان تعمیر اور چھت وغیرہ میں کام آتے ہیں اور بعض ایندھن کے کام آتے ہیں اور روٹی پکانے کے لیئے ایندھن کی کسقدر سخت ضرورت پڑتی ہے - اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے منافع اور دلائل پر ایسی تنبیہ بیان فرمائی ہے کہ تمام فصحاء اور بلغاء ایسے فصیح و بلیغ الفاظ لا ہی نہیں سکتے چنانچہ فرماتا ہے وهو الذی مد الارض وجعل فیها رواسی وانهارا

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ اور بڑی بڑی نہریں زمین میں ہیں جیسے رود نیل اور سیحون اور جیحون اور فرات
اور چھوٹی تو بہت ہی کثرت سے ہیں اور سب میں میٹھے پانی ہوتے ہیں پینے کے لیئے اور زراعت کے لیئے اور دیگر فوائد و منافع کے لیئے۔

اٹھارہواں مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ زمین افضل ہے یا آسمان بعض کہتے ہیں کہ آسمان افضل ہے کئی وجہ سے اول
یہ کہ آسمان فرشتوں کی عبادت گاہ ہے اور اسمیں کوئی ایسی جگہہ نہیں ہے جسمیں خدا کی کسی نے نافرمانی کی ہو دوم یہ کہ جب آدم
نے جنت میں قصور کیا تو اس قصور کے باعث اُسکو حکم ہوا کہ یہاں سے نکلکر زمین میں اُتر جا یعنے میرے پڑوس میں میرے نافرمان کو نہیں
رہنا چاہیئے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا اور فرماتا ہے تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا اور یہ اوصاف
اللہ تعالیٰ نے زمین کے بارے میں نہیں ذکر فرمائے چہارم یہ کہ قرآن شریف میں اکثر آسمان کے ذکر کو زمین کے ذکر پر مقدم رکھا۔ اور بعض
کہتے ہیں کہ زمین افضل ہے کئی وجہ سے (۱) اللہ تعالیٰ نے اکثر جگہہ زمین کے کئی مقاموں کی تعریف کی برکت کے ساتھ یعنی اُن جگہوں کو
مبارک بتایا ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا (۲) پھر فرماتا ہے فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ
الشَّجَرَةِ (۳) اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ (۴) شام کی زمین کو بابرکت فرمایا ہے چنانچہ فرمایا مَشَارِقَ الْاَرْضِ
وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا (۵) کل زمین کو بابرکت فرمایا چنانچہ فرماتا ہے قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ سے لیکر وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ
فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا تک (۶) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو زمین ہی سے پیدا کیا چنانچہ فرماتا ہے
مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرَى اور آسمان سے کسی چیز کو نہیں پیدا کیا چنانچہ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا
السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا (۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی توقیر بڑہائی اسوجہ سے کہ زمین کو آپ کا سجدہ گاہ بنایا اور اسکی مٹی کو
آپ کے لیئے مادہ طہارت بنایا۔ **انیسواں مسئلہ** اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کا جو کثرت سے ذکر فرمایا ہے یہ بات دونوں کی
عظمت شان پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں میں ایسے ایسے اسرار رکھے ہیں کہ
مخلوق کی عقلیں اُن تک نہیں پہونچ سکتیں اور اُن کے ذہنوں کا اُن میں دخل ہے۔ **بیسواں مسئلہ** آسمان کی فضیلت
کئی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سات چیزوں سے زینت بخشی ہے (۱) ستاروں سے جو کہ چراغوں کی
طرح رات کو معلوم ہوتے ہیں وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (۲) چاند سے وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (۳) سورج
سے وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (۴) عرش سے رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (۵) کرسی سے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ (۶) لوح سے فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (۷) قلم سے نٓ وَالْقَلَمِ سو یہ سات چیزیں ہیں تین اُن میں سے ظاہر ہیں
اور چار مخفی ہیں جو دلائل سمعیہ نقلیہ سے ثابت ہوئی ہیں دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے وہ نام ذکر فرمائے ہیں جنسے
آسمان کی عظمت شان ثابت ہوتی ہے جیسے سَقْفًا مَّحْفُوظًا اور سَبْعًا طِبَاقًا اور سَبْعًا شِدَادًا۔ اور اُسکا انجام کار ان
الفاظ سے ذکر فرمایا وَاِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ اور وَاِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ اور يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ اور يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ
كَالْمُهْلِ اور يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا اور فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ۔ اور اسکے مبدا کو دو آیتوں میں ذکر فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى
اِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ اور اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا سو اس سخت اہتمام
سے آسمان و زمین کے حالات بیان کرنا اور بڑے زور و شور سے ان کے مبدا اور منتہی کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بڑی اور بہت بڑی حکمت کے لیئے انکو پیدا کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَ

مَا بَیْنَھُمَا بَاطِلًا ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو دعا کا قبلہ بنایا ہے سو اُدھر ہی ہاتھ سوال کے وقت اُٹھتے ہیں اور مونہ بھی اُدھر ہی متوجہ ہوتے ہیں اور نیز وہ محل انوار و صفا و طہارت ہے اور خلل اور فساد سے معصوم ہے۔ چہارم یہ کہ بعض نے کہا ہے کہ آسمان اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ علیحدہ ایک صفت دے رکھی ہے تو آسمانوں کو تو موثر بنایا ہے یعنے دوسری چیز میں اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اور زمین کو متاثر یعنی دوسری چیز کا اثر قبول کرتی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ موثر افضل ہے متاثر سے اور اسی وجہ سے آسمانوں کا ذکر زمین کے ذکر سے مقدم آیا ہے اور نیز تاثیرات متعدد ہیں اسی لیے سموات بصیغہ جمع آیا ہے اور زمین چونکہ اثر قبول کرنیوالی ہے اسلیئے اُسکا واحد ہونا ہی کافی ہے پنجم یہ کہ آسمان کی رنگت کو دیکھو کیسی عمدہ ٹہیک تدبیر والی ہے اور نظر سے بہت ہی مناسبت رکھتی ہے اور بصارت کو قوت بخشتی ہے یہانتک کہ جنکی انکھیں دکھتی ہیں اُنکو طبیب لوگ نیلا کپڑا آنکھوں پر لٹکانے کے لیئے بتاتے ہیں اور چونکہ سب لوگوں کی نظریں اُسپر پڑتی ہیں اسی حکمت سے اللہ تعالیٰ نے اسکی ایسی رنگت بنائی ہے تاکہ کسی کی نظر کو مضرت نہ پہونچے اور نیز آسمان کی شکل سب شکلوں سے افضل بنائی ہے کہ تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور گول مدور ہے دائرہ کی طرح چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ یعنے آسمان میں کوئی گڑہا یا سوراخ وغیرہ نہیں ہے اور اگر مدور نہوتا تو ضرور اسمیں گڑہے یا سوراخ یا شگاف یا کہیں نہ کہیں کجی یا موڑ ہوتا۔

بیان نبوت

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ + فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ + ۔

اس آیت میں بھی کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** جب اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بڑی اور زبردست محکم دلائل اثبات صانع پر قائم کیے اور شرک کو باطل کیا تو اُسکے بعد دلائل نبوت بیان فرمائے۔ اور چونکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بنا قرآن مجید کے معجزہ ہونے پر تھی اس لیئے اللہ نے اُسکے معجزہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی ہے اور اُسکا بیان دو طریق سے ہو سکتا ہے۔ طریق اول یہ ہے کہ کہا جاوے کہ یہ قرآن مجید تین حال سے خالی نہیں یا تو اور تمام فصحاء و بلغاء کے کلام کے مساوی (برابر) ہے اور یا اُن کی معمولی فصاحت سے بڑہا ہوا ہے لیکن عادۃً طاقت سے باہر نہیں اور یا ایسا بڑہا ہوا ہے کہ مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔ پہلی دو صورتیں تو باطل ہیں اسلیئے تیسری کا ہونا لازم ہوا۔ اور پہلی دو صورتوں کو ہمنے باطل اسلیئے کہا کہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور مخالفین اسکی مثل و نظیر بنا لاتے خواہ اکیلے خواہ سب ملکر اسلیئے کہ اُن کو اپنی لغت میں پورا ملکہ حاصل تھا اور قوانین فصاحت سے آگاہ تھے پھر جب اُنہوں نے اپنی جانیں تلف کر ڈالیں بڑے بھاری ننگ و عار والے تھے اور اپنے مال اپنی آبرو کے لیئے صرف کر دے اور بڑے سخت حمیت اور تعصب والے تھے جب باوجود ایسے کد اور اہتمام کے نہ لا سکے تو ثابت ہوا کہ یہ قرآن معجزہ ہے۔ اور قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی کئی وجوہ ہیں اول یہ کہ عرب کی فصاحت اکثر محسوسات اور مشاہدات میں ہوا کرتی تھی جیسے اونٹ گہوڑا لونڈی بادشاہ اور اُسکی شمشیر زنی اور نیزہ زنی اور اُسکی لوٹ مار۔ اور قرآن شریف میں اس قسم کی باتیں نہیں ہیں اس لیئے چاہیئے تھا کہ اس میں فصاحت نہوتی اس لیئے کہ فصحا کی فصاحت مضامین مذکورہ میں متفق علیہ تھی لیکن باوجود اسکے قرآن نہایت افصح ہے دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں سچ کی رعایت رکھی ہے اور

جھوٹ سے اُسکو بالکل منزہ رکھا اور قاعدہ یہ ہے کہ جس شاعر نے جھوٹ چھوڑ دیا اور سچ کا التزام کیا اُسکا شعر فصاحت سے اُتر جاتا ہے دیکھو لبید بن ربیعہ اور حسان بن ثابت کو جب اسلام لائے تو اُن کے اسلامی شعروں میں وہ جودت نہ تھی جو کہ جاہلیت کے زمانہ میں اُن کے شعروں میں تھی - اور اللہ تعالیٰ جھوٹ اور لاف وگزاف سے پاک ہے باوجود اسکے اُسکے کلام میں کسقدر بے انتہا فصاحت و بلاغت ہے سوم یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح میں دو تین ہی سطر یا بیت میں عمدہ فصاحت ہوتی ہے اور باقی بھرتی ہوتی ہے اور قرآن مجید چونکہ سب کا سب فصیح ہے اسوجہ سے مخلوق تمام اسکے تمام کی نظیر لانے سے عاجز ہے چہارم یہ کہ جب کوئی شاعر کسی چیز کی تعریف میں کچھ فصیح نظم لکھتا ہے تو جب اُسکو مکرر کرتا ہے تو اُس میں وہ شیرینی بالکل نہیں رہتی جو اُسکے پہلے کلام میں تھی بخلاف کلام اللہ تعالیٰ کے کہ قرآن مجید میں باوجود تکرار کثیر کے کیسا فصیح و بلیغ اور لذیذ ہے اور کسی قسم کا نقص اُس میں نہیں ہے پنجم یہ کہ قرآن مجید میں صرف عبادات کا واجب کرنا اور قبیح چیزوں کا حرام کرنا اور خوش اخلاقی کی رغبت دینا اور دنیا کا ترک کرانا اور آخرت کی طرف توجہ دلانا ہے وبس اور اس قسم کی باتوں میں فصاحت کم ہوا کرتی ہے ششم یہ کہ مشہور ہے کہ امرء القیس کے شعر گھوڑوں اور مستی اور عورتوں کی تعریف میں بہت مزہ دار ہوتے ہیں اور نابغہ کے شعر خوف دلانے میں اور اعشیٰ کے شعر شراب کی تعریف میں اور طلب میں اور زہیر کے شعر ترغیب اور رغبت اور امید کی حالت میں - الغرض ہر شاعر کو ایک ہی فن میں کمال ہوتا تھا جب دوسری قسم میں شعر کہتا تھا تو اُسمیں کچھ لطف نہیں ہوتا تھا لیکن قرآن شریف کے ہر بیان میں اور تمام فنون میں اعلیٰ سے اعلیٰ فصاحت بھری ہوئی ہے - ترغیب کے بارے میں دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ اور فرماتا ہے وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ اور ترہیب میں فرماتا ہے أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ آخر تک اور فرماتا ہے ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ أَمْ أَمِنْتُمْ آخر تک اور فرماتا ہے وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ - وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ الخ تک اور زجر میں اُسکا وہ کلام ہے جو بشر کی طاقت سے باہر ہے جیسے فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ سے وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا تک اور وعظ اور پند و نصیحت میں کیا کمال کا کلام ہے أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ اور الٰہیات فرماتا ہے اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ آخر تک ہفتم یہ کہ قرآن مجید تمام علوم کی اصل ہے - سو علم عقائد و استدلال قرآن ہی سے اور علم فقہ سب قرآن سے ماخوذ ہے اور اسی طرح علم اصول فقہ اور علم نحو اور لغت اور علم زہد و تقویٰ اور علم اخلاق حاصل یہ کہ تمام کمال فصاحت قرآن شریف میں حصر ہے اور وہ انتہائے فصاحت ہے اُسکے آگے کوئی درجہ فصاحت کا نہیں ہے - طریق دوم یہ ہے کہ کہا جائے کہ قرآن مجید کی فصاحت حد اعجاز تک پہونچی ہے یا نہیں اگر پہلی شق تسلیم کی جاوے تو اسکا معجزہ ہونا ثابت ہوگیا اور اگر دوسری شق لی جاوے تو اس صورت میں اُسکا معارضہ ممکن ہوا تو جب معارضہ ممکن تھا اور مخالفین اُسکے معارضہ کے حریص تھے اور بہت امور اُسکے معارضہ پر اُن کو مجبور کر رہے تھے پھر باینہمہ اُنہوں نے جو اُسکا معارضہ نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اُس کے معارضہ سے عاجز تھے تو ثابت ہوا کہ قرآن معجزہ ہے غرض ہر صورت سے اُسکا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہ طریق پہلے طریق سے زیادہ محکم ہے دوسرا مسئلہ نَزَّلْنَا باب تفعیل سے اسلیے کہا تاکہ معلوم ہو کہ بتدریج اُترا ہے اسلیے کہ باب تفعیل کثرت اور تدریج پر دلالت کرتا ہے اور اس مقام پر یہی مناسب بھی تھا اسلیے کہ اسی بات پر کافروں کا اعتراض تھا کہ یہ قرآن ٹکڑے ٹکڑے اور سورت سورت ہو کر کیوں اُترا جیسے شاعر کا دیوان ایک مرتبہ تیار نہیں ہوتا بلکہ قصیدہ قصیدہ اور غزل غزل وغیرہ

ہو کر بجسب حوادث و واقعات تیار ہوتا ہے۔ ایک دم اکٹھا کیوں نہیں اترا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً اور اللہ تعالیٰ جلشانہ کی غرض یہاں یہ ہے کہ یہ قرآن باوجود تدریج کے ساتھ اترنے کے بھی معجز ہے اور اس شبہہ کا ازالہ اور جواب بھی اسی میں موجود ہے اور اسکی تقریر اس طرح پر ہے کہ یہ قرآن جو اس تدریج کے ساتھ اترا ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو مقدور بشر ہے باوجود اس حالت کے خارج نہو گا یا ہو گا اگر پہلی شق ہے تو اسکی مثل اُن پر لانی واجب ہو جائیگی یعنی اسی تدریج کے ساتھ ایسا کلام اسکا نظیر لے آویں۔ اور اگر دوسری شق ہے تب بھی ثابت ہوا کہ باوجود تدریج کے ساتھ اترنے کے بھی معجز ہے۔ اور ایک قرات میں عَلٰی عِبَادِنَا ہے صیغہ جمع کے ساتھ تو مراد اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہو گی۔

تیسرا مسئلہ شریعت میں سُوْرَۃ قرآن شریف کے ایک معین معروف حصہ کو کہتے ہیں اور یہ سُوْرُ الْمَدِیْنَۃ (شہر پناہ) سے ماخوذ ہے یعنے جیسے شہر پناہ شہر کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح سورت قرآن کے ایک قسم کے مضمون کو محیط ہوتی ہے۔ اور سورۃ مرتبہ کو بھی کہتے ہیں تو تمام سورتیں بمنزلہ مراتب کے ہیں یعنی جوں جوں پڑھتا جائیگا ترقی کرتا جائیگا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ واو سورۃ کی اصلی مانی جاوے۔ اور اگر یہ مانا جاوے کہ اصل میں ہمزہ بھی تو سُؤْرٌ سے ماخوذ ہے بمعنی بقیہ چیز اور بمعنی فضلہ اور سورۃ بھی بقیہ اور حصہ قرآن کا ہوتا ہے جیسے بقیہ چیز کا اُس چیز کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قرآن کو سورۃ سورۃ کرنے میں کیا فائدہ ہے ٹکڑے ٹکڑے کیوں کر دیا گیا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسکی کئی وجہیں ہیں اول یہ کہ بجائے ابواب اور فصول کے ہیں جیسے مصنفوں کی عادت ہے کہ کتاب کے مضامین کو الگ الگ کرکے بیان کرتے ہیں دوم یہ کہ جب ایک جنس کے تحت میں کئی ہوں تو اُن کو ایک دوسرے سے علیٰحدہ کرکے بتانا بہت مناسب ہوتا ہے سوم یہ کہ پڑھنے والا یا قاری جب ایک باب یا فصل یا سورۃ پڑھ لیتا ہے اور دوسرا باب یا فصل یا سورۃ کو شروع کرتا ہے تو اسکی طبیعت کو خوشی اور جولانی ہوتی ہے اور اگر کتاب کے حصہ اور ٹکڑے نہیں ہوتے تو طبیعت گندہ رہتی ہے اور ہمت پست ہو جاتی ہے جیسے مسافر کہ جب وہ میلوں کو دیکھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ میں نے اتنی میل یا فرسنگ قطع کئے ہیں تو اسکو ایک قسم کی تسکین ہوتی ہے اور اسکی طبیعت کھل جاتی ہے چلنے کے لیے۔ چہارم یہ کہ حافظ جب ایک سورت کو یاد کر لیتا ہے تو اسکو یہ اعتقاد ہو جاتا ہے کہ میں نے قرآن شریف میں سے ایک مستقل اور کامل حصہ حاصل کر لیا ہے اور اسکے دل میں اسکی وقعت بڑھتی ہے اور دوسرے لوگ اسکی ریس کرتے ہیں اور اسی وجہ سے نماز میں بھی افضل یہی ہے کہ پوری سورت پڑھے

چوتھا مسئلہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس ترتیب سے قرآن مجید موجود ہے یہی ترتیب شرعی اور اصلی ہے اور توقیفی ہے اور اسکا اختراعی ہونا یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ کی طرف اس ترتیب کو منسوب کرنا ٹھیک نہیں ہے اور اسی وجہ سے کبھی تو تحدی کل قرآن کی کی گئی اور کبھی دس سورۃ کی اور کبھی ایک سورۃ کی۔ اور مِّنْ مِّثْلِهٖ کی ضمیر مِمَّا نَزَّلْنَا کے مَا کی طرف پھرتی ہو اور شُهَدَآءَ سے مراد یا تو اُن کے معبود ہیں جنکو انہوں نے خدا کا شریک بنا رکھا تھا اور یا انکے بڑے اور امیر رئیس مراد ہیں اور یا حاضرین مجلس۔ **فائدہ** وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ میں آدمیوں اور پتھروں کا ساتھ کیوں کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں پتھروں کے بت گھڑ گھڑ کے اُن کو پوجتے تھے اسلیئے قیامت کے دن دوزخ میں انکو دونوں ساتھ ہی رہیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ آخر تک۔ دکفار نے اپنے معبودوں سے دنیا میں یہ امید رکھی تھی کہ یہ ہمکو نجات دلوانے والے ہیں اور سفارش کرینگے مشکل میں کام آوینگے اسلیئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک ہی عذاب میں شریک کر دیا تاکہ انکو دیکھکر اور حسرت کا عذاب اُن کو ہو کہ جنکو ہم ایسے پوجتے تھے کہ انکی شفاعت سے آج ہمکو حسرت پر حسرت کا سامنا ہے۔

معاد (قیامت) کا بیان

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ سبحانہ جب توحید اور نبوت کو بیان کر چکا تو معاد (قیامت) کے بیان کو شروع کیا اور کافر کو جو عذاب ہوگا اور فرمانبردار کو جو ثواب ملیگا اُسکو بیان کیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عادت ہے کہ جب کوئی وعید والی آیت کا ذکر کرتا ہے تو اسکے بعد ثواب کے وعدے کو بھی ضرور ذکر کرتا ہے اور اس مقام پر کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** یہ بات ضرور جاننی چاہیئے کہ دین وایمان صحیح کرنیکے لیے حشر ونشر یعنے قیامت کا عقیدہ رکھنا شرط ہے اور اسمیں دو طرح کی بحث ہے ایک اُسکے امکان کی دوسری اُسکے وقوع کی۔ اُس کا امکان تو دلیل عقلی ونقلی دونوں سے قطعی طور سے ثابت ہے۔ لیکن اُسکا وقوع بغیر دلائل نقلیہ کے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مسئلوں کو اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے اور بہت وجوہ سے اسکی حقیت ثابت کی ہے اوّل یہ کہ منکرین اکثر حشر ونشر کا انکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ضرور بالضرور حشر ونشر واقع ہونے والا ہے لیکن اسپر کوئی دلیل عقلی ذکر نہیں کی اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جس چیز پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت موقوف نہو اُسکا بیان دلیل نقلی سے ممکن ہے اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے جیسے یہاں کفار کے لیئے دوزخ کا اور ابرار کے لیئے جنت کا حکم لگایا اور کوئی دلیل قائم نہیں کی بلکہ دعویٰ ہی پر کفایت کی۔ لیکن صانع (خدا) اور نبوت (پیغمبری) کا اثبات دلیل سے کیا اور اُن میں دعویٰ پر کفایت نہیں کی۔ اور فرق کی وجہ وہی ہے جو ہمنے ذکر کی اور سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور سورہ تغابن میں فرماتا ہے زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امکان حشر ونشر کو اس بات پر مبنی کیا کہ وہ ایسے امور پر قادر ہے جو حشر ونشر کے مشابہ ہیں اور اسکا ثبوت اللہ تعالیٰ نے کئی طرح سے دیا ہے سب سے زیادہ جامع وہ طرح ہے جو سورہ واقعہ میں ہے کیونکہ اسمیں اللہ تعالیٰ اصحاب الشمال سے حکایت کر کے فرماتا ہے وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اور پھر اُن کو جواب اسطرح پر دیا ہے قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ پھر یہاں استدلال کے پانچ انواع ہیں۔ نوع اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکے امکان کی چار حجتیں پیش کی ہیں ایک اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ منی فضلہ ہضم رابع سے حاصل ہوتی ہے اور وہ شبنم کی طرح تمام اعضا کے اطراف میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اسی لیئے مجامعت کے وقت تمام اعضا لذت میں شریک ہوتے ہیں جس وقت وہ اُن سب سے منتقل ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے قوت شہوت کو اُسکے بقیہ پر اسطرح مسلط کیا ہے کہ وہ اُسکے منتشر اجزا کو پھر ایک جگہ جمع کر دیتی ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ منی کیسی سخت منتشر تھی تمام بدن میں وہ ایک عضو میں آن کر جمع ہو گئی اسی طرح مردہ لوگوں کے اجزا بھی سخت منتشر ہوتے ہیں زمین میں تو جس طرح منی کے پریشان اجزا جمع ہو گئے اسیطرح مردہ لوگوں کے بدنوں کے پریشان اجزا جمع ہو سکتے ہیں اور جیسے اس منی کو رحم میں پہنچا کر ایک جاندار چیز پیدا کر دی اسیطرح اموات کے بدن کے متفرق اجزا ایک جگہ جمع ہو کر نئے سر سے جاندار چیز ہو سکتے ہیں دوسری اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ؕ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ تک اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ دانہ غیرہ جو زمین میں بویا جاتا ہے اسکی شکلیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں کوئی تو لمبا ہوتا ہے اور درمیان سے چرا ہوا یا نہ چرا ہوا جیسے چاول

اور جو اور بعض گول اور بعض لمبوترے اور بعض چوکور وغیرہ ہوتے ہیں جب زمین کے اندر پڑتے ہیں اور مٹی اور پانی کا ان پر غلبہ ہوتا ہے
تو عقلی نظر کا مقتضا تو یہ ہے کہ سڑ کر بگڑ جاویں کیونکہ مٹی اور پانی میں سے ایک ہی چیز بگاڑنے کے لیئے کافی ہے چہ جائیکہ دونوں
جمع ہو جاویں لیکن وہ دانے خراب نہیں ہوتے بلکہ محفوظ رہتے ہیں پھر جب رطوبت زیادہ ہوتی ہے تو دانہ پھوٹتا ہے اور ڈنگرے
ہو جاتا ہے اور انہیں سے دو پتے نکلتے ہیں اور جو لمبا دانہ ہوتا ہے اسکے سر میں سوراخ ہو جاتا ہے اور لمبا سا ایک پتا اوس میں سے نکلتا ہے
اور گٹھلی کو دیکھو کہ کیسی سخت ہوتی ہے کہ بہت ہی مشکل سے ٹوٹتی ہے اور جب زمین میں جاتی ہے تو باوجود اسقدر سختی کے اللہ کے
حکم سے پھٹ جاتی ہے۔ اور اس سے درخت پیدا ہوتا ہے جسکا اوپر کا حصہ سخت ہوتا ہے جو زمین کے باہر ہوتا ہے ہوا میں جو
بنہایت نرم ہے اور نیچے کا حصہ نہایت ملایم ہوتا ہے یعنے جڑیں کہ ایسی سخت زمین میں باوجود ریشم کے سے نرم ہونے کے کسطرح
گھسی جاتی ہیں تو ایسی قدرت کاملہ والا ذی روح چیزوں کے اجزا کو کیوں جمع نہیں کر سکتا اور کیوں اُن کے اعضا کو ترکیب نہیں
دے سکتا بیشک وہ ایسا کر سکتا ہے تیسری أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ اور وجہ استدلال
یہ ہے کہ پانی بالطبع جسم ثقیل ہے اور اسکا اوپر کی طرف چڑھنا خلاف طبع امر ہے تو ضرور کوئی قادر قاہر (زبردست) ہے جو طبع پر غالب ہو جاتا ہے
اور خاصیت لازمہ کو باطل کر دیتا ہے اور جسکی شان نزول اور ہبوط ہے اوسکو بذریعہ بخارات اوپر کی طرف چڑھا دیتا ہے اور پھر اُن پانی کے
ذرات کو جو کہ متفرق تھے اُن کو اکٹھا کر دیتا ہے اور پھر اُن کو ہوا اُن کے ساتھ ساتھ چلاتا ہے اور پھر جہاں جہاں زمین میں اُسکی ضرورت ہے
وہاں اُسکو اُتارتا ہے۔ یہ سب باتیں دلالت کرتی ہیں کہ حشر کا ہونا بھی اسی طرح ممکن ہے۔ اور جس طرح اجزاء مائیہ کے متفرق ہونے کے بعد
اُن کو جمع کر سکتا ہے اسی طرح اجزاء ترابیہ کو بھی متفرق ہونے کے بعد جمع کر سکتا ہے اور جسطرح ہواؤں کے ذریعہ سے اجزائے مائیہ کو جمع
کر سکتا ہے ایسا ہی اجزاء ترابیہ کو بھی کر سکتا ہے اور جسطرح لوگوں کی ضرورت کے لیئے دوبارہ بادلوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح مکلفین
کی جزا و سزا کی ضرورت کے لیئے اُن کو دوبارہ پیدا کریگا چوتھی أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ
اور وجہ استدلال یہ ہے کہ آگ بالطبع اوپر کو چڑھنے والی ہے اور درخت نیچے اوترنے والا ہے اور آگ لطیف اور درخت کثیف ہے اور آگ
نورانی ہے اور درخت ظلمانی اور آگ گرم خشک ہے اور درخت سرد تر ہے تو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اجزاء نورانیہ ناریہ کو درخت ظلمانی اور
ہرے میں محفوظ رکھا اور جو چیزیں آپس میں سخت نفرت رکھتی تھیں ان کو ایک جگہ اکٹھا رکھا تو کیا حیوانات کے اجزاء متنافرہ
کو جمع کر کے دوبارہ ترکیب نہیں دے سکتا (کیوں نہیں) تو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ عناصر اربعہ بھی حشر و نشر پر شاہد ہیں نوع دوم
یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امکان حشر و نشر کے لیئے اس طرح استدلال کیا ہے کہ جب میں اول مرتبہ ایجاد خلق پر قادر ہوں تو بعد فنا کے
دوبارہ کیوں قادر نہیں ہو سکتا بلکہ دوبارہ پیدا کرنا تو نسبت اول مرتبہ کے زیادہ سہل ہونا چاہیئے چنانچہ فرماتا ہے وَهُوَ الَّذِي
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ اور فرماتا ہے قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ نوع سوم یہ
جس طرح آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح حشر پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتا ہے أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور فرماتا ہے أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ
الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ نوع چہارم یہ کہ نیک کو جزا دینا اور برے کو سزا دینا ضروری ہے اور ایک کو دوسرے
سے تمیز دینا اسلیئے قیامت کا ہونا ضروری ہوا چنانچہ فرماتا ہے إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ اور فرماتا ہے إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ

نوع پنجم یہ کہ دنیا میں جو اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کیا یہ بھی دلیل ہے صحت حشر پر جیسے سورۂ بقر میں گائے کا قصہ ہے فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى اور جیسے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى میں وغیرہ وغیرہ

دوسرا مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ پیدا ہو چکی ہیں اور اسوقت تیار موجود ہیں دوزخ کے بارے میں اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ صریح دلیل ہے اور جنت کے بارے میں دوسری جگہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ صریح دلیل ہے **تیسرا مسئلہ** جاننا چاہیئے کہ سب لذتوں کی جڑ اور مجموعہ تین چیزیں ہیں ایک مسکن (رہنے کی جگہہ) دوسری مطعم (کھانے کی چیز) تیسری منکح (بیاہ و مجامعت کے سامان) سو اللہ تعالیٰ نے مسکن کے بارے میں فرمایا ہے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور مطعم کے بارے میں فرمایا ہے كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ اور منکح کے بارے میں فرمایا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ پھر جب یہ سب چیزیں حاصل ہو جاویں لیکن اسکے ساتھ ہی یہ خوف بھی لگا رہے کہ شاید یہ نعمت زائل ہو جائے گی تو اس حالت میں یہ نعمتیں بے مزہ ہو جاینگی اور ناخوش گوار ہونگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس خوف کے زائل کرنے کے لیئے فرمایا ہے وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ تو اس آیت میں کمال سرور پر دلالت ہے

چوتھا مسئلہ اس میں اختلاف ہے کہ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ الخ کا عطف کس پر ہے تو بعض کہتے ہیں کہ یہاں صیغہ کا عطف صیغہ پر مراد نہیں ہے بلکہ مضمون ثواب مومنین کا عطف مضمون عقاب کافرین پر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا عطف فَاتَّقُوْا پر ہے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ صیغہ امر جو بَشِّرْ ہے اسکا مامور و مخاطب کون ہے۔ سو احتمال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر مسلمان قاری ہو جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بشر المشائین الی المساجد فی الظلم بالنور التام یوم القیامۃ اور اس بشر کا مخاطب آپ نے کسی خاص معین شخص کو نہیں قرار دیا بلکہ ہر شخص اسکا مامور ہے اور بشارۃ اُس خبر کو کہتے ہیں جو سرور پیدا کرے اور اسی سے بَشَرَہ ماخوذ ہے بمعنی ظاہر جلد انسان اور تباشیر الصبح بھی اسی سے ماخوذ ہے جسکو ہندی میں پو پھٹنا کہتے ہیں یعنے اول اول جو صبح کی سفیدی نمودار ہوتی ہے۔ اور فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ سو یہ از قبیل تمسخر ہے کسی کو تمسخر سے زیادہ ذلیل کرنا منظور ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے دشمن سے کہے کہ تجھے اپنی اور اپنی اولاد کے قتل ہونیکی بشارت ہو

پانچواں مسئلہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی دلالت اسپر ہے کہ اعمال صالحہ ایمان میں داخل نہیں ہے اسلیئے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے

چھٹا مسئلہ جنۃ باغ اور بستان کو کہتے ہیں یعنی جس جگہہ کھجور اور انگور و انجیر وغیرہ کے گھنے درخت ہوں اور سایہ کیئے ہوئے ہوں اور اسکے معنی ستر سے ماخوذ ہیں اور جَنَّۃٌ صیغہ مرّۃ کا ہے ماخوذ جَنَّہٗ اِذَا سَتَرَہٗ تو باغ بھی گویا ایک ہی پردہ ہے اسلیئے کہ چونکہ بہت گھنا ہوتا ہے اس وجہ سے گویا بجائے ایک چیز کے ہے اور دار الثواب کا نام جنۃ اسی لیئے رکھا گیا ہے کہ اسمیں بھی پردے ہونگے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معجزہ ہونے کو دلیل سے ثابت کیا تو اسکے بعد کفار نے جو اسپر ایک اور قسم کا شبہہ وارد کیا اسکا جواب دیتا ہے۔ اور اس شبہہ کی تقریر یہ ہے کہ قرآن میں مکھیوں اور مکڑیوں اور چیونٹیوں کا ذکر کیوں آیا ہے اسلیئے کہ یہ چیزیں حقیر ہیں اور فصحا کے کلام میں اس قسم کی چیزوں کا ذکر مناسب نہیں تو قرآن میں ایسی چیزوں کا ذکر ہونا اسکی فصاحت میں بٹا لگاتا ہے

معجزہ ہونا تو درکنار ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ جواب دیا کہ ان چیزوں کا چھوٹا ہونا فصاحت میں قدح نہیں کرتا جب کہ اُنکے ذکر میں کوئی بھلی اور پوری حکمت ہو اور یہی ربط کی صورت ہے اس آیت کے اور اس سے جو پہلے آیت گزری ہے اُسکے درمیان۔

اور اس آیت میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** ابن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ جب یَا اَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ الآیۃ اتری اور اسمیں کفار کے بتوں پر طعن تشنیع تھی اور اُن کی عبادت کی تشبیہ مکڑی کے جالے سے دی گئی تھی تو یہود بولے کہ مکھی اور مکڑی کیا چیزیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی تمثیلیں بیان کرتا ہے تب یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ آخر تک اُتری اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اعتراض مشرکین نے کیا تھا اور دونوں کا احتمال ہے **دوسرا مسئلہ** مثالیں بیان کرنا اور مثل کہنا عقل و نقل سے ثابت ہے اسمیں کسی طرح کا عیب نہیں ہے اول تو تمام عرب و عجم کا مثل کہنے پر اتفاق ہے اور عرب تو امثال میں مشہور آفاق ہیں اور بہت حقیر حقیر چیزوں کی کہاوتیں بکثرت اُن میں رائج ہیں چنانچہ ذرہ کے بارے میں یہ کہاوت تھی اَخْفٰی مِنَ الذَّرَّۃِ یعنی ذرہ سے زیادہ پوشیدہ اور مکھی کے بارے میں اَجْرَأُ مِنَ الذُّبَابِ یعنی مکھی سے زیادہ جرأت والا (یعنے کتنا ہی روکیں پھر بھی طمع کے جوش سے آن کودے) اور ٹڈی کے بارے میں اَطْیَرُ مِنْ جَرَادَۃٍ یعنی ٹڈی سے زیادہ اُڑنے والا اور پتنگوں کے بارے میں اَضْعَفُ مِنْ فَرَاشَۃٍ یعنے پتنگے سے زیادہ ضعیف اور مچھر کے بارے میں اَعَزُّ مِنْ مُخِّ الْبَعُوْضَۃِ یعنے مچھر کے بھیجے سے زیادہ کمیاب۔ اور عجم کے امثال کتاب کلیلہ دمنہ میں بہت ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ ایک مچھر نے کہا کہ جبکہ وہ کھجور کے ایک بلند پیڑ پر جا گرا کہ اے پیڑ سنبھل جانا میں اُڑنا چاہتا ہوں تو اُس پیڑ نے کہا کہ مجھے تمہارے آن گرنے کی خبر اور حس تو ہوئی نہیں تمہارا اُڑنا کیونکر مجھ کو محسوس ہوگا اور پھر انجیل میں بہت حقیر حقیر چیزوں کی تمثیلیں موجود ہیں اور تمثیل سے غرض یہی ہوتی ہے کہ کسی چیز کا بیان اچھی ہو جاوے سو جو چیز اُس بیان کے مناسب ہوگی اُسی کی تمثیل دی جاوے گی خواہ بڑی ہو یا چھوٹی با وقعت ہو یا حقیر **تیسرا مسئلہ** اصمعی نے کہا ہے کہ مَثَلًا مَّا میں ما صلہ زائدہ ہے جیسے فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ معاذ اللہ قرآن میں کوئی چیز زائد اور لغو نہیں ہو سکتی اور ابو مسلم کا قول زیادہ ترجیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بَعُوْضَۃً میں دو قراتیں ہیں ایک تو نصب ہے یعنی بَعُوْضَۃً تے کے دو زبر کے ساتھ۔ اور دوسری قرات بَعُوْضَۃٌ دو پیش کے ساتھ **چوتھا مسئلہ** فَمَا فَوْقَھَا میں دو وجہ ہیں ایک یہ کہ اُس مچھر پر فوقیت رکھتا ہو جسم میں بڑائی کے اعتبار سے جیسے مکھی اور مکڑی اور کتا اور گدھا اور انہیں چیزوں کی تمثیل دینے پر کفار نے اعتراض بھی کیا تھا دوسری یہ کہ اُسپر فوقیت رکھے چھوٹا ہونے میں یعنی مچھر سے بھی چھوٹی چیز پہلی وجہ زیادہ تر قرین قیاس ہے واللہ اعلم **پانچواں مسئلہ** اَنَّہُ الْحَقُّ کی ضمیر یا تو مَثَلًا کی طرف ہے اور یا اَنْ یَّضْرِبَ کی طرف اور لفظ مَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ میں مثل کی تحقیر ہے چنانچہ عائشہ رضؓ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے میں کہا یَا عَجَبًا لِابْنِ عَمْرٍو ھٰذَا **چھٹا مسئلہ** یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا میں اضلال کے معنی ہیں گمراہی پر پانے کے اس لیے کہ باب افعال کا ہمزہ کبھی تو فعل کو لزوم سے تعدیہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے جیسے خرج اور اخرج تو اس جگہ تو اس نے فعل کو متعدی کیا ہے اور کبھی متعدی کو لازم کرنے کے لیے آتا ہے جیسے کبتہ فاکبّ اور کبھی نرے وجدان (پانے) کے لیے آتا ہے چنانچہ عمرو بن معدی کرب سے منقول ہے کہ انہوں نے بنی سلیم سے کہا قَاتَلْنَاکُمْ فَمَا اَجْبَنَّاکُمْ تقدیر کلام یوں ہوئی فما وجدناکم جبناء و لا مفحمین و لا بخلاء اور عرب کہتے ہیں اتیت ارض فلان فاعمرتھا یعنے وجدتھا عامرۃ مخبل شاعر کہتا ہے۔ تمنی حصین ان یسود جذاعۃ * فامسے حصین قد اذل و اقھرا * یعنے وُجد ذلیلا مقھورا پھر اگر اضلال کے معنی کسی کو گمراہی کی طرف پکارنا اور راہ راست پر چلنے سے منع کرنا ہو تو اس معنی کی نسبت اللہ تعالیٰ

کی طرف کرنا بالاجماع ناجائز ہے امت میں کوئی اسکا قائل نہیں ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ جب اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید اور نبوت اور معاد کے بیان کیے تو اُن کے بعد یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ تک اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو ذکر کیا جو کہ تمام مکلفین پر عام تھیں اور وہ عام نعمتیں چار ہیں جنمیں کی نعمت اِحْیَاء ہے یعنی زندہ کرنا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اور اس آیت میں بھی کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا سے بالاتفاق یہی مراد ہے کہ تم مٹی یا نطفے تھے اسلیے کہ آدم کی ابتداے خلقت مٹی سے ہوئی ہے اور باقی تمام اولاد آدم کی پیدائش سوائے عیسٰے علیہ السلام کے نطفہ سے ہوئی ہے۔

دوسرا مسئلہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا سے عام لوگ مراد ہیں ورنہ بعض لوگوں کی تین تین مرتبہ موت واقع ہوئی ہے جیسے کہ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ میں ہے فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ تک اور اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ میں اور فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ میں اور فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی میں اور وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا میں اور جیسے ایوب علیہ السلام کے قصہ میں ہے وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ سو اِن سب لوگوں کی روحیں قبض کرلی گئی تھیں لیکن پھر زندہ کردے گئے **تیسرا مسئلہ** اس آیت سے کئی باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ مارنے جلانے پر سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی قادر نہیں اور طبیعیات والوں کا کلام غلط ہے کہ فلاں فلاں چیز حیات اور موت میں موثر ہے افلاک اور کواکب اور عناصر اور امزجہ میں سے چنانچہ دہریوں کا خیال ہے انہیں کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے۔ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ دوسری یہ کہ حشر ونشر کو ثابت کرتی ہے مع دلیل عقلی کے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہمنے ان سب چیزوں کو اول مرتبہ بعد موت کے زندہ کیا تو دوسری مرتبہ بھی اسکا وقوع میں آنا ضرور صحیح مانا جاویگا تیسری یہ کہ اسمیں ترغیب اور ترہیب ہے اور بندوں کے مکلف کرنے کا بیان ہے چوتھی یہ کہ زہد کے وجوب پر دلالت کرتی ہے یعنی دنیا سے بے رغبت ہونا ضروری اور فرض ہے اس لیے کہ موت سے چارہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ضرور جانا ہے تو جس جگہہ رہنا نہیں ہے اُس جگہہ کی محبت کرنا فضول ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ؕ

اس آیت میں اُن چار نعمتوں میں سے دوسری نعمت کا ذکر ہے جو کہ تمام مکلفین پر عام ہے اور کیا عمدہ ترتیب سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو بیان فرمایا ہے اس لیے کہ زمین وآسمان سے جب ہی نفع حاصل ہو سکتا ہے جب حیات (زندگانی) حاصل ہو اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اول حیٰوۃ کو ذکر کیا پھر آسمان زمین کا ذکر کیا۔ اور اس آیت میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اصل سب چیزوں میں اباحت اور حلت ہے جب تک کہ کوئی خاص نص اُسکی تحریم نکرے اور اس مسئلہ کی تفصیل اصول فقہ میں ہم نے کردی ہے۔ **دوسرا مسئلہ** اِسْتِوَاء جب بغیر صلہ (حرف جر) کے مستعمل ہو تو اُسکا معنی سیدھا ہونا اور کھڑا ہونا اور مضبوط ہونا اور میوہ کا پکنا ہے اور جب اِلٰی اسکے بعد آوے تو اُسکا معنے ہے قصد کرنا اور کسی چیز کی سیدھ پر ہونا اور جب عَلٰی اسکے بعد آوے تو دو معنے ہوتے ہیں ایک غالب اور مستولی ہونا اُس چیز پر جس پر پہلے غلبہ حاصل نتہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس معنی کی نسبت کرنا سخت سوادبی ہے اور قرآن شریف میں کہیں بھی استوا بمعنی غلبہ واستیلا نہیں ہوا دوسرے معنی بیٹھنا یا قرار پکڑنا یا چڑھنا سوار ہونا اور عَلٰی کے ساتھ قرآن شریف

یہ بھی معنے مستعمل ہیں جیسے لِتَسْتَوُوْا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ اور دوسری فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ اور جیسے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ لیکن یہ یاد رہے کہ جو صفات قرآن مجید میں خدا کی طرف منسوب ہوئے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکی جنس میں مخلوق بھی شریک ہے یا نہیں۔ اگر شریک ہے تو وہ شرکت ظلی ہے اصلی نہیں جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی کو اپنے مسند پر بٹھاوے تو وہ مسند بادشاہ ہی کا کہلاویگا اس شخص کا نہیں کہلاویگا اسی طرح مثلاً سَمِیْع (سننا) بَصَر (دیکھنا) اللہ کی صفات میں سے ہے اور اسی طرح بندے کو بھی سمیع اور بصیر کہا جاتا ہے لیکن بندے کا سمع و بصر نہایت ناقص اور ظلی ہے بالکل اسکے اختیار سے باہر ہے اسی لئے اندھا دیکھنے سے مجبور ہے اور بہرا سننے سے مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا کسی آلہ پر موقوف نہیں ہے بلکہ جیسے اسکی ذات بے زوال ہے ایسی ہی اسکی تمام صفات بے زوال ہیں اور اسکی ذات کے ساتھ لازم ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا ایسا ہی کہ وہ اس سے اوپر ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ اسکا محتاج ہے جیسے ہم تم کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوں اور جب کوئی غفلت میں نیچے سے کرسی نکال لے تو دھم سے گر پڑیں اس لیئے کہ ہم ایک حیز کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ حیز کا محتاج نہیں تو اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی حیز تھامے ہوئے نہیں ہے وہ مکان سے پاک ہے کیونکہ وہ اسکا محتاج نہیں ہے اور مکان سے مراد جائے تشخص ہے تو یہ لوازم وجود سے ہے اگر جائے تشخص نہ مانی جاوے تو غیر متشخص موجود ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عرش کی اوپر کی جانب باری تعالیٰ کے لیئے جائے تشخص ہے اور کوئی موجود بغیر تشخص کے موجود نہیں ہو سکتا سو جتنی صفات کمال ہیں وہ اللہ تعالیٰ میں اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موجود ہیں مثلاً علم صفات کمال میں سے ہے ہر عالم کے لیئے لیکن اللہ تعالیٰ میں بہت کامل ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علم چونکہ مخلوقات میں پایا جاتا ہے اس لیئے اللہ علم سے پاک ہے ایسی تنزیہ ثابت کرنا باری تعالیٰ کے وجود کا انکار کرنا ہے۔ اور تمام عیوب سے اسکی ذات پاک ہے اور جتنے صفات اسکے شایاں نہ تھے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک کو ان سے پاک بتایا ہے۔ **پانچواں مسئلہ** ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ میں ثُمَّ تراخی اور ترتیب کے لیئے نہیں بلکہ حرف ترتیب ذکری کے لیئے یہاں لایا گیا ہے جیسے کہ کسی کو کہا جاوے الیس قد اعطیتك النعم العظيمة ثم رفعت قدرك ثم دفعت الخصوم عنك تو ممکن ہے کہ جن چیزوں کو ذکر میں موخر کیا گیا ہے حقیقۃً مقدم ہوں اسی طرح اس آیت میں سمجھنا چاہیئے واللہ اعلم **چھٹا مسئلہ** وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ سے یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا یعنے آسمان و زمین وغیرہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا محال ہے جبتک کہ ان تمام اشیا کو جانتا نہو اور ان کی تمام جزئیات و کلیات پر اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے نہو۔ اس سے فلاسفہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں باطل ہو گیا اور اہل سنت کا قول صحیح ثابت ہوا کہ کسی چیز کے علم بدون اسکا پیدا کرنا محال ہے اور نیز معتزلہ کا قول کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے باطل ہوا اسی بنا پر اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ خلق کے لیئے علم شرط ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

اس آیت میں آدم کے پیدا ہونے کی وجہ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی شان کا بیان ہے تو یہ بیان بھی تمام بنی آدم پر انعام ثابت کرتا ہے اس لئے یہ تیسری نعمت ہونی چاہیئے ان چار نعمتوں میں سے جو تمام مکلفین پر عام ہوئی ہیں۔ اور اس مقام پر بھی کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اِذْ میں دو قول ہیں ایک کہ زائد ہے لیکن عرب کا محاورہ یہی ہے اور قرآن شریف عرب کے محاورہ کے موافق اترا ہے دوسرا یہ کہ قرآن میں کوئی لفظ بے معنی نہیں بلکہ اِذْ مجازاً منصوب ہے بتقدیر اذکر اور اس تقدیر کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ یہ معنے مشہور و معروف ہیں دوم یہ کہ مقدر کا اظہار بھی قرآن شریف میں موجود ہے جیسے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ اور وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِذْ منصوب مقدم ہو قَالُوْا موخر کا جیسے کہ اُرْسِلَا صاحب

کشاف نے کہا ہے۔ **دوسرا مسئلہ** مَلَکٌ اصل میں مَاْلَکٌ تھا اور اسکا ماخذ مَاْلَکَۃ اور اَلوکۃ ہے بمعنی رسالت و پیغامبری کے اور اصل میں یہ ہمزہ عین کلمہ کے مقابل تھا پھر اسکو حذف کرکے اسکی حرکت ماقبل کو دیدی گئی تو ملائکۃ ملکۃ ہوگیا۔ اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ ملائکۃ جمع ملأک کی ہے اور یہی اصل ہے جیسے شمائل جمع شمال کی اور تار تانیث جمع کے لیے لاحق کردی گئی ہے **تیسرا مسئلہ** اس اعتبار سے کہ فرشتے اللہ و رسول کے درمیان میں واسطہ ہوتے ہیں فرشتوں کا ذکر نبوت کے ذکر سے مقدم چاہیے لیکن چونکہ اُنکا ثبوت محض نقلی ہے یعنی نقل سے ثابت ہوتا ہے عقل کا اُسمیں کچھ دخل نہیں اور وہ نقل ہمکو بذریعہ نبی پہنچی ہے اس وجہ سے بعد ذکر توحید کے نبوت کا ذکر لایا گیا پھر فرشتوں کا اور فرشتوں کی حقیقت اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اجسام لطیف ہوائی ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوسکتے ہیں اور اُن کا مسکن آسمان ہیں **چوتھا مسئلہ** فرشتوں کی کثرت اسقدر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آسمان چرچراتا ہے اور اُسکا چرچرانا واجبی ہے اسمیں ایک پاؤں رکھنے کی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں فرشتہ سجدے یا رکوع میں نہو۔ اور سب فرشتوں کی بہت قسمیں ہیں ایک عرش کے اٹھانیوالے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ اور انکا لقب حملۃ العرش ہے دوسری الحافون حول العرش یعنے جو عرش کو گھیرے ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ **تیسری** اکابر ملائکہ جیسے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ اور جبرئیل کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ایک تو وہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف وحی لانے والے ہیں دوم اللہ نے اُن کو اور فرشتوں پر مقدم رکھا ہے قرآن میں جیسے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ اور نیز جبرئیل صاحب وحی اور صاحب علم ہیں اور میکائیل ارزاق اور اغذیہ والے ہیں اور علم جو غذاے روحانی ہے غذار جسمانی پر فضیلت رکھتی ہے اسوجہ سے جبرئیل کو میکائیل پر ضرور فضیلت حاصل ہوئی سوم اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی ذات سے ثانی درجہ میں ذکر کیا ہے جیسے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ چہارم یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن کا نام روح القدس رکھا ہے چنانچہ عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ پنجم یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہزار فرشتہ اُن کی ماتحتی میں کرکے اپنے دوستوں کی مدد کے لیے بھیجتا ہے تاکہ اُسکے دشمنوں کو مقہور کریں ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو چھ صفتوں سے ممدوح بنایا ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ چوتھی قسم جنت کے فرشتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ پانچویں دوزخ کے فرشتے چنانچہ فرماتا ہے عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ اور فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً اور انکا رئیس مالک ہے چنانچہ فرماتا ہے وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ اور دوزخ کے فرشتوں کا لقب زبانیہ ہے چنانچہ فرماتا ہے فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَ چھٹی وہ فرشتے جو آدمیوں پر متعین کیے گئے ہیں چنانچہ فرماتا ہے عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ اور فرماتا ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اور فرماتا ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً۔ ساتویں اعمال کے لکھنے والے چنانچہ فرماتا ہے وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ آٹھویں اہل جہان کے احوال پر جو موکل ہیں اور آیہ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا اور وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا سے فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا تک اور وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا سے یہی قسم مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کئی باتوں کا شرف دیا ہے اول رسالت کا شرف بخشا جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ

رُسُلًا اور فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ دوم قرب اور عندیت ربانی وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ سوم طرح طرح کی طاعت وعبادت چہارم اعلیٰ درجہ کی قوت وقدرت **پانچواں مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ سے تمام ملائکہ مراد ہیں یا بعض۔ ضحاکؒ نے ابن عباس رضؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ الخ کا خطاب انہیں فرشتوں سے کیا تھا جو ابلیس کی مد مخالف تھے یعنے جنہوں نے اللہ کے حکم سے جنوں کو فساد کے جرم میں جلاوطن کرکے سمندر کے بعض جزیروں کی طرف ہانک دیا تھا اور اُن کا فساد وہی فسق وفجور وقتل وخون تھا سو انہیں فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور اکثر مفسرین صحابہ وتابعین میں سے یہ کہتے ہیں کہ سب فرشتے مراد ہیں بغیر تخصیص کے اس لیے کہ لفظ الملائکہ عموم کو چاہتا ہے اس لیے تخصیص کرنا خلاف اصل ہوگا **چھٹا مسئلہ** خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو کسی کے بعد اُسکے قائم مقام ہوکر کام کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ اور وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ۔ اور مراد خلیفہ سے اس آیت میں کون ہے یا تو عین آدم ہی ہیں یا انکی اولاد۔ اور اگر وہی مراد ہیں تو کسی معنی کو یا تو اسلیے کہ جب اللہ تعالےٰ نے جنوں کو فساد کی وجہ سے بستیوں سے نکلوا دیا تو انکے قائم مقام یعنے خلیفہ آدم قرار دیے گئے یا اسلیے کہ وہ اللہ کے جانشین ہیں زمین پر اسکے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں پہلا معنے ابن عباسؓ سے مروی ہے اور دوسرا معنے ابن مسعودؓ اور سدیؒ سے منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے لیکن قرین قیاس یہی دوسرا معنے ہے اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ **ساتواں مسئلہ** علمائے دین کے اکثر جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب فرشتے اللہ کی نافرمانی کرنے سے پاک ہیں اور اُسکے بہت ثبوت ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ لیکن یہ آیت دوزخ کے فرشتوں کے بارے میں آئی ہے۔ اور عام دلیل چاہیں تو اس آیت کے ساتھ تمسک کر سکتے ہیں یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ تو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ میں سب مامورات کا فعل اور سب منہیات پایا جاتا ہے۔ تو اسمیں عموم پایا گیا بدلیل صحت استثناء دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ یہ آیت بھی صریح ہے اس بارے میں کہ فرشتے سب نافرمانیوں سے بری اور پاک ہیں حکم او وحی کے خلاف بالکل نہیں کرتے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے حکایت کرتا ہے کہ انہوں نے بنی آدم میں طعن کیا کہ بنی آدم خدا کی نافرمانی کریں گے اور اگر فرشتے نافرمان ہوتے تو انکا یہ طعن کرنا نازیبا ہوتا چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے جب فرشتوں کی نافرمانی سے برأت ثابت ہوگئی تو اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا جو فرشتوں کی طرف سے کہا گیا وہ اعتراض نہیں ہے بلکہ بطور تعجب ہے کہ ایسے مفسدوں کو تو ہم تیرے حکم سے نکال چکے ہیں پھر تو جو اسی قسم کے لوگوں کو پیدا کرکے زمین پر بسانا چاہتا ہے اسمیں کیا حکمت ہے ورنہ ہم تیری فرمانبرداری اور تسبیح وتہلیل کیلئے کافی ہیں **آٹھواں مسئلہ** وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ میں ونحن کی واو حالیہ ہے اور تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو برائی سے دور یعنے پاک جاننا اور اسی طرح تقدیس کے معنی بھی ہیں ماخوذ ہیں سبح فی الماء سے یعنے پانی میں تیرتا ہوا دور نکل گیا اور سبح فی الارض سے یعنے زمین پر چلتا چلتا دور نکل گیا۔ اور بحمدک صاحب کشاف کے نزدیک حال واقع ہوا ہے تقدیر اسکی نسبح لک حامدین لک ومتلبسین بحمدک ہوگی وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اس آیت میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اشعری اور جبائی اور کعبی تینوں کہتے ہیں کہ تمام لغات توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ایک بدیہی علم پیدا کیا ہے اُن الفاظ معانی کا اور ہیئات کا علم کہ یہ الفاظ

ان معانی کے لئے موضوع ہیں اور اسکی بحث اصول فقہ میں مفصل موجود ہے **دوسرا مسئلہ** الاسماء کلھا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ سب چیزوں کے خواص اور نعوت اور صفات سکھائے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اسم یا تو مشتق ہے سمۃ سے جسکے معنی علامت کے ہیں تو اسم بھی علامت ہے۔ اور یا سمو سے مشتق ہے بمعنی بلندی کے جیسے کہ منارہ اور علامت میل وغیرہ کہ بلند ہوتے ہیں اور ان کا بلند ہونا خود علامت ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام مخلوقات کے نام سکھائے یعنے تمام مختلف لغتیں سکھا دیں جو انکی اولاد قیامت تک بولتی رہے گی خواہ عربی ہو یا فارسی یا ہندی یا عبرانی یا سریانی وغیرہ اور آدم کی زندگی میں ان کی سب اولاد سب بولیاں بولتی تھی جب آدم کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے زمین میں متفرق ہو گئے اور اور ہر قوم کی زبان جداگانہ ہو گئی **تیسرا مسئلہ** انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صادقین کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مخلوق پیدا کرے لیکن ان سب مخلوقات سے علم میں ہم زیادہ ہوں گے۔ تو اب ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو **چوتھا مسئلہ** اس آیت میں علم کی بڑی فضیلت پائی جاتی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیدائش کی حکمت علم ہی سے ظاہر کی کیونکہ اگر علم سے زیادہ کوئی چیز شریف اور باعزت ہوتی تو آدم کی فضیلت اسی سے ظاہر کی جاتی علم سے نہ ظاہر کی جاتی۔ اور علم کی فضیلت کتاب اور سنت اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے سو کتاب یعنے قرآن مجید میں کئی طرح سے اسکی فضیلت ثابت ہے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے علم کا نام حکمت رکھا اور اسکی بہت بڑی عظمت بیان فرمائی اور حکمت کی تفسیر قرآن مجید میں چار طرح سے ہے ایک قرآن کے مواعظ ہیں جیسے کہ سورہ بقر میں ہے وَمَا اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَۃِ یعنے مواعظ القرآن اور جیسے کہ سورہ نسا میں ہے وَاَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ یعنے المواعظ اور ایسا ہی آل عمران میں ہے دوسری حکمت بمعنی فہم اور علم کے ہے جیسے وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا اور سورہ لقمان میں ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ یعنی الفہم والعلم اور سورہ انعام میں ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ تیسری حکمت بمعنے نبوت ہو جیسے کہ سورہ نسا میں ہے فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ یعنے النبوۃ اور سورہ ص میں ہے وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ یعنے النبوۃ اور سورہ بقر میں ہے وَاٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ وَالْحِکْمَۃَ چوتھی بمعنے قرآن چنانچہ سورہ نحل میں ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ اور سورہ بقر میں ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ اور یہ تمام وجوہ کا مرجع علم ہی ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سات چیزوں کا آپس میں فرق بتایا ہے ایک تو خبیث اور طیب میں چنانچہ فرماتا ہے قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ یعنی الحلال والحرام اور بینا اور نابینا میں جیسے قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اور نور اور ظلمت میں جیسے اَمْ ھَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ اور جنت اور دوزخ اور سایہ اور دھوپ ہیں اور جب ان سب میں تامل کروگے تو وہی فرق معلوم ہوگا جو علم جاہل کے درمیان ہے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ اولی الامر سے مراد یہاں علماء ہیں اور یہ قول بہت صحیح ہے اسلئے کہ امرا پر علما کی اطاعت واجب ہے اور علما پر امرا کی اطاعت واجب نہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علماء کرام کے ذکر کو مرتبہ دوم میں رکھا ہے اپنے اور ملائکہ اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذکر سے چنانچہ فرماتا ہے شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ اور فرماتا ہے وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اور فرماتا ہے قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ پنجم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا **پانچواں مسئلہ** اور تمام امور چار قسم سے خالی نہیں ایک قسم وہ ہے جسے عقل پسند کرتی ہے لیکن طبیعت

اسکو پسند نہیں کرتی اور دوسری قسم وہ کہ جسکو طبیعت پسند کرتی ہے اور عقل نہیں پسند کرتی ہے اور تیسری قسم وہ ہے جسے عقل اور طبیعت دونوں پسند کرتی ہیں اور چوتھی قسم وہ ہے جسے عقل پسند کرتی ہے اور طبیعت پسند کرتی ہے۔ سو پہلی قسم دنیا کے امراض اور تکالیف ہیں۔ اور دوسری قسم تمام معصیت کے کام اور تیسری قسم علم اور چوتھی قسم جہل ہے۔ تو علم کی نسبت جہل سے ایسی ہے جیسے جنت کی دوزخ سے۔ جو جیسے عقل اور طبیعت دوزخ کو پسند نہیں کرتیں اسی طرح جہل کو بھی پسند نہیں کرتیں اور جسطرح وہ دونوں جنت سے راضی ہیں اسی طرح علم سے بھی راضی ہیں سو جس شخص نے جہل کو پسند کیا تو گویا اُس نے نقد دوزخ کو پسند کر لیا اور جس نے علم کو پسند کیا تو گویا وہ حاضر جنت میں سیر کر رہا ہے۔ غرض جہل سے بدتر کوئی چیز نہیں شاعر کہتا ہے ؎

وَفی الجهل قبل الموت موت لاهله ... واجسامهم قبل القبور قبور

وان امرأ لم یحی بالعلم میت ... ولیس له قبل النشور نشور

اور دوسرا شاعر کہتا ہے۔ لسان الفتی نصف ونصف فؤاده ... فلم یبق الا صورة اللحم والدم

قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ

اس آیت میں بھی کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا سے اہل سنت نے یہ حجت پکڑی ہے کہ علوم اور معارف مخلوق کے سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کسی چیز کا علم دل میں نہ ڈالے تب تک آدمی اُس چیز کو نہیں جان سکتا۔ اور معتزلی کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ سب علوم اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اُن کا حصول یا تو تعلیم سے ہوتا ہے یا دلالت کے قائم کرنے سے مثلاً جیسے اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ ہیں جن سے بہت مسائل ہندسیہ نکالے جاتے ہیں اور ہر مسئلہ فی ذاتہ علم ہے **دوسرا مسئلہ** تمام اہل اسلام نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ مغیبات (غیب کی باتوں) کا علم کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے یعنے جبتک اللہ تعالیٰ کسی غیب کی بات کی خبر نہ دے کسی قاعدہ کلیہ سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور علم نجوم اور کہانت اور عرافت وغیرہ سے کچھ نہیں معلوم ہو سکتا اور اسی آیت کی نظیر یہ آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ اور فرماتا ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ لیکن معتزلی کے قاعدے کے مطابق نجومی معتزلی سے کہہ سکتا ہے کہ جب تو نے تعلیم کی تفسیر تعیین دلائل سے کی ہے تو میرے نزدیک بھی ستاروں کے حرکات دلائل ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اس جہان کے احوال کے جاننے کے لیے معین کیا ہے تو جب میں اُن احوال کے لیے اُن دلائل سے استدلال کرتا ہوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی تعلیم سے ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ملائکہ غیب کے جاننے سے عاجز رہگئے تو ہم تم بطریق اولیٰ عاجز ہو گئے **تیسرا مسئلہ** علیم صفات مبالغہ میں سے ہے یعنے بہت کامل علم والا تو جب تک سب معلومات کا یا اکثر کا احاطہ نکرے علیم کا اطلاق اُسپر نہیں ہو سکتا اسی لیئے مطلق علیم سوائے خدا کے اور کسی پر نہیں بولا جاتا اور نہ حکیم کے ہمراہ ہو کر اسلیئے کہ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ میں حصر ہے اور حکیم کے معنے دو ہیں ایک تو علیم کا ہم معنے ہے اور دوسرا یہ کہ ایسا کام کرنیوالا جس پر اعتراض نہو سکے کیونکہ حکمت مضبوطی کو کہتے ہیں اور مضبوط چیز کو کوئی بودا نہیں کر سکتا **چوتھا مسئلہ** وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ سے مراد وہ بات ہے جو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہی تھی کہ أَتَجْعَلُ فِيهَا الخ اور وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ سے مراد وہ ہے جو ابلیس

ملعون نے اپنے دل میں کبر رکھا تھا اور یہ ٹھان لیا تھا کہ سجدہ نہ کروں گا **پانچواں مسئلہ** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا خوف دلایا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سب دلی حالات مخلوق کے جانتا ہے تو چاہیئے کہ آدمی ہر وقت اپنے باطن کو صاف اور پاک کرتا رہے تاکہ اسمیں کوئی آلودگی باقی نہ رہے اور نفاق اور ریا سب دور ہو جاوے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ اس آیت میں اُس چوتھی نعمت کا ذکر ہے جو تمام مکلفین پر عام ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ آدم کو فرشتوں کا مسجود بنایا اور اول انہیں کو خلافت کے ساتھ خاص کیا اور بہت علم کی خصوصیت اُن کو عنایت کی کہ فرشتے بھی اُن کے علم کی حد تک نہ پہونچ سکے۔ اور اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** سجدہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کر چکنے سے پہلے دیا تھا اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ اور اس آیت کا ظاہر اسی بات کا مقتضی ہے کہ آدم کے پیدا ہو کر زندہ ہوتے ہی فرشتوں نے اُن کو سجدہ کیا اسلیئے کہ فقعوا کی فا تعقیب کے لیئے ہے۔ اس بنا پر اسما کی تعلیم اور فرشتوں سے اُنکا مناظرہ مسجود ہونے کے بعد ہوا **دوسرا مسئلہ** تمام اہل اسلام کا اسبات پر اجماع ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا اسلیئے کہ سجدہ عبادت کا سوائے اللہ کے اور کسی کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا۔ اسیوجہ سے اُسکی توجیہ میں تین قول ہیں اول یہ کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیئے تھا اور آدم بطور قبلہ کے تھے۔ اور اس قول پر دو اعتراض کیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ صلیت للقبلۃ نہیں کہا جاتا بلکہ الی القبلۃ کہا جاتا ہے اسلیئے اگر آدم قبلہ ہوتے تو اسجدوا الی ادم ہوتا لیکن آیت میں لِاٰدَمَ ہے اسلیئے آدم قبلہ ثابت نہوئے دوسرا یہ کہ شیطان نے کہا تھا اَرَاَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ اس سے معلوم ہوتا ہے مسجود ساجد سے زیادہ مرتبے والا ہے اور اگر قبلہ ہوتا تو یہ رتبہ نہوتا اس دلیل سے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور اس سے یہ بات لازم نہ آئی کہ کعبہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جاوے۔ سو پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ صلیت للقبلۃ کہنا صحیح ہے اور اسکا ثبوت قرآن میں اور شعر عرب میں موجود ہے قرآن کا ثبوت تو یہ آیت ہے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اور نماز اللہ کے لیئے ہوتی ہے نہ زوال شمس کے لیئے جب یہ جائز ہے تو صلیت للقبلۃ کہنا بھی جائز قرار پائیگا حالانکہ نماز اللہ تعالیٰ ہی کے لیئے پڑھی جاتی ہے اور شعر عرب میں سے حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے ؎

ما كنت اعرف ان الامر منصرف — عن هاشم ثم منها عن ابی حسن

الیس اول من صلے لقبلتکم — واعرف الناس بالقرآن والسنن

اور صلے لقبلتکم نص صریح ہے مقصود میں۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آدم کو صرف مسجود ہی ہونے سے تکریم نہیں حاصل ہوئی بلکہ اُسکے ساتھ اور باتیں بھی تھیں۔ دوم یہ کہ سجدہ تو آدم ہی کو کیا گیا تھا لیکن وہ سجدہ تعظیم اور سلام کا تھا چنانچہ پہلی امتوں میں یہ فعل جائز تھا اور اِس امت میں فقط زبان سے سلام کہدینا شروع ہے چنانچہ قتادہ کہتے ہیں کہ وخروا له سجدا کی تفسیر میں کہ اُس زمانے میں لوگوں کا سلام یہی تھا کہ ایک دوسرے کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تو اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اے معاذ یہ کیا حرکت ہے تو اُنہوں نے عرض کیا کہ یہود اپنے بڑوں اور علما کو سجدہ کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنے ازدوں اور علما کو سجدہ کرتے ہیں اور میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ انبیا کا سلام ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے انبیا پر

ث

باندھا ہے اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں سوائے خدا کے کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے سوم یہ کہ سجدہ کے معنی اصل میں فرمانبرداری اور عاجزی کے ہیں جیسے کہ شاعر کہتا ہے ؎

ترى الأكم فيها سجدا للحوافر + اسے منه الله يحوافر المحيل

اور اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا قول وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ۔ اب جاننا چاہیئے کہ پہلا قول ضعیف ہے اس لیئے کہ مقصود اس قصہ سے تعظیم آدم ہے اور آدم کو قبلہ بنانے میں اُن کی کوئی تعظیم نہیں پائی جاتی اور تیسرا قول بھی ضعیف ہے اس لیے کہ شریعت کے عرف میں سجدے کے معنی زمین پر ماتھا رکھنے کے ہیں اس لیئے ضرور ہوا کہ اصل معنی بھی ایسے ہی ہوں کیونکہ اصل یہی ہے کہ محاورہ نہ بدلا جاوے اور وہ سجدہ بحکم خدا آدم کو کیا گیا تو آدم کی تعظیم ہوئی نہ عبادت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا یہ عبادت ہوئی اللہ تعالیٰ کی **تیسرا مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا یا جنوں میں سے اولیٰ یہی ہے کہ جنوں میں سے تھا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ اور نیز فرشتوں کی ذریّت (اولاد) نہیں اور اسکی ذریّت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ اور اس آیت سے صریح ثابت ہوتا ہے کہ اسکی ذریّت بھی اور نیز ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ نافرمانی سے فرشتے پاک ہیں اور ابلیس سے نافرمانی سرزد ہوئی ہے اسلیئے فرشتوں سے نہیں ہے اور نیز فرشتے نور سے پیدا ہیں اور جن آگ سے اور فرشتوں کا آگ سے پیدا ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نور سے پیدا ہوئے ہیں اور کوئی جن نور سے پیدا نہیں ہوا بلکہ آگ سے سب جن پیدا ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ اور فرماتا ہے خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ اور ابلیس سے اللہ تعالیٰ نقل فرماتا ہے خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کا فخر بخشا ہے بخلاف جنوں کے کہ اونمیں سے کسیکو یہ فخر حاصل نہیں ہے۔ اور چونکہ ابلیس اُس بزم میں تھا اسلیئے اُسکو بھی سجدہ کا حکم ہوا اور اُس زمرہ میں داخل سمجھا گیا اسی لیئے استثنا متصل استعمال میں لایا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو علیحدہ سجدہ کا حکم دیا اور باعتبار مامور ہونے کے اُسکو اور فرشتوں کو ایک جنس قرار دیا گیا اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ **چوتھا مسئلہ** اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں اس سے اکثر اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ آدم فرشتوں سے افضل ہے اور اسی بنا پر انبیا فرشتوں سے افضل قرار پائے اور قاضی ابوبکر باقلانی شافعی متکلمین میں سے اور ابو عبداللہ حلیمی فقہائے شافعیہ میں سے اور تمام معتزلہ اور جمہور شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ فرشتے انبیا سے افضل ہیں۔ اور ترجیح اکثر اہل السنتہ کے قول کو معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم **پانچواں مسئلہ** اکثر لوگ اسی طرف گئے ہیں کہ آدم کو سجدہ کرنے کا سب فرشتوں کو حکم ہوا تھا دو وجہ سے اول یہ کہ الْمَلَائِكَةُ کا لفظ جمع کا ہے فائدہ عموم کا دیتا ہے خصوصاً جبکہ بہت اکمل طریق کی تاکید بھی اسکے ساتھ مقرون وارد ہوئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اُن سے مستثنیٰ کیا ہے اور ایک شخص کا اُن میں سے مستثنیٰ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باقی سب کے سب اُس حکم میں داخل ہیں اور تھوڑے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ فقط زمین کے فرشتے اس بات کے مامور تھے لیکن پہلا ہی قول اقویٰ ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

اس آیت میں بہت مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ اسکنؔ اس جگہہ امرِ اباحت ہے یا امر تکلیف و تعبد ہے۔ سو قتادہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت میں رہنے کی تکلیف دی جیسے فرشتوں کو آدم کے لیے سجدہ کرنے کی تکلیف دی آدم کو یہ تکلیف بھی دی کہ جنت میں سے جہاں سے چاہے اور جتنا چاہے کھاوے صرف ایک درخت کے پاس جانے سے روک دیا اور اُسکے کھانے کی ممانعت کر دی تو آدم اول ہی سے تکلیفوں میں مبتلا رہا یہاں تک کہ جس چیز سے اُسکو ممانعت تھی اُسکو کر بیٹھا تو اُس کو تب ننگا کر دیا گیا اور جنت سے اُتار دیا گیا اور ایسی جگہہ اسکا بسیرا کرایا جہاں اپنی خوشی سے کھاوے پیوے کوئی روک ٹوک ہو اور کئی لوگ اس طرف گئے ہیں کہ امر اباحت ہی تھا اس لیے کہ کسی کو کسی عمدہ پاکیزہ جگہہ میں بسانا جس میں قسم قسم کے اُسکو عیش ملیں تعبد اور تکلیف نہیں کہلا سکتا اسی طرح کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ بھی اباحت ہے تعبد اور تکلیف نہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ آدم کا جنت میں بسانا دونوں باتوں کو شامل تھا امر اباحت کو بھی اور امر تکلیف کو بھی امر اباحت تو یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کو جنت کی تمام نعمتوں سے نفع اٹھانے کی اجازت تھی اور امر تکلیف یہ تھا کہ ایک چیز جو اُن کے ہر وقت سامنے رہتی تھی اُسکی ممانعت کر دی گئی **دوسرا مسئلہ** جب اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرایا اور شیطان سجدہ نکرنے کی وجہ سے ملعون ہو گیا پھر آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں بسو تو آیا اُن کی بیوی کس وقت پیدا ہوئی تھی تو سدیؒ نے ابن عباس اور ابن مسعودؓ اور کئی صحابہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جنت سے نکالا اور آدمؑ کو جنت میں بسایا تو آدمؑ اکیلے تھے اُن کے پاس کوئی ہمجنس مونس نتھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیند ڈال دی پھر اُن کی اُلٹی پسلی کی ایک ہڈی پر گوشت جما دیا اور اُس گوشت سے حواؔ کو پیدا کیا جب آدمؑ جاگے تو اُنہوں نے اپنے سرہانے ایک عورت بیٹھی ہوئی پائی تو اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے اُس نے کہا کہ میں عورت ہوں اُنہوں نے کہا کہ تو کیوں پیدا ہوئی اُس نے کہا کہ تاکہ تو میرے پاس آرام پاوے۔ تو فرشتوں نے کہا کہ اسکا کیا نام ہے تو اُنہوں نے کہا حوّاء پھر فرشتوں نے پوچھا کہ حوا اسکا نام کیوں رکھا گیا اُنہوں نے کہا اس لیئے کہ زندہ چیز سے پیدا ہوئی ہے۔ اور ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی روایت بھی منقول ہے جس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے اُن کی بیوی پیدا ہو چکی تھیں۔ اور ظاہر آیت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے **تیسرا مسئلہ** اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ زوجہ سے مراد حوا ہی ہے گو اُسکا ذکر کہیں قرآن میں بلفظہ نہیں آیا اس بات کا ثبوت قرآن میں ضرور ہے کہ اُن کی بیوی (حوا) اُنہیں سے پیدا ہوئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۂ نساء میں اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا اور سورۂ اعراف میں فرماتا ہے وَجَعَلَ مِنْہَا زَوْجَہَا لِیَسْکُنَ اِلَیْہَا اور حسنؒ نے انحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپنے فرمایا ہے کہ عورت مرد کی پسلی کی ہڈی سے پیدا ہوئی ہے اگر تو اُسے سیدھا کرنے لگیگا تو ٹوٹ جاوے گی اور اگر اُسی کجی کی حالت میں نفع اُٹھائیگا تو اُٹھا سکتا ہے اور وہ کجی اُس میں موجود رہے گی **چوتھا مسئلہ** جس جنت میں آدم علیہ السلام پیدا کرنے کے بعد بسائے گئے اُس میں اختلاف ہے کہ آسمان والی جنت ہے جو کہ دار الثواب ہے یا زمین میں کوئی باغ تھا۔ اس میں چار قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ وہ زمین میں کوئی باغ تھا چنانچہ یہی مذہب ابو القاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی کا ہے اور ہبوط سے مراد اُنہوں نے انتقال مکانی لی ہے جیسے اِھْبِطُوْا مِصْرًا اور اُنہوں نے اپنے قول کے لیئے کئی حجتیں پیش کی ہیں۔ اول یہ کہ اگر جس جنت میں آدم بسایا گیا تھا وہ دار الثواب یعنی جنت الخلد ہوتی تو ابلیس کا دھوکا اُسمیں کارگر نہوتا اور وہ دھوکا یہ تھا جو اللہ تعالیٰ اُس سے

حکایت فرماتا ہے۔ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اور ابلیس کا یہ قول بھی ٹھیک بیٹھتا کہ جبکہ اللہ تعالیٰ حکایت فرماتا ہے مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ دوم یہ کہ جو شخص اس جنت میں داخل ہوتا ہے وہ اس سے نکالا نہیں جاتا چنانچہ فرماتا ہے وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ سوم یہ کہ جب شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تھا تو ملعون ہو گیا تھا تو جب اس پر اللہ کا غضب تھا تو اُس حالت میں جنت میں کیسے جا سکتا تھا چہارم یہ کہ جو جنت دار ثواب ہے اسکی نعمت فنا نہیں ہوگی اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا اور فرماتا ہے وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ تک ای غیر مقطوع سو آدم علیہ السلام والی جنت اگر دار الثواب ہوتی تو اسکا عیش منقطع نہوتا اور حالانکہ منقطع ہو گیا پنجم یہ کہ اللہ کی حکمت اس بات کی مقتضی نہیں ہے کہ لوگوں کو جنۃ الخلد میں پیدا کرے اور اس میں اُن کو بسا دے بغیر کسی تکلیف کے اور عاملوں کی جزا غیر عاملوں کو ملے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مہمل نہیں چھوڑتا بلکہ اُن کو ترغیب ترہیب وعد و وعید سے چارہ نہیں ہے ششم یہ کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو زمین پر پیدا کیا اور یہ کہیں نہیں کہا کہ پھر بعد پیدا ہونے کے آسمان کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور اگر ایسا ہوتا تو ضرور اُسکا ذکر ہوتا اس لیئے کہ یہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے تو معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہوا اور جس جنت میں آدم بسائے گئے تھے وہ زمین ہی میں کوئی باغ تھا جنت الخلد نہ تھی۔ دوسرا قول جبائی کا ہے کہ وہ جنت ساتویں آسمان پر تھی اور اسکی دلیل اِهْبِطُوْا مِنْهَا ہے اور آدم کے دو ہبوط ہوئے اول ساتویں آسمان سے پہلے تک دوم پہلے سے زمین تک تیسرا قول جمہور اہل سنت کا ہے کہ وہ جنت دار الثواب یعنے جنت الخلد ہی تھی اس دلیل سے کہ الجنة کا الف لام مفید عموم نہیں ہے اس لیئے کہ تمام جنتیں اُن کا محل نہیں تھا تو ضرور معہود سابق کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور جو جنت کہ مسلمانوں میں معہود اور معلوم ہے وہ وہی دار الثواب ہے تو اس لفظ سے وہی مراد لینا واجب ہوگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ دونوں کا احتمال ہے اور دلالت نقلی ضعیف ہے اور آپس میں متعارض ہے تو توقف کرنا اور کسی طرف کا یقین نہ کرنا واجب ہوا واللہ اعلم

پانچواں مسئلہ جس درخت کی آدم علیہ السلام کو ممانعت کی گئی تھی وہ کون درخت تھا سو مجاہد اور سعید بن جبیرؓ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ وہ گیہوں اور اُسکا خوشہ تھا اور ابو بکر صدیقؓ سے مرفوعاً بھی خوشہ کی روایت منقول ہے۔ اور سدی نے ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا اور مجاہد اور قتادہ سے منقول ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا اور ربیع بن انس نے کہا کہ وہ ایسا درخت تھا کہ جو اُسے کھاتا تھا بے وضو ہو جاتا تھا اور جنت میں حدث ہونا جائز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسکی تعیین کی کوئی محکم دلیل نہیں ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

اس آیت میں بہت مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت میں لوگ مختلف ہیں اور یہ بحث چار قسموں میں منحصر ہے اول اُن کے عقائد کے بارے میں دوم تبلیغ احکام کے بارے میں سوم اجرائے احکام اور فتوی میں چہارم اُن کے افعال اور سیرت میں قسم اول اکثر امت محمدیہ اسبات کو محال جانتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں کفر اور گمراہی کا اعتقاد ہو۔ اور فرقہ فضلیہ خوارج میں سے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اُن سے گناہ سرزد ہوئے اور اُس فرقہ کے نزدیک گناہ کرنا کفر اور شرک ہے تو اس بنا پر اس فرقے کے نزدیک انبیاء علیہ السلام سے کفر سرزد ہوا۔ اور امامیہ کے نزدیک بطور تقیہ کے انبیاء کو جائز ہے

کہ کفر ظاہر کریں - **قسم دوم** امت محمدیہ کا اسبات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کے بارے میں انبیا علیہم الصلوۃ والسلام جھوٹ بولنے اور تحریف کرنے سے معصوم (پاک) ہیں نہ سہواً اور نہ عمداً کسی صورت سے کذب تحریف اُن سے سرزد نہیں ہو سکتی ورنہ تبلیغ کا وثوق واعتماد بالکل جاتا رہے گا اور بعض سہواً جائز جانتے ہیں **قسم سوم** سب کا اجماع ہے کہ عمداً غلط فتوی نہیں دے سکتے اور سہواً میں بعض جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز کہتے ہیں **قسم چہارم** اُن کے افعال و سیر میں لوگ مختلف ہیں اولی یہی ہے کہ کوئی گناہ اور خطا اُن سے عمداً سرزد نہیں ہو سکتی اور سہواً ہونا ممکن ہے **دوسرا مسئلہ** ابلیس کو کیونکر قدرت ہوگئی کہ آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالدیا حالانکہ آدم جنت میں تھا اور ابلیس جنت سے باہر اس میں مفسرین نے کئی وجوہ ذکر کیے ایک تو واعظوں قصہ گوؤں کا قول ہے جنکو وے لوگ وہب بن منبہ یمانی اور سدی کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابلیس نے جنت میں جانا چاہا تو دربانوں نے اُسے روکا تو ابلیس سب حیوانات کے پاس گیا تاکہ اُسکو کسی طرح جنت میں پہنچا دے لیکن سبنے انکار کیا پھر چار پاؤں والے سانپ کے پاس گیا اور وہ بہت خوبصورت سواری کے لائق بنا ہوا تھا اُس نے ابلیس کو نگل لیا اور دربانوں سے پوشیدہ جنت میں پہونچا دیا جب اندر پہونچ گیا تو سانپ کے مونہ سے نکل آیا اور وسوسہ ڈالنے میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے سانپ پر لعنت ہو گئی اور اُسکے پاؤں گل کے گر پڑے اور پیٹ کے بل چلنے لگا اور اُسکی روزی مٹی میں کی گئی اور بنی آدم کا دشمن ہو گیا - جاننا چاہیے کہ اس قسم کی روایتیں بوجوہ قابل التفات نہیں - دوسری یہ کہ ابلیس خود کسی جانور کی صورت بنکے داخل ہوا - اس قول میں نسبت پہلے قول کے کم خرابی ہے - تیسری یہ کہ بعض اصولیوں نے کہا کہ شاید آدم اور حوا جنت کے دروازہ کی طرف نکلتے ہونگے تو ابلیس دروازہ کے قریب آکر اُن میں وسوسہ ڈالتا ہوگا - چوتھی یہ کہ ابلیس زمین میں تھا اور وہیں سے جنت میں آسمان پر اپنا وسوسہ پہونچا دیا چنانچہ یہی حسن بصری سے منقول ہے - اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ ابلیس نے بذات خود آدم و حوا سے خطاب کیا یا اپنے بعض فرمانبرداروں کے ذریعہ سے اُن تک اپنا وسوسہ پہونچا دیا **تیسرا مسئلہ** اھبطوا کا مخاطب کون ہے اکثر کا مذہب تو یہی ہے کہ ابلیس بھی اس خطاب میں داخل ہے اسلیے کہ اُن کے بہکانے میں بھی تو اُسکا ذکر اس طرح آیا ہے فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا گویا تقدیر یوں ہے فَأَزَلَّهُمَا وَقُلْنَا لَهُمُ اهْبِطُوا اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ سے مطلب یہ ہے کہ ابلیس اُن دونوں کا دشمن جانی رہے گا - اور یا آدم و حوا اور سانپ مخاطب ہیں - اور یا آدم اور حوا اور اُن دونوں کی اولاد **چوتھا مسئلہ** اس آیت میں اللہ تعالی تمام معاصی سے ڈراتا ہے اور اس میں کئی وجوہ ہیں اول یہ کہ جو شخص آدم علیہ السلام کے ماجرے میں غور و تصور کریگا اور وہ بیان کریگا کہ ایک تھوڑی سی لغزش سے کس بڑی مصیبت میں پھنسے تو گناہوں سے بہت ہی خوف کرے گا چنانچہ شاعر کہتا ہے

یا ناظراً یرنو بعینی راقد ومشاھداً للامر غیر مشاھد
تصل الذنوب الی الذنوب وترتجی درک الجنان ونیل فوز عابد
انسیت ان اللہ اخرج آدماً منھا الی الدنیا بذنب واحد

اور شیخ موصلی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم جنت والے لوگ تھے ابلیس ہمکو وہاں سے دنیا کی طرف قید کر لایا تو جب تک وہیں نہ پہونچائے جاویں جہاں سے نکالے گئے تھے تب تک ہماری قسمت میں سوائے غم اور فکر کے کچھ نہیں ہے

دوم اس آیت میں کبر اور حسد اور حرص سے خوف دلانا پایا جاتا ہے اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ کی تفسیر میں قتادہ وغیرہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آدم علیہ السّلام کو عزت عنایت کی تھی اسپر اللہ کے دشمن ابلیس نے حسد کیا اور کہا کہ میں ناری ہوں اور طینی (یعنی مٹی کا بنا ہوا) ہے پھر حرص آدم کے دل میں ڈالی گئی جسکے باعث اُس فعل کے مرتکب ہوئے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا پھر قابیل کے دل میں حسد ڈالا گیا جسکے باعث اُس نے ہابیل کو مار ڈالا۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ابلیس اور اولاد آدم کے درمیان میں سخت عداوت ہے اسوجہ سے لوگوں کو ابلیس سے بچنا ضروری ٹھیرا۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اس آیت میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آدم علیہ السّلام باوجود نبی ہونے کے توبہ کرنی نہ جانتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو توبہ کرنی سکھائی ہو اسلئے کہ مکلف کو ضرور ہے کہ تکلیف اختیار کرنے سے پہلے قصور معاف کرنے کی حقیقت سے واقف ہو اور اسماء کا ثبوت وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے قصور کا اثر اُنپر ایسا ڈالا کہ ناچار اُن کو توبہ کرنی پڑی۔ یا اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں یہ ڈالا کہ توبہ کرنی قصور سے واجب ہے اور لامحالہ قبول بھی ہوگی یعنے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی گناہ کر بیٹھے چھوٹا یا بڑا پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو جاوے اور اسبات کا پکا ارادہ کرلے کہ پھر میں ایسا گناہ نہ کروں گا تو میں اُسکی طرف مغفرت کے ساتھ توجہ کرتا ہوں سو یہی وہ کلمات ہیں جو آدم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سیکھے اور اُنپر عمل کیا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی بڑی بڑی نعمتیں اور احسان یاد دلائے تو ناچار پشیمان ہو کر اُن کو توبہ کرنی پڑی۔ یا یہ کہ ایک مطلب کے ادا کرنے کے لیے بہت سے الفاظ مرادف ہوا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو وہ کلمات سکھائے جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب تھے جن کے باعث توبہ کا کمال اُن کو حاصل ہوا **دوسرا مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ وہ کلمات جو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سیکھے تھے وہ کیا تھے لیکن مجاہد اور قتادہ کی یہ روایت زیادہ تر قوی معلوم ہوتی ہے اور قرآن مجید بھی اسکا موید ہے کہ وہ کلمات یہ تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ **تیسرا مسئلہ** امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ توبہ تین کاموں سے ثابت ہوتی ہے اور وہ تینوں یکے بعد دیگرے باترتیب ہیں علم اور حال اور عمل سو علم کا مرتبہ پہلا ہے اور حال کا دوسرا اور عمل کا تیسرا اور علم موجب حال کا ہے اور حال موجب عمل کا ہے اور یہ ایسا ایجاب ہے جو کہ سنت اللہ سے اللہ کے ملک وملکوت میں۔ سوم علم یہ ہے کہ گناہ میں جو ضرر ہے اور اللہ کی رحمت کے اور بندے کے درمیان میں حجاب ہوتا ہے اُسکو پہچانے۔ سو جب اس بات کو پوری طرح پہچان لے گا تو محبوب کے فوت ہونے سے اُسکے دل کو درد پہنچے گا اسلئے کہ محبوب کے فوت ہونے کا دل کو شعور ہوتا ہے تو ضرور دردمند ہوتا ہے اور جب اپنی ہی کسی حرکت سے یہ بات صادر ہوتی ہے تو اُسپر افسوس کرتا ہے اُس فعل پر جسکے باعث محبوب فوت ہوا اور اس تاسف کو ندم کہتے ہیں یعنے پشیمانی۔ پھر جب یہ پشیمانی جسقدر محکم ہوتی ہے اُسی قدر پکا ارادہ اسبات کا پیدا ہوتا ہے اسکے دفعیہ کا اور اس ارادہ کا تعلق ماضی اور حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے ہے ماضی سے یہ تعلق ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرتا ہے اور حال سے یہ تعلق ہے کہ جس گناہ کو کر رہا تھا اُسے چھوڑ دیتا ہے اور مستقبل سے یہ تعلق ہے کہ اُسکے نکرنے کا پکا قصد کرتا ہے۔ **چوتھا مسئلہ** قفال رح کہتے ہیں کہ اصل توبہ کے معنے رجوع کے ہیں جیسے کہ اَوّبہ ہے اور اسی طرح توب اور اوب بولتے ہیں جیسے کہ کہتے ہیں تاب یتوب توبا وتوبۃ ومتابا فھو تائب وتواب اور آب یئوب اوبا واوبۃ ومآبا فھو آئب واواب

اور لفظ توبہ میں اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں اشتراک رکھتے ہیں بندے کا توبہ کرنا یہ ہے کہ گناہ سے اعراض کرکے اللہ کی طرف سچی توجہ و رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ کا توبہ کرنا یہ ہے کہ مغفرت اور رحمت کے ساتھ اپنے بندے کی طرف توجہ فرماوے اور بندے کے گناہگار ہونے سے جو اُسکی طرف سے اعراض کیا تھا اُس سے رجوع فرماوے اور توبہ کے قبول کرنے کی دو طریق ہیں ایک یہ کہ توبہ کرنے کی وجہ سے اُسکو ثواب عظیم دیوے دوسرا یہ کہ صرف اُسکے گناہ ہی بخش دے **پانچواں مسئلہ** اس آیت میں کئی فائدے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ آدم علیہ السّلام جو اپنی لغزش پر روئے اس میں ہمارے لئے تنبیہ ہے اس لئے کہ ہم اُن سے زیادہ رونے کے مستحق ہیں۔ دوسرا یہ کہ آدم علیہ السلام کو باوجود ایسے عالیشان ہونے کے توبہ کی ضرورت پڑی تو ہمکو بطریق اولیٰ اُس سے چارہ نہ ہوگا۔ تیسرا یہ کہ ہر بندے کو اس سے چارہ نہیں کہ ہر وقت اور ہر گھڑی توبہ میں مشغول رہے۔ اور اس بارے میں بہت احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سچے دل سے اور نیک نیتی سے استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اگر ایک دن میں اُس سے ستر بار بھی وہ گناہ سرزد ہوگیا تب بھی وہ اصرار والا نہیں کہلائیگا۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ میرا دل دھندلا ہوجاتا ہے تو ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ عمر بن الخطاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فرماتا ہے تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑ دے اور پکا ارادہ کرلے کہ پھر کبھی نہ کروں گا۔ اور صحیح مسلم میں ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے ننانوے خون کیئے تھے پھر اُس نے زمین کے بہت بڑے عالم کا اُس نے پتہ پوچھا تو کسی نے اُسکو ایک راہب (گوشہ نشین) کا پتہ دیا تو وہ اُس راہب کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے ننانوے خون کیئے ہیں تو میری کسی صورت سے توبہ قبول ہوسکتی ہے تو اُس نے کہا کہ نہیں تو اُسکو بھی اُس شخص نے مار ڈالا تو اُسکے مقتولوں کی تعداد پوری سَو کی ہوگئی پھر اُس نے کسی بہت بڑے عالم کا پتہ پوچھا تو کسی نے اُسکو ایک عالم کا پتا دیا تو اُسکے پاس جاکر اُس نے کہا کہ میں نے پورے سو خون کیئے ہیں کسی طرح میری توبہ قبول ہوسکتی ہے اُس نے کہا ہاں اور تیری توبہ کو تجھسے کون روک سکتا ہے تو فلاں زمین کی طرف سفر کرکے چلا جا وہاں بہت لوگ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے والے ہیں اُن میں مل کر اللہ کی عبادت کر اور اپنے وطن کی زمین کی طرف مت لوٹ کے آنا اس لیئے کہ یہ بُرائی والی زمین ہے۔ تو وہ شخص اُسی زمین کی طرف چلدیا یہانتک کہ اُسنے آدھا رستہ طے کیا کہ اُسکی موت کا وقت آگیا اور رحمت کے فرشتوں میں اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا پڑا رحمت کے فرشتے بولے کہ یہ شخص اپنے سچے دل سے تائب ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف آیا ہے۔ اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی۔ تو ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا اور فرشتوں کے دونوں فریق میں یوں فیصلہ کیا کہ جس طرف سے یہ آیا ہے وہاں کی مسافت کو اور جدہر جاوے گا اُدہر کی مسافت کو ناپو اگر بُرائی والی زمین کی طرف قریب ہو تو عذاب کے فرشتے اسکی روح قبض کریں ورنہ رحمت کے تو انہوں نے دونوں مسافتوں کو ناپا تو ایک بالشت کی برابر نیکی والی زمین کی طرف قریب نکلا تو رحمت کے فرشتوں نے اُسکی روح قبض کی۔ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنی مغفرت کا ہاتھ کھولتا ہے تاکہ جس نے دن کو گناہ کیئے ہوں وہ رات کو آکے مغفرت مانگے اور توبہ کرے اور دن کو اپنا ہاتھ کھولتا ہے تاکہ رات میں جس نے گناہ کیئے ہوں وہ دن کو توبہ کرلے اور یہ حالت اُسوقت تک رہے گی جبتک سورج مغرب کی طرف سے نہ نکلنے پاوے گا۔ اور صحیح مسلم میں عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مدینہ کے پرلے کنارہ میں میں نے ایک عورت سے بوس وکنار کیا ہے لیکن صحبت نہیں کی اب میں (بخوف خدا) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سو آپ جو چاہیں میرے بارہ میں حکم دیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس سے کہا کہ خدا نے تم پر پردہ ڈال دیا تھا کاش تو بھی اپنے عیب پر پردہ ڈال دیتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ جواب نہ دیا تو جب وہ اُٹھ کے چلدیا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسے بلایا اور اُسے یہ آیت پڑھ کے سُنائی وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ تو ایک شخص نے حاضرین میں سے عرض کیا کہ اے نبی اللہ کیا یہ حکم اسی شخص کے لیے خاص ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ اور ابو ادریس خولانی ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور ابو ذر رضہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سبحانہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتا ہے اے میرے بندو میں نے ظلم کرنے کو اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے اور تمہارا آپس میں بھی حرام کر دیا ہے سو ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ اے میرے بندو تم دن رات گناہ کرتے رہتے ہو۔ اور میں ہی ہوں جو گناہ بخشتا رہتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا سو تم مجھ سے مغفرت مانگتے رہو تاکہ میں تمہاری مغفرت کرتا رہوں۔ اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر جسے میں کھانا کھلاؤں سو تم سب مجھ سے کھانا مانگا کرو تاکہ میں تمکو کھانا کھلاؤں۔ اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جسے میں کپڑا پہناؤں سو تم سب مجھ سے پوشاک مانگا کرو تاکہ میں تمکو پوشاک پہناؤں۔ اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے اور پچھلے اور آدمی اور جن تم میں سے بڑے ایک پرہیزگار دل والے کے سے ہو جاویں تو یہ بات میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتی۔ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور آدمی اور جن تم میں سے بڑے ایک بدکار دل والے آدمی کے سے ہو جاویں تو میری بادشاہت میں کچھ کمی نہیں کر سکتے۔ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے اور آدمی اور جن سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں تم میں سے ہر ایک شخص کو اسکی مونہ مانگی بخشش دوں تو میری بادشاہت کے خزانے میں اس سے کچھ کمی نہیں آسکتی مگر جیسے کہ کوئی ایک سوئی کو سمندر میں ایک ڈبا دینے سے سمندر میں کمی کر سکتا ہے۔ اے میرے بندو اصل تو سب تمہارے اعمال کا ظہور ہے سو جو شخص تم میں سے بھلائی پاوے تو اللہ کی حمد کرے اور جو اسکے سوا کچھ اور دیکھے تو اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔ ابو ادریس جس وقت اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے اسکی تعظیم کی خاطر حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ سے کسی نے توبہ کی حقیقت پوچھی تو آپ نے کہا کہ توبہ ایک لفظ ہے جو چھ معنوں کا جامع ہے ایک تو جو قصور ہو چکا اس سے پشیمان ہونا۔ دوسرا یہ عہد کر لینا کہ آیندہ ہر گز ایسا نکروں گا۔ تیسرا اللہ تعالیٰ کے جو جو فرض ضائع کیئے انکا ادا کرنا چوتھا جو جو لوگوں کے باعزت برباد کی ہے اسکو لوگوں سے معاف کرالے پانچواں جو خون اور گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہے اُسکو گلا دے چھٹا بدن کو بندگی اور ریاضت کا درد چکھاوے جیسے کہ اُس نے حرام اور اُسکی معصیت کی شیرینی چکھی ہے **چھٹا مسئلہ** اللہ تعالیٰ نے یہاں صرف آدم ہی کی توبہ کے ذکر پر کفایت کی ہے اور حوا کی توبہ کا ذکر نہیں کیا اسلیئے کہ عورتوں کا حکم مردوں کے حکم کے تابع ہے اور سورہ اعراف میں آدم کی زوجہ کا ذکر بھی کر دیا جیسے کہ ایمان اور نیک اعمال میں صرف ایک دو جگہ عورتوں کا ذکر کر دیا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** ہبوط کے مکرر ذکر ہونے کی تین وجہیں ہیں اول یہ کہ جبائی معتزلی کہتا ہے کہ ہبوط

دو ہونے میں ایک جنت سے پہلے آسمان پر اور دوسرا پہلے آسمان سے زمین پر لیکن یہ قول لچر اور بے ثبوت ہے۔ دوم یہ کہ تکرار تاکید کے لیئے ہے۔ سوم یہ کہ جب آدم و حوا نے توبہ کی اور توبہ قبول ہوئی تو اُنہوں نے گمان کیا کہ شاید اُترنے کا حکم بھی منسوخ ہو جاوے تو مکرر پھر وہی اُترنے کا حکم ہوا تاکہ معلوم ہو کہ اُترنا سزا نہ تھی بلکہ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا مصداق ہے۔ **دوسرا مسئلہ** بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام ہند میں اُترے اور حوا جدے میں اور ابلیس بصرہ کے کسی موضع میں اور سانپ اصفہان میں **تیسرا مسئلہ** ھدیٰ سے مراد یا تو عام ہدایت ہے تو اسمیں دلائل عقلیہ اور جو انبیا علیہ السلام پر اُترتا ہے سب داخل ہو گا حسن بصری رح کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا تو اُنکی طرف یہ وحی کی کہ اے آدم یہ چار خصلتیں ہیں جنمیں تیری اور تیری اولاد کی بھلائی کے حکم موجود ہیں۔ ایک میرا حق اور ایک تیرا حق ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان اور ایک تیرے اور تمام لوگوں کے درمیان ہے۔ سو میرا حق یہ ہے کہ میری ہی عبادت کرنا اور کسی چیز کو میرا شریک بنانا۔ اور تیرا حق یہ ہے کہ جب تو کوئی عمل کریگا تو اُسکی اُجرت تجکو مل جائیگی۔ اور میرے اور تیرے درمیان یہ بات ہے کہ تیرا کام دعا مانگنا ہے اور میرا کام قبول کرنا ہے۔ اور تیرے اور لوگوں کے درمیان کی یہ بات ہے کہ اُن سے اس قسم کی صحبت رکھو جس قسم کی صحبت کا رکھنا اُن کا تجسے تمہیں محبوب ہو۔ اور ابو العالیہ سے مروی ہے کہ ھدیٰ سے مراد انبیاء ہیں اور یہ اُسوقت صحیح ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب آدمؑ کے سوا کوئی اور ہو یعنے اُن کی اولاد اور آدم خود جمہور کے نزدیک نبی ہیں واللہ علیم **چوتھا مسئلہ** اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس نے میری ہدایت کی سچی پیروی کی علاً اور علاً بایں طور کہ جو واجب ہو اُسکو عمل میں لاوے اور جو ممنوع ہو اُس سے باز آوے تو اُس شخص کی ایسی حالت ہو جائے گی کہ نہ اُسکو کوئی خوف ہو گا نہ غم اور یہ جملہ باوجود اسکے کہ بہت ہی مختصر ہے بہت ہی معانی اُسمیں بھرے ہوئے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ؕ ۔۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی پیروی کرنے والے کی جزا بیان فرمائی تو اُسکے بعد اُن لوگوں کا بیان فرمایا جنکے لیے دائمی عذاب مقرر ہوا ہے خواہ وہ آدمی ہوں یا جن۔

اُن نعمتوں کا بیان جو بنی اسرائیل پر خاص ہوئیں

اللہ تعالیٰ نے جب توحید اور نبوت اور معاد کا ذکر کیا اور اُسکے بعد اُن انعامات کا ذکر کیا جو تمام بنی آدم پر عام تھے اُسکے بعد اُن انعاموں کا ذکر فرماتا ہے جو خاص یہود کے اسلاف پر ہوئے سو اول اُنکو اللہ تعالیٰ بطور اجمال کے ذکر فرماتا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ؕ

اس آیت میں بہت مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اسرائیل سے مراد یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں اور کہتے ہیں کہ اسرائیل کے معنے عبد اللہ کے ہیں اسلیئے کہ اسرا کے معنے عبد کے ہیں اور ایل معنے اللہ کے ہے۔ اور اسی طرح جبریل اور میکائیل کہ دونوں کے معنے عبد اللہ ہے۔ اور قفال رح کہتے ہیں کہ بعض کے نزدیک عبرانی میں اسرا کے معنے انسان کے ہیں تو اسرائیل کے معنے رجل اللہ یعنے اللہ کا آدمی ہوئے سو اس آیت میں خطاب ہے اُن یہودیوں سے جو کہ مدینہ میں یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے **دوسرا مسئلہ** نعمت کے معنے یہ ہیں کہ بطور احسان کے کسی کو نیک منفعت پہنچائی جاوے۔ سورات اور دن میں ہمیشہ تک ہمیشہ سے جو ہم کو

اصول منفعت اور دفع مضرت ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ تفسیر مسئلہ بنی اسرائیل پر بہت بڑے احسان کیے (۱) فرعون اور فرعونیوں کے ظلم سے نجات دی اور غلامی سے آزادی بخشی اور زمین میں جگہ دی چنانچہ فرماتا ہے وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ (۲) اُن میں انبیا اور بادشاہ بنائے بعد اسکے کہ قبطیوں کے غلام تھے سو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور ان کو اُن کی زمین اور ملک اور مالوں کا وارث بنا دیا چنانچہ فرماتا ہے كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ (۳) اُنپر بڑی بڑی کتابیں اُتاریں جو اُن سے پہلے اور کسی امت میں نہیں اُتاریں تھیں چنانچہ فرماتا ہے وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بنی اسرائیل پر مہربانی اور احسان اور عنایت تھی کہ فرعونیوں سے اُن کو نجات دی اور جنگل میں اُنپر ابر کا سایہ کیا اور اُنپر مَن و سلویٰ اُتارا۔

وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ۝

مَا أَنْزَلْتُ سے مراد قرآن شریف ہے اور مَا مَعَكُمْ سے مراد توراۃ انجیل زبور ہے۔ اور اَوَّلَ کَافِرٍ سے مراد یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو بسبب اسکے کہ بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوئے یہود کو حسد ہوا اور علم والوں میں اول کافر وہی ہوئے اور قرآن کو برحق وحی نہ مانا اور وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي الخ سے مراد یہ ہے کہ خلاف قرآن کے جس چیز کی توجہ کی جاوے گویا اسکو قرآن کے بدلے خریدا جیسے کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص لڑائی مول لیتا ہے مطلب یہ کہ لڑائی کا گرویدہ اور از حد مشتاق ہے۔ اور ابن عباس رضی کہتے ہیں کہ کعب بن الاشرف اور حیی بن اخطب وغیرہ جو یہود کے سرداروں میں سے تھے اُن کے پاس اُن کے ماتحت یہودی تحفے اور ہدیے لایا کرتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگر ہم اسلام لا دیں گے تو یہ تحفے ہدیے آنے بند ہو جاویں گے حالانکہ ایمان کے سامنے وہ تحفے بہت ہی حقیر تھے اسلیے کہ تمام دنیا دین کے سامنے ناچیز ہے۔ اور وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ کے معنے وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ کے قریب قریب ہیں فقط فرق اتنا ہے کہ رَھب اور رَھبۃ کے معنے خوف کے ہیں اور اتقاء کے معنے بچنے کے ہیں تو اول اللہ تعالیٰ نے خوف کا حکم دیا اور پھر خوف دلانے والی چیز سے بچنے کا حکم دیا۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نے وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ میں یہود وغیرہ کو ایمان کا حکم دیا اور کفر اور گمراہی سے چھوٹنے کا حکم دیا اور اس آیت میں یہ بھی حکم دیا کہ حق کو باطل میں گڑبڑ مت کرو یعنے جن لوگوں نے قرآن کے حق ہونے کے دلائل سُنے ہیں اُن کے دلوں میں شبہے جھوٹے مت ڈالو اور جنہوں نے دلائل نہیں سُنے اُن سے حق مت چھپاؤ۔ اور اس حکم کا سِر یہ ہے کہ باوجود قدرت کے ایمان کو ظاہر نہ کرنا دلیل کفر کی ہے صرف دل ہی میں کسی چیز کو حق ماننے سے آدمی مومن کبھی نہیں کہلا سکتا جبتک کہ اسکو باوجود قدرت ظاہر نہ کرے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝

وَارْكَعُوا الخ سے مراد یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھو اور لفظ ارکعوا اسلیے بولا گیا ہے کہ یہود کی نماز میں رکوع نہیں اور چونکہ رکوع میں بہت تواضع پائی جاتی ہے اسلیے تمام نماز پر رکوع اور رکعت کا اطلاق کیا گیا ہے اور جب تواضع کی جاوے گی تو کبر اور عار جاتی رہے گی جو کہ حق کے قبول کرنے میں سد راہ ہیں۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ط ۔

ہمزہ اسجگہ استفہام تقریری کے لیئے ہے۔

اور بِرّ کے معنے نیکی کے ہیں یعنے وہ عمل جسپر بھلائی صادق آسکے۔ اور اس آیت میں امر با لبر سے مطلب یہ ہے کہ یہود لوگ غیروں کو نصیحت اور نماز روزے کی تاکید کیا کرتے تھے لیکن خود عمل نہیں کیا کرتے تھے اور نیز خفیہ اور پوشیدہ اگر کوئی اُن سے محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور قرآن کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتا تھا تو کہتے تھے کہ واقعی حق ہے بیشک اُسکی پیروی کر اور خود طمع دنیوی اور رنج کی وجہ سے پیروی نہیں کرتے تھے۔ اور یہاں استفہام تقریری تعجب کے لیئے ہے اور اسمیں کئی فائدہ ہیں (۱) یہ کہ وعظ کرنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کو مصلحت کی طرف ہدایت کی جاوے اور مفسدے سے بچایا جاوے اور یہ احسان ہے اور احسان کا مستحق اول تو واعظ کا اپنا نفس ہے جب اپنی جان کے احسان سے فارغ ہولے تب دوسروں سے احسان کرے سو جو شخص دوسروں کو نصیحت کرے اور خود نصیحت پر عمل نہ کرے تو گویا متناقض فعل کا مرتکب ہوا جسکو عقل قبول نہیں کرتی (۲) جو شخص وعظ کرے اور خود عمل نہ کرے اور اپنا علم لوگوں پر ظاہر کرے تو اُسکا وعظ لوگوں کو معصیت پر برانگیختہ کریگا اسلیئے کہ وہ کہیں گے کہ باوجود اسکے کہ یہ واعظ علم والا ہے اور پھر ایسا فعل کرتا ہے تو اسکو اس بات کی اطلاع ہے کہ شرعی وعدہ وعید کی کوئی حقیقت نہیں اور اگر ہوتی تو یہ خود ایسا فعل نکرتا۔ اسلیئے ایسا واعظ عاقلوں کے قاعدے کے برخلاف ہے اسلیئے اللہ تعالیٰ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ فرماتا ہے (۳) جو شخص وعظ کہے اور اس بات کی کوشش کرے کہ اُسکا وعظ نافذ ہو جاوے تو اُسکو لازم ہے کہ اپنے آپ کو معصیت سے بچاوے اسلیئے کہ معصیت سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے تو جو شخص وعظ کرے اور معصیت سے باز آئے تو اُسکی غرض تو یہ ہے کہ اُسکا وعظ موثر ہو اور جو وعظ کرے اور معصیت سے باز نہ آئے تو اُسکی غرض یہ ہے کہ اُسکا وعظ موثر نہو۔ اور اس جگہہ دو مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** اسمیں اختلاف ہے کہ معصیت والا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے یا نہ۔ تو بعض منع کرتے اور عقلی اور نقلی دلایل پیش کرتے ہیں منجملہ نقلی دلائل کے ایک تو یہی آیت اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ الخ ہے دوسری آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اور منجملہ عقلی دلائل کے ایک یہ ہے کہ جو شخص زنا کر رہا ہو اور اثنا رزنا میں عورت کو مونھ کھولنے سے منع کرے کہ بے ستری نہو تو اُسکی یہ نصیحت اس موقع پر کیسی لچر اور لغو اور حماقت معلوم ہوگی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ معصیت والا بھی نصیحت کر سکتا ہے اسلیئے کہ مکلف کو دو چیزوں کا حکم ہوا ہے ایک ترک معصیت دوسری اوروں کو معصیت سے روکنا تو یہ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اگر دو میں سے ایک نہو سکے تو دوسری بھی چھوڑ دے اور آیت کا مطلب یہ نہیں کہ مرتکب معصیت وعظ نکرے بلکہ یہ مطلب ہے کہ واعظ کو مرتکب معصیت نہونا چاہیے۔ اور عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مرتکب معصیت وعظ کے وقت مرتکب معصیت نہیں ہوتا **دوسرا مسئلہ** امام شعبی (تابعی) کہتے ہیں کہ بعض جنتی لوگ بعض دوزخیوں کی طرف جھانکیں گے تو اُن سے کہیں گے کہ ہم تو تمہاری نصیحتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے دوزخ سے نجات پاکر جنت میں آئے ہیں اور تم دوزخ میں کیوں ڈالے گئے تو وہ جواب دیں گے ہم نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نہیں کرتے تھے اور بُرائی سے منع کرتے تھے اور خود بُرائی کیا کرتے تھے۔ اور حکما کا قول ہے کہ جو شخص باتوں سے نصیحت کرے اُسکی بات ضائع ہو جاتی ہے اور جو شخص عمل سے نصیحت کرے اُسکی مراد کے تیر نشانہ پر لگتے ہیں ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

ابدأ بنفسک فانہہا عن غیہا فاذا انتہت عنہ فانت حکیم

فہناک یقبل ان وعظت ویقتدی بالرأی منک وینفع التعلیم

کہاوت مشہور ہے کہ ایک آدمی کا عمل ہزار آدمی پر اثر ڈال سکتا ہے اور ہزار بے عمل آدمی کی بات ایک آدمی پر اثر نہیں ڈال سکتی
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ
اس آیت میں کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یہودی مخاطب ہیں اور جب خفیہ طور سے وہ اسلام کی حقیقت کے قائل تھے اسی لیئے انکو نماز اور صبر کی تاکید کی گئی تاکہ اس مسلم نیکی کی برکت سے وہ مشقتیں ناگوار نگذریں جنکا اہل ایمان اول سامنا ہوتا ہے اور یہ اللہ کی آزمائش ہے جسکی عادت ہمیشہ سے جاری ہے سو صبر اور صلوٰۃ احکام شریعت کی پابندی پر معین ومددگار ہیں **دوسرا مسئلہ** صبر وصلوٰۃ کا حکم اسلیئے دیا کہ دنیا جو تم کو محبوب ہے اسکو چھوڑنا اور جو نفس پر گراں گزرتا ہے یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین اسکو اختیار کرنا اور لذات نفسانیہ کا ترک کرنا بہت مشکل ہے اور اس مشکل کی آسان کرنیوالی چیز صبر وصلوٰۃ ہے کیونکہ جو شخص نماز میں مشغول ہوگا وہ ضرور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا جلال اور قہر اور عذاب اُسکے آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ایسی حالت میں معصیت کا ترک کرنا سہل ہے اور ایسی حالت عبادت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی پیش نظر ہوتی ہے اور ثواب اور جنت کی طمع بھی ہوتی ہے تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طاعت میں لذت حاصل ہوتی ہے کوئی کیسی ہی مشکل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور صبر سے مراد یا تو عام صبر ہے اور اُسکا مطلب ظاہر ہے اور یا صبر سے مراد روزہ ہے چنانچہ رمضان کو شہر الصبر کہتے ہیں اور اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ کی ضمیر یا تو صلوٰۃ کی طرف راجع ہے یعنے نماز سوائے خشوع والوں کے سب پر مشکل ہے۔ اور یا استعانت کی طرف راجع ہے یعنے صبر وصلوٰۃ سے مدد لینا سوائے خشوع والوں کے اور کسی سے نہیں ہوسکتا اور استعانت کو مرجع قرار دینا اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکا مرجع سب مامورات ہیں جو بنی اسرائیل کو سنائے گئے يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا سے آخر تک واللہ اعلم۔ اور اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ میں ظن کے معنے بعض کے نزدیک یقین کے ہیں یعنے یظنون بمعنے یوقنون کے ہے چنانچہ اوس بن حجر شاعر کہتا ہے۔

فادسلتہ مستیقن الظن انہ مخالط ما بین الشراسیف جائف

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ اور فرماتا ہے اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ اور ان سب مقامات پر ظن معنوں میں علم ویقین کے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں ظن اپنے حقیقی معنوں میں ہے اور اسکی تین صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ خدا سے ملنے سے مراد موت ہے یعنے ہر گھڑی اُن کو مرنے کا گمان ہوتا ہے اسلیئے وہ طاعت سے غافل نہیں ہوتے اور لوگوں میں محاورہ بھی ہے کہ جو شخص مرجاتا ہے اُسکو کہتے ہیں کہ خدا سے جاملا دوسری یہ کہ ربہم سے پہلے ثواب مقدر مانا جاوے تو تقدیر یوں ہوگی ملاقو ثواب ربہم اور ثواب کا ملنا بھی ظنی ہوتا ہے **دوسرا مسئلہ** مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ سے بعض علماء نے رویت باریتعالیٰ کا استدلال کیا ہے لیکن اس آیت سے یہ استدلال ٹھیک نہیں اسلیئے کہ منافقین کے بارے میں بھی آیا ہے فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بلکہ رویت کا استدلال آیہ کریمہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وغیرہا سے ہونا چاہیئے **تیسرا مسئلہ** اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ سے یہ مطلب ہے کہ اسوقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اُن کا مالک نہوگا فقط وہی نفع ونقصان کا

مالک دنیا میں جو کسی پر بھروسہ ہوا کرتا تھا وہ اسوقت بالکل نہ رہے گا جو کریں گے سو بھریں گے۔ اور جو لوگ تناسخ ارواح کے قائل ہیں انھوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شئے کے پاس لوٹ کے جانا اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ لوٹ کے جانیوالی شئے پہلے بھی اُسکے پاس تھی اور یہ دلیل ہے اسبات کی کہ عالم روحانیات قدیم سے ہے۔ والعلم عند اللہ۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بنی اسرائیل سے تاکید فرمائی ہے کہ میں نے جو تم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں انکو یاد کرو اور کفر سے باز آؤ اور اسی تاکید کی وجہ سے وعید کی آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا الخ اسکے بعد ذکر کی ہے اور فضیلت سے مراد زیادتی فی الخیر ہے یعنے مطلق فضیلت نہ علم سو مالدار ہونا بھی فضیلت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ اور فرماتا ہے وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ۔ اس لیئے مالداری کو بھی فضیلت کہتے ہیں الْعَالَمِينَ میں الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہدی ہے یا عوض مضاف ایہ تو تقدیر یوں ہوگی علی عالمی زمانہم جب یہ دونوں باتیں محقق ہو چکیں تو ثابت ہو گیا کہ بنی اسرائیل کی تمام جہان کے اگلے پچھلے لوگوں پر من کل الوجوہ فضیلت ثابت نہیں ہوئی۔ والحمد للہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے جتنے خطاب بنی اسرائیل سے کیئے ہیں وہ سب عبرت اور تنبیہ ہیں عرب کے واسطے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ

اس آیت میں دو مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** اس آیت میں معاصی سے بہت سخت خوف دلایا گیا ہے اور توبہ سے گناہوں کی تلافی طلب کی گئی ہے اس لیئے کہ موت کے بعد کافر کے لیئے نہ سفارش کام آئیگی اور نہ کوئی عوض صرف طاعت ہی کام آئیگی۔ دوم اور خطاب اس آیت کا اگرچہ بنی اسرائیل کی طرف ہے لیکن حکم اسکا عام ہے اسلیئے کہ الفاظ عموم کے ہیں **دوسرا مسئلہ** تمام اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفاعت کریں گے اور اسی کی طرف اشارہ ہے آیۂ کریمہ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا اور وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى کا لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ مستحقین ثواب کے لیئے ہوگی یا اہل کبائر کے لیئے کیونکہ مقصد شفاعت کا فائدہ حاصل کرانا ہے سو ثواب دلوانا بھی فائدہ ہے اور گناہ معاف کرانا بھی فائدہ ہے۔ اور معتزلہ اہل کبائر کے لیئے شفاعت کے منکر ہیں اور اہل سنت اسکے قائل ہیں اور انکی کئی دلیلیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ عیسے علیہ السلام کا قول حکایت فرماتا ہے إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ عیسے علیہ السلام کی یہ شفاعت پانچ حالت سے خالی نہیں ہے یا تو یہ کہا جاوے کہ کفار کے لیئے تھی اور یا مسلمان مطیع کے لیئے یا مسلمان صغیرہ والے کے لیئے۔ یا اس مسلمان کبیرہ والے کے لیئے جو بعد توبہ کے مرا ہے یا اسکے لیئے جو بغیر توبہ کے مرا ہے۔ پہلی صورت تو باطل ہے یقیناً اسلیئے کہ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ الخ کفار کے لیئے شایان نہیں ہے اور دوسری تیسری چوتھی صورت بھی باطل ہے اسلیئے کہ مسلمان مطیع اور مسلمان صغیرہ والا اور وہ مسلمان کبیرہ والا جو تائب ہو کر مرا ہی عقلاً عذاب کے مستحق نہیں ہیں خصم کے نزدیک بھی تو إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ اُن کی شان کے لائق نہیں ہے اور جب اوپر کی سب صورتیں باطل ہو گئیں تو صرف پانچویں صورت ہی باقی رہ گئی یعنے اس مسلمان کے لیئے جو مرتکب کبیرہ تھا اور بغیر توبہ کیئے مرگیا ہے اور جب عیسے علیہ السلام کے لیئے اس قسم کی شفاعت ثابت ہوئی تو محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیئے بطریق اولیٰ ثابت ہوگی وللہ الحمد (۲) اللہ تعالیٰ ابراہیم

علیہ السلام سے حکایت کرتا ہے فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ سو وَمَنْ عَصَانِي الخ کا ذکر کے
لیے صحیح نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ کافر مغفرت کا اہل نہیں ہے اور نہ مسلمان صاحب صغیرہ کے لیئے اور نہ اُس مسلمان صاحب
کبیرہ کے لیئے جو توبہ کرکے مرا ہے اسلیئے کہ خصم کے نزدیک عقلاً اُن کی مغفرت واجب ہے تو وہی مسلمان صاحب کبیرہ رہگیا جو کہ بغیر
توبہ کئے ہوئے مرگیا ہے اور اسکی موید ہے وہ حدیث جو صحیح مسلم اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم نے آیۂ وَمَنْ عَصَانِي الخ اور إِن تُعَذِّبْهُمْ الخ کو پڑھا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھالئے اور دربار آلہی میں
عرض کیا کہ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ اور روئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا کہ اے جبرئیل محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ
گو تیرا رب خوب جانتا ہے پر محمدؐ سے پوچھ کہ کون سی بات تجھے رُلا رہی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آپکے پاس آئے اور پوچھا
اور آپنے اُن کو رونے کی وجہ بتائی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے کہا کہ اے جبرئیل تو محمدؐ کے پاس جا اور اُس سے کہدے کہ ہم
تجکو تیری امت کے بارے میں خوش کردیں گے اور ناراض نہیں کریں گے (۳) اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں فرماتا ہے يَوْمَ
نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ
عَهْدًا یعنے توحید و اسلام کے عہد والا شفاعت کا مالک ہو سکتا ہے اور شفاعت کا مالک ہونا دو طرح کا ہے ایک یہ کہ کوئی اسکی
حق میں شفاعت کرے اور وہ مقبول ہو جاوے تو وہ شخص مشفوع لہ شفاعت کے نفع کا مالک ہوا تو گویا شفاعت ہی کا مالک ہوا
دوسرے یہ کہ دوسرے کے لیئے شفاعت کرسکے سو یہ صورت بھی ظاہر ہے حاصل یہ کہ دونوں طرح کی شفاعت کا مالک وہی ہے
جس نے توحید اور اسلام پر وفات پائی ہو گو گنا ہگار ہو مرتکب کبیرہ اور بغیر توبہ کے مرگیا ہو (۴) اللہ تعالیٰ فرشتوں کی
تعریف میں فرماتا ہے وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ کبیرہ والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتضے
(پسندیدہ) ہے اور جو مرتضے ہو وہ فرشتوں کے مشفوع لہ ہونیکا مستحق ہے۔ اور کبیرہ والے کو ہمنے توحید و ایمان کی وجہ سے
مرتضے کہا ہے اور جسمیں کوئی وجہ مرتضے ہونیکی پائی جاوے وہ مرتضے کہلا سکتا ہے اور شفاعت کا اہل بھی ہو سکتا ہے (۵)
اللہ تعالیٰ کفار کے حالات میں فرماتا ہے فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ تو دلیل خطاب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاصہ کفار کا
ہے کہ کسی کی شفاعت اُن کو نفع نہ دیگی (۶) اللہ تعالیٰ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کرکے فرماتا ہے وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ وجہ استدلال یہ ہے کہ ہم ثابت کرچکے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مومن ہے اور جب یہ ثابت
ہوا کہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے لیئے مغفرت مانگی ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بخش دیا ہے
ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کے لیئے دعا مانگنے کا اسلیئے حکم دیا ہے تاکہ آپکی دعا کو رد کرے اور یہ آپکے
حق میں ایذا اور تحقیر ہے یہ اللہ کی شان اور محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں کی شان سے بعید ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جبکہ اللہ تعالیٰ نے
تمام گنا ہگاروں کے حق میں دعائے مغفرت مانگنے کا آپ کو حکم دیا ہے تو اُن سب کو بخش دیا ہے اور شفاعت کے یہی معنی ہیں (۷)
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص تمکو دعا و سلام
کرے تو تم اُس سے زیادہ عمدہ اُسکو جواب دو اور اگر اتنا نہو سکے تو خیر ویسا کا ویسا ہی جواب دیدو اور اس حکم میں آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم ضرور شامل ہیں اور پھر ہمکو اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم نبی کو درود و سلام بھیجو چنانچہ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور اس میں شک نہیں ہے کہ صلوٰۃ و سلام تحیہ ہے تو بمقتضی فحیوا باحسن منہا ضرور ہوکہ محمد صلے اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ہمکو ہماری صلوٰۃ وسلام کا بہت عمدہ جواب دیں اور خدا سے ہمارے لیئے مغفرت طلب کریں اور یہی شفاعت کے معنی ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ اُن کی مردود نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ اہل کبائر کے لیئے شفاعت ہوگی (۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

اس آیت میں توبہ کا کوئی ذکر نہیں اور آیت میں اسباب کی دلیل ہے کہ جب رسول نے عاصیوں اور ظالموں کے لیئے دعا مغفرت مانگی سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ضرور بخشا اس سے ثابت ہوا کہ اہل کبائر کے حق میں شفاعت مقبول ہے (۹) ہم کہتے ہیں کہ شفاعت محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حال سے خالی نہیں یا تو زیادت منافع کے لیئے ہوگی یا دفع مضرت کے لیئے سو پہلی صورت تو بالکل باطل ہے ورنہ لازم آئیگا کہ ہم محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں شفیع میں جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیئے زیادت فضل طلب کرتے ہیں اور کہتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وغیرہ۔ تو جب یہ صورت باطل ہوئی تو دوسری صورت کا ہونا واجب ہوگیا اور یہی مقصود ہے (۱۰) فرشتوں کی صفت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کبیرہ والا مومن ہے اسی لیئے جنکے لیئے فرشتے مغفرت مانگتے ہیں اُن میں اہل کبائر داخل ہیں بلکہ عین وہی ہیں (۱۱) آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیئے ہے (۱۲) صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر نبی کی ایک دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے سو ہر ایک نبی نے جلدی کی اور دنیا ہی میں وہ دعا مانگ لی اور قبول ہوگئی اور میں نے اُس دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لیئے روک رکھا ہے سو وہ انشاء اللہ شامل اور نافع ہوگی میری امت کے ہر اُس شخص کو جو ایسی حالت میں مرا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتا تھا۔ یہ حدیث بھی صریح دلیل ہے اس بات کی کہ اہل کبائر کے حق میں شفاعت مقبول ہوگی اس لیئے کہ وہ مشرک نہیں ہیں (۱۳) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پکا ہوا گوشت پہنچا اور آپ کو کسی نے اُس میں کا دست دیا اور آپ کو وہ پسند بھی تھا تو آپنے دانتوں سے اُس میں سے ایک بوٹی کاٹ کے کھائی پھر فرمایا کہ میں قیامت کے روز سب لوگوں کا سردار ہوں گا تم جانتے ہو کہ اسکی کیا وجہ ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم نہیں جانتے تو آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریگا سو پکارنیوالا اپنی پکار سب کو سنا سکے گا اور نظر سب میں سرایت کریگی اور سورج قریب ہوگا اور ایسی مصیبت اور غم میں ہوں گے جسکی برداشت نہ کر سکیں گے تو اُن میں سے بعض بعض سے کہیں گے کہ تم اپنی حالت کو نہیں دیکھتے کہ کس حد تک پہنچ گئی ہے تم لوگ کسی ایسے شخص کے پاس کیوں نہیں جاتے جو تمہارے لیئے شفاعت کرے۔ تو اُن میں بعض بعض سے کہیں گے کہ تمہارا باپ آدم ہے (اُسکے پاس چلنا چاہیئے) تو وہ سب لوگ سب کے سب آدم کے پاس جاکے کہیں گے کہ اے آدم تو سب آدمیوں کا باپ ہے اللہ تعالیٰ نے تجھکو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اور اپنی روح تجھ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو اُنہوں نے تجھے سجدہ کیا تو اپنے پروردگار کے حضور میں ہمارے لیئے شفاعت کر تو ہماری مصیبت کو نہیں دیکھتا کہ کس حد تک پہونچی ہے تو آدم اُن لوگوں کے جواب میں کہیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسے غضب میں ہے کہ نہ ایسا کبھی غضبناک ہوا اور نہ ہوگا اور اُس نے مجھے ایک درخت کی ممانعت کی تھی اور مجھ سے اُسکی نافرمانی ہوگئی خود میری جان بچے تو غنیمت ہے مجھے خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم نوح کے پاس جاؤ۔ پھر وہ لوگ نوح کے پاس جاکر کہیں گے کہ اے نوح تو پہلا رسول ہے زمین والوں کی طرف اور اللہ تعالیٰ نے تجکو عبد شکور۔

(قدر دان بندہ) فرمایا ہے تو اپنے پروردگار سے ہمارے لیئے شفاعت کر تو ہماری حالت کو نہیں دیکھتا تو نوح اُن کے جواب میں کہیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ ایسا کبھی غضب ناک ہوا اور نہ ہو گا اور میں نے اپنی قوم کے حق میں بد دعا کی تھی مجھے اُسکی باز پرس کا خطرہ ہے تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم ابراہیم کے پاس جاؤ پھر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاکر کہیں گے کہ اے ابراہیم تو اللہ کا نبی ہے اور زمین والوں میں سے اُسکا خلیل (دلی دوست) ہے اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر تو ہماری حالت نہیں دیکھتا تو ابراہیم اُن کے جواب میں کہیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ ایسا کبھی ہوا اور نہ ہو گا اور مجھ سے تین جھوٹ سرزد ہوئے مجھے اپنی جان کا خوف ہے میری ہی جان بچے تو غنیمت ہے تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم موسیٰ کے پاس جاؤ۔ پھر وہ سب لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاکر کہیں گے کہ اے موسیٰ تو اللہ تعالیٰ کا ایسا رسول ہے کہ تجھکو سب پر اپنی رسالت اور ہمکلامی کی فضیلت دی ہے تو اپنے پروردگار سے ہمارے لیئے شفاعت کر تو ہماری حالت نہیں دیکھتا تو موسےٰ اُن کے جواب میں کہیں گے کہ میرا پروردگار آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ ایسا کبھی ہوا اور نہ کبھی ہو گا اور میں نے ناحق ایک خون کیا تھا مجھے اپنی جان کے لالے پڑ رہے ہیں اپنی جان ہی بچ جائے تو غنیمت ہے تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم عیسےٰ بن مریم کے پاس جاؤ۔ پھر وہ سب لوگ عیسےٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس جاکر کہیں گے تو اللہ کا رسول ہے اور اُسکا کلمہ ہے جسکو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور تو روح ہے اُسکی طرف سے اور جھولے میں تو نے لوگوں سے باتیں کیں (یعنے شیر خوارگی کے زمانہ میں) تو اپنے پروردگار سے ہمارے لیئے شفاعت کر تو ہماری حالت نہیں دیکھتا تو عیسےٰ اُن کے جواب میں کہیں گے کہ آج میرا پروردگار ایسا غضب ناک ہے کہ نہ ایسا کبھی غضبناک ہوا اور نہو گا (اور عیسےٰ نے اپنا کوئی گناہ نہیں ذکر کیا) مجھے اپنی جان کا خوف ہے میری جان ہی بچ جائے تو غنیمت ہے تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ تم محمدؐ کے پاس جاؤ۔ پھر وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے محمدؐ تو اللہ کا رسول ہے اور خاتم النبیین ہے اور اللہ تعالیٰ نے تیرے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے ہیں تو اپنے پروردگار سے ہمارے لیئے شفاعت کر تو ہماری حالت نہیں دیکھتا۔ تو میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں جاکر اجازت مانگونگا تو مجکو اجازت ملجائیگی سو میں جب اپنے پروردگار کو دیکھونگا تو سجدہ میں گر پڑوں گا سو جتنا اُسکو منظور ہو گا اُسی قدر مجھے سجدے میں چھوڑ رکھے گا پھر مجھسے فرمائیگا کہ اے محمدؐ اپنا سر اُٹھا اور کہہ تیری بات سُنی جائیگی اور مانگ تمکو تمہارا مانگا ملیگا اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول ہو گی تو میں اللہ تعالیٰ کی حمد (شکر گزاری) ایسی کرونگا جو اسوقت اللہ تعالیٰ میرے دل میں ڈالے گا پھر میں شفاعت کرونگا تو میرے لیے ایک مقدار معین کی جاویگی تو میں مقدار کے لوگوں کو جنت میں داخل کروں گا پھر لوٹ کے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا سو جب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھوں گا سجدہ میں گر پڑوں گا پھر جتنا اسے منظور ہو گا مجھے سجدے میں رہنے دیگا پھر فرمائیگا کہ اپنا سر اُٹھا اور کہہ تیرا کہا سنا جاویگا اور مانگ تجھے منہ مانگی مراد ملے گی اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جاویگی پھر میں اُسکی حمد اس قسم کی کروں گا جو وہ میرے دل میں ڈالے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک مقدار معین کی جاویگی سو میں اُن کو جنت میں داخل کروں گا پھر لوٹوں گا اور جب اپنے پروردگار کو دیکھوں گا سجدے میں گر جاوں گا تو جتنی دیر اُسے منظور ہو گا مجھے سجدے میں رہنے دیگا پھر کہے گا اے محمدؐ اپنا سر اُٹھا اور کہہ تیرا کہا سنا جائیگا اور مانگ تجھے جو مانگے گا ملیگا اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول ہو گی میں اللہ تعالیٰ کی وہ حمد کروں گا جو میرے دل میں ڈالے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیئے ایک حد مقرر کی جاویگی پھر میں اُن کو جنت میں داخل کروں گا پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں

حاضر ہو کر عرض کروں گا کہ اے میرے پروردگار اب دوزخ میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے یعنے ہمیشہ دوزخ میں رہنا جنکے لئے واجب ہے۔ (۱۴) فلاسفہ کہتے ہیں کہ واجب الوجود (خدا) عام فیض والا ہے پورے جود و بخشش والا ہے اور جس جگہہ وہ فیض اور جود نہیں پایا جاتا تو اُسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ قبول کرنے والے میں اُسکے قبول کی استعداد نہیں ہوتی اور یہ ممکن ہے کہ کسی چیز تک واجب الوجود کا فیض نہ پہونچ سکے اُس چیز کے باعث جس نے اُس فیض کو قبول کرنے سے روک رکھا ہو تو وہ چیز واجب الوجود کے فیض کے درمیان اور اُس چیز کے درمیان آڑ ہو جائیگی اور اسکی مثال محسوسات میں یہ ہے کہ چھت کے نیچے اندر سورج کی دہوپ نہیں پہونچ سکتی تو سورج کی دہوپ اور اندر کے درمیان چھت حائل ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک طشت میں پانی رکھکر مکان میں سورج کے سامنے رکھا جاوے تو اُس پانی میں جب سورج کی شعاع پہونچے گی تو اُسکا عکس چھت کے اندر کی جانب پہونچ جاویگا تو وہ صاف پانی سورج کی دہوپ کو چھت کے اندر پہونچانے کا وسیلہ ہوگا اسی طرح انبیا کی روحیں واجب الوجود اور عوام خلق کے درمیان وسیلہ ہیں ان چودہ دلائل سے ثابت ہوا کہ اہل کبائر کی شفاعت ہوگی اور اُن کے حق میں مقبول بھی ہوگی اور اُن کے سوا اور بھی بہت دلائل ہیں بخوف تطویل چھوڑ دئے گئے ہیں

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ

اول اللہ تعالیٰ نے اجمالاً نعمت کا ذکر کیا تھا اور اب کچھ نعمتیں بطور تفصیل کے ذکر فرماتا ہے سو اس آیت میں پہلی نعمت کا ذکر ہے اور اس میں کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** صاحب کشاف نے کہا ہے کہ لفظ آل اصل میں اَھَل تھا اسلئے کہ اسکی تصغیر اُھَیل آتی ہے لیکن لفظ آل عظیم الشان لوگوں کے بارے میں بولا جاتا ہے جیسے بادشاہ لوگ یا انبیا۔ آل الحجام (نائی کی آل) اور آل الاسکاف (موچی کی آل) نہیں بولا جاتا۔ اور اَھل کا لفظ عام ہے جیسے کہا جاتا ہے اھل الکوفہ اور اھل البلد اور اھل العلم لیکن آل الکوفہ اور آل البلد اور آل العلم نہیں بولا جاتا تو اھل خاصۃ الشیٔ ہوا باعتبار تغلیب کے اور آل خاصۃ الرجل ہوا باعتبار قرابت اور صحبت کے اور ابو عبیدہ امام لغت سے منقول ہے کہ اُس نے ایک فصیح مکی سے لفظ آل اللہ سنا ہے **دوسرا مسئلہ** جو بادشاہ قوم عمالقہ میں سے ہوا کرتا تھا اُسکا لقب فرعون ہوتا تھا فرعون نام نہیں ہے جیسے کہ قیصر اور ہرقل روم کے بادشاہ کا لقب ہے اور کسریٰ فارس کے بادشاہ کا اور تُبّع یمن کے بادشاہ کا اور خاقان ترک کے بادشاہ کا اور فرعون میں دو طرح کا اختلاف ہے ایک یہ کہ ابن جریج نے کئی لوگوں سے نقل کیا ہے کہ فرعون کا نام مصعب بن ریّان ہے اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اسکا نام الولید بن مصعب ہے اور تمام فراعنہ مصر میں سے اس سے بڑھکر کوئی سخت دل اور ظالم نہیں گزرا۔ اور وہب بن منبہ نے اہل الکتاب میں سے نقل کیا کہ فرعون کا نام قابوس تھا اور قبط کی قوم میں سے تھا دوسرا یہ کہ آیا جو فرعون یوسف علیہ السلام کے وقت میں تھا وہی موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تھا یا یہ دوسرا ہے پہلی صورت صحیح نہیں ہے اسلئے مصر میں یوسف علیہ السلام کے داخل ہونے کے اور موسیٰ علیہ السلام کے داخل ہونیکے درمیان چار سو برس سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اور آل فرعون وہ لوگ ہیں جو فرعون کی قوم میں سے تھے اور بنی اسرائیل کو ایذا دیتے تھے۔ اور یسومونکم میں سوم کے معنے ہیں ظلم اور مشقت اور بازاری سودا سلف کا دہندا تو یہاں اسکے معنے چکھانیکے ہونگے۔ اور سوء مصدر ہے۔ ساء یسوء کا معنے برائی۔ اور سوء العذاب کے مطلب میں مفسرین مختلف ہیں۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں فرعون نے اُن کو غلام کر رکھا تھا اور قسم قسم کی سخت مشقتیں لیتا تھا بعضوں سے تعمیر کے کام لیتا تھا اور بعضوں سے کاشتکاری کا اور جو کام

نہ کرنا اُس سے کام کے بدلے جزیہ لیتا تھا۔ اور سُدّی کہتے ہیں کہ فرعون نے اُن کو یعنے بنی اسرائیل کو رذیل اور گندے اور نہایت مشکل کاموں میں لگا رکھا تھا جیسے پاخانہ صاف کرنا اور گارا کیچڑ بنانا پہاڑ وغیرہ کھودنا اور توڑنا اور کر دینا چنانچہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی شکایت جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تھی حکایت فرماتا ہے اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ **تیسرا مسئلہ** بعض کہتے ہیں کہ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ میں ابنا سے مراد بالغ عاقل مرد مراد ہیں اس دلیل سے کہ اُسکے مقابل میں نِسَآءَكُمْ کا لفظ پڑا ہوا ہے لیکن اکثر مفسرین اس سے نابالغ اطفال مراد لیتے ہیں اور یہی اولیٰ ہے۔ اور یَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ کی تفسیر بعض نے اسطرح کی ہے یفتشون حیاء المراۃ ای فرجہا ھل بہا حمل ام لا یعنے عورتوں کی شرمگاہیں کھول کھول کے دیکھا کرتے تھے کہ آیا حاملہ ہے کہ نہیں لیکن یہ تفسیر کرنا قرین قیاس نہیں **چوتھا مسئلہ** فرعون جو بنی اسرائیل کے اطفال کو قتل کرواتا تھا اسکے سبب میں تین روایتیں ہیں اول یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ فرعون اور اسکے ارکین کو یہ خبر پہونچی کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا کہ میں تمہاری اولاد میں انبیا اور بادشاہ پیدا کرونگا تو فرعونیوں کو اسبات سے خوف ہوا اسلیئے تلاش کروا کروا کے نر اولاد کو قتل کرواتا تھا پھر جب دیکھا کہ بڑے تو اپنی موت سے مرے جا رہے ہیں اور چھوٹوں کو ہم قتل کر رہے ہیں جب مرد نہ رہیں گے تو مشقت کے کام کون کریگا اس خوف سے ایک سال کے بچوں کو قتل کرتے تھے اور ایک سال کے لڑکوں کو چھوڑ دیتے تھے دوم یہ کہ سُدّی کہتے ہیں کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی ہے اور مصر کے تمام گھروں کو اُس نے گھیر لیا اور قبطیوں کو اُس نے جلا دیا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا تو فرعون نے کاہنوں کو بلا کر اسکی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بیت المقدس سے ایک ایسا شخص نکلے آویگا کہ قبطیوں کی ہلاکت اُسی کی ہاتھوں ہوگی سوم یہ کہ منجموں نے فرعون کو اس بات کی خبر دی اور سنہ اور تاریخ بھی معین کر دی۔ لیکن پہلی روایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم۔
اور وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ میں لفظ بَلَآءٌ کے معنے نعمت اور عذاب دونوں کے آتے ہیں اور دونوں یہاں ممکن ہیں اگر يَسُوْمُوْنَكُمْ کی طرف اشارہ ہو تو عذاب کے معنے مراد ہوں گے اور اگر نَجَّيْنٰكُمْ سے متعلق ہو تو نعمت کے معنی ہونگے اور اصل بَلَآءٌ کے معنے آزمائش کے ہیں تو آزمائش اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی چنانچہ زہیر شاعر کہتا ہے ؎

جزی اللہ بالاحسان ما فعلا بکم — وابلاھما خیر البلاء الذی یبلو

اور مناسب بھی یہاں زیادہ تر نعمت ہی کے معنی ہیں واللہ اعلم

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دوسری نعمت کو ذکر فرماتا ہے اور فَرَقْنَا کے معنے فصلنا یعنے اُس میں فاصلہ کر دیا اور پار جانے کے لیئے راستے ہو گئے اور فَرَّقْنَا رائے مہملہ کی تشدید سے بھی ایک قرات میں ہے۔ اور بِکُمْ میں بائے سببیت ہے۔ اور غرق فرعون کا قصہ اسطرح پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو فرعون اور قبطیوں کا غرق کرنا منظور ہوا اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی تھا کہ ان میں سے کوئی ایمان نہیں لاویگا تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا کہ قبطیوں سے زیور عاریت مانگیں اور اسکی دو وجہیں تھیں ایک یہ کہ اُسکے سبب سے بنی اسرائیل کا تعاقب ضرور کریں گے دوسری یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ میں اُن کا مال آوے گا پھر تیسرے پہر جبرئیل علیہ السلام اُترے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم راتوں رات اپنی قوم کو یہاں سے نکال لیجاؤ۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اور بنی اسرائیل کل چھ لاکھ تھے اس لیئے کہ انکے بارہ قبیلہ تھے اور

ہر قبیلہ (۵۰۰۰۰) پچاس ہزار تھا — موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکے نکل گئے تو فرعون کو خبر ہوئی تو لوگوں سے کہا کہ اُن کا تعاقب مرغ کے آواز دینے یعنے صبح سے پہلے مت کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس رات مرغ نے آواز بھی نہ کی جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری منگوائی سو وہ ذبح کی گئی پھر کہا کہ میں اس بکری کا کلیجا کھا چکنے نپاؤں کہ قبط کے چھ لاکھ آدمی میرے پاس آن حاضر ہوں اور قتادہؓ کہتے ہیں کہ بارہ لاکھ قبطی حاضر ہوا اور سب نر گھوڑوں پر سوار تھے تو دن دہاڑے اُن کے تعاقب کے لیئے نکلے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ یعنے سورج کے نکلنے کے بعد اُنہوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ نے کہا کہ ہم تو اب پھنسے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میرا رب میرا رہبر ہے جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو دریا کے پاس لے پہونچے تو یوشع بن نون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تیرے رب نے تجکو کہاں جانیکا حکم دیا ہے اُنہوں نے کہا کہ دریا کی طرف تو یوشعؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دریا میں گھُسے یہاں تک کہ جب گہرائی میں پہونچے تو اُن کا گھوڑا تیرنے لگا اور وہ گھوڑے پر ہی تھے پھر باہر نکلے اور موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تجکو تیرے رب نے کہاں جانیکا حکم دیا ہے اُنہوں نے کہا دریا کی طرف تو یوشعؑ نے کہا کہ واللہ تو جھوٹا نہیں اور یوشعؑ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا پھر اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا میں مار سو دریا پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا اُسکا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا اور بنی اسرائیل کے لیئے بارہ راستہ نکل آئے اور راستوں میں پانی کی تراوت سے کیچڑ تھی اللہ تعالیٰ نے باد صبا کو ایسا چلایا کہ سب کیچڑ خشک ہو گئی تو سب بنی اسرائیل سوکھے رستہ پر چلنے لگے اور پانی کے ٹیلوں کے سبب سے ایک گروہ دوسرے گروہ کو نہیں دیکھ سکتا تھا پس اللہ تعالیٰ اُن میں ایسے سوراخ کر دئے کہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر فرعون اُنکا تعاقب کرتا ہوا دریا کے کنارے تک پہنچا تو ابلیس کو فرعون کو منع کیا کہ دریا کے رستہ میں مت داخل ہونا اور فرعون کا یہ قصد ہو چلا تھا کہ بنی اسرائیل کے پیچھے ہی پیچھے جاوے تو ابلیس کے کہنے سے اپنے قصد کو فسخ کر دیا تو جبرئیل ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور فرعون نر گھوڑے پر سوار تھا جبرئیل فرعون کے آگے ہو کر چلے تو فرعون کا گھوڑا گھوڑی کی بو سونگتے ہی اُسکے ہی آگے بڑھا اور فرعون کے پیچھے پیچھے اور سب لوگ بھی چلدئے جب فرعون دریا میں داخل ہو چکا تو میکائیل علیہ السلام نے ایک آواز دی کہ پچھلوں کو پہلوں سے ملا دو جب سب کے سب دریا کے پیٹ میں پہنچ گئے تو تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا تو سب فرعونیوں پر آن گرا اور سب ڈوب گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ تو بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے وہ لوگ غرق ہوئے اور کہتے ہیں کہ وہ عاشورہ کا دن تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اُسدن شکریہ کا روزہ رکھا تھا۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اس آیت میں تیسرے انعام کا ذکر ہے۔ اس سورت میں اور سورۂ اعراف اور طٰہٰ میں ابو عمرو اور یعقوب نے وعدنا موسیٰ بغیر الف کے پڑھا اور باقی قاریوں نے واعدنا الف کے ساتھ تینوں مقاموں میں پڑھا اور اس آیت میں بہت مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** لفظ موسیٰ عبرانی ہے اور دو کلموں سے مرکب ہے مُو کے معنے پانی اور سا کے معنے درخت کے ہیں اور اُن کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اُن کی ماں کو اُن کی جان کا خوف ہوا تو اُن کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالدیا تھا تو دریا کی موجوں نے اُس صندوق کو اُن درختوں میں جا پھینکا جو فرعون کے دروازہ کے سامنے تھے تو فرعون کی بیوی آسیہ کی لونڈیاں جو نہانے کو آئیں تو اُنہوں نے اُس صندوق کو پکڑ لیا تو چونکہ پانی میں ڈالے گئے اور درختوں میں جا پہنچے اس لئے اُن کا نام ان دونوں چیزوں سے مرکب کر کے رکھا گیا یعنے مُوسا لیکن عربی کتابت میں سا کو الف سے نہیں لکھتے بلکہ یے سے واللہ اعلم۔

دوسرا مسئلہ اربعین لیلۃ کہا ہے اور اربعین یوماً نہیں کہا اسلئے کہ قمری مہینوں کی ابتدا سے رات سے ہی ہے پھر اگر کہا جاوے کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ اول ہی سے (۴۰) رات کا حکم ہوا تھا اور سورۂ اعراف میں ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اول (۳۰) رات کا حکم ہوا تھا پھر اُسکے بعد دس اور بڑھائے گئے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول (۳۰) رات کا حکم ہوا تھا پھر اُسکے بعد دس اور زیادہ کر دے گئے تو سورۂ اعراف میں بتفصیل بیان فرما دیا اور مجموعی طور پر ذکر کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیس کو مہینے کی تعداد بتانے کے لئے جدا بیان کیا تو کہ معلوم ہو کہ ایک مہینہ دس دن کا حکم ہوا۔ اور حسن بصری رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ سورۂ اعراف میں جدا جدا اس غرض سے ذکر نہیں فرمایا کہ پہلے تیس کا پھر دس کا وعدہ دیا بلکہ اُسکا جدا جدا ذکر کرنا ایسا تھا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ **تیسرا مسئلہ** اہل سیر کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا وعدہ دیا کہ میں تجھپر توریت اُتاروں گا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ تو میری جانشینی کر میری قوم میں اور اصلاح و مصلحت پر ہو اور مفسدوں کا طریق مت اختیار کیجو جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چلے گئے اور بنی اسرائیل کے پاس وہ زیور اور کپڑے باقی تھے جو قبطیوں سے عاریت لیئے تھے تو ہارون علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ یہ زیور اور کپڑے تمپر حلال نہیں اسلیئے اُن کو جلادو۔ اور سامری نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی مٹی لے لی تھی اسلیئے اُس نے اپنے پاس کے زیور کا ایک بچھڑا بنایا اور اس میں وہ مٹی ڈال دی تو اُس سے آواز آنے لگی تو قوم بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود یہی تھا لیکن موسیٰ بھول کر کوہ طور پر خدا کو ڈھونڈنے گیا ہے۔ تو بنی اسرائیل نے اُسکا کہنا مان کر بچھڑے کی عبادت شروع کر دی **چوتھا مسئلہ** وانتم ظالمون میں ظلم کی تفسیر میں دو وجہیں ہیں اول یہ کہ ابو مسلم نے کہا کہ اصل لغت میں ظلم کے معنی کمی کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا تو اس بنا پر مطلب آیت کا یہ ہوا کہ جب اُنہوں نے خالق مالک زندہ کرنے والے مارنے والے پروردگار کی خالص عبادت چھوڑ دی تو دین اور دنیا دونوں کی بھلائیوں میں ناقص رہے (یا یہ کہ اللہ کی عبادت میں اور اسکے حق میں کمی کی) دوم یہ کہ عرف شرع میں ظلم اُس ضرر کو کہتے ہیں جسپر کوئی نفع مترتب نہو اور نہ اُس کی وجہ سے اُس سے بڑی تکلیف دور ہو اور دوسرے کی طرف سے مستحق بنا اُسکے علم یا ظن میں پھر جب کوئی ایسا فعل کرے اور اس سے سزایاب ہو تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور جب غیر اللہ کی عبادت کرنا دوزخ میں پہنچاتا ہے اسلیئے اسکو ظلم کہا گیا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ تو بھلا جو چیز دوامی عذاب کا باعث ہو اُس سے بڑھکے اور کونسا ظلم ہوگا +

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

اس آیت میں چوتھا انعام ہے۔ اور فرقان سے مراد اس جگہہ یا تو عین کتاب توراۃ اور واو عاطفہ عطف تفسیری کے لیئے ہے اور یا جو کچھ توراۃ میں بیان توحید ہے اور یا جو علاوہ توراۃ کے ہے مثلاً معجزات یا نصرت اور فرعون سے نجات پانا اور یا بنی اسرائیل کے لیئے دریا کا پھٹنا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اس آیت میں پانچویں نعمت کا ذکر ہے یعنے اُن کی توبہ قبول کر لینا اور اپنی مغفرت اُن کو عطا کرنا اور یہ بھی بڑی بھاری نعمت ہے گو قتل فی نفسہ نعمت نہیں ہے لیکن محبوب حقیقی نے جو بے انتہا جرم یعنے شرک کے مقابل قتل کو کفارہ قرار دیا اس سے اور کیا بڑی نعمت ہوگی اور نزول قرآن کے وقت اُنپر یہ انعام ہوا کہ اب وہ قتل بھی تم سے اُٹھا دیا گیا دل سے خالص توبہ کرکے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کروگے تو تمہارے سب اگلے گناہ معاف کردئے جاوینگے۔ اور اس قتل کی تفسیر میں کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ اُن کو حکم ہوا کہ خودکشی کرلو دوسری یہ کہ اُن کے قتل کا حکم ہوا اور اُن کو سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا تیسری یہ کہ قتل سے مراد توبہ خالصہ ہے اور نفس کی مخالفت گویا نفس کا قتل ہے اور بہت لوگ اسی طرف گئے ہیں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اس آیت میں چھٹے انعام کا ذکر ہے۔ اور اس میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اس انعام کا بیان کئی وجہ سے ہو سکتا ہے اول یہ کہ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری نعمت کو یاد کرو جبکہ تمنے موسٰے سے کہا تھا کہ ہم کبھی تجھپر یقین نہیں لائیں گے جب تک کہ خدا کو سامنے نہ دیکھ لینگے تو تمہارے اس کہنے پر تمکو بجلی نے ہلاک کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر میں نے تمکو زندہ کر دیا تو کہ تم اپنی سرکشی سے توبہ کرو اور دائمی عذاب سے بچو اور ثواب حاصل کرو دوم یہ کہ اسمیں اُن اہل کتاب کے لیئے تنبیہ ہے جو کہ ہمارے نبی محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں تھے کہ اگر تم ایسا کروگے تو مبادا وہی عذاب تمپر نازل ہو جو اُنپر نازل ہوا تھا۔ سوم یہ کہ جیسے ان اہل کتاب کے اسلاف موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا کرتے تھے ایسا ہی یہ لوگ بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا انکار کرتے ہیں اور دلائل حقیت جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے ظاہر تھے اُس سے بڑھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور معجزات کے دلائل واضح ہیں۔ سو جیسے پہلے مستحق عذاب کے ہوئے ایسے یہ بھی مستحق عذاب کے ہیں۔ چہارم یہ کہ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اولی العزم انبیا کا بھی لوگ ایسا ہی انکار کیا کرتے تھے اور تکلیفیں دیتے تھے تو انہوں نے صبر کیا اسی طرح تم بھی صبر کرو۔ پنجم یہ کہ اس میں اُس معترض کے شبہہ کا ازالہ ہے جو کہتا ہے کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت حق ہوتی تو سب سے پہلے اہل اُنپر ایمان لاتے اس لیئے کہ وہ اُن کی حالت سے واقف تھے تو ایسے اعتراض کرنے والے کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب اہل کتاب موسیٰ علیہ السلام کی حقیت کے دلائل مشاہدہ کرتے تھے پھر مرتد ہو جاتے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیت پر انکا اول ایمان لانا کب دلیل حقیت ہو سکتی ہے اس لیئے کہ اہل کتاب حق کے تابع ہی نہیں۔ ششم یہ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود اُمی (بے لکھے پڑھے) ہونے کے ایسے ایسے قصوں کی خبر دی تو ثابت ہوا کہ اُن کا یہ خبر دینا بذریعہ وحی تھا **دوسرا مسئلہ** اس واقعہ کے وقت کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کے پوجنے والوں کو یہ تکلیف دی کہ تم قتل ہو جاؤ تو اُسکی تعمیل سے قبل یہ واقعہ ہوا۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے لوٹے اور اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھا اور اپنے بھائی سے اور سامری سے جو کہنا تھا سو کہا اور بچھڑے کو جلا کر دریا میں ڈالدیا تو اپنی قوم میں سے ستر آدمی چیدہ نکالکر کوہ طور کی طرف لے گئے جب طور کی طرف نکلے تو اُن آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ تو اپنے رب سے سوال کر کہ وہ ہمکو اپنی آواز سے اپنا کلام سنادے تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی جب موسیٰ کوہ طور کے قریب پہونچے تو اُنپر ایک ستون بادل کا گرا اور سب کوہ طور مس

بادل سے ڈھک گیا اور موسٰی علیہ السلام اس بادل کے قریب ہو کر اس میں داخل ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی کہا کہ اندر چلے آؤ اور سنو اور موسٰی علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ جب اُن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا تو اُن کے ماتھے پر ایسی روشنی اور نور گرتا کہ بنی آدم میں سے کوئی شخص اُسکے دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتا تھا اور اُن سب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سُنا جو کہ موسٰی سے فرماتا تھا کہ فلاں کام کر اور فلاں کام مت کر جب کلام الٰہی جو موسٰی کو سنانا منظور تھا تمام ہو چکا تو موسٰی سے بادل کھل گیا تو اُن لوگوں نے موسٰی علیہ السلام سے اُسکے بعد یہ کہا کہ ہم کبھی تجھ پر یقین نہیں لانے کے جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھلیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر بجلی گری اور وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔ تو موسٰی علیہ السلام اپنی بیہوشی سے افاقہ پا کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے کہ اے میرے مالک میں ستر آدمی اپنی قوم سے اس لیئے چنکر لایا تھا کہ میرے گواہ ہوں اسبات کے کہ اُن کی توبہ قبول ہو گئی اور اب میں اُن کے پاس جاؤں گا اور میرے ہمراہ کوئی نہیں ہوگا تو وہ لوگ مجھ سے کیا کہیں گے تو موسٰی علیہ السلام اسی دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی روحوں کو لوٹا دیا اور موسٰی علیہ السلام نے بچھڑے کی عبادت کے بارے میں بنی اسرائیل کی توبہ پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک قتل نہوں گے قبول نہوگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اس قتل ہونے سے بعد کو واقع ہوا ہے۔ سدّی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی بایں طور کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو قتل کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام کو حکم دیا کہ کئی آدمیوں کو لیکر میرے پاس آؤ تا کہ وہ آدمی جو باقی تھے بچھڑے کی عبادت کے بارے میں میرے سامنے عذر کریں تو موسٰی علیہ السلام نے ستر آدمی بنی اسرائیل سے چنے جب وہ لوگ موسٰی علیہ السلام کے ہمراہ کوہ طور پر پہنچے تو موسٰی علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم کبھی تجھ پر یقین نہیں لائیں گے جب تک کہ خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تو اُن کو بجلی نے پکڑا اور مر گئے تو موسٰی علیہ السلام اُٹھکر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے میرے مالک میں بنی اسرائیل سے جا کے کیا کہونگا اسلیئے کہ میں نے اول اُن کو قتل ہونے کا حکم دیا اور انکے بقیہ میں سے اُن لوگوں کو چنکے لایا تھا اور جب لوٹ کے جاؤں گا تو میرے ساتھ کوئی نہوگا تو میں اُن سے کیا کہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے موسٰی علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ یہ ستر بھی اُنہیں لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا تو موسٰی علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ تیری ہی آزمائش ہے جسے چاہے اُس میں گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت کرے تو ہمارا مالک ہے سو ہماری مغفرت کر اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر مغفرت کرنے والا ہے اور ہمارے لیئے اس دنیا میں بھی نیکنامی لکھ اور قیامت میں بھی ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن بنی اسرائیل کو زندہ کر دیا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں کر زندہ کر دیا۔ پھر اُن لوگوں نے موسٰی علیہ السلام سے کہا کہ اے موسٰی تو جو کچھ خدا سے مانگتا ہے وہی چیز خدا تجھکو دیدیتا ہے تو اُس سے دعا مانگ کہ اللہ تعالیٰ ہمکو انبیا بنا دے تو موسٰی علیہ السلام نے یہی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کر لی اب جاننا چاہیئے کہ آیت میں ان دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح نہیں پائی جاتی اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے رویت کا سوال کیا تھا بچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے تھے یا نہ۔ مسئلہ لن نؤمن لک کے معنے لن نصدقک کے ہیں اور جہرۃً کے معنے عیاناً اور یہ مصدر ہے جہرۃً بالقراءۃ و بالدعاء کا گویا جو آنکھ سے دیکھنے والا ہے وہ رویت کا جہر کرنے والا ہے اور جو دل سے دیکھنے والا ہے وہ رویت کا آہستہ اور پست کرنے والا ہے۔ اور جہرۃً کا نصب اسلیئے ہے کہ یہ مفعول مطلق نوعی ہے۔ یا منصوب ہے حالیت پر گویا تقدیر ذوی جہرۃ تھی۔ اور ایک قراءت میں جَہَرۃً ہائے ہوز کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے اس قراءت میں یا تو جہرۃ مصدر ہوگا بروزن غلبۃ اور یا جاہر کی جمع ہوگی جیسے فَجَرۃ جمع فاجر کی قفال کہتے ہیں کہ جہرۃ کی اصل ظہور سے ہے

کہا جاتا ہے جہرت الشئ کشفتہ وجہرت البئر اذا کان ماؤھا مغطی بالطین فنقیتہ حتی ظہر ماؤہ اور کہا جاتا ہے صوت جہیر ورجل جہوری الصوت اذا کان صوتہ عالیا اور کہا جاتا ہے وجہ جہیر اذا کان ظاہر الوضاءۃ اور وہ لوگ جہرۃ کا لفظ اس لئے بولے کہ رویت قلبی یعنی علم کا یا رویت منامی یعنے خواب کا دیکھنا نہ سمجھا جاوے بلکہ عینی رویت یعنے صحیح آنکھ کا دیکھنا سمجھا جاوے **چوتھا مسئلہ** اس مقام پر صاعقہ کے معنوں میں مفسرین مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اُسکے معنے موت کے ہیں اور یہی قول قتادہ اور حسن بصری کا ہے اور دلیل اُن کی یہ آیت ہے فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ اور یہ قول کئی وجہ سے ضعیف ہے اول یہ کہ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صاعقہ کے معنی موت کے ہوتے تو اسکو دیکھنا کیسے ممکن ہوتا دوم یہ کہ اللہ تعالی فرماتا ہے وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا تو اس آیت میں اللہ تعالی نے صاعقہ کو موسی علیہ السلام کے حق میں ثابت کیا اور حالانکہ مرے نہ تھے اس دلیل سے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے فَلَمَّا اَفَاقَ اور موت سے افاقہ نہیں ہوتا ہے بلکہ غشی سے ہوتا ہے سوم یہ کہ صاعقہ خود سبب موت ہے نہ عین موت چہارم یہ کہ موت کا سبب جبکہ اُن کے مشاہدے میں نہ آوے تو کامل عذاب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اُن کے دیکھتے دیکھتے جب انپر تباہی آوے تب موجب شدت عذاب کی ہوتی ہے دوسرا قول یہ ہے صاعقہ سبب موت ہے عین موت نہیں ہے اور یہی قول محققین کا ہے اور اسی لیئے اللہ تعالی سورہ اعراف میں فرماتا ہے فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ **پانچواں مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ وہ سبب کیا چیز تھی بعض کہتے ہیں کہ آسمان سے آگ آئی تھی اس نے اُن کو جلا دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آسمان سے بجلی آئی اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کئی لشکر بھیجے جنکی آہٹ سنتے تھے اور وہ دکھائی نہیں دیتے تھے جب اُن کی آہٹ پائی تو ایک دن رات میں مرکے گر پڑے **چھٹا مسئلہ** مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ کی قید اس لیئے لگائی ہے کہ بعث کی خصوصیت موت سے نہیں ہے کیونکہ بعث کا معنے اٹھانا اور بھیجنا ہے اور جگانا بھی ہے جیسے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے فَضَرَبْنَا عَلٰى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا تو اس جگہ بَعَثْنٰهُمْ کے معنی اَيْقَظْنٰهُمْ کے ہوئے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

اس آیت میں ساتواں انعام ہے۔ اور سیاق آیت اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ تظلیل بعث کے بعد واقع ہوئی لیکن کوئی ضروری نہیں کہ بعد ہی ہوئی ہو تظلیل کے معنی سائبان بنانا اور سایہ کرنا اور مَنّ کے معنے ترنجبین کے ہیں کہ برف کی طرح طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک اُترتی تھی ہر آدمی کے لیئے ایک صاع (ڈیڑھ سیر)۔ اور سلوی کے معنی سُمانی (بٹیر جنگلی) وہ اسقدر اُن کے پاس آجاتے تھے جتنے اُن کو کافی ہوتے ہر ایک شخص اپنی کفایت کے موافق ذبح کر لیا کرتا تھا اور وَمَا ظَلَمُوْنَا کا مطلب ہے کہ ایسی بے مشقت نعمت کو جو کھو بیٹھے تو ہمارا کیا بگاڑا بلکہ اپنی ذات پر انہوں نے ستم کیا کہ ناشکری کرکے ایسی بڑی نعمت سے محروم ہو گئے

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ اس آیت میں آٹھویں انعام کا ذکر ہے۔ اور اس آیت میں کئی مسائل ہیں **پہلا مسئلہ** اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ میں امر اباحت نہیں ہے بلکہ امر تکلیف ہے اور اسکی دو وجہیں ہیں اول یہ کہ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا فرمایا اور سجدہ ایک فعل شاق ہے

نفس پر اسلیئے اسکا حکم دینا امر تکلیف ہوگا نہ امر اباحت دوم یہ کہ دوسری جگہہ فرمایا اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ یہ بھی امر تکلیف ہونے پر دلالت کرتی ہے **دوسرا مسئلہ** هٰذِهِ الْقَرْيَةَ سے کوئی قریہ خاص معلوم نہیں ہوتا کہ کونسا تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ تھا تو ایک ہی قریہ لیکن قرآن سے اسکی تخصیص صاف معلوم نہیں ہوتی اسی لیئے اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ بیت المقدس ہے اور یہی قول قتادہ اور ربیع اور ابو مسلم اصفہانی کا ہے اور اُن کی دلیل سورہ مائدہ کی یہ آیت ہے اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ اور اس میں شبہہ نہیں ہے کہ مراد اس سے ایک ہی قریہ ہے دوسرا یہ کہ وہ مصر ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ اریحا ہے اور یہ بیت المقدس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے۔ اور یہی قول ابن عباسؓ اور ابی زید کا ہے۔ اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ وہ قریہ بیت المقدس اسلیئے نہیں ہو سکتا کہ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا میں فائے تعقیب ہے اسلیئے ضرور ہوگا کہ تبدیل امر کے بعد متصل ہی واقع ہوتی موسیٰ علیہ السلام کی زندگانی میں لیکن موسیٰ علیہ السلام کا انتقال تیہ (جنگل) میں ہوا بیت المقدس میں نہیں داخل ہونے پائے تو ثابت ہوا کہ اس قریہ سے مراد بیت المقدس نہیں ہے۔ اور پہلے قول والے یہ جواب دیتے ہیں کہ کچھ ضرور نہیں کہ امر دخول موسیٰ علیہ السلام ہی کی زبان پر ہوا ہو بلکہ ممکن ہے کہ اُن کے خلیفہ یوشع بن نون کی زبان پر ہوا ہو واللہ اعلم **تیسرا مسئلہ** اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا میں ابن عباس اور ضحاک اور مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کا ایک دروازہ باب الحطہ کے نام سے مشہور تھا اُس میں سے داخل ہونے کا حکم ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے کسی خاص دروازے سے داخل ہونے کا حکم نہیں ہوا اس صورت میں الف لام الباب۔ کا عوض مضاف الیہ ہوگا۔ اور سُجَّدًا سے بعض لوگ حقیقی سجدہ مراد لیتے ہیں اور بعض انحناء (رکوع کی طرح جھکنا) مراد لیتے ہیں لیکن حقیقی معنے اول معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم **چوتھا مسئلہ** حِطَّةٌ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ عربی لفظ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عربی نہیں ہے اور پھر اسکا معنے یا توبہ ہیں مسئلتنا حطۃ یعنے ہمارا سوال حطہ ہے یعنے ہمارے گناہ معاف کئے جاویں۔ اور ایک قرأت میں حطۃً تے کی فتحہ کے ساتھ ہے **پانچواں مسئلہ** نَغْفِرْ لَكُمْ کو اللہ تعالیٰ احسانات اور انعامات کے ضمن میں لایا ہے اسلیئے عقلاً اللہ تعالیٰ پر بندوں کی مغفرت واجب نہیں ہے بخلاف معتزلہ کے کہ اُن کے نزدیک واجب ہے اور لفظ نغفر لکم میں کئی قرأتیں ہیں (۱) ابو عمرو اور ابن المنادی کی قرأت نون کے ساتھ اور فاء کا کسرہ (۲) بجائے نون کے یائے تحتانیہ مفتوحہ کے ساتھ (۳) اہل مدینہ اور جبلہ کی بروایت مفضل تائے فوقیہ مضمومہ اور فائے مفتوحہ کے ساتھ (۴) حسن اور قتادہ اور ابو حیوہ اور جحدری کی قرأت میں یائے تحتانیہ مضمومہ اور فائے مفتوحہ کے ساتھ۔ لیکن معنی کو ان تغیرات سے کچھ تغیر نہیں ہوتا **چھٹا مسئلہ** خَطٰيٰكُمْ میں (۱) جحدری کی قرأت خطیئتکم ہے یعنے طاء کے بعد یائے تحتیہ پھر ہمزہ پھر تائے فوقیہ مضمومہ (۲) اعمش کی قرأت ہمزہ کے بعد الف پھر تائے فوقیہ مکسورہ (۳) اسی طرح لیکن تائے فوقیہ مضمومہ ہے حسن کی قرأت میں (۴) خطأیاکم طاء کے بعد ہمزہ ساکنہ پھر یائے تحتیہ پھر الف کسائی کے نزدیک (۵) بجائے طاء کے یائے تحتیہ کے بعد ہمزہ ساکنہ ابن کثیر کی قرأت میں (۶) کسائی کے نزدیک طاء اور تا کے کسرہ کے ساتھ (۷) اوروں کے نزدیک فقط یائے تحتیہ کے امالہ سے **ساتواں مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا میں کونسی تبدیل مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تحریف کلمہ نہیں بلکہ حکم کی تعمیل نہ کرنا مراد ہے جیسے سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ میں ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ تک کہ اس جگہہ تبدیل سے مراد مخالفت حکم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تبدیل حقیقی مراد ہے اور جمہور مفسرین اسی طرف گئے ہیں اسلیئے کہ تبدیل بدل سے مشتق ہے تو بدل کا ہونا ضروری ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلان بدل دینہ

ای انتقل من دین الی دین اٰخر اور آیہ کریمہ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ اسی کی مؤید ہے پھر تبدیل کی حقیقت میں اختلاف ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل چوتڑ گھسیٹتے ہوئے اور حنطۃ من شعیرۃ کہتے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ وہ لوگ دروازے کی طرف چوتڑ کر کے حنطۃ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ اور ابن زید نے کہا کہ بنی اسرائیل نے یہ حرکت موسیٰ علیہ السلام سے تمسخر کرنے کی غرض سے کی اور کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمکو کھلونا بنا رکھا ہے جب چاہتا ہے ہمسے ایسے ہی بیہودہ کام کرا لیتا ہے بھلا حطۃ حطۃ کیا چیز ہے **آٹھواں مسئلہ** فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ میں تین بحثیں ہیں اول یہ کہ اُن کو ظالم اسلئے کہا گیا کہ ظلم کے معنی ہیں وضع الشئی فی غیر موضعہ تو انہوں نے حکم الٰہی کو مقام تسلیم میں نہیں رکھا یا یہ کہ اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ دوم یہ کہ لفظ ظلموا کو مکرر اسلئے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ اُن کا ظلم حد کو پہنچ گیا تھا سوم یہ کہ رجز کے معنی عذاب کے ہیں چنانچہ دوسری جگہہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا وَقَعَ عَلَیْھِمُ الرِّجْزُ ای العقوبۃ اور اسی طرح ہے لَئِنْ کَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ اور زجاج نے کہا ہے کہ رجز اور رجس دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ پھر اس عذاب کی طرف قرآن مجید میں کچھ اشارہ نہیں ہے لیکن ابن عباس کہتے ہیں کہ اُنپر ناگہانی موت آگئی کہ ایک گھنٹہ میں چوبیس ہزار آدمی مر گئے اور اُن میں کا ایک بھی نہ بچا **نواں مسئلہ** بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ میں فسق سے مراد وہ خروج ہے جس سے دوسرے کو مضرت پہونچے جیسے کہ کہتے ہیں فسقت الرطبۃ اذا خرجت من قشرھا اور شریعت میں فسق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنے کو اُسکی معصیت کی طرف **دسواں مسئلہ** فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا سے بعض علما نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو اوراد و اذکار شارع کی طرف سے وارد ہوئے ہیں ان کی تغیر و تبدیل ناجائز ہے مثلاً تکبیر تحریمہ ہے کہ اُسکی جگہہ کوئی اور تعظیم کے الفاظ رکھدیے یا بایں طور کہ اُن الفاظ میں سے کسی سے نماز شروع کرے ہرگز جائز نہیں ہے چنانچہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہی استدلال کیا ہے تحریم نماز کے بارہ میں اور ابو بکر رازی یہ جواب دیتے ہیں کہ بنی اسرائیل تبدیل سے اسوقت مستحق مذمت ہوئے تھے جبکہ تبدیل سے اُنہوں نے مقصود شرعی بدل دیا تھا اور اُسکے برخلاف تعمیل کی تھی اس بنا پر اگر لفظ بدلنے سے معنی نہ بدلیں تو تبدیل میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اسکا جواب یہ ہے کہ فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کسی قسم کی تبدیل اچھی نہیں ہے اور ناجائز ہے اور نیز تبدیل سے شارع نے جو الفاظ معین کیے ہیں ان کی تعیین بے سود ثابت ہوتی ہے +

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ؕ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○

یہاں سے نواں انعام شروع ہوا اور اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** عام قرارت اثنتا عشرۃ میں شین کے سکون کے ساتھ ہے اور یہی اولیٰ ہے اور اکثر قُرا بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اور ابو جعفر کی قرارت میں شین کا کسرہ ہے اور بعض کے نزدیک فتحہ ہے **دوسرا مسئلہ** جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ یہ استسقا (پانی کا مانگنا) تیہ (جنگل) میں واقع ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اُنپر بادلوں کا سایہ کیا تھا اور اُنپر من اور سلویٰ اتارا تھا اور کپڑے ایسے بنا دیے کہ نہ میلے ہوں نہ پھٹیں اور اُن کو پیاس کا خوف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک پتھر سے پانی نکال دیا **تیسرا مسئلہ** اس میں اختلاف ہے کہ عصا کس چیز کا تھا بعض کہتے ہیں کہ ایک لکڑی تھی جو کسی درخت میں سے کاٹ لی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جنت کے ایک درخت سے بنایا گیا تھا جس کو آس بولتے ہیں اور اُسکا طول موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر تھا دس ہاتھ کی طرف اُسکی دو شاخیں تھیں کہ

اندھیرے میں روشن ہوا کرتی تہیں اور قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ ایک عصا تھا جیسے معمولی عصا ہوتے ہیں اور معجزے کے وقت بڑا سانپ ہوجاتا تھا اور اس قسم کی روایت پر کہ ایسا بڑا تھا اور اس قسم کی اسکی شاخیں تہیں بے بنیاد روایتیں ہیں اور شریعت بالکل اُنپر موقوف ہنیں اور نہ مرفوع صحیح کوئی روایت اس میں پائی جاتی ہے اسلیئے ایسی روایتوں کا ترک اولی ہے۔ اور الحجر کا الف لام یا عہد ذہنی کے لیئے ہے یعنے ایک کوہ طور کا پتھر تھا کہ اُسکو اپنے ساتھ اُٹھائے پہرتے تھے اور وہ مربع چار مونہوں والا تھا کہ اُسکے ہر مونہ سے ضرورت کے وقت پانی کے تین چشمے اُبلتے تھے ہر چشمہ ایک خاص قبیلہ کا تھا اور بنی اسرائیل کی کل تعداد چھ لاکھہ آدمی کی تھی اور کل بنی اسرائیل بارہ قبیلہ تھے اور بارہ میل مربع میں سماتے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر جنت سے آیا تھا آدم علیہ السّلام کے ہمراہ پھرتے آتے شعیب علیہ السّلام کے پاس پہونچا عصا کے ہمراہ پھر وہاں سے موسیٰ علیہ السّلام کو ملگیا اور یہ وہی پتھر تھا جسپر موسیٰ علیہ السّلام نے غسل کے وقت اپنے کپڑے رکہے تھے اور یہ پتھر اُن کے کپڑوں کو لیکے بھاگ گیا تھا تو جبرئیل نے اسی پتھر کے حق میں موسیٰ علیہ السّلام سے کہا کہ اُس پتھر کو اپنے پاس محفوظ رکھو کیونکہ اس میں میری ایک قدرت ہے اور تیرا ایک معجزہ ہے۔ اور یا الحجر کا الف لام جنس کے لیئے ہے یعنے کسی پتھر پر عصا مارو کسی پتھر کی تخصیص نہیں ہے اور حسن بصری سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کسی خاص پتھر کے مارنے کا حکم نہیں ہوا تھا اور یہی بہتر بھی معلوم ہوتا ہے اور اسی میں حجت اور معجزہ کا کمال معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم **چوتھا مسئلہ** فانفجرت کی فا فعل محذوف سے متعلق ہے یعنی تقدیر یوں ہے فضرب فانفجرت یا فان ضربت فقد انفجرت لیکن تقدیر اول اولی ہے **پانچواں مسئلہ** بارہ چشموں کے نکلنے کا فائدہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل بہت سارے آدمی تھے اگر ایک ہی چشمہ ہوتا تو آپس میں لڑتے جھگڑتے بھیڑ کی وجہ سے اسی وجہ سے ہر قبیلہ کے لیئے ایک ایک چشمہ علٰحدہ نکال دیا **چھٹا مسئلہ** کلوا واشربوا من رزق اللہ کے اول میں جملہ محذوف ہے یعنے فقلنا لھم یا فقال لھم ہے اور ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب پینے کے لیئے چشمہ نکالدیا تو اشربوا کا کہنا اول مناسب تھا لیکن حقیقت مین مناسب یہی ہے کہ کلوا اول کہا جاوے اسلیئے کہ آدمی کی غذائے مستقل کہانا ہے اور پانی اس غذا کیلیئے بدرقہ ہے صرف پانی غذائے مستقل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ اول من سلوی اُتارا پھر پانی نکالدیا تو جو چیز پہلے دی اسی کے مناسب پہلا لفظ بولا گیا **ساتواں مسئلہ** ولا تعثوا فی الارض مفسدین میں عثی کا معنی فساد میں حد سے گزرنا ہے یعنی کسیقدر فساد سے تو چشم پوشی کی جا سکتی ہے لیکن فساد میں حد سے تجاوز کروگے تو اچھا نہو گا مطلب یہ کہ پانی پر بہیڑ ہونے کے وقت اگر کسیقدر جھگڑا ہو جاوے تو اُسکو طول مت دینا اور تنازع کو مت بڑہانا واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ؁

اس آیت میں دسواں انعام ہے یعنی جب ایک قسم کے کھانے سے گھبرائے تو شہر میں اُن کی مراد کے موافق سامان مہیا کر دیئے۔ اور اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** مشہور قرات یخرج لنا یے کے پیش اور رے کے کسرہ کے ساتھ ہے اور زید بن علی کی قرات میں یے کے فتحہ اور رے کے پیش کے ساتھ ہے۔ جمہور مفسرین تو بنی اسرائیل کے اس سوال کو معصیت جانتے ہیں اور ہمارے خیال میں جب کہ کلوا واشربوا امر اباحت ہے تو یہ سوال معصیت نہیں ہو سکتا۔ اور طعام واحد سے مراد ایک چیز نہیں بلکہ ایک ڈھنگ کا کھانا مثلاً دال روٹی ہے تو ہمیشہ یہی چلی جارہی ہے اور گوشت روٹی ہے تو ہمیشہ یہی استعمال ہو رہی ہے۔

دوسرا مسئلہ مشہور قرات وقثائہا کسرۂ قاف کے ساتھ ہے اور اعمش اور طلحہ کی قرات میں قُثائہا قاف کے پیش کے ساتھ ہے۔ اور مشہور قرات وفومہا فے کے ساتھ ہے اور علقمہ نے ابن مسعود سے وثومہا ثائے مثلثہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور ابن عباس کی بھی یہی قرات ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ثائے مثلثہ کی قرات ہی حسب حال ہے بصل کی مناسبت میں اور فوم کے معنی میں اختلاف ہے ابن عباس رض سے منقول ہے کہ فوم کے معنے گیہوں کے ہیں اور انہیں سے منقول ہے کہ فوم روٹی کو کہتے ہیں اور یہی مجاہد اور عطا اور ابن زید سے منقول ہے اور بعض عرب سے بھی منقول ہے فوموا لنا ای اخبزوا لنا اور بعض کے نزدیک فوم کے معنے لہسن کے ہیں اور مجاہد اور ابن عباس رض سے یہ بھی مروی ہے اور کسائی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اور ان لوگوں نے اس معنے کو کئی وجہ سے ترجیح دی ہے اول یہ کہ عبداللہ بن مسعود رض کی قرات میں وثومہا موجود ہے اور ثوم لہسن ہی کو کہتے ہیں دوم یہ کہ اگر حنطہ یعنے گیہوں مراد ہوتے تو یہ کہنا ہرگز مناسب نہ تھا کہ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ کہ گیہوں نہایت جلیل القدر طعام ہے ادنیٰ کے لقب سے نہیں پکارا جا سکتا۔ سوم یہ کہ لہسن کی مناسبت پیاز اور عدس (مسور) سے ہے نہ گیہوں سے واللہ اعلم **تیسرا مسئلہ** مشہور قرات اتستبدلون ہے اور ابی بن کعب کی قرات میں اتبدلون بے کے سکون کے ساتھ اور زہیر الفرقبی کی قرات میں بجائے اَدْنٰی کے اَدْنَأُ ہمزہ کے ساتھ ہے مشتق دنارۃ سے اور ادنیٰ اور ادنأ سے مراد یہ ہے کہ مزہ میں اور منفعت میں کم ہے **چوتھا مسئلہ** مشہور قرات اہبطوا بے کے کسرہ کے ساتھ ہے اور بعضوں نے پیش کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ اور مشہور قرات مصرًا ہے تنوین کے ساتھ اور ساکن الاوسط ہونے کی وجہ سے باوجود دو سبب کے موجود ہونے کے منصرف کیا گیا ہے اسلئے ثلاثی کے غیر منصرف ہونے کی شرط متحرک الاوسط یا عجمہ ہونا بھی ہے۔ تو مصر میں اگر تعریف اور تانیث کو نہ لیں بلکہ بلد مراد لیں تو اس میں ایک ہی سبب رہجائیگا۔ اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں اہبطوا مصر ہے بغیر تنوین کے اور اعمش کی بھی یہی قرات ہے جیسے کہ ادخلوا مصر ہے پھر مفسرین اس میں مختلف ہیں کہ مصر سے وہ شہر مصر مراد ہے جس میں فرعون تھا یا سوائے مصر کے اور شہر بغیر تخصیص کے۔ بہت مفسرین تو اسطرف گئے ہیں کہ فرعون والا مصر مراد نہیں ہو سکتا۔ اور دونوں فریق ادلہ بیان کرتے ہیں ؛

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** مشہور قرات ھادُوْا دال کے پیش کے ساتھ ہے اور ضحاک اور مجاہد سے دال کا فتحہ اور واو کا سکون منقول ہے۔ اور مشہور قرات صَابِئِیْنَ اور صَابِئُوْنَ ہے یعنے دونوں جگہ ہمزہ کے ساتھ اور نافع اور شیبہ اور زہری سے وَالصَّابِیْنَ اور وَالصَّابُوْنَ دونوں جگہ بحذف ہمزہ ہے اور عمری کی قرات میں دونوں میں ہمزہ ہے اور ابی جعفر کی قرات میں دونوں جگہ صَابِیِیْنَ صَابِیُوْنَ ہے بائے موحدہ مکسورہ پھر یائے مثناۃ تحتیہ مکسورہ پھر تحتیہ ساکنہ کے ساتھ یا واو ساکنہ کے ساتھ غرض ہمزہ کی جگہ یائے تحتیہ ہے۔ ترک ہمزہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ صبا یصبو سے مشتق ہے میلان اور محبت کے معنوں میں دوسرا یہ کہ ہمزہ کو یے سے بدل دیا ہے اولیٰ قرات وہی ہے جو اکثر قاریوں کی ہے ہمزہ کے ساتھ اور تفسیر کے مطلب کے مناسب بھی ہے اسلئے کہ اہل علم کہتے ہیں کہ صبا کے معنے یہ ہیں کہ ایک دین سے نکلکر دوسرے دین میں داخل ہوا واللہ اعلم **دوسرا مسئلہ** اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جب کسی قوم کے

حق میں کوئی وعدہ یا وعید ذکر فرماتا ہے تو اسکے بعد اسکے مقابل کو بھی ضرور ذکر فرماتا ہے تاکہ نتیجہ پورا معلوم ہو اسی لیئے اہل کتاب کے کفار کو جو جو عقوبت ہوئی اُسکو ذکر کر کے اُس ثواب عظیم کا ذکر فرماتا ہے جسکے مستحق اہل ایمان ہیں۔ اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اس جگہ مدعیان اسلام مراد ہیں اور مَنْ اٰمَنَ سے مراد مومن خالص مراد ہے **تیسرا مسئلہ** اَلَّذِیْنَ هَادُوْا میں هادوا کے اشتقاق میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ ماخوذ ہے اِنَّا هُدْنَا اِلَیْكَ سے جبکہ انہوں نے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی تو یہی کلمہ بولے تھے یعنی رجعنا الیک دوسرا قول یہ ہے کہ یہوذا کی طرف منسوب ہوئے جو کہ یعقوب علیہ السلام کا بڑا بیٹا تھا عرب نے ذال معجمہ کو دال مہملہ کر دیا تیسرا قول یہ ہے کہ ابو عمرو بن العلاء نے کہا کہ انکو یہود اسلیئے کہا گیا کہ وہ تورات کے پڑھنے کے وقت حرکت کرتے ہیں یعنی ہلتے ہیں تو گویا ہادو کے معنی صاروا من المتہودین ای المتحرکین عند قراءة التوراة ہوئے **چوتھا مسئلہ** نصاریٰ کے اشتقاق بھی مختلف فیہ ہے۔ ابن عباس اور قتادہ اور ابن جریج کا یہ قول ہے کہ ناصرہ ایک قریہ تھا جس میں عیسے علیہ السلام اترا کرتے تھے اُسکی طرف منسوب ہوئے تو نصاریٰ ناصری کا جمع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ آپسمیں ایک دوسرے کی نصرت کرنے کی وجہ سے نصاریٰ کہلائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جب عیسے علیہ السلام نے کہا کہ من انصاری الی اللہ تو حواریین نے کہا نحن انصار اللہ اسکی وجہ سے نصاریٰ کہلائے تو جیسے کہ حیاری جمع حیران کی ہے اسی طرح نصاریٰ جمع نصران کی ہے کہا جاتا ہے رجل نصران وامراۃ نصرانیۃ اور نصرانی میں یائے نسبت مبالغہ کے لیئے ہے جیسے احمری میں مبالغہ کے لیئے ہے کیونکہ ان لوگوں نے مسیح کی نصرت کی تھی **پانچواں مسئلہ** الصابئین کا اشتقاق تو گزر چکا لیکن یہ کون لوگ ہیں مفسرین کے ان لوگوں کے مذہب کے بارے میں کیئے قول ہیں (۱) مجاہد اور حسن بصری کہتے ہیں کہ صابئین مجوس اور یہود میں سے ایک فرقہ ہے کہ نہ اُن کی ذبیحہ کھانے کے لائق ہے اور نہ اُن کی عورتیں نکاح کے قابل ہیں (۲) قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور سورج کی طرف ہر روز پانچ نمازیں پڑھتے ہیں اور قتادہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کل دین پانچ ہیں چار شیطان کے لیئے اور ایک رحمٰن کے لیئے۔ سو صابئین جو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور مجوس جو آتش پرست ہیں اور مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں۔ اور اہل کتاب یعنے یہود و نصاریٰ ان سب کے دین شیطان کے لیئے ہیں (۳) صابئین وہ گروہ ہے جو کہ ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور اُن کے دو عقیدے ہیں ایک یہ کہ خالق عالم تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اُس نے حکم دیا ہے کہ اُن ستاروں کی تعظیم کی جاوے اور نماز اور دعا اور تعظیم کے لیئے اُن کو قبلہ بنایا جاوے دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک اور کواکب (ستاروں) کو پیدا کیا پھر تمام عالم کے خیر و شر و صحت و مرض کے مدبر یہی کواکب ہیں اور یہی خالق ہیں اس لیئے بشر پر فرض ہے کہ اُن کی تعظیم کریں کیونکہ مدبر معبود یہی ہیں جو کہ اس عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور یہ کواکب اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کیدانیوں کا مذہب بھی یہی تھا جنکی ہدایت کے لیئے ابراہیم علیہ السلام آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو باطل فرماتا ہے سوائے توحید کے سو ان سب فرقوں میں سے جس نے توحید اختیار کی اُسکو ثواب عظیم اور اجر کثیر ملے گا +

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ

اس آیت میں گیارہویں انعام کا ذکر ہے یعنے اللہ تعالیٰ نے جو اُن سے عہد لیا ہے سو اس میں اُنہیں کے لیئے مصلحت ہے تو اُن سے عہد لینا انپر انعام ہوا۔ اور میثاق کا معنی عہد ہے۔ عبدالرحمان بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام خدا کے ہاں سے

توراۃ کی تختیاں لیکر بنی اسرائیل کی طرف لوٹ کر آئے تو اُن سے کہا کہ اِن تختیوں میں اللہ کی کتاب ہے تو اُن لوگوں نے جواب دیا کہ جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے اور بلا حجاب و بلا واسطہ اُس سے نہ سُن لیں گے کہ یہ میری کتاب ہے ہرگز تیرا کہنا نہیں مانیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو بجلی سے ہلاک کر دیا پھر اُن کو زندہ کر دیا پھر کہا کہ اللہ کی کتاب کو مانو پھر اُنہوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے سروں پر کوہ طور رکھدیا اور کہا کہ مان جاؤ ورنہ تمکو اس پہاڑ سے کچل دیں گے تو اس ڈر سے مان لیا۔ اور ورفعنا میں واو حالیہ ہے بقول ابو مسلم کے اور عاطفہ ہے بقول ابن عباس رضی کے ؛

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ
مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہاں سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شرارتوں کی سزائیں بیان کرنی شروع کی ہیں سو اس آیت میں پہلی قسم کی سزا کا بیان ہے اور اس مقام پر کئی مسئلہ ہیں **پہلا مسئلہ** ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ لوگ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں دریا کے کنارے پر مدینہ اور شام کے درمیان شہر ایلہ میں رہتے تھے اور وہاں کا قدرتی ایک قاعدہ تھا کہ ہر سال ایک ماہ میں تمام زمین کی مچھلیاں آکر اُس میں جمع ہوتی تھیں یہاں تک کہ اُن کی کثرت کی وجہ سے پانی نہیں دکھائی دیتا تھا اور اس ماہ کے علاوہ ہر سنیچر کو بھی بیشمار مچھلیاں جمع ہوا کرتی تھیں اور قرآن شریف میں اُسی شہر کا ذکر ہے چنانچہ فرماتا ہے وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ تو ان لوگوں نے دریا کے پاس حوض کھودے اور دریا سے اُن حوضوں کی طرف نالیاں کھود لائے تو مچھلیاں اُن نالیوں میں آکر اُن حوضوں میں گرتی تھیں تو توار کے روز اُنکا شکار کرتے تھے تو مچھلیوں کو حوضوں میں بند کرنا بھی اُن کی تعدی تھی پھر اُنہوں نے اُن مچھلیوں کو لینا شروع کیا اور اُن کی وجہ سے اور چیزوں سے مستغنی ہو گئے مگر دل میں اللہ کے عذاب کا کھٹکا بھی لگا ہوا تھا جب اُن کی اس حرکت پر زمانہ گزر گیا یہاں تک کہ اُن کی اولاد نے انہیں کے شیوے اختیار کیئے اور خوب مال جمع کیئے پھر اُس شہر کے جو لوگ سنیچر کے دن شکار کو بُرا سمجھتے تھے اُن میں سے کئی گروہ ان شکاریوں کے پاس آئے اور اُن کو شکار سے منع کیا لیکن یہ لوگ باز نہ آئے اور کہنے لگے کہ ہم اس کام کو مدت دراز سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ برابر ہمکو برکت ہی دے رہا ہے تو اُن سے کہا گیا کہ اس برکت پر مغرور مت ہو جاؤ کہیں ناگہانی عذاب نہ آجاوے تو صبح کو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب کے سب نہایت ذلیل بندر ہو گئے پھر تین دن تک اُن کی یہی حالت رہی پھر ہلاک ہو گئے۔

دوسرا مسئلہ مجاہد سے یہ منقول ہے کہ اُن کی صورتیں مسخ نہیں ہوئی تھیں بلکہ اُن کے دل مسخ ہو گئے تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اور جیسے اُستاد اپنے کند ذہن غبی شاگرد سے کہتا ہے کہ کن حمارا یعنے گدھا ہو جا۔ لیکن ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی صورتیں ضرور مسخ ہوئی تھیں واللہ اعلم **تیسرا مسئلہ** اہل لغت کہتے ہیں کہ خاسئ کے معنے راندہ اور دور کیا ہوا کتے کی طرح کہ جو وقت آدمیوں کے پاس آتا ہے تو کہتے ہیں اِخْسَأْ یعنے دور ہو یعنے ذلت کے ساتھ یہاں سے نکل کیونکہ یہ جگہ ہماری جگہوں میں سے نہیں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہہ فرماتا ہے يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ **چوتھا مسئلہ** فَجَعَلْنٰهَا میں ھا کی ضمیر کا مرجع فراء اور زجاج کے نزدیک مسخۃ ہے یعنے بندر بن جانا۔ اور اخفش کے نزدیک اسکا مرجع قِرَدَةً ہے اور بعض کے نزدیک اصحاب السبت کا قریہ ہے اور بعض کے نزدیک اُمَّةً یا جماعت ہے چنانچہ آیہ کریمہ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ بھی اسپر دلالت کرتی ہے **پانچواں مسئلہ** لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا میں کئی وجہیں ہیں (۱) جو قومیں اُن سے پہلے

نہیں اور جو اُن کے وقت تھیں اور جو اُن کے بعد ہوئیں اسلیئے کہ اُن کی سزا کی پیشین گوئی پہلی کتابوں میں بھی مذکور تھی (۲) مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد وہ زمانے اور لوگ ہیں جو اس جگہ حاضر ہوا کرینگے (۳) حسن بصری رحمہ کے نزدیک اُن کے اگلے پچھلے گناہوں کی سزا مراد ہے ؛

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۞ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۞ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۞ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۞

یہ بنی اسرائیل کی سزاؤں کی دوسری قسم ہے اور اس آیت میں کئی مسئلے ہیں **پہلا مسئلہ** ابن عباس رضہ سے اور سوائے اُن کے اور مفسرین سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے اپنے کسی ایسے قرابتی کو قتل کر دیا کہ اگر وہ بغیر قتل کے مرجاتا تو یہ قاتل اُس کا وارث ہوتا اور مال ہی کے طمع سے اُس نے اُسکو قتل کیا اور ایک چوراہے میں ڈال دیا اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جاکر خود ہی مدعی بن بیٹھا اور شکایت کی کہ کسی نے میرے فلاں رشتہ دار کو مار ڈالا موسیٰ علیہ السّلام نے بہتیری تحقیقات کی مگر کچھ بھی سراغ نہ لگا تو لوگوں نے موسیٰ علیہ السّلام سے کہا کہ تو اپنے رب سے پوچھ کہ قاتل کا حال ہمکو معلوم ہو جاوے جب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی کہ اللہ تمکو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس حکم کو سنکر اُن کو تعجب ہوا پھر انہوں نے اپنے نفس پر تشدد کیا کہ بہت پے درپے سوال کیئے جب ہر سوال کا جواب ملنے سے گائے کی جنس کی پوری تعیین ہوگئی تو اُس جنس کی گائے سوائے ایک معین آدمی کے اور کہیں نہ ملی اور اُس شخص نے اصلی قیمت سے کئی گُنا زیادہ قیمت لیکر دی۔ سو انہوں نے اُسکو خرید کر ذبح کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو حکم دیا کہ اِس گائے کے کسی عضو کو لیکر اِس مقتول پر مارو تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور مقتول نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا **دوسرا مسئلہ** اَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً میں عموم ہے یعنے جونسی گائے چاہیں ذبح کریں **تیسرا مسئلہ** هُزُوًا ہائے ہوز اور زا کے ضمہ کے ساتھ اور بعد زا کے واو ہے یہ قرأت حفص کی ہے اور ایک قرأت میں زائے مضمومہ اور ہمزہ کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں زائے ساکنہ اور ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور ایسی ہی تین قرأتیں کُفُوًا اور کُفُؤًا میں **چوتھا مسئلہ** أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا میں استفہام انکاری ہے اور هُزُوًا سے مراد مهزوء بہ ہے۔ اور یہ استفہام بنی اسرائیل سے اسواسطے صادر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جواب اُن کی سمجھ میں نہیں آیا اور جواب سے متعجب ہوئے کہ گائے کے ذبح کرنے میں کیا فائدہ ہے یا یہ کہ گائے ذبح کر کے اُسکا کوئی ٹکڑا مقتول کو مارنے سے مقتول کیونکر زندہ ہو جائے گا تو اسلیئے انہوں اِس قسم کے جواب کو تمسخر خیال کیا ؛ **پانچواں مسئلہ** عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ سے علمائے یہ استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کرنا جائز ہے اور ظن غالب کے استعمال کرنے میں بھی حرج نہیں ہے اسلیئے کہ فارض اور بکر کے درمیان ہونا بھی تو تخمین اور ظن غالب ہی سے معلوم ہوتا ہے **چھٹا مسئلہ** حسن بصری رحمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس خدا کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ لوگ اِنْ شَاءَ اللَّهُ نہ کہتے تو کبھی بھی یہ کام اُن سے سرانجام نہوتا **ساتواں مسئلہ** نحویوں نے كَادُوا کی دو توجیہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ

اسکی نفی اثبات ہوتی ہے اور اثبات نفی تو کاد یفعل کا معنے یہ ہوا کہ کرنے کے قریب تھا مگر نہیں کیا۔ اور ما کاد یفعل کا مطلب یہ ہوا کہ کرنے کے قریب تھا لیکن کر لیا۔ اور دوسری توجیہ جسکو شیخ عبد القاہر نحوی نے اختیار کیا ہے کہ کاد محض مقاربت کے لئے ہوتا ہے تو کاد یفعل کے معنی یہ ہوئے کہ فعل کے قریب ہوا اور ما کاد یفعل کے معنی یہ ہوئے کہ فعل کے قریب نہیں ہوا۔ لیکن اس آیت سے دوسری توجیہ فاسد معلوم ہوتی ہے ورنہ تناقض لازم آتا ہے **آٹھواں مسئلہ** منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڈھا نیک بخت صالح تھا اور اُسکے پاس ایک بچھڑی تھی اور اُسکو ایک شاداب جنگل میں لیجا کر خدائے تعالیٰ سے یہ دعا مانگنے لگا کہ یا اللہ میں تجھکو یہ بچھڑی امانت دیتا ہوں اپنے چھوٹے بچے کے لئے یہاں تک کہ بڑا ہو جاوے اور یہ آدمی اپنے ماں باپ سے بہت اچھا سلوک کرنے والا تھا تو اللہ کے حکم سے امن و امان کے ساتھ وہ گائے جنگل میں بافراغت چرتے چرتے بچھی ہوگئی اور خوب موٹی اور تازہ ہوگئی اور لڑکے کا باپ گائے کو اپنے بچے کے واسطے امانت چھوڑ کر مر چکا تھا تو اُس گائے کا سودا بنی اسرائیل نے گائے والے یتیم اور اُسکی ماں سے اسطرح چکایا کہ اُسکی کھال اشرفیوں سے بھر کر اسکی قیمت میں تمکو دینگے اور ایسی گائے بنی اسرائیل چالیس برس سے ڈھونڈہ رہے تھے یہاں تک کہ اس یتیم کے پاس اُن کو اس قیمت سے وصول ہوئی لیکن یہ روایت معلوم نہیں کہ کہاں تک صحیح ہے۔ پھر اُنہوں نے اُس گائے کو ذبح کیا پھر اس میں اختلاف ہے کہ میت پر اُس گائے کا کونسا عضو مارا جس سے وہ جی اُٹھا بعض کے نزدیک اُسکی سیدھی ران تھی اور بعض کے نزدیک اُسکی دُم اور بعض کے نزدیک اسکی زبان تھی واللہ اعلم۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ایک قرات میں وَاِنْ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ نون کے جزم کے ساتھ ہے اور باقی سب قراتوں میں تشدید کے ساتھ ہے لیکن جو جزم کے ساتھ ہے اُسکا معنے بھی وہی ہے جو تشدید والے کا ہے اور جزم والے کی خبر میں لام فارقہ ضرور لگایا جاتا ہے اور تفجر اس پھٹنے کو کہتے ہیں جسکے بعد پھٹن بہت فراخ ہو جاوے۔ اور تشقق اس سے کم ہوتا ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ

یہاں سے یہود کے قبائح شروع ہوئے اُن کی پہلی قباحت یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ محمد صلے اللہ علیہ سلم کو اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تم یہود کے اسلام لانے کی توقع نہ رکھو اسلیئے کہ تم جان چکے ہو کہ اُن کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اُن کے باپ دادا ایسے تھے کہ اُنہوں نے اللہ کا کلام بلا واسطہ اللہ کی آواز سے سنا پھر اُسکی تحریف کرنے لگے اور حق تسلیم نہ کیا

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

اس آیت میں دوسری قباحت کا بیان ہے یعنی یہ یہود لوگ صاف باطن نہیں ہیں بلکہ دل میں کچھ رکھتے ہیں اور باہر کچھ ظاہر کرتے ہیں پھر اُن کے اسلام کی توقع کیونکر ہو سکتی ہے جو منافقوں کے حالات ابتدائے سورت میں بیان ہوئے وہی اُن کے حالات ہیں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے منافقین جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پاس جاتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ جس چیز پر آپ کا ایمان ہے ہمارا بھی اُسپر ایمان ہے اور آپ کا نبی سچا ہے اور اُسکی بات حق ہے ہماری کتاب توریت

وغیرہ میں اس نبی کی صداقت اور نعت موجود ہے۔ اور جب اپنے ہم جنسوں کے پاس جاتے تھے یعنی رؤسائے یہود کے پاس تو وہ رؤسا ان سے کہتے تھے کہ تم اپنی آسمانی کتابوں کی باتیں مسلمانوں سے کیوں بیان کرتے ہو ؛

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ○ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

اللہ تعالیٰ نے یہود کے چار قسم کے گروہ بیان فرمائے ہیں (۱) ضالٌ مُضِلٌ جو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تحریف کرتا ہے (۲) منافقین (۳) جو منافقوں سے جھگڑتے ہیں (۴) اُمّی یعنے ان پڑھ جنکا کام نری تقلید ہی ہے۔ اور امانی جمع اُمنیۃ کی ہے اور اسکے دو معنے ہیں اگر استثنا منقطع ہے تو بمعنے آرزو کے ہے اور اگر متصل ہے تو بمعنے قرارت کے ہے یعنے صرف توراۃ کے لفظ ہی پڑھنا جانتے ہیں اُسکے مطلب سے بالکل ناواقف ہیں صرف اپنے خیالات پر انکا دارومدار ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے پڑھے لکھے فرقے کا اور بے پڑھے کا سب کا ناس جائے ان کے کرتوت بھی برے ہیں ؛

قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ؛ یہ یہود کی تیسری قباحت ہے یعنے ان کا خیال تھا کہ ہم نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی اس لیئے ہمکو چالیس دن عذاب ہوگا پھر دوزخ سے نکال لیئے جاویں گے یا کل دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور ہر ہزار برس کے بدلے ایک دن ہمکو عذاب ہوگا پھر چھوڑ دیئے جاوینگے۔ اور یہ ان کا خیالی پلاؤ تھا اللہ کی کتاب میں اسکا کہیں پتا نہیں ؛

بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے شرک کیا اور شرک پر مرا تو وہ یقینی دوزخی ہے اور کبھی دوزخ سے نہیں نکلیگا اسلیئے کہ شرک ایسا گناہ ہے کہ اسکے پیٹ میں سب گناہ آجاتے ہیں سو جس نے شرک کیا گویا اس نے سب گناہ کر لیئے اور جسنے سب گناہ کئے وہ ان میں گھر گیا اور جو گناہوں میں گھر گیا وہ دوزخی ہوا۔ اس آیت سے یہود کا خیالی پلاؤ کارد ہو گیا۔ اس آیت میں دو شرطیں مذکور ہیں ایک کسب سیئۃ اور دوسری احاطت بہ خطیئۃ ہے سو جب تک دونوں شرطیں موجود ہوں گی آدمی کا دائمی دوزخی ہونا ثابت نہوگا جیسے کہ ایک مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ جو جزا دو شرطوں کے وجود پر موقوف ہو وہ جزا ایک شرط کے وجود سے نہیں پائی جا سکتی جیسے کوئی شخص اپنی قسم کو طلاق اور عتاق میں دو شرطوں پر موقوف کرے تو ایک شرط کے پائے جانے سے وہ حانث نہیں ہو سکتا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قرآن مجید میں یہ عادت اکثر جاری ہے کہ جہاں وعید کو ذکر کرتا ہے اُسکے ساتھ ہی ثواب کا ذکر بھی کرتا ہے اور جہاں ثواب کا ذکر کرے اُسکے بعد عذاب کا ذکر کرتا ہے اسی لیئے اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ذکر کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ ○

یہ یہود کی چوتھی قباحت کا بیان ہے یعنے خدا سے عہد کر کے پھر گئے اس آیت میں اُن سات تکلیفوں کا بیان ہے جنکا اللہ نے یہود کو مکلف کیا تھا (۱) سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرنا (۲) ماں باپ سے سلوک کرنا (۳) رشتہ داروں سے سلوک کرنا (۴) یتیموں سے سلوک کرنا (۵) مساکین سے سلوک کرنا (۶) لوگوں سے اخلاق کے ساتھ گفتگو کرنا (۷) نماز اور زکوۃ کی پابندی کرنا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ٥ +

اس جگہہ انفسکم سے مراد اپنے ہم جنس ہیں +

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

عاصم اور حمزہ اور کسائی کی قرات میں تظاھرون ظار کی تخفیف کے ساتھ ہے اور باقیوں کی قرات میں تشدید سے ہے اور نافع اور عاصم اور کسائی کی قرات میں اُسَارٰی تفادوھم ہے یعنے سین اور فار کے بعد الف ہے اور فقط حمزہ کی قرات میں اَسْرٰی تَفْدُوْهُمْ ہے بغیر الف کے دونوں جگہوں میں اور باقیوں کی قرات میں اُسَارٰی تَفْدُوْهُمْ ہے یعنے دوسری جگہہ بغیر الف کے تظاھر کے معنے مدد کرنا اور اسْرٰی اور اُسَارٰی جمع اسیر کی ہے یعنے قیدی اور فداء اور مفاداة کے معنے بدلہ دینا۔ یعنے جب اُنکے پاس کوئی قیدی آتا تو سب ملکر فدیہ دیکر اُسکو چھڑا لیتے تھے اور خود جب قیدی کی قوم پر غالب آتے تو اُنکو گھروں سے نکالدیتے تھے۔ تو پہلا کام تو نیکی اور کتاب اللہ کا تسلیم کرنا ہے اور دوسرا فعل گناہ اور کتاب اللہ کے حکم کا انکار ہے تو بعض کتاب کا تسلیم کرنا اور بعض کا انکار کرنا گویا سب کا انکار کرنا ہے۔ ابن کثیر اور نافع اور عاصم کی قرات میں۔ تُرَدُّوْنَ تائے خطاب فوقانیہ سے ہے اور باقیوں کی قرات میں یائے غیبت تحتانیہ سے ہے +

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ٥

اولی یہ ہے کہ فلا یخفف کی فار عاطفہ قرار دی جاوے ورنہ کوئی جملہ مقدر ماننا پڑیگا۔ اور لا ینصرون سے مراد یہ ہے کہ حجت میں اہل اسلام پر غالب نہیں آسکیں گے اور قیامت میں اُن کو کوئی مدد دینے والا نہ ملے گا جو دوزخ سے انہیں نکلوا دے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ٥

یہ اور رسم کی قباحت ہے یہود کی کہ اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ کفر اور افعال قبیحہ سے کرتے ہیں تقفیہ کے معنے یکے بعد دیگرے کسی چیز کا لانا یا پے درپے لانا جیسے کہ دوسری جگہہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰی اگلی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام سے عیسےٰ علیہ السلام تک لگاتار پیغمبر ہوتے چلے آئے کوئی زمانہ نبی سے خالی نہیں گزرتا تھا اور وہ یہ نبی تھے یوشع اشمویل شمعون داود سلیمان شعیاء ارمیاء عزیر حزقیل الیاس الیسع یونس زکریا یحییٰ وغیرہم علیہم السلام منقول ہے کہ عیسےٰ سریانی میں ایشوع ہے اور مریم کے معنے خادم کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ عبرانی میں مریم اُسے عورت کو کہتے ہیں جسکا اکثر خلط ملط مردوں سے ہو جیسے کہ زیر عربی میں اُس مرد کو کہتے ہیں جو عورتوں سے زیادہ خلط ملط اور نشست برخاست رکھے اور رؤبہ شاعر اس قول کی یہی تفسیر کی گئی ہے اور بینات سے مراد یا تو معجزے ہیں یا انجیل یا دونوں اور یہی قوی معلوم ہوتا ہے اور قدس ابن کثیر کی قرات میں دال کی جزم کے ساتھ ہے اور باقیوں کی قرات میں پیش کے ساتھ ہے اور قدس کے معنے اللہ کے ہیں تو روح القدس کے معنے روح اللہ کے ہیں جیسے بیت اللہ اور یا مطلق پاکی کے معنے ہیں تو اس سے مراد وہ اسم ہے جس سے عیسےٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے بقول ابن عباس اور سعید بن جبیر کے یا روح القدس سے مراد انجیل ہے یا اُن کی اپنی پاک روح مراد ہے

یا جبرئیل مراد ہیں اور یہ اخیر قول زیادہ تر مشہور ہے - اور آیہ اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُم الخ میں یہود کی غایت درجے کی مذمت ہے کہ جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول آیا تو اُنہوں نے اسے جھٹلانا شروع کیا اور غرور و تکبر سے پیش آئے کسی بجائے تکذیب پر کفایت کی اور کسی کو تو جان سے مار ہی ڈالا - اور یہ پرلے درجے کی بے ایمانی ہے -

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝

لفظ غلف میں تین وجہیں (۱) غلاف کی طرح خالی ہیں (۲) بند ہیں اُن میں دعوت اسلام اثر نہیں کر سکتی (۳) ہدایت سے بھرے ہوئے ہیں پھر اُنپر غلاف چڑھا دیا گیا ہے اب کسی اور ہدایت ان کو ضرورت نہیں ہے - اور یہ اخیر وجہ اولیٰ معلوم ہوتی ہے سیاق آیت سے واللہ اعلم - اور قلیلا ما یومنون سے یا تو حقیقۃً قلت ایمان مراد ہے اور یا بالکل نفی مقصود ہے واللہ اعلم وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ۝

یہ اور قباحت یہود کی ہے - اور کتاب سے مراد یہاں بالاتفاق قرآن شریف ہے - اور مصدق کے معنے تصدیق کرنے والا - اور ایک قرارت میں مصدقاً نصب کے ساتھ آیا ہے - اور فَلَمَّا جَآءَهُمْ تاکید ہے وَلَمَّا جَآءَهُمْ کتاب کی اور کفروا بہ جواب ہے پہلے لما کا اور یستفتحون سے مراد یہ ہے کہ لڑائی کے وقت یہود مشرکین عرب سے کہا کرتے تھے کہ اب نبی آخر الزماں کا وقت آیا وہ تمپر ہمکو مدد دیگا - یا یہ کہ جب مشرکین سے لڑتے تھے تو دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ نبی امی کی طفیل تو ہمکو ان شرکوں پر نصرت دے - اور ما عرفوا سے یہ پایا گیا کہ یہود محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیت کو دل سے جانتے تھے لیکن ضد سے انکار کیا - اور فلعنۃ اللہ علی الیہود نہیں کہا بلکہ عَلَى الْكٰفِرِينَ کہا اس میں تعلیم اخلاق ہے یعنے کسی کو مخاطب کر کے نہیں کہنا چاہیئے کہ تو کافر ہے اور تجھپر لعنت ہے بلکہ جو کافر ہے اُسپر لعنت ہے کوئی ہو کسی کو مخاطب کرکے لعنت کرنے کی ضرورت نہیں +

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ

لفظ بئس افعال ذم میں سے ہے اور بئسما میں ما نکرہ منصوبہ ہے اور فاعل بئس کی تفسیر میں واقع ہوا ہے گویا تقدیر الکلام یوں ہے بئس الشئ شیئاً اشتروا بہ انفسہم اور مخصوص بالذم ان یکفروا ہے - اور اشتروا کے دو معنی ہیں (۱) خریدا (۲) بیچا یعنے اپنے زعم میں اُنہوں نے اپنے اعمال قبیحہ کو اعمال صالحہ سمجھ کر عذاب الٰہی سے اپنی جانوں کو اپنے خیال میں نجات دلوا دی اور یہی خریدنا ہے - اور یا اپنی جانیں بیچکے اُن کے بدلے میں کفر لیا - اور پہلا غضب یہود پر اسوجہ سے ہے کہ اُنہوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا یا کئی انبیا کا قتل کرنا یا عیسےٰ علیہ السلام کی تکذیب اور اُن کو سولی چڑھانا - اور دوسرا غضب اسوجہ سے ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی - اور وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ کی جگہ وَلِلْكٰفِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ اسلئے کہا تاکہ معلوم ہو کہ جو کوئی ایسی حرکت کریگا اسکی یہی سزا ہے کوئی یہود کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے +

وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ

تَقْتُلُونَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ

یہ اور قباحت یہود کی مذکور ہوئی ہے - اور وھو الحق میں واو حالیہ ہے اور فلم تقتلون میں یہود کو الزاماً کہا گیا ہے کہ اگر اپنے دعوے

میں اپنی کتاب کو مانتے ہو تو اللہ کے ابنیا کو کیوں قتل کرتے رہے اسکو تو ماننا نہیں کہتے ہ

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

جس نبی کی کتاب پر ایمان لانے کا یہود کو زیادہ دعوٰی تھا یعنے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات پر تو اُن کے الزام کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس قصہ کو لوٹایا یعنے تم اپنے اولوالعزم ابنیا میں سے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی تو اسی قسم کی حجتیں کرتے رہے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

یہ قصہ بھی مذکور ہو چکا ہے فقط اُن کی قباحتوں کی فہرست میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قصوں کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔ مگر اسکا عنوان دوسرا ہے یعنے موسیٰ کے وقت واضح اور صریح دلائل دیکھکر بھی تمنے ایمان کا خلاف کیا تھا جیسے کہ موسیٰ کے وقت ہی میں موسیٰ کی غیبت میں بچھڑے کی عبادت کرنے لگے اور اسکی عبادت کا زنگ ایسا تمہارے دلوں میں بیٹھا کہ زبردستی کوہ طور تمہارے سر و پر رکھا گیا تب بھی تم نے بخوف جان صرف زبان ہی سے ماننے کا اقرار کیا لیکن دل سے منکر ہی رہے۔ پھر تمہارا جو دعوٰی اپنی کتاب کے ماننے کا ہے اگر ماننے کے یہی معنے ہیں تو بہت ہی بُری طرح کا ماننا ہے ایسا ایمان کس کام کا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

یہود کو بڑا بھاری دعوٰی اور زعم تھا کہ ہم یقیناً نجات پانے والے ہیں اور خدا کے بیٹے اور پیارے ہیں اس لیئے الزاماً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر خدا سے تم موت کیوں نہیں مانگتے تاکہ دنیا کے مکروہات سے نجات پاؤ اور عیش ابدی تمکو حاصل ہو جاوے۔ مگر دل میں تو خود ہی جانتے تھے کہ ہم دوزخ کے کندے ہیں اسلیئے اُن سے زیادہ کوئی قوم موت سے نہیں ڈرتی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ ورنہ حقیقت میں موت کا مانگنا اچھا نہیں ہے۔ بہت ہی دق ہو تو یہ کہنا شرع ہے اللھم احینی ان کانت الحیاۃ خیرا لی و توفنی ان کانت الوفاۃ خیرا لی۔ اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا سو موت کا مانگنا اور اسکی آرزو کرنا اچھی نہیں ہے۔ اسلیئے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو یقینی نجات پانے والا نہیں جان سکتا۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہود ہرگز اپنے کرتوتوں کے باعث موت کی تمنا نہیں کرینگے۔ اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ سب سے زیادہ بلکہ مشرکوں سے بھی زیادہ زندگی کے حریص ہیں جیسے کہ مجوس اپنے بادشاہ کو دعا دیتے تھے کہ ذی ہزار سال یا ذی ہزار نوروز وغیرہ ادھ جان وغیرہ۔ اور زحزحہ کے معنے دور کرنا اور ہٹانا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

یہ بھی یہود کی قباحت کا ذکر ہے۔ یعنے یہود نے کہا کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے اگر میکائیل وحی لاتا تو ہم ایمان لاتے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہود سے کہا کہ جو جبرئیل کا دشمن ہے وہ میکائیل کا بھی دشمن ہے اور جو ان دونوں کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور لفظ جبرئیل ابن کثیر کی قرارت میں جیم کی فتحہ سے اور رائے مہملہ کی کسرہ سے بغیر ہمزہ کے ہے اور حمزہ اور کسائی اور ابو بکر عن عاصم کی قرارت میں جیم اور رائے مہملہ کا فتحہ اُسکے بعد ہمزہ مکسورہ پھر یائے تحتیہ ہے اور باقیوں کی قرارت میں جیم اور رائے مہملہ کے کسرہ سے بغیر ہمزہ کے اور اسمیں اور لغتیں بھی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جبرئیل اور میکائیل دونوں کے معنی عبداللہ کے ہیں واللہ اعلم۔ ابو عمرو اور حفص عن عاصم کی قرارت میں میکال بروزن قنطار ہے اور نافع کی قرارت میں میکائل ہے یعنی لام سے قبل ہمزہ مکسورہ ہے۔ اور باقیوں کی قرارت میں میکائیل ہے یعنی ہمزہ اور لام کے درمیان یائے تحتیہ بھی ہے عدو للکفرین سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص فرشتوں کا دشمن ہوا وہ کافر ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِہَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝

آیات بینات سے مراد قرآن شریف کی آیتیں ہیں۔ اور فسق کے معنی حد سے نکلنا ہے۔ اور شرعی اصطلاح میں ہر کافر فاسق ہے۔ بالعکس

اَوَکُلَّمَا عٰہَدُوْا عَہْدًا نَّبَذَہٗ فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ ۚ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

یہ بھی یہود کی قباحت کا ذکر ہے یعنے عہد کے بالکل پابند نہیں ہیں ؛

وَلَمَّا جَآءَہُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَہُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۙ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ کَاَنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

یہ بھی یہود کی قباحت ہے کہ کتاب اللہ کی بالکل وقعت نہیں کرتے بلکہ توہین کرتے ہیں اور غفلت سے اُسکو پیٹھ کے پیچھے ڈالے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کلام اللہ کو پھینکنا یا اُس کی طرف پیٹھ کرنی نہ چاہیئے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ہَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ ۚ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْہُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ ۚ وَمَا ہُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّہُمْ وَلَا یَنْفَعُہُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىہُ مَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖۤ اَنْفُسَہُمْ ۚ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝

سُدی کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ پر قرآن اُترا اور یہود نے تورات سے اُسکا مقابلہ کیا تو تورات اور قرآن موافق نکلے تو انہوں نے قرآن اور تورات دونوں کو چھوڑ دیا اور آصف کی کتاب اور سحر ہاروت و ماروت لے بیٹھے اور جادوگروں (حیلہ گروں) نے جو کتابیں جادو میں لکھی تھی اونکو سلیمان کا جادو بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ سلیمان کی بادشاہی یا نبوت اسی سے چلتی تھی اور یہ محض اُن کا افترا ہے (جیسے کہ اب بھی نقش سلیمانی وغیرہ کتابیں تعویذ گنڈوں میں موجود ہیں اور اُن میں بھی لکھا ہے کہ سلیمان کی مہر کا یہ نقش تھا اور اُن کی حکومت اسی سے چلتی تھی۔ اور ایسا ہی ہاروت و ماروت دو دہقان جادوگر تھے اُن کے جادو بھی یہود نے اختیار کئے) لفظ مشترک اپنے تمام مسمیات میں عام نہیں ہوتا اسلیئے جو سحر کہ کفر ہے اور اسکا زوال کافر ہے وہ یہ ہے کہ ستاروں کو معبود مانا جاوے اور اُن سے مدد مانگی جاوے اور شیطانوں کی یہی تعلیم تھی۔ اور باقی صنائع و بدائع کفر نہیں۔ نافع و ابن کثیر و عاصم و ابو عمرو کی قرارت میں لکنّ تشدید سے ہے اور الشیاطین نصب کے ساتھ۔ اور باقیوں کی قرارت میں لکن سکون سے اور شیاطین رفع کے ساتھ ہے اور معنی ایک ہی ہے۔ عَلَی الْمَلَکَیْنِ مشہور قرارت میں لام کے فتحہ سے ہے اور حسن بصری کی قرارت میں لام کی زیر سے ہے اور یہ قرارت ضحاک اور ابن عباس سے بھی مروی ہے اولی فتحہ کی قرارت ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو اسلیئے بھیجا تاکہ لوگوں کو سحر کا دفعیہ [illegible] دیں اور اس لیئے

کہ جادو کی مضر باتیں نہ سیکھیں یا سیکھیں تو اُسپر عمل نہ کریں کیونکہ اس زمانے میں جادو کی کثرت ہو گئی تھی اور لوگ اسکو نبوت سمجھنے لگے تھے اسلیئے اللہ نے ان دو فرشتوں کو آدمی کی صورت میں بھیجا تاکہ لوگوں کو سحر کا دفعیہ بھی سکھادیں اور جادو کی حقیقت بھی بتادیں اور یہ بھی جتادیں کہ جادو کفر ہے نبوت نہیں ہے۔ سو یہ یہود لوگ اُن دونوں سے سوائے جادو کی حقیقت کے جو کہ ضرر رساں ہو اور کچھ نہیں سیکھتے تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ کفر ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ضمیر هُمْ اور واتقوا کی واو کا مرجع فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

جب اللہ تعالیٰ نے یہود کے وہ قبائح بسط سے بیان فرمائے جو نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معبوث ہونے سے قبل اُن میں موجود تھے تو اب ان قباحتوں کا ذکر فرماتا ہے جو کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اُن سے سرزد ہوئیں سو یہود کے یہاں ایک لفظ رَاعِنَا مستعمل تھا کہ اسکی معنی میں ہماری رعایت فرمائیے لیکن یہود اسکے عین کے کسرہ کو ذرا اشباع سے پڑھتے تھے تو رَاعِيْنَا ہو جاتا تھا جسکے معنی ہیں ہمارے چرواہے یا رَاعِنًا جو کہ رعونت سے مشتق ہے اسکو وقف سے پڑھتے تھے تو رَاعِنَا ہو جاتا غرض یہود اس کلمہ کو بدنیتی سے کہتے تھے اور مسلمان لوگ سادہ تھے اُنہوں نے جانا کہ یہ کلمہ تعظیم کا ہے تو آنحضرت کے حق میں وہی کلمہ بولنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس کلمہ سے منع فرمایا اسلیئے کہ یہ دو معنی کلمہ ہے اسکو چھوڑ دو اور انظرنا کا لفظ بولا کرو کیونکہ اس میں کوئی احتمال نہیں ہو سکتا اور جو راعنا بولنے والے ہیں وہ تو کافر ہیں اُن میں رسول کی تعظیم کہاں تم اُن کی ریس مت کرو۔ وہ تو دکھ کی مار کے مستحق ہیں +

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

یعنے اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب کبھی تمہارے خیرخواہ نہیں ہو سکتے اگر ان سے کوئی خیر خواہی کی بات ظاہر میں معلوم ہو بھی تو اسکو فریب اور دغا سمجھنا چاہیئے اُن کی کسی عادت کی ریس نہ کرنی چاہیئے اور نہ اُنکی کسی بات کا اعتبار کرنا چاہیئے تم میں جو اللہ نے نور نبوت رکھا ہے وہ اُن کو کب بھاتا ہے۔ یہ اللہ کا خاص فضل اور رحمت ہے کہ نور نبوت کو یعنے محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تم میں پیدا کیا۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

یہ یہود کے طعن کا جواب ہے یہود کہتے تھے کہ محمد کو دیکھو کہ اپنے اصحاب کو کبھی کچھ حکم دیتا ہے اور کبھی کچھ کبھی کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اس سے منع کر دیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم ہر وقت کے مناسب جو حکم ہوتا ہے وہ دیتے ہیں اور ہمارا حکم دینا اور منع کرنا حکمت سے خالی نہیں جس حکم کو اُٹھاتے ہیں تو دوسرا حکم اس سے بہتر اُسی کا سا جو وقت کے مقتضا کے موافق ہوتا ہے بھیجدیتے ہیں اور ہم قادر ہیں ایک ہی حکم کے پابند نہیں ہیں اپنی خوشی کے مالک کسی کے پابند نہیں ہیں اور جو قادر ہوتا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسکا کوئی روکا ٹوکا نہیں ہوتا اور محمد وہی حکم دیتا ہے جو ہمارا حکم ہے وہ ہمارے حکم کا تابع ہے۔ ابن عامر کی قراءت میں ننسخ ہے بضمہ نون وکسر سین اور باقیوں کی قراءت میں دونوں کا فتحہ ہے (آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا

نسخ قرآن ہی سے ہو اور قرین قیاس بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور قرآن میں اگر نسخ موجود ہے تو صرف پانچ ہی آیتوں میں متصور ہو سکتا ہے وہ بھی غیر یقینی زیادہ میں بالکل ممکن نہیں - اور حدیثوں میں صرف دس حدیثیں منسوخ متصور ہو سکتی ہیں وبس لیکن یہ بات یقینی نہیں ہے کہ اس موجود مصحف میں کوئی آیت منسوخ ہو - ہاں احکام سیاسیہ میں جسوقت جس حکم کا ہونا بقاعدہ شرعیہ متفق علیہا ثابت ہوا ہو اُسوقت اس حکم کو موقوف رکھا جاوے گا تو یہ نسخ مطلق نہیں بلکہ نسخ مقید ہے اور یہ حقیقت میں نسخ نہیں ہے - پھر بھی نسخ کی حقیقت ناممکن نہیں لیکن جو چیز ناممکن نہو اُسکا واقع ہو جانا ضروری نہیں - اس تقریر سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے اندر ایسی کوئی آیت موجود نہیں جو کہ منسوخ بنسخ تام ہو - پھر متواتر کا نسخ متواتر سے اور وحی جلی کا وحی جلی سے ہونا چاہیئے اور اعلیٰ ادنیٰ کو منسوخ کر سکتا ہو نہ کہ ادنیٰ اعلےٰ کو

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ -

یہ آیت بھی نسخ کی تائید میں ہے یعنے جب اللہ آسمان و زمین کا مالک ہے تو جو چاہے حکم دے اور جس حکم کو جب چاہے موقوف کردے اور اے گروہ یہود تم جو نسخ کا انکار کرتے ہو تم اللہ کی قدرت اور بادشاہت کے منکر ہو اس لیئے کوئی تمہارا دوست اور مددگار نہیں ہو گا جو تم کو اللہ کے عذاب سے نجات دے +

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امت کو حکم دیتا ہے کہ تم اہل کتاب کی ریس مت کرو اور نبی سے بہت سوال مت کیا کرو جو حکم تمکو دے اُسپر عمل کرو اور حجتیں مت کیا کرو اور نہ زیادہ معجزے طلب کیا کرو نبی سے زیادہ حجت کرنا کفر ہے -

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ
فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہود تمہارے حق میں بہت سخت بد باطن ہیں تمہاری طرف سے اُن کے دلوں میں حسد اور کینے بھرے ہوئے ہیں اس لیئے دوست بن بن کر تمکو گمراہ کرنا چاہتے ہیں تم کو چاہیئے کہ کسی طرح اُن کے جال میں نہ پھنسو اور اُن سے سختی سے بھی مت پیش آؤ اُن سے چوکنے رہو پھر جو حکم ہماری طرف سے صادر ہو اُسکی تعمیل کرنا - اس آیت میں حسد کی بڑی بھاری مذمت ہے - اور حسد کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کا نقصان اور اپنا نفع چاہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو ثروت یا کوئی منفعت عنایت کرے تو حاسد کو یہ تمنا ہو کہ کاش یہ ثروت یا منفعت اُسکو نہوتی بلکہ مجکو ہوتی - اس لیئے حسد عقل اور شریعت دونوں کے نزدیک سخت معیوب ہے +

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ —

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ کا اصل غرض عبادت ہے جب اُسکی پابندی کرتا رہے گا تو دشمن کے مکر و فریب اور گزند سے بچا رہیگا اور اگر کسی طرح کا جان و مال پر کچھ نقصان واقع ہو بھی گیا تو دنیا چند روزہ ہے عاقبت میں نقصان نہ ہونا چاہیئے - اسی لیئے نماز زکوۃ کی تاکید فرمائی - اور خلوص عبادت مرض حسد سے بھی بچاتی ہے +

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ
اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہو کہ ہم ہی نجات پاویں گے یہ اُن کی نری تمنائیں ہیں اصل نجات کیلیے

اسلام اور احسان ہیں اسلام کے معنی یہ کہ ظاہری عبادات و معاملات آدمی کے اللہ کے حکم کے موافق ہوں اور احسان کے معنے یہ ہیں کہ باطن میں ہر عمل کے بارے میں اللہ سے بندہ کا معاملہ صاف ہو یعنے پورا خلوص ہو۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ فرماں برداری اور دلی اخلاص ہی نجات کا ذریعہ ہیں فقط کسی مذہب سے نامزد ہونے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ عمل و نیت درست نہو۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر گروہ کے دھینگا دھینگی کے دعوی برابر چلے ہی جاویں گے یہ اختلاف دنیا میں رفع نہیں ہوگا اسکا فیصلہ قیامت ہی کو ہوگا۔ دیکھو یہود بھی توراۃ ہی کو مانتے ہیں اور نصاریٰ بھی اسکو مانتے ہیں کتاب دونوں گروہوں کی ایک ہے پھر آپس میں ایسے سخت مخالف ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے خواہاں ہیں اور ان میں سے کوئی حق کیطرف رغبت نہیں کرتا +

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

یہاں سے ظاہر خطاب مشرکین عرب کی طرف ہے کہ انہوں نے آنحضرت کو مکہ میں ایذائیں پہونچائیں اور سال حدیبیہ میں مکہ میں داخل ہونے سے روکا لیکن اس ممانعت میں خفیہ طور پر اہل کتاب بھی مشرکوں کے شریک ہوں تو کچھ عجب نہیں۔ پھر اسکے بعد ایسا ہی قضیہ ہوا کہ جو مسجد سے مانع ہوئے تھے فتح مکہ میں نہایت ذلیل ہوئے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ جو کہ کفار کی خفیہ امداد کرتے تھے آنحضرت کی مخالفت پر وہ بھی سخت ذلیل ہوئے کوئی جلا وطن ہوئے اور کوئی قتل و غارت ہوئے۔ دنیا میں تو یہ ذلت ہوئی اور پھر قیامت کا عذاب الگ باقی ہے۔ اور جیسے دوسروں کو مسجد حرام میں داخل ہونے میں دھمکیاں دیتے تھے آج وہ خود ڈر رہے ہیں انہیں داخل نہیں ہوسکتے +

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مسجدیں معبود نہیں جیسے کہ مشرکوں نے تصور کر رکھا ہے یہاں تک کہ اس میں او بت بنا کر معبود قرار دیدئے تھے۔ مسجدیں تو صرف عبادت گاہیں ہیں اور پھر جو مسجدیں کہ قبلہ ہیں ان میں ہی خدا نہیں ہے اور نہ اسی طرف کو خدا سے نری خصوصیت ہے بلکہ جدہر سے خدا کی توجہ کروگے اُدہر ہی خدا ملے گا لیکن شرط حکم ہے یعنے جدہر سے اجازت ہو اللہ تعالیٰ کسی جہت میں بند نہیں ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

یہاں پر اللہ تعالیٰ مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کی قباحتیں بیان فرماتا ہے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی (معاذ اللہ) بیٹیاں ہیں۔ اور یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام (معاذ اللہ) اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ نے (معاذ اللہ) عیسےٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا۔ سب جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اسکا ملک ہے کوئی چیز اسکی ہمسر نہیں ہے اور سب کچھ اسکے کن کہنے سے پیدا ہوئی تو تمام کائنات اسکی مخلوق ہے اور مخلوق کسی طرح خالق کی ہمسر نہیں ہوسکتی وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

اس آیت میں بھی یہود و نصاریٰ و مشرکین کی قباحتوں کا ذکر ہے کہ انبیا سے حجتیں کیا کرتے تھے کبھی معجزہ مانگتے تھے اور کبھی خدا کا بامشافہ

ہمکلام ہونا طلب کرتے تھے۔ اور اسوقت کے مشرکین بھی اُنہیں پہلوں کی ریس کرتے ہیں بلکہ اُن لوگوں کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی ہے کہ انبیاء سے کج بحثیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ انکار میں سب کے دل ایک ہو رہے ہیں۔ جو یقین و ایمان والے لوگ ہیں وہ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کفار کی سی حجتیں نہیں کرتے۔ بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں +

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بشارت اور نذارت جو تمہارا منصب ہے تم اُسے بجالاتے رہو کوئی نمانے تو انہیں تمہارا کوئی قصور نہیں بدقسمتی نہ ماننے والے کی ہے۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

قاعدہ ہے کہ بعض وقت آدمی کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے مصلحۃً ناجائز کام بھی کر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے کی حرص حد سے زیادہ مت کرو اور اپنے خُلق کو اوسط درجہ پر رکھو۔ یہود و نصاریٰ بھی تمہارا کہنا نہیں ماننے کے وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تجکو اپنا سا کرلیں اور یہ ہونا نہیں اور اگر تم ایسا کروگے تو منصب نبوت سے اُتر جاؤگے اور پھر تمہارا کوئی مددگار ہوگا اور نہ دوست +

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

یعنی جنکو ہمنے یہ کتاب قرآن شریف دیا ہے وہ اسکی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں اور وہی لوگ ایمان والے بھی ہیں جو خلوص سے اسکی تلاوت کرتے ہیں اور جو لوگ اسکی تلاوت سے تنفر کرتے ہیں وہ تو کافر اور خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کلام اللہ کی تلاوت کرنا ایک بڑا اہتم بالشان کام ہے اور جو لوگ اسکی تلاوت سے غافل ہیں اُن کے ایمان میں خلل ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو سچے اہل کتاب ہیں وہ اس قرآن کے ساتھ ایمان لانے یعنے تصدیق سے اسکی تلاوت کرتے ہیں اور اسپر عمل کرتے ہیں

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝

اللہ تعالیٰ جب اُن نعمتوں کو بیان کر چکا جو کہ بنی اسرائیل پر کی تھیں اور اُن کی قباحتیں بھی ذکر کر چکا اور جس آیت سے اُن کا ذکر شروع کیا تھا اسی آیت پر ختم بھی کیا یعنے یا بنی اسرائیل اذکروا الخ پر تو اب نیا بیان شروع کیا یعنے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر شروع کیا اور وہ ایسے رسول ہیں جنکو سب گروہ مانتے ہیں۔ مشرکین عرب اسلئے مانتے ہیں کہ اُن کی اولاد سے ہیں اور ان کے حرم کے رہنے والے ہیں اور یہود و نصاریٰ بھی اُن کو مانتے ہیں اسلئے کہ وہ بھی اُن کی اولاد سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ایسی باتیں نقل کیں جس سے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو مجبوراً ماننا پڑے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہیں۔ ایک یہ کہ جتنی تکالیف کا اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا وہ سب کو کامل طور سے بجالائے اور اسی وجہ سے نبوت اور امامت کو حاصل کیا۔ اور اس میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو تنبیہ ہے کہ تمرد اور عناد جب تک نہ چھوڑوگے دنیا و دین و آخرت کی بھلائی سے محروم رہوگے بلکہ اللہ کی فرمانبرداری اور تعمیل احکام سے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوتی ہے دوسری یہ کہ ابراہیم نے اپنے

خدا سے اپنی تمام اولاد کے لیئے امامت کا منصب مانگا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظالموں بے دینوں کے لیئے دینی امامت کا حاصل ہونا ممکن نہیں میرا یہ عہد نہیں ہے - تیسری یہ کہ حج محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ نے افعال حج ابراہیم علیہ السلام سے نقل کیئے تاکہ یہود و نصاریٰ کو آگاہی ہو اور اُنپر حجت قائم ہو اور دین محمدی کا اقرار کریں - چوتھی یہ کہ جب قبلہ کی تبدیلی ہوئی اور کعبہ کی طرف مونہ کرنے کا حکم ہوا تو یہود و نصاریٰ کو یہ بھی ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ قبلہ بھی ابراہیم کا ہے پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دس باتوں کا حکم دیا اور وہ اُن کی شریعت میں فرض تھیں اور اس شریعت میں سنت ہیں پانچ اُنمیں سے سر میں ہیں اور پانچ باقی بدن میں - سو سر کی پانچ باتیں یہ ہیں کلی کرنا - ناک میں پانی چڑھا کر اُسکو صاف کرنا - سر کے بالوں کی مانگ نکالنی - مونچھیں کترونی مسواک کرنا - اور باقی بدن کی باتیں یہ ہیں ختنہ کرنا - موئے زہار مونڈنا بغل کے بال اُکھیڑنے ناخون کاٹنے - پانی سے استنجا کرنا - سو مشرکین عرب سب ابراہیمی مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کو اِن سب باتوں پر عمل کرنا چاہیئے - حمزہ اور حفص عن عاصم کی قرات میں عہدی یائے تحتیہ کے سکون کے ساتھ ہے اور باقیوں کی قرات میں فتحہ کے ساتھ ہے اور بعض نے الظالمین کی جگہ الظالمون بھی پڑھا ہے -

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

یہ اور تکلیف ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مکلف کیا - سو اول اللہ تعالیٰ کعبہ کی فضیلت بیان فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کا مجمع ہے اور وہ جائے امن بھی ہے کہ اُسکے چوگرد لوٹ مار ہوتی ہے لیکن حرم میں بدامنی نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ سب کو یہ رغبت دلاتا ہے کہ تم ابراہیم کے قدم بقدم چلو جہاں اُس نے نماز پڑھی ہے وہیں تم بھی پڑھو (خدا نے تو محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور ان کی تمام امت کو ابراہیمی مصلے پر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور لوگوں نے اپنی من گھڑت سے حنفی مصلے اور شافعی مصلے وغیرہ بنا لیا ابراہیمی مصلے سے کچھ غرض نہ رکھی اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ ہم قرآن پر ایمان لائے ہیں اور سنی ہیں سبحان اللہ) پھر اللہ تعالیٰ ذکر فرماتا ہے کہ کعبہ کی مرمت کا حکم ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام کو ہم ہی نے دیا تھا تو اُنہوں نے اُسکو از سر نو تعمیر کیا اور اُسکو صاف اور ستھرا کیا خواہ بتوں سے خواہ گندگی وغیرہ سے طائف کے معنے طواف کرنے والا یعنے چوگرد پھرنے والا اور عاکف کے معنے اعتکاف کرنیوالا یعنے ایک جگہ یعنے مسجد میں عبادت کرنے والا رکع جمع راکع کی ہے یعنے رکوع کرنے والا جھکنے والا اور سجود جمع ساجد کی ہے یعنے سجدہ کرنے والا زمین پر ماتھا ٹیکنے والا - سو کعبہ ایسے ہی لوگوں کے لیئے بنایا گیا ہے ❖

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

یہ اور ابراہیم علیہ السلام کی خوبی کا ذکر ہے کہ اُنہوں نے کعبہ بنا کرکے اُس بستی یعنے مکہ کے لیئے دعا کی جسکا اُس جگہ پر ہونا وحی سے اُن کو معلوم ہوا تھا یا خود اُنہوں نے وہاں پر بستی کے ہونے کی تمنا کی اٰمن کے معنے بیخوف - اور ابراہیم علیہ السلام کی کمال حکم برداری کی دلیل یہ ہے کہ امامت کے لیئے جب اُنہوں نے اللہ سے اپنی اولاد کے حق میں دعا کی تو حکم ہوا تھا کہ ظالموں کو میرا عہد شامل نہیں ہے - تو اُس خوف سے یہاں رزق طلب کرنے میں بھی وہی لحاظ رکھا کہ من اٰمن الخ کی قید لگائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امامت دینی اور چیز ہے اور رزق دینا اور چیز ہے سو رزق میں ایماندار کی خصوصیت نہیں بلکہ کافر اور مومن سب کو برابر ملتا ہے لیکن کافر کی عاقبت خراب ہے ❖

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

یہ اور ابراہیم علیہ السّلام اور اسمٰعیل علیہ السّلام کی خوبی کا ذکر ہے کہ کعبہ کی بناء و تعمیر کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کو بھی یاد کرتے جاتے تھے اور اپنے ایمان کی سلامتی خدا سے طلب کرتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے جاتے تھے کہ اس گھر کے متعلق جو عبادات ہیں وہ پوری ہمکو تعلیم کر اور ہمارے قصوروں سے درگزر کرکے ہم پر رحمت کی نظر سے توجہ کر۔ پھر اسکے بعد یہ دعا بھی کی اس بستی میں انہیں کی قوم سے ایک شخص رسول بنا کے کھڑا کر جو اُن کو تیری آیتیں پڑھکر سنایا کرے اور تیری کتاب اُن کو سکھاوے اور شرک وکفر و بدعت سے اُن کو پاک کرے تیرا کوئی کام مضبوطی اور حکمت سے خالی نہیں ہے اس دعا میں محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بے انتہا خوبیاں ابراہیم میں ثابت ہیں کہ ہر بات میں وہ ہمارا پورا فرمان بردار رہا ہے اور بڑا پکا موحد تھا پھر جو اسکی پیروی نکرے اور اُسکا طریق اختیار نکرے اور اسکے مذہب سے روگردانی کرے تو اس سے بڑھکے اور کون بیوقوف ہوگا دنیا میں وہ سب سے زیادہ برگزیدہ لوگوں میں مشہور ہے اور قیامت کے روز بھی وہ ایسا ہی ہوگا اسکی برگزیدگی غلط مشہور نہیں +

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یہ بہت بڑی خوبی ہے ابراہیم علیہ السلام کی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو فرمان برداری کا حکم دیا تو فوراً بے چون وچرا سر تسلیم جھکا دیا اور عقل سلیم اُن کی وہ تھی کہ سر تسلیم خم کرنے کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی کہ میں کیوں سر تسلیم خم نکروں تو تو تمام جہان کا مالک ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

یہ اور خوبی ہے ابراہیم علیہ السّلام کی کہ جس دین کو انہوں نے اپنے ذات کے لیے پسند کیا تھا اُسکی وصیت اپنی اولاد کو بھی کردی اور یعقوبَ بائے موحدہ کی فتحہ سے پڑھیں تو یہ معنی ہوں گے کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے پوتے یعقوب کو بھی وصیت کی اور اگر یعقوبُ بائے موحدہ کی ضمہ سے پڑھیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جیسے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی اولاد کو توحید و اسلام کی وصیت کی تھی ایسی ہی وصیت یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو کی تھی اور یہی قرات مشہور ہے اور مروج مصحف میں بھی یہی ہے اور کسی حالت پر مرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے لیکن مراد یہ ہے کہ تم کوشش کرنا کہ ہر وقت تمہارا یہی توحید کا عقیدہ رہے جب ہر وقت کوشش کے ساتھ اسکی پابندی کروگے تو اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت بھی اپنے فضل وکرم سے اسکی توفیق دیگا۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی وصیت کا ذکر کیا جو کہ اُنہوں نے اپنی اولاد کو کی تھی تو اُسکے بعد یعقوب نے جو اپنی اولاد کو وصیت کی اُسکی تفصیل ذکر فرمائی تو یہود ونصاریٰ کو لازم ہے کہ ابراہیمی توحید کو اختیار کریں اور شرک کو چھوڑ دیں۔ اُسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باپ دادوں کے اعمال سے کسی کو نہ نفع پہونچ سکتا ہے اور نہ نقصان صرف اپنے ہی عملوں پر مدار ہے جو کوئی جیسا کریگا ویسا ہی بھرے گا یہود کا یہ خیال تھا کہ ہمارے باپ دادوں نے جو بچھڑے کی عبادت کی تھی اُسکا عذاب ہمکو بھی ہوگا اتنے ہی دن جتنے دن اُنہوں نے

اُسے پوجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خام خیالی کا رد فرمایا اور اپنے ذاتی اعمال پر دارومدار رکھا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اب اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ باوجود اسکے کہ اہل کتاب جانتے ہیں کہ ابراہیمی دین اسلام اور توحید تھا پھر ہٹ دھرمی سے یہودی کہے جاتے ہیں کہ بغیر یہودی ہونے کے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی اور نصرانی یہ کہے جاتے ہیں کہ بغیر نصرانی ہوئے ہدایت ہاتھ نہیں آسکتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری یہودیت اور نصرانیت تو سراسر شرک ہے توحید ملت ابراہیمی میں ہی ہے اُسی کو اختیار کرنے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اسلئے کہ ابراہیم بالکل مشرک نہ تھے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

جب اللہ تعالیٰ الزامی جواب دے چکا تو تحقیقی جواب دینا شروع کیا یعنے انبیا کی نبوت کی پہچان یہ ہے کہ اُن کے ہاتوں معجزہ صادر ہو اور اپنے مدعا پر دلائل قویہ رکھتے ہوں سو وہ سب باتیں تم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس دیکھ چکے ہو پھر بعض انبیا کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اسکی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ حقیقی ایمان کا یہ طریق ہے جو کہ ہمنے تمکو بتایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ خطاب اہل اسلام سے ہو۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی طرف خطاب کرکے فرماتا ہے کہ یہ اہل کتاب وغیرہ اگر تمہارے ایمان جیسا ایمان لاویں تو تو ہدایت پر ہیں ورنہ مخالف ہیں۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ تم اُن کی شرارتوں سے کچھ کھٹکا نہ کھو اللہ تم کو محفوظ رکھے گا۔ وہی سب کی سنتا ہے اور سب کی نیتیں جانتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝

نصاریٰ اپنی چھوٹی اولاد کو ایک قسم کے زرد پانی میں ایک ڈوبا دیا کرتے تھے اور اسکا نام معمودیہ یا بپتسمہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اب یہ نصرانیت میں رنگ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس رنگ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا رنگ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں پیدا کرتا ہے اور وہ دین اور توحید و ایمان کا رنگ ہے جو دل کی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے ظاہری رنگت اسکے سامنے کچھ چیز نہیں ہے اور نہ اس سے کچھ قلب پر اثر ہوتا ہے۔ اثر تو فقط تعلیم کا ہوتا ہے اور اندرونی رنگ کا اثر یہ ہے کہ انسان فقط اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرے قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے کہو کہ تم جو اپنی خصوصیت خدا سے نسبت ہماری زیادہ بتلاتے ہو اسکی کیا وجہ ہے وہ تو سب کا مالک اور پروردگار ہے بے وجہ کسی سے خصوصیت نہیں رکھتا پھر جو پیغمبری کو تم اپنا ہی حصہ بتاتے ہو اور بنی اسمٰعیل کو اس سے محروم جانتے ہو یہ تمہارا خیال غلط ہے بلکہ دارومدار اعمال اور توحید پر ہے اور نیز خدا کی مرضی پر ہے وہ کسی کا مقید نہیں پھر تم میں اخلاص و توحید نہیں اور ہم مخلص اور موحد ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہم عرب لوگوں میں نبی پیدا کیا اور یہ اُسکا محض فضل ہے اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

یعنے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زیادہ تر تمہاری دو حجتیں رہتی ہیں یا تو اپنا استحقاق ثابت کرتے ہو کہ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ نبوت خاص ہے

اور قوم میں نہیں ہو سکتی اور یہ دعوے کرتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی اولاد سب یہودی یا نصرانی تھے۔ اور تمہارے یہ دونوں دعوے جھوٹے ہیں اور دیدہ و دانستہ تم حق کی شہادت کو چھپاتے ہو۔ ام تقولون تائے فوقیہ خطاب کے ساتھ ابن عامر اور حمزہ اور کسائی اور حفص عن عاصم کی قرات ہے۔ اور باقیوں کی قرات یائے تحتیہ غیبت کے ساتھ ام یقولون ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

پھر اللہ تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ آباواجداد گو نبی گزرے ہوں لیکن اُن کے اعمال صالحہ اُن کی اولاد کے کام نہیں آسکتے ہر ایک کو اپنی ہی عمل کام آویں گے دوسروں پر بھروسا کرنا بدنصیبوں کا کام ہے۔

جلد دوم ترجمہ تفسیر کبیر اردو

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

وحی کے اعتبار سے اہل اسلام کا قبلہ ہمیشہ کعبہ ہی رہا لیکن چونکہ مدینہ میں اہل کتاب تھے اُن کی تالیف کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ جا کر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنی شروع کی کیونکہ کعبہ کے بارے میں ابھی تک کوئی حکم جازم نہیں آیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کو دیکھ لیا کہ اُن میں تالیف اثر نہیں کرتی اسلئے وہ چاہتے تھے کہ کوئی حکم ناطق اور حتمی کعبہ کے بارے میں اُترے۔ تو اللہ تعالیٰ اس حکم کے بھیجنے سے پہلے اطلاع دیتا ہے کہ جب ہم تجکو اور تیرے تابع داروں کو استقبال کعبہ کا حکم دیں گے تو اہل کتاب اور مشرکین میں سے احمق لوگ اعتراض کریں گے تو تم جواب دینا کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے جدہر چاہے اُدہر ہی منہ کرنیکا حکم دیوے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝

یعنے جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ انعام کیا کہ خاص ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تمہارا قبلہ بنایا جسکی وجہ سے تمکو ابراہیم علیہ السلام سے پوری اور سچی خصوصیت پیدا ہو گئی اسی طرح ہمنے تمکو نہایت میانہ طریق والی امت بنایا ہے کہ نہ تم میں افراط ہے نہ تفریط اور اسی کی بدولت اللہ نے تمکو یہ رتبہ عنایت فرمایا کہ تمام امتوں کے رسولوں کے تم لوگ گواہ ہو گے اور تمہارا رسول تمہاری صداقت پر شاہد ہو گا۔ دنیا میں بھی مذہب اسلام کا میانہ ہونا اظہر من الشمس ہے اور قیامت میں بھی علی رؤس الاشہاد یہ بات خوب ظاہر ہو جاویگی وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہوا کہ رسول کے اتباع میں جو جو کام تم کرو گے وہ کام تمہارے اکارت نہیں جائیں گے اسلئے جو جو نمازیں تم نے ازروے مصلحت بحکم رسول بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں وہ بیکار نہیں ہیں اور قبلہ کا ادل بدل کرنا صرف آزمائش ہے کہ ذلیل اور متکبر لوگ ایک عادت کو چھوڑنے کو عار سمجھا کرتے ہیں اسلئے اُن کی بندگی بھی سچی نہیں ہوتی بندہ ہونا تو یہی ہے کہ جدہر جانیکا آقا حکم دے اُسکو بے چون و چرا مان لے۔ جب چون و چرا کی تو فرماں برداری جاتی رہی۔ اور ہدایت کا مقتضی فرماں برداری ہی ہے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب ہم تمہاری امید بر لاتے ہیں تم جو ہمیشہ آسمان کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھتے رہتے تھے کہ کب کعبہ کا حکم آتا ہے سو اب لو تمہاری مرضی کے موافق ہمنے حکم بھیجدیا سو مسجد حرام یعنی کعبہ کی طرف متوجہ ہو جا اور بیت المقدس کو چھوڑ دے اور باقی اہل ایمان سے بھی کہدے کہ کعبہ ہی کا رخ اختیار کریں۔ اور اہل کتاب کو بھی خوب معلوم ہے کہ سچا قبلہ امت محمدیہ کا یہی کعبہ ہے لیکن ضد سے پیروی نہیں کرتے۔ اور ابن عامر اور حمزہ اور کسائی کی قرات تعملون تائے فوقانیہ سے ہے اور باقیوں کی قرات یائے تحتانیہ سے ہے

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل کتاب آپس میں بھی قبلے کے بارے میں متفق نہیں سو نصاریٰ کا قبلہ مشرق ہے اور یہود کا بیت المقدس اور تمہارا ہی قبلہ حق ہے پھر اس حق قبلہ کو چھوڑ کر اہل کتاب کے کہنے میں مت آیو ورنہ سزا پاؤ گے اور اہل کتاب ایسے ضدی ہیں کہ تم کتنی ہی محکم حجتیں پیش کرو یا کیسے ہی معجزے دکھاؤ وہ تو تمہارا قبلہ کبھی اختیار نہیں کریں گے ۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو تاکید سے آگاہ کرتا ہے کہ اہل کتاب ضد اور عناد میں چور ہیں اسلیئے کہ اُن کے دلوں میں اس نبی کی حقیت کا ایسا پکا عقیدہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو بھی اسقدر اپنے ہی نطفہ ہی سے ہونا یقین میں نہیں لاتے پھر باوجود اس معرفت کے حق پوشی کرتے ہیں۔ اسلیئے ان کے دہوکے میں مت آنا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

یعنے ہر ایک قوم نے اپنے لیئے ایک قبلہ بنا رکھا ہے اُسکا رخ اسی کی طرف ہوتا ہے لیکن بھلائی اُس میں ہے کہ حکم کی پیروی کی جاوے سو کعبہ کو قبلہ قرار دینا ایک بھلائی نہیں بلکہ بہت بھلائیوں کا درجہ رکھتا ہے ایک تو ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اور ایک نبی آخر الزماں کی پیروی اور مشہور معروف اور معتاد قبلہ کو چھوڑ کر جدید قبلہ کی طرف منہ کرنا نفس پر نہایت شاق گزرتا ہے اس امر شاق کو اختیار کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا بہت بڑی بھلائی ہے اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنیکو فاستبقوا الخیرات سے تعبیر کیا ہے تو جسنے خلوص دل سے کعبہ کو رخ کیا اُسکو بے شمار نیکیاں حاصل ہوگئیں۔ اور عبداللہ بن عامر نخعی اور ابن عباس اور ابو جعفر محمد بن علی الباقر کی قرات میں ہو مولاہا ہے اور باقیوں کی قرات میں ہو مولیہا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اس جگہ اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم فرماتا ہے کہ خواہ تم سفر میں ہو یا حضر میں سب جگہ نماز کے وقت کعبہ ہی کی طرف منہ کرنا ہوگا اس سے چارہ نہیں۔ اور تحقیقی اور دوامی حکم دینے کی وجہ یہ ہے کہ تا اعتراض کرنے والوں میں اعتراض کی جگہ نہ رہے کہ محمد حیران ہے اُسے یہی نہیں معلوم کہ میں نماز کے وقت کدھر منہ کروں ہاں ناحق حجتیں کرنے والے تو کسی وقت بھی اعتراض سے باز نہیں آتے سو اُن سے ڈرنے کی کیا حاجت ہے ڈرنا تو اللہ سے چاہیئے جو کہ احکم الحاکمین ہے اور اُسی کا احسان ہے کہ جسنے اس امت کو خیر الامم بنایا اور رسول آخر الزماں کو

سید المرسلین بنایا فللہ الحمد ؂

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ؕ

ابراہیمی قبلہ تمہارے لیے معین کرنا ایسی ہی نعمت ہے جیسے کہ تم میں سے نبی امی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو تمہارے لیے برگزیدہ کرکے تمہارا نبی بنایا وہ تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمکو شرک و بدعت کے عقیدوں سے پاک کرتا ہے اور تمکو تمہارے نفع کی وہ وہ عمدہ باتیں بتاتا ہے جن سے تم بالکل ناواقف تھے ؂

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ؕ

جب مینے تم پر تنے احسان کیئے تو تم کو چاہیئے کہ میری قدردانی اور شکر کرو نہ کہ ناشکری کرو۔ تمکو چاہیئے کہ میری ہی یاد میں مشغول رہو۔ پھر بات بھی ہے کہ میری یہ یاد صرف شکر یہ ہی نہیں بلکہ اس سے تمکو ثواب کی بھی امید ہے کہ مجھے یاد رکھو گے تو میں تمہیں یاد رکھونگا اور میرا یاد رکھنا ایسا ویسا نہیں بلکہ اسمیں تمہارے حق میں بے انتہا بھلائی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ؕ

جب اللہ تعالیٰ نے ذکر و شکر کا حکم دیا تو اُسکے بعد صبر و نماز سے مدد لینے کا حکم دیا اسلیئے کہ بغیر صبر و نماز کے ذکر و شکر محال ہے۔ صبر سے مراد ثابت قدم رہنا اور صلوٰۃ سے مراد نماز ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؕ

جب صبر کا حکم دیا گیا تھا تو صبر کئی طرح پر ہوتا ہے مال کے نقصان پر یا جان کے نقصان پر یعنی باوجود ان نقصانوں کے ہوئیکے بھی ثابت قدمی کو نہ چھوڑے اس لیئے کہ یہ نقصان حقیقت میں نقصان نہیں ہیں بلکہ نفع ہیں۔

اسی لیئے جو شخص اللہ کی راہ میں باخلاص مارا جاتا ہے اُسکو جان کندنی کی تکلیف نہیں ہوتی اور اسپر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور نہ غسل دیا جاتا ہے اسلیئے کہ اُسکا بدن بالکل پاک ہوتا ہے اور اللہ کی بخشش و مغفرت اُسکے حق میں یقینی ثابت ہوتی ہے اسلیئے نماز جنازہ و غسل کی اُسکے لیئے ضرورت نہیں رہتی اور اسی لیئے اُسکو شہید بھی کہتے ہیں اور میّت کا لفظ اسپر نہیں بولا جاتا۔ لیکن یہ اصطلاح شرعی ہے لغت کے اعتبار سے وہ میّت ہی کہلائیگا اسلیئے کہ روح کے بدن سے جدا ہونے کو موت کہتے ہیں اور شہید میں یہ بات پائی جاتی ہے اور اُسکا مال بھی وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ لیکن اُسکو فرحت روحانی بے انتہا ہوتی ہے جسکی حقیقت کو ہم لوگ جان نہیں سکتے اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ؂

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ؕ

اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو اطلاع دیتا ہے کہ تمنے اسلام کا اقرار تو کیا لیکن سچا جھوٹا کیونکر پہچانا جاوے اسکی معیار صبر ہے اور بغیر تکلیف کے موجود ہوئے صبر کا وجود محال ہے اسلیئے اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ ضرور میں تمہاری آزمایش کروں گا خوف کے ساتھ یا بھوک کے ساتھ یا جان و مال کے نقصان کے ساتھ سو جو شخص اس امتحان میں پورا اترا اور صابر نکلا تو اُسکے لیئے بہت بڑی خوشخبری ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ

اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مصیبت جبر آتی ہے اُسکو طوعاً کرہاً جھیلتا ہے تو اس جھیلنے ہی کو صبر نہیں کہتے بلکہ صبر یہ کہ جزع و فزع نکرے اور مصیبت کا خوشی اور رضامندی سے استقبال کرے اور انا للہ الخ کہے یعنے ہم خدا کے ملک ہیں اُسکی چیز ہیں جیسا چاہے ویسا ہی

تصرف ہم میں کر سکتا ہے اور وہ تصرف بیجا نہیں ہے اور آخر اسی کی پاس سب کو جانا ہے دنیا میں کسی کو رہنا نہیں ہے۔ تو رضا وتسلیم کا مجموعہ صبر ہے۔ ایسے صبر والے ہی ہدایت والے کہلاتے ہیں اور ایسوں کے لیئے بے انتہا اللہ کی مہربانیاں اور رحمتیں مہیا ہیں اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منجملہ اُن آزمایشوں کے ایک حج بھی ہے اسلیئے کہ اسمیں مالی نقصان کیا جاتا ہے کیونکہ جب تک زاد راہ نہو گا جا نہیں سکتا اور نہ بغیر قیمت کے ھدی یعنے قربانی ہو سکتی ہے اور اس میں شبہہ نہیں راہ میں خوف بھی ہوتا ہے اور جان کے جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ کعبہ قبلہ مقرر ہو چکا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اُسکے متعلق عبادات کو ذکر کیا یعنے حج وعمرہ۔ اور چونکہ مشرکوں نے صفا و مروہ (مکہ شریف میں دو پہاڑیاں ہیں) پر بت بنا رکھے تھے اور اُن بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ تو مسلمانوں نے اُن کے درمیان سعی کرنے کو یعنے دوڑنے کو مکروہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ بت اب نہیں رہے جنکی مشرک تعظیم کیا کرتے تھے اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا تو ارکان حج میں سے ہے مشرکوں کی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ نیکی کا کام ہے اللہ تمہاری اس نیکی کی قدردانی کرے گا +

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ

یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت کو جو کہ توراۃ میں موجود تھی بدل ڈالا اور تحریف کی اور ظاہر نہ ہونے دیا اور چھپایا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُسکے ظاہر کرنے کا حکم دیا تھا اور اسی طرح کعبہ کا قبلہ ہونا وغیرہ سب توراۃ میں موجود تھا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے حق چھپانے والوں کے بارے میں خواہ مسلمانوں میں ہوں یا نصاریٰ میں یا یہود میں عام حکم فرمایا ہے کہ اُنپر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام مخلوقات کی لعنت (پھٹکار) ہے +

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ پھٹکار ان کو ہمیشہ دامنگیر رہیگی دنیا اور قیامت میں لیکن جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور جو بگاڑ کیا تھا اُسکی حتی المقدور اصلاح کی اور اپنی غلطی بیان کی اور حق کو ظاہر کیا تو اُنپر رحمت سے رجوع کروں گا اور اُس پھٹکار کو اُنپر سے اٹھا دوں گا کوئی خلوص کرنے والا ہو تو میں بہت ہی رحم والا اور عنایت سے توجہ کرنے والا ہوں +

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ حق پوشی کفر ہے سو جو شخص ارکان اسلام کو چھپاوے وہ بہت بڑا کافر ہے اور جو شخص کفر پر مرا اُسپر سب کی پھٹکار ہے خدا کی فرشتوں کی تمام جہان کی اُن لوگوں پر سے کسی صورت سے پھٹکار اُٹھ نہیں سکتی اور نہ اُن سے عذاب کی تخفیف ہو اور نہ مہلت ملے اسلیئے کہ زندگی میں توبہ کرتے اور اپنی اصلاح کرتے اور حق کو ظاہر کرتے اور اسلام کے پورے موافق ہوتے تو کوئی صورت تخفیف وخلاصی کی نکلتی +

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

یعنے تم سب لوگوں کا معبود ایک ہی ہے اور کوئی معبود حقیقی ہے ہی نہیں اور وہی نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے سو جب کسی شخص نے اللہ وحدہ لا شریک لہ کو اپنا معبود حقیقی مان لیا اور اسکو نہایت مہربان اور رحم والا بھی مان لیا تو اس میں شک نہیں کہ اُسکی سچی عبادت جب کریگا تو اُس میں بھی یہی صفات پیدا ہوں گے یعنے رحیمیت۔ اور فریب اور حق پوشی ہرگز نہیں کر سکتا اسلیئے کہ اسکو جمال وجلال الٰہی شاہد ہوگا

ہیں اس مشاہدہ کے سامنے تمام دنیا ہیچ ہے پھر اسکو نہ کسی اور چیز کا خوف دل میں سما سکتا ہے نہ طمع +

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

اللہ تعالی اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان فرماتا ہے۔ یعنی آسمان وزمین کا بنانا اور رات اور دن کا ایجاد کرنا اور انکا گرمی جاڑے میں کم وبیش ہونا اور دریا میں اموال تجارت وغیرہ سے بھری ہوئی کشتیوں کا چلنا اور آسمان سے مینہ برسنا اور اُس بارش سے زمین کا شاداب ہونا اور انسان اور حیوان کا زمین میں پرورش پانا اور ہواؤں کا چلنا اور آسمان وزمین کے درمیان بادلوں کا ٹھہرا رہنا وغیرہ یہ سب عقلمندوں کے لیئے دلائل وحدانیت ہیں۔ ان مذکورات میں سے جس چیز کی تفصیل کی جاوے تو ایک دفتر بلکہ کئی دفتر بھی اُسپر حاوی نہیں ہوسکتے +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ

جب اللہ تعالی کی وحدانیت اور حقیقی معبود ہونا دلائل سے ثابت ہوچکا پھر کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا اور اوسکی پوجا کرنا اور اوس سے نفع وضرر کی توقع رکھنا کتنی غضب کی بات ہے اسی لیے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ایمان کا مقتضے یہی ہے کہ سخت اور محکم اور حقیقی محبت اللہ ہی سے رکھی جاوے اور غیر اللہ کی محبت رکھنا ظلم اور شرک ہے اسی لیئے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کاش یہ ظالم کہ جو سوائے میرے اوروں کی محبت دلوں میں رکھتے ہیں اپنی سزا کا معاینہ کرلیتے اور اپنے عذاب کو دیکھ لیتے تو اُن کو یہ حقیقت کھلتی کہ تمام قوت اللہ ہی کو ہے اور کسی کو کسی قسم کا دنیا میں اختیار نہیں ہے اور یہ اُن کو معلوم ہوجاتا کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ لیکن اس امر کی حقیقت کا کھلنا قیامت ہی پر موقوف رکھا گیا ہے +

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے سوا اوروں کے حکم ماننے والوں کا جو حال ہوگا اسکی حقیقت یہ ہے کہ جسوقت اپنی سزا کو دیکھیں گے تو سب گروہ اپنے چیلوں سے بیزار ہوجاوینگے اور اُن سے بات تک نہ کریں گے اور اُن کے چیلا ہونے کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ نہ یہ ہمارے چیلے اور نہ ہم اُن کے گرو تھے یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور چیلے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہمیں بھی کوئی ایسا موقع ملتا کہ ہم بھی انسے ایسا ہی کرتے اور اُن سے بیزار ہوتے اور ہماری جیسے حسرت ہم سے اُن کو حاصل ہوتی۔ غرض ہر ایک دوسرے سے بیزار ہوگا سب آپس میں کے علاقے ٹوٹ جائیں گے اور گروؤں اور چیلوں کو سب کو حسرتوں پر حسرتیں ہوں گی لیکن لاعلاج نجات کی کوئی صورت نہ ملے گی۔ یہ نتیجہ ہے غیر اللہ سے محبت کرنے کا اور نفع ونقصان کی توقع رکھنے کا +

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے اوپر سوائب اور وصائل اور بحائر (بحار کے اقسام) حرام کر رکھے تھے اُن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ابن عامر اور کسائی اور حفص عن عاصم اور ایک روایت ابن کثیر کی قراءت میں خُطُوات خا کے

طا و نون ہے کے ضمہ کے ساتھ ہے اور باقی لوگوں کے نزدیک طا ساکن ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام مت قرار دو جب تک کہ شارع اُسکو صریح حرام نہ فرماوے اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرنا شیطان کے قدم بقدم چلنا ہے ‌‌‌‌‌ ۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ

یعنے مشرکین نے شارع کے کلام کی پیروی چھوڑ کے اپنے اسلاف کی تقلید شروع کی سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ تقلید کا رد فرماتا ہے اس ردّ کی تقریر اسطرح پر ہے کہ مقلد سے کہا جاوے کہ تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ نہیں کہ تقلید کی شرط یہ ہے کہ جسکی تقلید کی جاوے اسکا حق پر ہونا معلوم ہو۔ اگر وہ اس بات کا اقرار کرے تو اس سے کہا جاوے کہ تو نے اسکی تقلید جب ہی جائز جانی ہے کہ وہ محق ہے تو اسکا حق ہونا تمکو کیونکر معلوم ہوا اگر کسی دوسرے کی تقلید سے معلوم ہوا تو تسلسل لازم آئیگا اور اگر عقل سے معلوم ہوا تو تقلید کی حاجت ہی نہیں اور اگر تو یہ کہے کہ تقلید کیلئے یہ شرط نہیں کہ جسکی تقلید کی جاوے اسکا حق پر ہونا معلوم ہو تو تمہارے نزدیک ناحق والے کی تقلید بھی جائز ہوئی اسلیئے کہ تمکو معلوم نہیں کہ تمہارا پیشوا حق پر ہے یا نہیں۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمنے مانا کہ فلاں تمہارا پیشوا فلاں مسئلہ کا عالم تھا لیکن اگر فرض کیا جاوے کہ وہ اُس مسئلہ کو نہیں جانتا تھا اور نہ اُس بارے میں اُس نے کوئی مذہب اختیار کیا تو اس صورت میں تم کیا کرتے ضرور اجتہاد کرنا پڑتا یا کسی دوسرے کا قول ماننا پڑتا تب بھی تقلید اُڑ گئی تو جو کام تم اُسوقت کرتے وہ اب بھی کر سکتے ہو کوئی اُسکا مانع نہیں پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تمنے کسی پیشوا کی تقلید اس شرط سے جائز کی کہ اُسکا حق پر ہونا معلوم ہو تو جس طرح اُس نے دلیل سے علم حاصل کیا ہے اسی طرح تم بھی دلیل سے علم حاصل کرو جب پیروی پکی ہوگی۔ حاصل یہ کہ جتنا تقلید کثابت کرو اتنی باطل ہوتی ہے +

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○

جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ کفار لوگ اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں حالانکہ اُن کو یہ معلوم نہیں کہ وہ حق پر تھے یا نہیں اور یہ حماقت ہے اسی لیئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں اُن کی تمثیل حیوانات سے دیتا ہے کہ وہ آدمیوں کی بولی نہیں جانتے فقط ایک آواز اور پکار جانتے ہیں سو ایسا سننا کہ سمجھ میں نہ آوے وہ بہرا پن سے کم نہیں ہے اور چونکہ کفار حق کو دیکھ کے بھی نہیں پہچانتے تھے اور نہ پوچھکر اسلیئے اندھے بھی ہوئے اور بہرے بھی اور گونگے بھی الغرض پورے لا یعقل ہیں۔ اسی لیئے اپنے قیاس سے اور کسی کی تقلید سے جس چیز کو چاہا حلال کر دیا اور جس چیز کو چاہا حرام کر دیا +

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے تو تمپر صرف یہی چیزیں حرام کی ہیں۔ اور جب آدمی ایسا مجبور ہو کہ اسکی جان جاتی ہو تو اُسوقت یہ چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں حرم مجہول و معروف دونوں اسکی قرارت ہے اور فمن اضطر میں نافع اور ابن کثیر اور ابن عامر اور کسائی نے نون کا ضمہ پڑھا ہے اور باقیوں نے کسرہ +

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

اس آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ کعب بن اشرف اور کعب بن اسد اور مالک بن الصیف اور حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہود کے رئیس تھے اور اپنے اتباع سے ہدیہ اور تحفے لیا کرتے تھے اور جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہ لوگ انہیں تحفوں اور ہدیوں کی پائداری کی فکر پڑ گئی اور ڈرے کہ مبادا موقوف نہو جاویں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی

نعت جو تورات میں تھی اسکی تحریف کرنی شروع کی اور لوگوں کو بہکانے لگے یہاں تک کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کیا۔ سو ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے +

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ جانکر نعت محمدی چھپاتے ہیں اسلیئے ہدایت دیکر گمراہی کو مول لیتے ہیں اور اللہ کی بخشش اور مغفرت دیکر عذاب مول لیتے ہیں۔ سو کیا ہی صبر کرنے والے ہیں دوزخ کے عذاب پر کہ نار کو عار پر مقدم کیا +

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْکِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ

یعنے یہ سزا دوزخ جو ان لوگوں کے لیئے مقرر کی ہے اسلیئے کہ ہمنے سچی کتاب اُتاری اور اُنہوں نے اسکا سخت خلاف کیا +

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

حمزہ اور حفص عن عاصم کی قرارت میں لیس البر رائے پہلے کے نصب یعنی فتحہ سے ہے اور باقی لوگوں نے رفع یعنے ضمہ سے پڑھا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ پورب پچھم کی طرف مونہ کرنے سے ہی کوئی بھلائی نہیں ملتی بلکہ بھلائی تو تعمیل حکم میں ہے یعنے اُن اُن باتوں سے جو کہ آیت میں مذکور ہیں بھلائی حاصل ہوتی ہے بشرط خلوص +

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

یہود کا اصول یہ تھا کہ قاتل کی سوائے قتل کے اُن کے ہاں اور کوئی سزا نہ تھی اور نصاریٰ کے ہاں سوائے عفو کے اور کچھ کام جائز نہ تھا اور عرب کے نزدیک کبھی قتل اور کبھی دیت (خون بہا) لیکن دونوں صورتوں میں ظلم کو کام میں لاتے تھے یعنے اگر کوئی شریف کمین کو قتل کرے تو اُس کمین کے بدلے شریف قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ تھوڑا سا خون بہا اُسکے وارثوں کو دلا دیتے تھے اور اگر کوئی کمین کسی شریف کو قتل کر دیتا تو قاتل کو قتل کر دیتے اور اُسکے وارثوں سے اور خون بہا بھی جسکو جرمانہ کہنا چاہیئے لے لیتے تھے۔ اور بنی قریظہ اور بنی نضیر نے باوجود تورات پر ایمان لانے کے عرب کا طریق تعدی اختیار کر لیا تھا جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُنہوں نے بحکم خدا عدل و انصاف کا حکم دیا اور تین صورتیں رکھیں یا قتل یا عفو مع دیت یا عفو بے دیت لیکن سب صورتوں میں انصاف مدنظر رہے شریف کمین کی کوئی تمیز نہیں رکھی خواہ اصیل ہو یا غلام خواہ شریف ہو یا کمین سب پر یہ حکم یکساں جاری ہوگا

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○

اس آیت میں زیادہ ترجیح قصاص کو دی گئی ہے یعنے جب قاتل مقتول کی عوض میں قتل کیا جاویگا تو اوروں کو نصیحت ہوگی اور قتل پر جرأت کم کیا کرینگے اور جب قتل کا دروازہ مسدود ہوگا تو زندگانی آپ ہی بڑھیگی کیونکہ قتل سے عمر تمام ہو جاتی ہے +

کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ○

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ جو حصہ فرائض کے معروف ہیں اُن کے موافق میت کو چاہیئے کہ مرنے سے پہلے جبکہ اُسکے ہوش حواس قائم ہوں والدین اور دیگر وارثوں قرابت مندوں کے لیئے مال کی وصیت کر جاوے جنکے دلمیں خدا کا خوف ہے وہ ہر مصیبت سے غافل نہیں رہتے۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ میت کی وصیت میں تغیر تبدل نہ کرنا چاہیئے جس طرح اُس نے وصیت کی ہے ویسا ہی اجرا کرنا چاہیے بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وصیت کرنے والا ایسی وصیت کر جاوے جسمیں گناہ کی بات ہو یا کسی کی حق تلفی ہو تو وصی یا یعنے وصی اگر اس وصیت کو بدل دے یعنے مشورہ کرکے سب کو سمجھا دے کہ یہ وصیت ناجائز ہے یا اسمیں حق تلفی ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مناسب اسطرح پر ہے تو اس شخص کو کچھ گناہ نہوگا اور جب موصی لہم ناجائز وصیت کو جاری نہونے دینگے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے میت کو اس ناجائز وصیت کرنے میں نہ پکڑے اسلیئے کہ اسکا اجرا نہیں ہوا اگر اجرا ہوتا تو کسیکی حق تلفی ہوتی تو میت کی تعدی اپنی ذات ہی پر رہی اسلیئے اللہ غفور رحیم ہے شاید بخش دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

صیام بروزن قیام مصدر ہے اور اسی طرح صوم ہے اور اسکے اصلی معنی لغت میں رکنے اور بند رہنے کے ہیں خواہ کلام سے خواہ کھانے پینے سے اور شریعت کی اصطلاح میں کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے بند رہنا ہے طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک آیت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلی امتوں یہود و نصاریٰ وغیرہ پر روزے فرض کر دیئے گئے تھے اسی طرح تم بھی اسی حکم کے ماتحت ہو صرف تخفیف و تشدد میں فرق ہے پہلے لوگوں کے روزے میں قیود اور تشدد بہت تھے پھر اللہ نے تخفیف کی تمہارے ضعف کے باعث۔ اور روزہ کی فرضیت کی علت یہ ہے کہ آدمی کی قوائے جسمانیہ و روحانیہ دونوں آفتوں سے محفوظ رہیں اسلیئے کہ جسم روح کا قالب ہے جتنی جسم کی کثافت بڑھے گی اتنی ہی روح کی لطافت گھٹے گی اور جتنی جسم کی کثافت زائل ہوگی اتنی ہی روح کی لطافت بڑھے گی اور یہی عقل کا مقتضیٰ ہے واللہ اعلم۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

صرفی قاعدہ ہے کہ وزن افعال جمع قلت کے لیئے ہے اور ایام جمع یوم کی ہے اور یہ بھی جمع قلت ہے اور جمع قلت کی مقدار تین سے دس تک ہے۔ اسلیئے یہاں پر دو قول ہیں ایک یہ کہ اول اہل اسلام پر تھوڑے روزے فرض ہوئے تھے جیسے محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ ہے اور عرفہ وغیرہ کا بعد اسکے ان روزوں کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور رمضان کے مہینے کے روزے فرض ہو گئے۔ دوسرا قول محققین کا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں ایام سے قلت کے معنوں میں نہیں آتا اسلیئے کہ یوم کی جمع سوا ایام کے اور کوئی معروف مستعمل ہے ہی نہیں اسلیئے جبتک اسکے ساتھ کوئی قید نہ ہو قلت کثرت معلوم نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک یہ حقیقت قلت کیلیئے ہوتا ہے کثرت کے لیئے قید کی ضرورت ہوتی ہے تو قلت حقیقۃ ہے مجازی ہے یعنے سال بھر میں ایک مہینے کے روزے ایسے ہیں جیسے کہ بارہ روز میں ایک روز اسلیئے یہ آیت تعداد صوم کے بارے میں مجمل ہے اور آیہ شہر رمضان الذی الخ میں اسکی تفصیل اور نسخ کی بھی تاویل نکرنی پڑے گی۔ اور تخفیف اللہ تعالیٰ نے یہ عنایت فرمائی کہ مرض اور سفر میں روزہ نہ رکھے بلکہ جب صحت پائے یا سفر سے واپس آجاوے تو جتنے روزے قضا ہوگئے تھے ان کو پورا کرے۔ اور تخفیف یہ ہے کہ جتنے روزہ کی برداشت نہیں ہو سکتی جیسے کہ ایسا بڑھا ہو کہ بالکل ضعیف ہے یا ایسا مریض جسکے جانبر ہونے کی امید نہیں یا حاملہ کہ اگر روزہ رکھے تو بچے کو

میں تکلیف ہو یا دودھ پلانے والی کہ اگر روزہ رکھے تو دودھ میں کمی یا حدت پیدا ہو یا وہ شخص کہ جسکے روزے کسی عذر سے قضا ہوگئے اور اسکا عذر اسوقت زائل ہوا کہ دوسرا رمضان آگیا تو ان سب صورتوں میں روزہ معاف ہے اور بجائے روزہ کے ایک مسکین کا کھانا دیوے یعنے دو لپ جو یا گیہوں کا اور میل ہاشمی یعنے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردادا کے تعیین دیئے ہوئے جو کہ ایک میل بارہ ہزار قدم کا اور قدم پندرہ انگل کا اور خطوہ تین قدم کا ہوتا ہے تو ایک میل کے چار ہزار خطوہ ہوئے تو گزوں کے حساب سے (۳۷۵۰) یعنے تین ہزار سات سو پچاس گز ہوئے لیکن یہ میل اب بالکل متروک ہے لیکن آنحضرت کے وقت کے میل اور فرسخ میں یہی حساب لیا جاویگا تو ایک فرسخ اسوقت کا انگریزی میل کے حساب سے تقریباً ساڑھے چھ میل کا ہوا واللہ اعلم اب جاننا چاہیے کہ علما میں اختلاف ہے سفر کے مقدار میں کہ کس سفر میں قصر و افطار کرنا چاہیے اور کس میں نہ کرنا چاہیے تو حنفیوں کے نزدیک چھتیس میل سے کم میں افطار و قصر نہ کرنا چاہیے اور مالکیہ و شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک اڑتالیس میل سے کم میں نہ کرنا چاہیے اور داؤد ظاہری کے نزدیک تین میل سے کم میں نہ کرنا چاہیے - لیکن اس تعیین کا قرآن و حدیث میں کچھ بھی ٹھیک ٹھیک پتا نہیں ملتا اور اسی طرح سفر میں کب تک مسافر سفر کے حکم میں رہتا ہے اس میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں پندرہ روز تک اور بعض کے نزدیک دس دن تک اور بعض کے نزدیک چار روز تک اور بعض کے نزدیک تین روز تک اور اس پر اجماع ہے کہ اگر روز اُسکا ارادہ کوچ کرنے کا ہو اور اسی آج کل میں کئی برس گزر جاویں تب بھی قصر کرتا رہے یا افطار کرتا رہے - لیکن ان قیود کی دلیل بھی کتاب و سنت سے بالکل نہیں ملتی فقط یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسافر اگر مقام سفر کو وطن قرار نہ دیدیوے یا وہاں شادی نہ کر لیوے تو برابر سفر ہی کے حکم میں رہیگا اور اسی پر صحابہ کا اجماع بھی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

اس آیت میں ایاماً معدودات کی تفصیل ہوئی یعنے ایک خاص مہینے کے دن جو کبھی تیس ہوتے ہیں اور کبھی انتیس اور رمضان غیر منصرف ہے ایک الف نون زائدتان اور ایک علم جنس ہونیکی وجہ سے جیسے کہ اُسامہ اور ابن دایہ تو ابوہریرہ کی طرح ترکیب اضافی سے غیر منصرف نہیں ہوا اور ابوہریرہ میں ہریرہ غیر منصرف ہے اسلئے کہ ہریرہ بہت عورتوں کا علم بھی تھا اور بعض حکایات کا بھی علم تھا اور تعریف تنکیر پر ترجیح رکھتی ہے اسلئے تمام محققین نے ابوہریرہ کو غیر منصرف پڑھا اور محدثین بھی غیر منصرف ہی پڑھتے آئے ہیں - تو اس بنا پر ہریرہ کو لفظ اب سے تعریف حاصل نہیں ہوئی - اور نیز ممکن ہے کہ ہریرہ علم جنس ہو اس صورت میں بھی مستقل غیر منصرف ہے - تو اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ابوہریرہ اور شہر رمضان کا غیر منصرف ہونا ترکیب اضافی سے نہیں ہے - ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صحف ابراہیم رمضان کی پہلی رات کو اترے ہیں اور توریت چھٹی رات کو اور انجیل تیرھویں کو اور قرآن شریف چوبیسویں کو تو رمضان کو یہ فضیلت ہوئی کہ اسمیں قرآن شریف اتارا گیا - اور اس آیت میں دوبارہ روزہ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید کے ساتھ ہی تخفیف پر عمل کرنے کی بھی تاکید کر دی تاکہ معلوم ہو کہ آسانی پر عمل کرنا بھی شریعت کا مقصود ہے - اور تکبیروں سے مراد عیدین کی تکبیریں ہیں اور شکر سے مراد صدقہ فطر اور قربانی ہے واللہ اعلم

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝

جب آدمی نے اللہ کی بڑائی بیان کی اور اسکا حق القدر شکر کیا تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گیا اور مہربان جو مانگا جاوے سو دیتا ہے

تو اللہ تعالیٰ بہت بڑا ارحم الراحمین اور بہت بڑا قدردان ہے اُس نے حکم کے ماننے والوں سے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے مانگو میں ہر وقت اپنی عنایت سے تمہارے پاس ہوں لیکن شرط یہی ہے کہ میرا حکم مانتے رہیں اور میری باتوں پر یقین رکھیں تبھی اُن کو میرا رستہ ملیگا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے بعض نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت اقریب ربنا فنناجیہ ام بعید فنناديه ہمارا رب قریب ہے تو ہم اسکو چپکے یاد کریں یا دور ہے تو چلا کر پکاریں تب یہ آیت نازل ہوئی کس حیثیت سے ثابت ہوا کہ دعا کرنا مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ قبول بھی فرماتا ہے +

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمی میں شہوت کو مرکوز رکھا ہے اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک شہوت سے تم مجبور ہو اسواسطے میں تمکو رمضان میں رات کے وقت صحبت کی اجازت دیتا ہوں اب تم بے کھٹکے جماع کرو اور اولاد کی توقع رکھو لیکن جب تم مسجدوں میں اعتکاف کرو تو اسوقت رات کے وقت بھی تمہارے لیئے جماع کرنا جائز نہیں۔ اور روزہ کی حد طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے +

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○

قاعدہ ہے کہ جب آدمی کا نکاح ہوتا ہے اور اولاد ہوتی ہے تو اُن کی محبت اور تربیت میں آدمی محو ہو جاتا ہے اور حرص دامنگیر ہوتی ہے تو اپنے پرائے مال کی تمیز اُٹھ جاتی ہے بس یہی دھن ہوتی ہے کہ کہیں سے مال آوے کہ اپنا اور آل اولاد کا پیٹ بھروں اور حریص کا پیٹ کبھی بھرتا نہیں ہمیشہ ھل من مزید ہی کا نعرہ مارتا رہتا ہے۔ اسی لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال مت کھاؤ اور نہ حکام اور اور اُن کے اہلکاروں کو رشوتیں دیکر دوسروں کے ملک چھینو اول اول تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن اسکا انجام بہت ہی بُرا ہے اور اسکی سزا بھی بہت ہی سخت ہے +

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

ابن عباس رضہ سے منقول ہے کہ امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کوئی امت نہیں جو سوال میں احتیاط کرے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے اس امت نے صرف (۱۴) چودہ سوال کیئے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں جن میں سے پہلا سوال واذا سالك عبادى الخ ہے جو ابھی گزرا ہے اور دوسرا یہ ہے۔ اور چھ اور اسی سورہ بقرہ میں ہی ہیں آٹھواں سورہ مائدہ میں يسألونك ماذا احل لهم ہے دسواں سورہ انفال میں يسألونك عن الانفال گیارہواں سورہ بنی اسرائیل میں يسألونك عن الروح ہے بارہواں سورہ کہف میں ويسألونك عن ذى القرنين تیرہواں سورہ طٰہٰ میں ويسألونك عن الجبال ہے چودہواں سورہ نازعات میں يسألونك عن الساعة ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہما نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہلال جو اول تاگے کی طرح باریک نکلتا ہے پھر ہر روز بڑھتے بڑھتے بھر جاتا ہے اور پورا گول قرص کی طرح ہو جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ پھر اُسی پہلی حالت پر آجاتا ہے کہ اس میں کیا فائدہ ہے سورج کی طرح ایک حالت پر نہیں رہتا تب یہ آیت اُتری۔ اور بعض روایتوں میں حضرت معاذ رضہ ہی سے منقول ہے کہ یہ سوال یہود نے کیا تھا۔ اور جواب کا ماحصل یہ ہے کہ قمری مہینے میں

کوئی حساب کی دقت نہیں پڑتی اسکا گھٹنا بڑھنا خود اُسکے شروع و ختم کی علامت ہے جس سے لوگ اپنے معاملات کی تعیین اور میعاد کا مقرر کرنا نہایت آسانی سے کر سکتے ہیں اور حج کے لیے بھی شارع نے قمری ہی مہینہ یعنے ذی الحجہ معین کیا ہے + وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ الخ کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ جاہلیت کے جب احرام باندھتے تو جب اُن کو گھر جانے کی ضرورت ہوتی تو دروازہ کی طرف سے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ گھر کے پیچھے سے نقب لگا کر جایا کرتے تھے تب یہ آیت اُسکی ممانعت میں نازل ہوئی۔ یعنی فلاح تو تقویٰ پر موقوف ہے اپنی من گھڑت پر موقوف نہیں بلکہ اُس میں سراسر نقصان ہے۔ حمزہ اور کسائی اور ابوبکر عن عاصم اور قالون عن نافع نے بیوت بائے موحدہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے ضمہ سے +

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ ابتدائی لڑائی دشمن سے مت کیا کرو بلکہ جنگ مدافعت کیا کرو یعنے جبتک دشمن کی طرف سے ابتدا نہو تم ہرگز مت لڑو یہ تعدی ہے۔ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے + وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ جسوقت دشمن سے لڑنا شروع کرو تو خوب قتل عام کرو تاکہ پھر اُن کو فتنہ اُٹھانے کی مدت تک قوت نرہے کیونکہ فتنہ و فساد و شرک قتل سے زیادہ بڑے ہیں مشرکوں اور مفسدوں کا قتل ہی اچھا ہے اور اُن سے پورا بدلا لو اور جہاں سے تمکو انہوں نے نکالا (یعنے مکہ سے) وہاں سے تم اُن کو نکالو لیکن کعبہ کے پاس اُن سے مت لڑو ہاں اگر وہ لڑیں تو تم بھی لڑو کافروں کی سزا یہی ہے اور اگر وہ وہاں لڑنے سے ہاتھ کھینچ لیں اور اسلام اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اُن کے پہلے قصور معاف کر دے گا +

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تک فتنہ کی بنا نہ اُکھڑے اور توحید کا سکہ جم نہ جائے تب تک لڑنا ہرگز موقوف نہ کرو اور ظالموں اور مفسدوں کی خوب بیخ کنی کرو + الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ یعنے ماہ حرام ماہ حرام کے مقابل میں ہے جب کفار کی طرف سے ماہ حرام میں لڑائی کی ابتدا ہو تو تم بھی اُسی مہینے میں اُسکی مدافعت کرو کیونکہ جو شخص حرمت میں دست اندازی کریگا اُس سے قصاص لیا جاویگا تو جب کفار تم پر تعدی کریں تو اسی تعدی کے موافق اُن سے قصاص لو مگر تم تعدی مت کرنا اللہ تقوے والوں کے ساتھ ہے +

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

یعنی لڑائی بے آلات اور رسد کے بہم پہونچانے کے ممکن نہیں اسلئے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور سب سامان بہم پہونچاؤ ورنہ لڑکے اپنی جان و مال کا نقصان کروگے یا اگر سامان جنگ کے تہیہ سے غافل رہوگے تب بھی اچانک دشمن دھاوا کرکے تمکو تہس نہس کر دیگا یہی صورتیں ہیں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کی + وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

چونکہ لڑائی میں طیش اور جوش ہوتا ہے اور سپاہی لڑائی کی حالتیں نہایت زوروں پر ہوتا ہے اور اُسکے دل میں غصہ کا غلبہ ہوتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ بار بار اسی بات کو یاد دلاتا ہے کہ گو تم لڑائی کے طیش میں ہو تب بھی بھلے مت بھولیو اور ہر وقت انصاف کو مدنظر رکھنا ظلم و تعدی سے بہت بچنا اللہ کو یہی باتیں بھاتی ہیں ورنہ اللہ کی مدد اُٹھ جاوے گی اور تم دشمن کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤگے +

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۝

اس آیت میں ارشاد ہی کہ جب تم حج اور عمرہ شروع کرو تو ان کو پورا کرو ادھورا مت چھوڑو۔ ہاں اگر تم احرام باندھکر حرم کو چلے اور راستہ میں کوئی مانع پیش آگیا جس سے جانا محال ہوگیا تو وہیں ٹھیر جاؤ اور اپنی قربانیاں حرم کو روانہ کرو جب قربانیاں وہاں پہنچ کر ذبح ہو جاویں تب تم اپنے سر منڈواؤ لیکن اس سے پہلے مت منڈواؤ اور قربانیاں روانہ کرنا بھی نا ممکن ہوں تو وہیں ذبح کردی جائیں اور بعد ذبح کے سر منڈوا لیا جاوے۔ اور عمرہ کے وجوب میں اختلاف ہے اکثر کے نزدیک اسی آیت سے اور ایک صحیحین کی حدیث سے واجب ہے۔ واللہ اعلم

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

یعنے اگر حلال ہونے سے پہلے سر منڈوانے کی ضرورت پڑے مرض یا جوؤں کی وجہ سے تو اسکو فدیہ دینا پڑیگا خواہ روزے کا یا طعام کا یا قربانی کا۔ اور حج کی تین قسمیں ہیں افراد اور قران اور تمتع سو تمتع کرنے والے کو بھی قربانی دینی ہوگی اور اگر قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو تو دس روزے رکھنے پڑینگے تین ایام حج میں اور سات حج سے فراغت پانیکے بعد لیکن یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جو حرم میں نہ رہتے ہوں

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۝

یعنے شوال اور ذوالقعدہ پورے اور ذوالحجہ کے دس دن حج کے لیے معین ہیں حج نہ ان سے قبل ہوسکتا ہے اور نہ ان سے بعد سو جسنے حج کا احرام باندھ لیا تو اسپر یہ بات لازم ہوگئی کہ جماع اور فسق و فجور اور لڑائی دنگا نہ کرے اور خلوص کو مدنظر رکھے اور بھیک مانگتے حج کو نہ جاوے یہ سب باتیں تقوی اور عقل کے مخالف ہیں۔ ابو عمرو کی قراءت میں واتقونی یائے تحتیہ کے ساتھ ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

یعنے ایام حج میں تجارت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور حاجی لوگ مکہ سے آٹھویں ذی الحجہ کو بعد نماز صبح کے منی کو روانہ ہوتے ہیں اور ظہر کے وقت ظہر اور عصر کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت سے جمع کرکے پڑھتے ہیں اور رات بھر منی ہی میں رہتے ہیں بعد طلوع آفتاب کے عرفہ کو روانہ ہوتے ہیں اور عرفات سے ورے نمرہ میں ڈیرے ڈالتے ہیں اور زوال تک وہیں رہتے ہیں پھر ظہر و عصر جمع کرکے وہاں سے رخصت ہوتے ہیں اور عرفہ کی پہاڑی پر جاکر کھڑے ہوکر دعائیں مانگتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں غروب آفتاب تک رو بقبلہ ہوکر۔ اور ظہر سے صبح صادق تک اس وقوف کا وقت ہے جب دسویں ذوالحجہ کی صبح نکل آئی تو وقوف عرفات کا وقت جاتا رہا اور وقوف عرفات حج کا رکن ہے ایک گھڑی یا منٹ بھر بھی مل گیا تو حج ہو جائیگا ورنہ فوت ہوگیا۔ پھر بعد غروب کے عرفات سے روانہ ہوتے ہیں اور مزدلفہ میں آکر عشا کے وقت مغرب اور عشا کی نمازیں جمع کرکے پڑھتے ہیں اور وہیں رات گزارتے ہیں پھر بہت اول وقت صبح کی نماز پڑھتے ہیں پھر صبح کی نماز سے فراغت پاکے وہیں سے تخمیناً چنے کی برابر ستر کنکریاں چن کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں پھر وہاں سے مشعر حرام میں جاکر پہاڑ کے اوپر یا اس سے کسی قدر نیچے اللہ کا ذکر کرتے ہیں تسبیح و تحمید و تہلیل کے ساتھ یہاں تک کہ خوب روشنی ہو جاتی ہے پھر قبل طلوع آفتاب وہاں سے کوچ کرتے ہیں پھر جسوقت بطن محسر میں پہونچتے ہیں تو اگر سوار ہوتے ہیں تو سواری کو تیز کرتے ہیں اور اگر پیادہ ہوتے ہیں تو تیز دوڑتے ہیں

تاکہ اُس میدان کو بہت جلدی طے کرلیں اور یہ میدان صرف اُسی قدر ہی کہ معتدل آدمی اپنے ہاتھ سے ایک پتھر پھینکے قوت کے ساتھ تو اُس آدمی سے لیکر جہانتک پتھر پہنچا اتنا طول اُس میدان کا ہی جب منیٰ پہونچتے ہیں تو جمرۂ عقبہ کو نیچے کی طرف سے سات کنکریاں مارتے ہیں اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اور ابتدا حج سے لبیک پکارنا شروع کرتے ہیں عرفات سے لوٹ کر منیٰ آنے تک جب منیٰ پہونچ جاتے ہیں اور جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کا وقت آتا ہے تو لبیک پکارنا بالکل موقوف کردیتے ہیں اسکے بعد پھر کبھی لبیک نہیں پکارتے۔ پھر جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد اگر اُسکے پاس قربانی ہی تو اُسکو ذبح کرے ورنہ خیر۔ پھر سر منڈواتے ہیں یا بال کترواتے ہیں لیکن منڈوانا زیادہ افضل ہے۔ پھر سر منڈوانے کے بعد مکہ کو آتے ہیں اور طواف افاضہ کرتے ہیں اور دو رکعت طواف کی پڑھکے صفا مروہ کے درمیان سعی کرکے پھر منیٰ کو جاتے ہیں اور ایام تشریق منیٰ میں گزارتے ہیں اور ستر کنکریوں میں سے تریسٹھ کنکریاں جو باقی رہگئی تھیں اُنہیں میں سے ہر روز تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں باقاعدہ مارتے ہیں اول جمرۂ اولیٰ کو پھر جمرۂ وسطیٰ کو پھر جمرۂ عقبہ کو اور ہر روز بعد زوال کے کنکریاں مارتے ہیں۔ لیکن عرفات سے لوٹ کر جب جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار کر پھر سر منڈوا کر پھر مکہ جاکے طواف افاضہ اور سعی میں الصفا والمروہ کر لیتے ہیں تو پھر پوری طرح حلال ہو جاتے ہیں یعنی پھر ناخون لینا لباس پہننا جماع کرنا وغیرہ سب جائز ہو جاتا ہی۔ یہ مختصر ترکیب حج کی لکھدی ہی تاکہ اُسکے مسائل سمجھنے میں دقت نہ پڑے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگوں نے افعال حج کی تغیر و تبدیل کردی تھی سو قریش نے اپنا نام حُمس رکھا تھا یعنے بہادر لوگ اور وہ وقوف عرفات نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم طاعت کے وقت حرم کو نہیں چھوڑ سکتے اور سوائے قریش کے اور لوگ وقوف عرفات ادا کرتے تھے۔ اور جو وقوف کرتے تھے وہ عرفات سے قبل غروب روانہ ہو جاتے تھے اور جو مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے وہ بعد طلوع آفتاب وہاں سے رخصت ہوتے تھے اسلیئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جیسے ابراہیمی طریق والے لوگ عمل کرتے ہیں ویسا ہی تم بھی کرو افعال حج میں غریب امیر سب برابر ہیں سو جس وقت اور جس جگہہ سے لوگ رجوع کریں اُسی جگہہ سے تم بھی رجوع کرو اور خدا سے اپنی بے اعتدالیوں کی معافی چاہو +

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

مشرکین کا قاعدہ تھا کہ جب حج کے افعال سے فارغ ہوتے تھے تو منا کی مسجد میں اور پہاڑ پر بیٹھکر اپنے باپ داداؤں کی سخاوتیں اور جوانمردیاں اور بہادریاں بیان کیا کرتے تھے اور نثر اور نظم ہر طرح کے بیان پڑھتے تھے جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا کہ بجائے باپ داداؤں کے ذکر کے اللہ کا ذکر کرو بلکہ اُس سے بھی زیادہ کیونکہ فخر کی باتیں دل میں خودی پیدا کرتی ہیں اور عبادت تواضع کو چاہتی ہی تو افعال حج سے فراغت پانے کے وقت تمکو اللہ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس نے تمکو اُسکے پورا کرنے کے لیئے توفیق دی اور باپ داداؤں کی فضیلت سے تمکو کیا نفع سب اولاد آدم ہیں جو اچھا کریگا اچھا پھل پائیگا اور بُرا کریگا تو بُرا پھل پائیگا +

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہی کہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اُن میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ ذکر و دعا سے اُن کی غرض محض دنیا کا حاصل کرنا ہوتا ہے یعنے خدا سے نری دنیا ہی کی بہبودی مانگتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہی اور بعض ایسے لوگ ہیں جو خدا سے دنیا کی سرخروئی اور آخرت بہبودی دونوں چیزیں مانگتے ہیں اور

روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی تربیت چاہتے ہیں تو ایسے لوگ ضرور اپنی مونہ مانگی مراد پائیں گے اور بہت جلدی مراد مند ہوں گے اور آخرت کی بہبودی مانگنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مانگنے والے کے دل میں اپنی دینی عاقبت کا خوف ہو اسی لیئے اسکی اصلاح کرنی چاہتا ہے اور جو نہیں طلب کرتا اُسکا دل آخرت کے یقین سے خالی ہے +

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ایام تشریق میں اللہ کا ذکر کرو یعنی منیٰ میں رمی جمار کے وقت تکبیر کہو سو جو شخص دوسرے ہی دن تک رمی جمار کرکے چلا آیا تو اُسپر کوئی ملامت نہیں اور جسنے تاخیر کی اُسپر بھی کچھ حرج نہیں بلکہ تین دن تک تاخیر کرنا بہتر ہے اور اگر تیسرے دن تک نہ ٹھیرا تو کچھ گناہ بھی نہیں +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ چونکہ نری دنیا طلبی نفاق کی شاخ ہے اور دنیا طلب کرنے والے گروہ کا اور آخرت کی طلب کرنے والے گروہ کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو اب نفاق والوں کا ذکر فرماتا ہے کہ اُن کی علامت یہ ہے کہ اُن کی زبانیں نہایت میٹھی ہوتی ہیں اور بہت قرینہ سے باتیں کرتے ہیں کہ ظاہر میں وہی سچے معلوم ہوتا ہے اور قسموں سے اپنی دلی اخلاص کو ظاہر کرتا ہے اور حقیقت میں اُسکا ظاہر و باطن ہرگز متفق نہیں ہوتا سامنے تو موافقت اور طرفداری کی باتیں کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا کہیں کھیتی کے انبار کو آگ لگا دیتا ہے اور کہیں چوپایوں کو مار ڈالتا ہے کہیں چوری اور ڈکیتی سے مال لوٹ لیا اور کہیں اور کسی طرح سے فساد مچایا۔ اور اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں خدا سے ڈرو تو اور زیادہ اکڑتا ہے ایسے ہی لوگ دوزخ کے کُندے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بدباطنی اور فساد اور اکڑ ہرگز نہیں بھاتی +

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ○

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت صہیب بن سنان مولا عبد اللہ بن جدعان اور عمار بن یاسر اور اُن کی ماں سمیہ اور اُن کے باپ یاسر کے اور بلال مولیٰ ابی بکر کے اور خباب بن الارت اور عابس مولیٰ حویطب کے بارے میں اُتری ہے کہ اُن سب کو مشرکوں نے اسلام کی وجہ سے پکڑ کر ایذا و عذاب دینا شروع کیا سو صہیب نے تو مکہ والوں سے کہا کہ میں تو بڈھا ضعیف ہوں میں اگر تمہارا ساتھی ہو جاؤں تو تمہارا نفع نہیں اور دشمن ہو جاؤں تو تمہارا کچھ نقصان نہیں اور میں اسلام کا کلمہ پڑھ چکا ہوں اور اُسکے چھوڑنے کو ناگوار جانتا ہوں۔ سو میں اپنا سب مال و متاع تمکو دیدیتا ہوں اور اپنا دین تم سے خریدتا ہوں تو سب اس بات پر راضی ہو گئے اور اُسکو چھوڑ دیا۔ تو وہ مدینہ چلا آیا اور یہ آیت اُتری اور جب صہیب مدینہ میں داخل ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اُسکو رستہ میں ملے اور کہا کہ تیری بیع بڑے نفع سے رہی تو صہیب نے کہا کہ خدا کرے تمہاری بیع بھی ایسی ہی ہو اور تمہیں کبھی ٹوٹا نہو یہ کیا بات ہے تو اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اور آیت اُسکو پڑھ کر سنائی۔ اور خباب بن الارت اور ابوذر تو بھاگ کر مدینہ چلے آئے اور سمیہ کو مشرکوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا پھر قتل کر دی گئی اور یاسر بھی قتل کر دیا گیا۔ اور باقیوں نے جو کچھ مشرکوں نے مانگا وہ دیدیا اور چھوڑ دیے گئے۔ خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاص و توحید والے ہیں وہ اللہ کی رضامندی کے سامنے جان و مال و آبرو کو کچھ نہیں سمجھتے اور ایسوں کو اللہ تعالیٰ

سرخرو بھی کرتا ہی اور ان کی نیکنامی تمام دنیا میں مشہور ہوتی ہی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

یہودیوں میں سے بعض لوگ جو اسلام لائے تھے تو اُن کے دل میں سے ہفتہ کی تعظیم نہیں نکلی تھی اور اونٹوں کے گوشت کو بھی مکروہ سمجھے تھے۔ تو اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہی کہ اسلام میں جب داخل ہو چکے تو پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اپنے پہلے رسوم سب کے سب چھوڑ دو ورنہ اسلام کا بھی دم بھرنا اور کفر کے رسوم میں شامل ہونا یہی تو شیطان کے قدم بقدم چلنا ہی۔ اور شیطان تو کھلا ہوا تمہارا دشمن ہی + فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتا ہی کہ جب اسلام کے دلائل تم پر روشن ہو گئے اور پھر تم اسلام سے پھسلے تو تم یقین جانو کہ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہی تمہارا کہیں ٹھکانا نہ رہیگا اُس سے ڈرتے رہو +

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہی کہ یہود اور مشرکین تو صرف اُس دن کا انتظار کرتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائبانوں میں فیصلے کے لیے آئیگا اور فرشتے بھی آئیں گے اور سب معاملے فیصل ہوں گے اور سب کام اللہ ہی کے سپرد ہوں گے سو وہ دن قیامت کا ہی یعنے جنکے دل سخت اور سیاہ ہو رہے ہیں وہ قیامت تک ایمان نہیں لانے والے +

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ارشاد فرماتا ہی کہ بنی اسرائیل سے پوچھو یعنی اُن سے اقرار لیکر ان کو قائل کرو کہ ہمنے اُنپر کتنے بڑے بڑے احسان کیے اُن کے انبیا کو معجزے دیے اور روشن دلائل تعلیم کیے اور اُن دلائل سے صاف طور پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پائی جاتی ہے پھر ایسی نعمت کی ناشکری کرنی یقینی اللہ کے عذاب کا مستحق ہونا ہی +

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

یعنی کافروں کو تو دنیا کی عیش و عشرت ہی اچھی معلوم ہوتی ہی آخرت کا اُن کو یقین نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے ایمان داروں سے تمسخر کرتے ہیں اور حالانکہ قیامت کے دن ایمان دار ہی بلند مرتبہ ہوں گے یعنی جنت میں اور دنیا دار سب دوزخ میں ہوں گے اور یہ اللہ کی دین ہی جسے چاہے بے گنتی دیتا ہی اسکا کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا +

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

یعنے شروع میں سب لوگ ایک ہی طریق پر تھے یعنی راہ راست پر اور فطرتی توحید پر پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعلیم کے لیے پیغمبر بھیجے اور اُن کو کتابیں دیں جنمیں حق مسائل تھے اور اُن کے آپس میں جو اختلاف واقع ہوں اُن کی فیصل کرنیوالی۔ پھر اختلاف اول انہیں لوگوں نے پیدا کیا جنہوں نے کتاب کو پڑھا آپس میں حسد کی وجہ سے اور سخن پروری اور کج بحثی سے لیکن جن لوگوں کے دلوں میں بھی ایمان داری تھی وہ باوجود اختلاف کے حق بات کو پہنچ گئے اللہ کی عنایت سے اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے +

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۝

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ آئے اور اُن کے پاس کوئی ساز و سامان اور نہ مال تھا تو بڑے گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی تسلی کے لیئے اسکو نازل فرمایا اور بعض کے نزدیک غزوہ خندق کے بارے میں اُتری ہے۔ اصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ ثابت قدمی سے آدمی اجر کا مستحق ہوتا ہے نہ صرف زبانی دعوی سے بلکہ وقت پر کام آنا مردمی کا کام ہے آزمایش میں پورا اُترے اور اس آزمایش میں نبی اور غیر نبی سب اہل میں سبکو اللہ تعالیٰ آزماتا ہے جیسے کہ پہلے زمانوں کے لوگوں کی آزمائشیں ہوئیں اور باوجود نہایت سخت گھبراہٹ کے ثابت قدم رہے +

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ماسوا اپنی ذات کے جو خرچ کریں تو کیا مال دیں تو اُن کو جواب دو کہ کسی مال کی خصوصیت نہیں بلکہ مصرف کی خصوصیت اور خلاص نیت کی ضرورت ہے۔ سو جو کچھ صرف کرنا چاہو تو اس ترتیب سے صرف کرو کہ اول والدین پھر باقی عزیز اقربا اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دینا چاہیئے لیکن دینے میں حاجتمندی کا دیکھنا ضروری ہے یہ نہیں کہ اقربا مستغنی ہوں تب بھی اُن کو دیوے اور محتاجوں کو چھوڑ دے جیسے کہ اکثر دنیاداروں کا شیوہ ہے اور حدیث شریف میں بھی ترتیب خرچ کی آئی ہے عطاءؒ تابعی ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اُس شخص کے بارے میں اُتری ہے جو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کہا کہ حضرت میرے پاس ایک اشرفی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو اُسکو اپنی ذات پر صرف کر اُس نے پھر عرض کیا کہ میرے پاس دو اشرفیاں ہیں تو آپنے فرمایا کہ اُن کو اپنے اہل و عیال پر صرف کر پھر اُس نے کہا کہ میرے پاس تین دینار ہیں تو آپنے فرمایا کہ تیسری کو اپنے خادم پر صرف کر تو اُسنے کہا کہ میرے پاس چار دینار ہیں تو آپنے فرمایا کہ چوتھی کو اپنے والدین پر صرف کر پھر اُسنے کہا کہ میرے پاس پانچ دینار ہیں تو آپنے فرمایا کہ پانچویں کو اور قرابت داروں پر صرف کر تو اُس نے کہا کہ میرے پاس چھ دینار ہیں تو آپ نے فرمایا کہ چھٹی کو فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کر اور یہ دینار چھٹی سب سے اچھی ہے اور کلبی نے ابن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے یہ آیت عمرو بن الجموح کے بارے میں اُتری ہے یہ ایک بہت بڈھا ضعیف تھا اور اُحد کی لڑائی کے دن قتل کیا گیا اور اُسکے پاس بہت مال تھا تو اُس نے کہا کہ ہم اپنے مال کس محل پر خرچ کریں اور کتنا دیں یا کیا دیں تب یہ آیت اُتری۔ اور اسی بنا پر کہاوت مشہور ہے کہ اول خویش بعد درویش +

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیئیس ۲۳ برس پیغمبری کی ہے اور اول ۱۳ برس مکہ معظمہ میں رہے تو کل ۴۵ آدمی یا کچھ کم و بیش مسلمان ہوئے تھے اور پھر مشرکین اُنکو سخت سخت ایذائیں دیتے تھے مارتے تھے اور پیٹتے تھے طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک مجبور ہو کر اُن لوگوں کو گھر بار وطن چھوڑنا پڑا اور اُن لوگوں نے ہجرت کی اور مدینہ وغیرہ پہنچے تو مشرکین حتی الوسع وہاں بھی اُن کو ایذائیں دینے کی سبیلیں نکالتے تھے اور اللہ کی طرف سے جہاد اور قتال کی اجازت ابھی تک نہیں ملی تھی اسلیئے کہ بہت تھوڑے تھے جب ایک معقول عدد کا جتھا ہو گیا تب مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ہوئی یعنی جنگ انتقام اور جنگ مدافعت کی اسی لیئے پہلی آیت جو جہاد کی اجازت میں اُتری ہے یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ آخر تک اسی لیئے اہل اسلام کی ہمیشہ عادلانہ جنگ ہوئی اور کفار کی ظالمانہ اور تمام یہود و نصاریٰ نے لڑائی کے وقت ہمیشہ ظلم اور تعدی اور فسق و فجور اور بد عہدیاں برتیں اور اہل اسلام نے ہمیشہ عدل و انصاف

اور عفو تجاوز سے کام لیا لیکن بہت بڑا اعتراض مخالفین کا اہل اسلام پر جہاد کا ہے اور یہ اعتراض نہایت عنت حیرہ چشمی اور بے حیائی کا ہے اور واقعات سچے شاہد عدل ہیں۔ جب جہاد فرض ہوگیا تو بعض بودے دل والوں کو اسکی فرضیت قبل از محسوس ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لڑائی فرض ہوگئی گھبراؤ نہیں اور بعض کام اول میں مشکل اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں لیکن اُن کا انجام بہت اچھا ہوتا ہے اسلیئے دشمن کے مقابل میں چست چالاک ہو جاؤ۔ اور بعض کام بہت اچھے اور آرام کے معلوم ہوتے ہیں لیکن اُسکا نتیجہ نہایت خراب ہوتا ہے سو اگر تم اُسوقت میں جبکہ دشمن تمہارے مقابلہ کے لیئے خوب چستی و چالاکی برت　　اور تم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو گے تو اچانک آنکر دشمن تمکو ستیاناس کر دیگا اور تم سے اُسوقت کچھ بھی بن نہ آئیگی اور اللہ تعالیٰ سب باتوں کے موقع محل جانتا ہے اور تم نہیں جانتے +

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

ابن عباس رضہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پھوپی زاد بھائی عبداللہ بن جحش اسدی کو جنگ بدر سے دو مہینے قبل اور ہجرت سے سترہ مہینے بعد آٹھ آدمیوں کی ہمراہی میں مکہ کی طرف روانہ کیا اور ایک عہد نامہ لکھکر اُسکے حوالہ کیا اور اُسکو حکم دیا کہ اس حکم نامہ کو دو پڑاؤ طے کر لینے کے بعد کھولنا اور کھولکر اپنے ہمراہیوں کو سنا دینا اور بمقتضا اسکے عمل کرنا پھر حسب الحکم آپکے جب اُس نے اُسکو کھولکر دیکھا تو اُس میں یہ لکھا تھا اما بعد تو اپنے ماتحتوں کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو یہانتک کہ بطن نخل (ایک مقام کا نام ہے) میں جا اُترے اور وہاں کفار قریش کے تجارتی قافلہ کی گھات میں جا بیٹھ عجب نہیں کہ وہاں سے تو ہمارے پاس کوئی خوبی (مال غنیمت وغیرہ) لیکر آوے۔ تو عبداللہ بن جحش نے جب یہ مضمون پڑھا تو کہا کہ آپ کا حکم بسر و چشم منظور ہے اور اپنے ہمراہیوں سے کہدیا کہ جو شخص تم میں سے شہادت کو پسند کرے وہ میرے ساتھ چلے اور جو نہ جانا چاہے وہ نہ جائے میں تو آپکے حکم کی تعمیل کو ضرور جاؤنگا۔ پھر چلدیئے یہانتک کہ بطن نخل پر جا پہنچے جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان میں ہے تو اُن کے پاس سے عمرو بن الحضرمی و دو تین ہمراہی اور گذرے جب اُن گذرنے والوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا تو آپس میں سے ایک کا سر مونڈ دیا یہ وہم دلانے کے لیئے کہ ہم عمرہ کرنیوالے ہیں لیکن تاہم عبداللہ بن جحش رضہ کا ایک ہمراہی آگے بڑھا اور اُس نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور دو آدمیوں کو باندھ لیا اور جو اُن کے پاس مال تھا سب لے لیا غرض قافلہ کے قافلہ کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ تو قریش مکہ کے شور مچانے لگے کہ محمد نے ماہ حرام کو حلال کر دیا یعنے رجب میں بھی قتل و غارت سے باز نہ آئے جس مہینے میں خوف زدہ امین ہو جاتے ہیں اور محمد ایسے مہینوں میں بھی خونریزی کرتا ہے اور مسلمانوں کو بھی یہ واقعہ ناگوار معلوم ہوا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمکو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم ماہ حرام میں جنگ کرو تو عبداللہ بن جحش نے عرض کیا کہ حضرت ہمنے عمرو بن الحضرمی کو دن میں قتل کیا پھر شام کو ہمنے ہلال رجب دیکھا سو ہم یہ نہیں جانتے کہ ہمنے ماہ حرام میں یعنی رجب کے اندر اسکو پکڑا یا ماہ جمادی الثانی میں تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قافلہ اور مال غنیمت کو توقف میں رکھا یہانتک کہ یہ آیت اُتری تب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غنیمت کو استعمال میں لائے۔ آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ گو ماہ حرام میں لڑائی کرنا بہت بھاری خطرہ کی بات ہے

لیکن اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور جو لوگ اسکے اہل ہیں اُن کو وہیں سے نکالنا خدا کے نزدیک اس لڑائی سے بدرجہا بہت بدتر اور بھاری خطرہ کی چیز ہے اور شرک یا فتنہ برپا رکھنا لڑائی سے بہت بڑھ کر ہے اور مشرکین ہمیشہ فتنہ کو برپا رکھتے ہیں اور اُن کی اصلی غرض یہ ہے کہ اگر اُن کا بس چلے تو تم کو دین اسلام سے پھیر کر پھر کافر بنا دیں اور جو دین سے مرتد ہو کر کفر کی حالت میں مرا تو اُسکا ٹھکانا یقینی دوزخ ہے +

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○○

یعنی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گو ماہ حرام ہی میں غلطی سے جنگ کی تھی تاہم جو لوگ ایمان دار اور مہاجر اور مجاہد ہیں وہ اس ذرا سی غلطی سے اللہ کی رحمت و ثواب سے ناامید اور محروم نہیں ہو سکتے اللہ تو غفور رحیم ہے ناقدر شناس نہیں بلکہ نیک نیتی والے کو غلطی پر بھی اجر و ثواب دیتا ہے۔ مہاجر وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کی محافظت کے لیئے اپنے گھر بار و وطن کو چھوڑ بیٹھے اور اپنے آرام پر خدا کی خوشنودی کو مقدم رکھا۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

مفسرین کہتے ہیں کہ شراب کے بارے میں چار آیتیں ہیں مکہ میں اُتری ہیں پہلی یہ آیت ہے وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اور مسلمان شراب کو پیا کرتے تھے اور حلال تھی پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ اور ایک جماعت صحابہ رض کی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ حضرت شراب کے بارے میں آپ ہمکو فتویٰ دیجیے کیونکہ اس سے مال ضائع ہوتا ہے اور عقل بھی جاتی رہتی ہے تو یہ آیت اُتری قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ تو بعض لوگ پیتے رہے اور بعضوں نے چھوڑ دی۔ پھر ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے ایک دفعہ کئی لوگوں کو بلائی اور پی بھی تو بعض اُسی نشہ میں جب نماز کا وقت ہوا نماز پڑھنے لگے تو یہ پڑھا قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ اور لا کو چھوڑ دیا تو یہ آیت اُتری لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی تو پھر اسکے پینے والے لوگ بہت کم رہ گئے۔ پھر ایک دفعہ انصار کے ایک گروہ نے شراب پی اور سعد بن ابی وقاص بھی اُنہیں میں تھے تو جب نشہ میں آئے اور فخر کی باتیں کیں اور اشعار پڑھے تو سعد نے اور یہ قریشی تھا ایک شعر انصار کی ہجو میں پڑھا تو ایک انصاری نے اُسکو اونٹ کی ہڈی سے ایسی چوٹ ماری کہ گوشت کے نیچے سے ہڈی دکھائی دینے لگی تو سعد نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسکی شکایت کی تو حضرت عمر رض نے کہا کہ یا اللہ شراب کے بارے میں ہمکو کوئی شافی بیان نازل فرما تو یہ آیت اُتری اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک تو عمر رض نے کہا کہ یا اللہ ہم اس شراب سے باز آئے اور تیرے حکم کو تسلیم کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نشہ چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے اسی لیئے بتدریج اسکی ممانعت اُتری اور پھر تو مستحکم ممانعت ہو گئی اور جو کوئی پیتا تھا آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس چھڑیاں یا جوتیاں وغیرہ اُسکو لگوا دیتے تھے اور ابوبکر صدیق رض کی خلافت میں بھی یہی دستور رہا پھر حضرت عمر کی خلافت میں جب بعض لوگوں نے شرابخواری کی کثرت کی تو اُنہوں نے اسّی درے سزا مقرر کر دیے یہاں تک کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کی خلافت میں بھی یہی سزا معین رہی اور سب لوگوں نے اسی کی تقلید کی اور آنحضرت نے جو سزا مقرر کی تھی وہ بالکل نسیاً منسیا ہو گئی اور فقہا نے بھی اسی پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اور میسر جوئے کو کہتے ہیں اور یہ بھی ایسی ہی چیز ہے کہ نفع ہو تو اکٹھا بہت سارا ہوتا ہے اور جب ہارا تو جو رونق کھو بیٹھتا ہے۔ اور شراب میں بھی بہت فوائد ہیں جو حکیموں نے ذکر کیے ہیں لیکن اسکی مضرتیں اسکے منافع سے زیادہ ہیں تو شریعت نے زیادہ کو مدنظر رکھا +

وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ +

اول جو سوال گزرا وہ مصرف کے بیان میں تھا اور یہ مقدار کے بارے میں ہے یعنے اپنی ضروریات سے جو بچے وہ صدقہ وغیرہ میں صرف کرو یہ بات دین دنیا دونوں میں مفید ہے اگر کوئی عاقبت اندیشی کرے +

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

یعنے اے محمد تم سے یتیموں سے معاملہ داری کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو اُن لوگوں کو جواب دو کہ مقدم یتیموں کی اصلاح ہے کسی طرح اُن کا نقصان نہیں کرنا چاہیے اور اگر نیک نیتی سے اپنا اور اُن کا مال اکٹھا رکھنا چاہو اور شرکت برتو تو بھی وہ تمہارے بھائی ہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن ہر وقت نیک نیتی اور خیر خواہی کو مد نظر رکھو۔ اللہ چاہتا تو اختلاط اور شرکت کو حرام ہی کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہے اور غالب ہے یہی حکم اُسکے نزدیک بہتر ہے +

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ +

نکاح کا فائدہ اتفاق ہی اور جب ہر روز جھگڑا اور فساد رہے تو اُس نکاح کا کچھ فائدہ نہوا بلکہ سراسر نقصان ہوا اسلیئے جہاں تک ممکن ہو ہمجنس عورت سے نکاح کرنا چاہیے اور ایک دین کا اختلاف بہت بڑی جھگڑے کی چیز ہی جب کوئی شخص کسی مشرکہ عورت سے نکاح کرلے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اُسکی شرک پر رضی ہوا اور یا ہر روزہ جھگڑا لڑائی رہی دونوں باتیں ناجائز ہیں اس لیئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہی کہ مشرک عورت سے ہرگز نکاح کرو اور نہ مشرک مرد کو اپنی ماں کی لڑکی دو نرے حُسن اور مال کو نہ دیکھو بلکہ دین کو سب سے زیادہ مقدم رکھو یہ لازمی بات ہی اصیل مشرک سے تو غلام لونڈی ایمان دار اچھی ہی +

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

عورت کی شرمگاہ کی راہ سے تین قسم کے خون آتے ہیں اول خون حیض دوم خون نفاس سوم خون استحاضہ سو خون حیض سیاہ اور گاڑھا جلا ہوا کچھ نیلگونی دیا ہوا ہوتا ہے اور بہت سہولت سے نکلتا ہی ایکدم بہکر نہیں نکلتا اور اسکی نکلنے رہنے کی مدت کم سے کم ایک دن آتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔ اور اکثر ہر مہینے میں ۶ یا ۷ دن آتا ہی۔ اور جب عورت کو حمل ہوتا ہی تو حیض بند ہو جاتا ہی اور وہی خون رحم میں بچے کی غذا ہو جاتا ہی اور جب بچہ پیدا ہو چکتا ہی تو جو خون کا بقیہ رحم میں باقی رہتا ہی وہ نکلنا شروع ہوتا ہے اسوقت اس خون کو نفاس بولتے ہیں اور اُسکے نکلتے رہنے کی مدت بھی کم سے کم ایک دن رات ہی اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہیں اور حالت حیض و نفاس میں عورت سے جماع کرنا فرج میں اور اسکو طلاق دینا اور نماز اور روزہ اور طواف کعبہ اور قرآن کا پڑھنا اور قرآن کا چھونا اور مسجد میں ٹھیرنا اور خون کے گرنے کا خطرہ ہو تو مسجد میں سے گزرنا بھی حرام ہی اور حیض نفاس والے کو روزے کی قضا دینی ہوگی۔ اور استحاضہ کا خون اِن دونوں خونوں سے جدا ہوتا ہے اور وہ پتلا اور زردی مائل ہوتا ہی اور سات سات برس تک بھی برابر آتا رہتا ہی اور مستحاضہ والی عورت پاک ہوتی ہی اور جو جو چیزیں حیض و نفاس میں حرام ہوتی ہیں استحاضہ میں وہ چیزیں حرام نہیں ہوتی۔ اور اذیٰ سے مراد بھی ناپاکی ہی اور اُس میں ایذا ہوتی ہی حیض و نفاس کی حالت میں مرد اگر عورت سے صحبت کریگا تو ضرور اُسکو کوئی نہ کوئی مرض مہلک لاحق ہو جائیگا یا قوت جماع ایکدم سلب ہو جائیگی اسی لیئے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہی کہ حیض کی حالت میں عورت سے جماع کرنے سے بالکل کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہو لیں اور نہا نہ لیں اُن سے جماع کرنے کے

پاس بھی نہ پھٹکنا - اور اَذیٰ سے مراد بدبو بھی ہی اور حیض کے خون کی بو بھی بُری ہوتی ہی - اور جسوقت لڑکی کو حیض آیا تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ بالغ ہوگئی - اور عورت سے حیض کے دنوں میں بعض لوگ پیچھے سے یعنے پاخانہ کی راہ میں جماع کرتے ہیں - اسی لیے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ جو شخص عورت سے پیچھے کی طرف سے صحبت کرتا ہی اُس پر خدا کی لعنت ہی - اور قرآن شریف سے بھی اسکی ممانعت نکلتی ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ یعنے جب تک پاک نہولیں اُن سے نزدیکی مت کرو پھر فرماتا ہی فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ یعنے جب نہالیں تو اُن سے اُس راہ سے صحبت کرو جدہر سے اللہ تعالیٰ نے تمکو حکم دیا ہی یعنے جہاں سے اولاد پیدا ہوتی ہی - اور اللہ تعالیٰ کو کبر اور نجاست دونوں ناپسند ہیں اور کبر والا ہمیشہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہی پھر وہ توبہ کیوں کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ زیادہ محبوب ہیں جو کثرت سے توبہ کیا کریں اور اسی طرح عبادت بھی مقبول ہوتی ہے جبکہ آدمی پاک ہوتا ہی اور حیض کی حالت میں عورت سے صحبت کرنا یا کسی سے پیچھے سے صحبت کرنا بہت بڑی پلیدی اختیار کرنا ہی نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہی کہ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اور کھیتی اسکو کہتے ہیں جس سے غلہ وغیرہ پیدا ہو تو عورت کی شرمگاہ ہی صحبت کے واسطے مرد کے لیئے حلال ہے سوا شرمگاہ کے اور کسی رستہ سے صحبت کرنا حلال نہیں - پھر جب شرمگاہ یعنے پیشاب گاہ ہی صحبت کے لیئے قرار پا چکی تو پھر مرد کو اختیار ہے کہ چت کرکے عورت سے صحبت کرے خواہ پٹ کر کے یعنے جس آسن سے کرے اسکی مرضی ہے اسلیئے کہ آدمی کو اختیار ہی کہ اپنی کھیتی میں جدہر سے چاہے داخل ہو - یہود لوگ کہتے تھے کہ جو شخص عورت کو پٹ لٹا کر کریگا تو اسکی اولاد بھینگی پیدا ہوگی تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جھوٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہر آسن کی اجازت دیدی ہی - اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ صحبت سے اولاد کو مدنظر رکھو اور اللہ کی مخالفت سے ڈرو اسلیئے کہ اسی سے جاکے ملنا ہے اور وہاں سوائے ایمان داروں کے اور کسی کو سرخروئی حاصل نہیں ہوگی +

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

یعنی باللہ تعالیٰ کی قسمیں اس غرض سے مت کہایا کرو کہ کسی سے سلوک نہ کرو یا تقوی کا کام نہ کرو یا لوگوں میں صلح کی باتیں نہ کرو غرض یہ کہ اچھے کاموں کے نہ کرنیکی قسمیں مت کھایا کرو +

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ -

عادت کے طور پر جو منہ سے قسم نکل جاتی ہی بغیر ارادہ کے اُسکا اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرتا اور نہ اُسکا کوئی کفارہ ہے - مواخذہ اُس قسم کا ہوتا ہے جو قصد سے کھائی جاوے کہ فلاں نیکی کا کام ہرگز نہ کرونگا یا فلاں بُرائی کا کام ضرور کروں گا - اور بُری قسم کے توڑ دینے میں کفارہ نہیں ہے اگر کسی بدفعلی کے کرنیکی قسم کھائی مثلاً زنا یا شرک وغیرہ کبیرہ اور دنیوی امور میں سے کسی چیز مباح کی قسم توڑے گا تو کفارہ آئیگا - اور اگر کسی نیکی کے نہ کرنیکی قسم کھالے یعنے عبادات میں سے کسی عبادت کے نہ کرنے کی پھر اُس قسم کو توڑ دیا تب بھی کفارہ نہیں آئیگا - اور سب قسموں میں ارادہ شرط ہے +

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اس آیت میں باری تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہی کہ خاوند جو اپنی زوجہ سے روٹھ جاتا ہی اور اُسکی نزدیکی سے قسم کھا بیٹھتا ہی تو اس قسم کھانیکو ایلاء کہتے ہیں اس میں چار مہینے تک روٹھا رہنے میں کچھ مضایقہ نہیں لیکن جب چار مہینے ہوچکیں تو حاکم جبراً یا تو

اُسے طلاق دلوا دے یا اُن کو آپس میں ملا دے غرض خاوند کو دو کاموں میں سے ایک ضرور کرنا پڑیگا اپنی قسم پر چار مہینے سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتا۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ یعنے جن عورتوں کو اُن کے خاوند طلاق دیدیں اور وہ جوان ہیں یعنی اُن کو حیض آتا ہے اور حاملہ نہیں ہیں تو اُن کی عدت تین حیض ہیں اِن تین حیض کے اندر اندر خاوند رجوع کر سکتا ہے اور جب تینوں حیض ہو چکے تو پھر وہ عورت بالکل نکاح سے باہر ہو گئی بغیر نکاح جدید کے خاوند کے لیئے حلال نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عورتوں کو بھی تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر مطلقہ کو حمل ٹھیر گیا ہے لیکن وہ خاوند سے جدائی چاہتی ہے اسلیئے حمل کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ اپنے آپ کو حائضہ قرار دیتی ہے اور قاعدہ اور عادت کے موافق وہ مدت پوری کر دی جسمیں تین حیض سے فراغت ہوتی ہے تو یہ کام ایمانداری کے مخالف ہے اسلیئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے جب تک بچہ جن نہ لیگی نکاح سے باہر نہ ہو سکیگی تو اس نے جدائی کے غرض سے حمل چھپا دیا تو ایسے کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے ✤

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر میاں بیوی اچھیں سلوک برت سکیں تو خاوند کو زیادہ مناسب یہی ہے کہ عدت پوری ہونے دے بلکہ رجوع کر لے اور بیوی سے وہی اختلاط اور میل جول کرنا شروع کر دے پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جیسا مرد کا حق عورت پر ہے ایسا ہی عورت کا حق مرد پر ہے صرف عورت پر مرد کی یہی فضیلت ہے کہ وہ بطور امیر کے ہے اور عورت بطور رعیت کے ہے اور امیر پر واجب ہے کہ اپنی رعیت کے حقوق اور مصالح میں پوری جد و جہد کرے اور رعیت پر واجب ہے کہ اُسکی طاعت اور فرماں برداری کرے اسی طرح خاوند عورت کے حقوق نان نفقہ و ہم بستری میں کوتاہی نکرے اور عورت کو چاہیئے کہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے سو عورتیں غلام لونڈی اور حیوانات کی طرح نہیں ہیں بلکہ برابر کی جوڑ ہیں اور حیوانوں کی طرح اُن کو مارنا بھی نہیں چاہیئے کہ ہڈی پسلی توڑ دے بلکہ بہت تھوڑا مارے وہ بھی ہر ہر بات پر نہیں بلکہ تحمل اور درگزر کرنے کا زیادہ استعمال رکھے ✤ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ

اب اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ پہلے جو خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار دیا تھا اُسکی میعاد صرف دو طلاق ہیں یعنی رجوع کرنے کا حق جبھی تک ہے کہ تیسری طلاق نہ دینے پاوے جب تیسری طلاق دیدی پھر رجوع نہیں کر سکتا۔ اس جگہ طلاق کی حقیقت بیان کی جاتی ہے تاکہ اُسکے مسائل کے سمجھنے میں دقت نہو۔ سو جاننا چاہیئے کہ اول طلاق کی دو قسمیں ہیں طلاق سُنّی یعنی موافق سنت کے جسطرح قرآن شریف میں اور حدیث شریف میں ہے اُس طرح طلاق دی جاوے یعنی جسوقت عورت حیض سے پاک ہو اُسی وقت اُسکو طلاق دیدی جاوے اور اُس سے صحبت کرنے سے پہلے طلاق دے اور ایک طلاق دے یہاں تک کہ اُسکو حیض آوے اور حیض سے پاک ہو جاوے پھر صحبت سے پہلے دوسری طلاق دیوے یہاں تک کہ اُسکو حیض آوے اور حیض سے پاک ہو جاوے پھر صحبت سے پہلے تیسری طلاق دیوے اس طلاق کے بعد رجوع نہیں اور چونکہ تین طلاقیں ہو گئیں اسلیئے نکاح جدید سے بھی وہ عورت اُسکے لیئے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی اور آدمی اُس سے نکاح کرے پھر وہ مر جاوے یا اُس کو کسی مخالفت کی وجہ سے طلاق دیدے اور اُس طلاق کی عدت گزر جاوے تب اُس پہلے خاوند کے پاس نکاح جدید کے ذریعہ سے آسکتی ہے اسطرح پر تین طلاقیں دینے کو طلاق مغلظ اور طلاق بتہ کہتے ہیں۔ اور ایک ہی پاکی میں تین طلاقیں دیدے تو اسکو بھی طلاق مغلظ اور طلاق بتہ کہتے ہیں لیکن یہ طلاق بدعی ہے یعنے بدعت کے طریق سے دی گئی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور ابوبکر صدیق رضی کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی کی خلافت میں دو برس تک یہی معمول تھا کہ طلاق بدعی کو ایک طلاق سمجھتے تھے اور مغلظ اور بتہ نہیں قرار دیتے تھے جب لوگ کثرت سے اس طرح پر یعنی بدعی طلاقیں دینے لگے تو حضرت عمر نے

سیاستہً اسکو مغلظہ کر دیا اور صحابہ میں بہت تھوڑے لوگ تھے جو اُسکو مغلظہ نہیں سمجھتے تھے ورنہ اکثر کا اسی پر اتفاق ہو گیا کہ وہ مغلظہ ہی رہے جسطرح حضرت عمرؓ نے قرار دیا لیکن اہل حدیث اسی پہلے قاعدے پر رہے جو کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اور عمری سیاست کو اُنہیں کی خلافت میں محدود رکھا تاہم ائمہ اربعہ یعنی امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی قرار پایا کہ مغلظہ ہی سمجھی جاوے۔ اور اُن کے مقلدین سب کے سب الا ماشاء اللہ اسی پر قائم ہیں۔ دوسری تقسیم طلاق کی یہ ہے کہ اسکی تین قسمیں ہیں رجعی اور بائن اور مغلظہ۔ سو رجعی اُسکو کہتے ہیں جس میں خاوند رجوع کر سکے یعنے دو طلاق تک اگر جدائی میں طلاق دیتا ہے اور دو حیض گزرنے تک اگر ایک ہی طلاق طلاق دیکے بیٹھ رہا اور نہ صحبت کی اور نہ رجوع کیا۔ اور بائن یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دیدی اور صحبت اور رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ تین حیضوں سے پاک ہو گئی اور بائن کے یہ معنی ہیں کہ عورت کو مرد سے جدا کر دیا لیکن نکاح جدید سے پھر حلال ہو سکتی ہے۔ اور بائن ہی کی قسم سے خلع بھی ہے اور خلع کے معنی اُتارنا اور اُدھیڑنا اور اکھیڑنا ہے اور صورت اُسکی یہ ہے کہ عورت مرد سے جدا ہونا چاہتی ہے اور مرد طلاق نہیں دیتا تو عورت اپنی طرف سے کچھ مال دیکر طلاق لیتی ہے یعنے خاوند کچھ لیکر طلاق دیتا ہے یہ ایک ہی طلاق ہوتی ہے لیکن لفظ طلاق نہیں بولا جاتا اور نہ طلاق کی نیت ہوتی ہے بلکہ فسخ نکاح کی نیت ہوتی ہے اور اسی قسم کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں اس لئے اس کی عدت بھی نہیں ہے۔ اور تفصیلیں طلاق کی کتب فقہ میں موجود ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب دو طلاقیں خاوند دیچکا تو تیسری طلاق دینے سے پہلے یا رجوع کرلے اگر مصالحت سے دونوں گزر کر سکیں اور یا پھر جدائی کرے یعنے تیسری طلاق دیکے ایک جوڑا کپڑوں کا یا جو مقدرت ہو اُسکے حوالے کر کے رخصت کرے یہ نہیں کہ جھونٹا پکڑ کے گھسیٹ کے نکال دے +

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

اس جگہ اللہ تعالیٰ خاوندوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ تم اپنی عورتوں کو دق مت کرو کہ مجبور ہو کر مہر وغیرہ واپس دیکر خلع کرا لیں۔ ہاں اگر وہ دق نہیں کرتے لیکن عورت خود الگ ہونا چاہتی ہے اور ملاپ کی صورت نظر نہیں آتی تو اس صورت میں خلع کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور میاں بیوی دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ گناہ اور ظلم اسوقت قرار پائیگا جب دونوں میں سے کسی کی دلیری حد سے بڑھی ہو فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○

اس آیت میں یہ حکم ہے کہ طلاق مغلظہ والے نے اگر تیسری طلاق دیدی تو پھر وہ عورت اُسکے لیے نکاح جدید سے بھی حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے پھر اگر دوسرے خاوند نے اسکو کسی قصور یا مخالفت کی وجہ سے طلاق دیدی یا وہ مر گیا اور عدت طلاق یا وفات بھی عورت گزار چکی ہو تب یہ پہلا خاوند اگر اُسکو نکاح کرنا چاہے تو کچھ حرج نہیں اگر آپس میں حقوق زوجیت نباہ سکیں وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم جب عورتوں کو طلاق دو اور اُن کی عدت گزرنے کا وقت قریب آجاوے تو نیک نیتی سے

یا تو رجوع کر لو اور اگر اتفاق ناممکن ہو تو سلوک اور نیک نیتی سے اُن کو رخصت کر دو اور اس غرض سے رجوع مت کرو کہ اُن پر تعدی کرو اور اُن کو دق کرو کہ طلاق دیدو اور جب عدت قریب آوے تو رجوع کر لو پھر طلاق دو پھر اسی طرح رجوع کرو یہ اللہ کی کتاب کی آیتوں سے گویا مذاق اور تمسخر کرنا ہے اور اُسکے عذاب کا مستحق ہونا ہے +

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

حدیث شریف میں آیا ہے کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیل بن عبداللہ بن عاصم کو بیاہ دی پھر کسی وجہ سے اسنے اُسکو طلاق دیدی یہاں تک کہ اسکی عدت بھی گزر گئی پھر پشیمان ہوا اور اُسکے بھائی کے پاس آکر اُسکے نکاح کا اپنے لیئے پیغام دیا اور عورت بھی راضی ہو گئی تو معقلؓ نے اس سے کہا کہ اُس نے تجھے طلاق بھی دیدی اور پھر تو اسکی طرف مراجعت کرنا چاہتی ہے میں تیری صورت سے بیزار ہو جاؤں گا اگر اس سے نکاح کریگی اور تیرا مونہ دیکھنا حرام سمجھوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معقل بن یسار کو بلایا اور اُسکو یہ آیت سنائی تو معقل نے کہا کہ میں اپنے مالک کے حکم کے سامنے اپنی ناک رگڑتا ہوں یا اللہ میں تیرے حکم سے راضی ہوا اور بسر و چشم تسلیم کیا اور اپنی بہن اُسکے خاوند کو بیاہ دی۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر خاوند بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزر جاوے پھر وہ پشیمان ہو اور عورت بھی راضی ہو جاوے تو تم جو عورت کے والی ہو تمکو مناسب نہیں کہ اُن کا آپس میں نکاح نہونے دو یہ بات ایمان داری کے خلاف ہے +

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط

یعنے مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں یعنے دو برس زیادہ سے زیادہ مدت ہے رضاعت کے لیئے اور اس سے کم مدت بھی پلا سکتی ہیں یہ ماں باپ کے مشورہ پر موقوف ہے جو لڑکے کے لیئے بہتر سمجھیں وہ کریں۔ اگر مائیں ایسی ہیں کہ اُن کے خاوندوں نے اُن کو طلاق دیدی ہے تو اُن کے دودھ پلانے کی اُجرت (کھانا کپڑا وغیرہ) لڑکے کے مال میں سے دی جاویگی بحسب مقدور۔ اور اگر ماں دودھ دینا چاہے تو اُسکو روکنا نہیں چاہیئے کیونکہ جو پیار اور محبت ماں کریگی وہ دوسری دائی نہیں کر سکتی اور روکنے سے اُسکی ماں کو تکلیف ہوگی اور اسی طرح اُسکے خرچ اور کپڑے وغیرہ میں بھی باوجود مقدور کے تنگی کرنا یہ بھی تکلیف دینا ہے۔ اور باپ کو بھی ایذا نہ دینی چاہیئے کہ وہ چاہتا ہے کہ ماں ہی اس لڑکے کو دودھ پلائے اور ماں انکار کرے یا اُسکے مقدور سے زیادہ اس سے اُجرت وغیرہ مانگے۔ غرض کسی کو ایذا نہو اور نیک نیتی سے معاملہ ہو جاوے تو اچھا ہے +

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصل تو رضاعت (دودھ پلانے) میں ماں ہے اگر کسی وجہ سے ماں کا دودھ پلانا میسر نہو سکے ناچاقی یا بیماری یا موت کے سبب سے تو اور کسی عورت کو دایہ مقرر کرنا جائز ہے بشرطیکہ جو اس دایہ سے ٹھیرا ہے اُسکو ضرور دیا جاوے بحسب مقدور لیکن ہر بات میں نیک نیتی کو مدنظر رکھنا چاہیئے +

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٥

جس عورت کا خاوند مرجاوے وہ چار مہینے اور دس دن خاوند کے سوگ میں بیٹھی رہے نہ زینت کرے اور نہ سرمہ وغیرہ لگائے اور نہ مانگ پٹی سنگار وغیرہ کرے اور نہ کسی سے پیغام نکاح کا لے اور نہ مکان سے نکلے یعنے دوسرے مکان کی طرف منتقل نہو لیکن اگر حاملہ تھی تو اسکی عدت وضع حمل ہوگی۔ جب عدت گزر جاوے تو پھر اسکو زیب و زینت کا اسکو اختیار ہے +

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا +

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ہم جانتے ہیں کہ تم کو ضرور نکاح کی خواہش ہوگی اور عدت والی عورت کی تاک میں ہوگے اس لیئے ہم اتنی تخفیف تمہارے لیئے کرتے ہیں کہ اشارہ کنایہ سے اگر دونوں جانب سے نکاح کی خواہش ظاہر ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن ایسا ہرگز مت کرنا کہ چپکے چپکے اُن عدت والی عورتوں سے نکاح کا عہد و پیمان ٹھہرا دو۔ صرف اپنے دل میں خواہش رکھنا یا عورت سے اشارہ کنایہ سے خواہش ظاہر کرنیکی اجازت ہے +

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

اللہ تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ متوفی کی عورت سے عقد نکاح ہرگز مت کرنا جب تک کہ عدت نہ گزر لے اور خدا سے ڈرو کہ کہیں اُسکے غضب و عذاب کے مستحق نہو جاؤ +

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ٥

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمنے کسی عورت سے نکاح کیا اور صحبت کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدی اور مہر بھی مقرر نہیں کیا تو اس میں کچھ حرج نہیں اور نہ تمہارے ذمہ مہر ہے ہاں سلوک کے طور پر کچھ دیکر ضرور روانہ کرنا چاہیئے بحسب مقدور۔ اور جسکا مہر مقرر نہیں ہوا لیکن صحبت کرکے طلاق دی ہے تو مہر مثل دینا پڑیگا۔ اور اگر صحبت سے پہلے طلاق دی ہے لیکن مہر معین ہو چکا تھا تو نصف مہر دینا پڑیگا۔ اور جسکو تعیین مہر اور صحبت کے بعد طلاق دی ہے اُسکو مہر معین دینا پڑیگا۔ اور غیر مدخولہ پر عدت بھی نہیں ہے۔ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥

یعنے جسکو بغیر دخول کے طلاق دیدی اور مہر اسکا معین ہو چکا تھا تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے لیکن اگر عورت یا اسکا ولی ساف کردے تو کچھ نہ دینا پڑیگا اور معاف کرنا بہت مناسب ہے اور مروت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ یہ ارشاد بھی فرماتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا احسان مت بھولا کرو +

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ٥

جب آدمی دنیا کے دہندوں اور جنجالوں میں پھنس جاتا ہے تو اُسکے امور عبادت میں فتور آجاتا ہے خصوصاً شادی بیاہ وغیرہ کے جھگڑے کہ ایسے وقتوں میں نماز سے بہت غفلت ہو جاتی ہے خاصکر عصر کی نماز کیونکہ اُسکی پہچان سایہ پر ہے اور اُسکے دیکھنے بھالنے کی فرصت نہیں ہوتی اور اگر گھڑی بھی پاس ہوتی ہے تب بھی ایسے جھگڑوں میں گھڑی کا دیکھنا دشوار ہوتا ہے اور

مغرب کی نماز کا وقت غروب پر موقوف ہی اسکا پہچاننا بدیہی بات ہی اور عشا کا وقت اکثر فرصت کا ہوتا ہی تاہم سستی سب نمازوں میں طاری ہو جاتی ہی اس لیئے اللہ تعالیٰ سب نمازوں کی محافظت خصوصاً عصر کے وقت کی محافظت کی تاکید فرماتا ہی اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہی کہ نماز میں باادب کھڑے ہوا کرو یعنے نہایت سکون اور چین سے باتیں اُس میں نہ کیا کرو اور نہ بیجا اور کثرت سے حرکت کیا کرو اور نہ اِدھر اُدھر دیکھا کرو اور نہ بے ضرورت کھانسا کھجلایا کرو — اور صلاۃ وسطےٰ میں خلاف ہے کہ کونسی ہے مگر حدیثوں سے عصر ہی کی نماز کو ترجیح ہے واللہ اعلم +

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

یعنے کسی صورت میں جب تک کہ بدن میں جان ہی نماز مت چھوڑو بلکہ اگر تمکو دشمن یا کسی درندے وغیرہ کا سخت خوف ہے تب بھی دوڑتے جاؤ اور اشارہ سے نماز پڑھتے جاؤ ایسی حالت میں قبلہ رخ ہونا اور اطمینان ممکن نہیں ہوتا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا - پھر ارشاد فرماتا ہی کہ جب خوف سے اطمینان ہو جاوے تو پھر اُسی طرح اُسی قاعدہ اور اطمینان سے جیسے کہ تمکو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہی نماز پڑھا کرو غرض دنیا کا کوئی دھندا ہو بڑے سے بڑا حادثہ ہو تب بھی نماز معاف نہیں ہو سکتی —

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

جس عورت کا خاوند مرجاوے اُس عورت کو خاوند کے گھر سے سال بھر تک نکالنا چاہیے اُس میں بسیرا رکھیں ہاں اگر عورت خود بعد عدت کے زیب و زینت کرنی چاہے اور اپنے ماں باپ وغیرہ ولیوں کے ہاں جا رہے یا کسی اور شخص سے نکاح کر لے تو اے خاوند کے اقربا و تمپر اسمیں کچھ گناہ نہیں اسلیئے کہ تمنے تو نہیں نکالا بلکہ وہ اپنی خوشی سے نکل گئی ہے - بعض علما اس آیت کو منسوخ کہتے ہیں لیکن اسکے نسخ کا کوئی پکا ثبوت نہیں ہے واللہ اعلم +

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم فرماتا ہے کہ جن عورتوں کو طلاق دیا کرو اُن کو خالی خولی ہرگز مت رخصت کیا کرو بلکہ کچھ نہ کچھ دیکر رخصت کرنا امر لازمی ہی استحبابی نہیں کہ خواہ دے یا نہ دے بلکہ ضرور دینا ہوگا +

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

شریعت کا حکم ہی کہ جہاں وبا پڑی ہو وہاں آدمی جاوے نہیں اور اگر خود وبا والے شہر و قریہ میں ہی تو وہاں سے بھاگے نہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھاگنے والوں کی مذمت فرماتا ہی کہ جو لوگ بھاگے اُن کو بھاگنے نے کچھ نفع نہیں دیا اور ہلاک ہو گئے جیسے کہ ایک گاؤں کے لوگ بنی اسرائیل میں سے وبا سے بھاگ کر کسی دوسری جگہہ چلے گئے اور وہ تیس ہزار سے زیادہ تھے جب وہ دوسری جگہ پہنچ کر خیمہ زن ہوئے اُسی وقت ایک فرشتے نے اُس جگہہ کے نیچے کی طرف سے اور دوسرے نے اوپر کی طرف آواز دی کہ مر جاؤ سو وہ سب مر گئے اور سڑ گل گئے پھر وہاں سے ایک نبی یعنی حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا تو وہ اُن کو دیکھکر تعجب کرنے لگے اور متفکر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی کہ تم چاہو تو میں اِن کو زندہ کر کے اپنی قدرت تمہیں دکھاؤں تو انہوں نے عرض کیا کہ یارب کیوں نہیں تو اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو اُن کی طرف بھیجا کہ پکار کر اُن سے کہے کہ اے ہڈیو اللہ تمکو

حکم دیتا ہی کہ تم سب جمع ہو جاؤ یہاں تک کہ سب ہڈیاں جمع ہو کر جُڑ گئیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پکار دلوائی کہ اے ہڈیو تمکو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہی کہ تم گوشت و خون کو پہن لو پھر گوشت و خون اُن پر چڑھ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کھڑی ہو جاؤ تو کھڑی ہو گئیں اور وہ سب آدمی زندہ ہو کر اپنی بستی کی طرف چلے گئے اور موت کے آثار اُن پر ظاہر تھے پھر وہ لوگ مدت تک زندہ رہے پھر اپنی موت سے مرے واللہ اعلم ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ۝

اب اللہ تعالیٰ جہاد کی ترغیب دیتا ہی کیونکہ اول اللہ تعالیٰ نے موت سے بھاگنے کی مذمت بیان فرمائی ہو اور جہاد میں بھی موت کا کھٹکا یقینی ہوتا ہو اسی لیئے اللہ اُسکے بعد ہی جہاد کا ذکر فرماتا ہی۔ اور ارشاد فرمایا ہو کہ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرو پھر جب اللہ تعالیٰ تمکو اس میں نیک نیت پائیگا تو یقینی تمہاری سب مرادیں پوری کریگا تمہاری دعائیں سُنے گا اور جو شہید ہو گئے اُن کے بے انتہا درجے بلند کریگا اور دنیا کی بھی ہمیشہ کے لیئے اُن کی نیک نامی ہو گی۔ ویسے بھی تو تم آپس میں بے فائدہ باتوں میں صرف دنیوی غیظ و غضب کے لیئے لڑتے اور کٹتے رہتے ہو اس میں تمہارا کوئی اُخروی فائدہ نہیں ہوتا اور جہاد میں تین فائدے تو ظاہری دنیوی موجود ہیں ملک ہاتھ میں آنا یا اپنے ملک کا بچانا اور غنیمت کا ہاتھ لگنا اور نیک نامی اور بہادری کی شہرت کا ہونا۔ اور قیامت میں جو شہیدوں کو اجر ملیں گے وہ اُسکی مقدار اللہ ہی کو خوب معلوم ہے۔ تو جس کام کو تم پہلے سے کرتے آتے ہو اُسی کام کو ہم حکم دیتے ہیں لیکن تم اُسکو بے محل کرتے تھے اور ہم تمکو محل پر اُسکا حکم دیتے ہیں جسکی وجہ سے ہر طرح تمہارا نفع ہی نفع ہو ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ ۝

جب آدمی اللہ کی راہ میں اپنی جان کو خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاوے تو مال کا خرچ کرنا اُسکے سامنے ہیچ ہی پھر اللہ تعالیٰ اس میں بھی فرماتا ہی کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو تم اکارت مت سمجھو بلکہ اس میں بھی تمہارے دینی اور دنیوی نفع ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان یہ ہی کہ اُسکا حق ادا کیا جاوے اور وہ بھی مشتے نمونہ از خروارے سے بھی کم پھر وہ اپنے محض فضل و کرم سے اُسکو اپنے اوپر بندے کا قرض قرار دے اور کئی گنے کر کے بندے کو دے ✦

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ ۝

قاعدہ یہ ہی کہ عزت ہمیشہ جان و مال کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتی خواہ دنیوی ہو خواہ دینی اور کنجوسی اور نامردی سے کبھی عزت حاصل نہیں ہوتی۔ سو چونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پہلے جہاد کا حکم دیا اور جان و مال کے صرف کا ارشاد فرمایا اور اسپر اجر و غنیمت کا وعدہ بھی کیا تو اب اُن لوگوں کا ذکر فرماتا ہی جنھوں نے جان و مال کے صرف کرنے میں سخت کوتاہی کی اور سخت ہی ذلیل ہوئے اور جنھوں نے مردانگی دکھائی اُن کو بہت بڑی عزت حاصل ہوئی قصہ یہ ہی کہ موسیٰ علیہ السلام کے عہد نبوت کے بعد ایک نبی تھے اُن کا نام شمویل علیہ السلام تھا جو کہ اہل کتاب کے نزدیک سموآل کہلاتے تھے اُن کی قوم بہت فسق و فجور میں مبتلا ہو گئی تو ایک کافر بادشاہ جالوت نام ان پر مسلط ہو گیا اور اُن کی اولاد بیشمار لونڈی غلام بنا کرلے گیا اور اُن کو فسق و فجور کا بہت سخت بُرا نتیجہ ملا پھر یکایک اُن کے دلوں میں اللہ کے حکم سے کسی قدر ہمت پیدا ہوئی تو اُنھوں نے اپنے نبی شمویل علیہ السلام سے کہا کہ تم اللہ کے حکم سے کسی شخص کو ہمارا بادشاہ بنا دو کہ ہم اُسکی زیر حکومت ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور دشمن سے بدلے لیں تو اُس نبی نے اُن سے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وقت تم پر جہاد فرض ہو تو ہمت ہار بیٹھو اور لڑتے ہاتھ کھینچ لو تو اُن لوگوں نے

کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری اولاد اور گھر بار سے دشمن نے ہمکو نکال دیا اور پھر ہم نہ لڑیں بیشک ہم ضرور لڑیں گے حاصل یہ کہ ان لوگوں نے بالکل بے وفائی کی صرف چند آدمی یعنے تین سو تیرہ نے وفاداری کی اور انہیں کے ہاتھوں اللہ نے دشمن کو مغلوب کیا

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اصل ہی اول شمویل علیہ السلام کی قوم سے یہ بے اعتدالی سرزد ہوئی کہ اللہ کے حکم سے جب اُن کے نبی نے طالوت کو اُن کا بادشاہ بنایا اور وہ قوم کا یا تو خشک تھا یا سقا اور مال دار بھی نہیں تھا تو بنی اسرائیل نے اُس کی قومیت اور افلاس پر اعتراض کیا تو اُن کے نبی نے اُن کو یہ جواب دیا کہ قومیت اور مالداری سے کام نہیں چلتا بلکہ قوت جسمی اور علمی سے کام چلتا ہے اور طالوت کو اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں عنایت کیں ہیں کہ قوی الجسم بھی ہے اور علاوہ بہادری کے اصول جنگ وغیرہ کے علم سے بھی واقف اور بادشاہ کرنا تو اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے بادشاہ بنا دے اس میں کسی کا اجارہ نہیں ہے +

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اور اُس نبی نے اُن بنی اسرائیل سے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئیگا جسکو فرشتے اُٹھائے ہوں گے اور اُس صندوق میں خدا کی طرف سے تمہارے لیے تسکین ہوگی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی کچھ چیزیں اُس میں رکھی ہوں گی۔ غرض جب طالوت فوجیں جمع کر کے جالوت کے مقابلہ کو نکلا تو اُس نے اپنی فوجوں سے کہا کہ سنو میرا ساتھ دینے والا فلاں نہر کا پانی نہ پینے پائیگا ہاں اگر ایک ہاتھ کے ایک چلو سے کچھ پی لیا تو اُسکا کچھ مضائقہ نہیں۔ اور جس نے اس نہر کا پانی سیر ہو کر پیا وہ ہرگز میرا ساتھ نہیں دے سکے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سبھی نے سیر ہو کر وہ پانی پیا فقط تین سو تیرہ آدمیوں نے نہیں پیا تھا جب پی کے پار ہوئے تو پینے والوں نے کہا کہ جالوت اور اُسکی فوجوں سے لڑنے کا ہمارا تو قابو ہی نہیں۔ تو جنھوں نے نہیں پیا تھا اور سچے ایمان دار تھے وہ بولے کہ گو جالوت کی فوجیں بیشمار ہیں لیکن اکثر ایسا ہوا کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی لیکن صبر چاہیئے اللہ صبر والوں کے ساتھ ہوتا ہے +

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

جب لڑائی گرم ہوئی اور گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دشمن اب غالب ہوا تو طالوت سے داؤد علیہ السلام نے کہا اور یہ ابھی تک بادشاہ اور نبی نہیں ہوئے تھے کہ جو شخص اس بے ختنہ (جالوت) کو مار دے تو اُسے تم کیا انعام دو گے تو طالوت نے کہا کہ میں اُسکو اپنی بیٹی نکاح میں دوں گا اور اپنی آدھی بادشاہی دوں گا تو داؤد علیہ السلام نے گوپھن میں ایک پتھر رکھکر جو جالوت کو مارا تو اُسکے سینے میں ایسا جا کے لگا کہ جالوت مر کر گرا اور اُسکے بعد اور بہت کافروں کو قتل کیا اور جب بادشاہی

مارا گیا تو رعایا کیا لڑتی سو جالوت کا سب لشکر شکست کھا کر بھاگ گیا اور ایمان داروں کو اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور داؤد علیہ السلام کو اللہ کے فضل سے بادشاہی ملی اور نبوت بھی اور بہت کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ ارشاد بھی فرماتا ہے کہ اگر اللہ بعض مفسدوں کو بعض مصلحوں کے ذریعہ سے دفع نہ کرے تو تمام زمین خراب ہو جاوے اور ہر وقت ظلم کا بازار گرم رہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا جب تک کہ قیامت کا وقت نہ آلے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ○

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ جتنے آیتیں ہم نے اتاری ہیں سب سچے ہیں اور تو سچا نبی اور رسول ہے اگر کوئی ہٹ دھرمی اور عناد سے تم پر ایمان نہ لائے تو اسکی کوئی پروا نہ کرو۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ط وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نبیوں اور رسولوں کی جماعت درجوں میں یکساں نہیں ہے بلکہ اُن کے مراتب میں فرق اور کمی بیشی ہی سو بعض ایسے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنی آواز سے اپنا کلام سُنایا اور بعض کے اور طرح سے درجے بلند کیے اور عیسے بن مریم علیہ السلام کو ہمنے بہت واضح دلائل اور معجزے عنایت کیے اور روح القدس سے ہمنے اُسکی تائید کی بعض کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام ہر وقت اُنکے ساتھ رہتے تھے۔ پھر اُن ابنیا کی قومیں اُن کی رحلت کے بعد مختلف ہوگئیں بعضوں نے غرور سے اور بعضوں نے بدعتیں نکال کر انکا طریقہ چھوڑ دیا اور کافر ہوگئے اور بعض اُن میں سے اپنے ابنیا کے اصلی طریقے پر رہے اور حالانکہ دونوں گروہوں کے پاس ابنیا کی کتابیں اور صحیفے وغیرہ موجود تھے لیکن خدا کی مرضی ایسی ہی تھی اگر وہ چاہتا تو کبھی مختلف نہوتے +

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○

پھر اللہ تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ موت اور قیامت کے آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں جو خرچ کرنا ہو کر لو پھر موقع نہیں ملیگا اس لیے کہ قیامت کے دن خرید فروخت ہوگی نہ دوستی آشنائی کسی کی کام آئے گی اور نہ شفاعت ہوگی کافر لوگ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے ظلم کی حد کو پہنچ گئے اس لیئے اصلی ظالم وہی ہیں جنکے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دل کو سیاہ کرتا ہے +

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ○ اس آیت کا نام آیت الکرسی ہو اسکا اس موقع پر لانا اس مناسبت سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شفاعت کی کفار کیلئے نفی کی ہے اور نفی کی وجہ یہ ہو کہ کفار لوگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں سے تشبیہ دیتے تھے کہ جیسے وہ غافل ہوتے ہیں اور کسی کو زیادہ تنبیہ و سزا جو دیتے ہیں تو وزیر وزرا اسکی شفاعت کرتے ہیں اور اسکی حقیقت حال سے بادشاہ کو آگاہ کرتے ہیں تو بادشاہ اسکے حال سے واقف ہو کر اسکی سزا سے درگزر کرتے ہیں۔ پھر دنیا کے بادشاہوں کی ملک پر پوری دسترس نہیں ہوتی وزیر وزرا کا بادشاہ کی خلاف مرضی بھی بہت دخل ہوتا ہے جس سے بادشاہ اکثر بوجہ مصلحت و خوف اُس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہو کہ کسی موقع پر وزیر نے کوئی احسان بادشاہ پر کیا ہوتا ہے جسکی پاداش میں بادشاہ اسکی شفاعت قبول کرتا ہو وغیرہ وغیرہ اور اللہ تعالےٰ

ان سب عیبوں سے پاک ہے نہ اسکو اونگھہ آتی ہی نہ نیند اور وہ اپنی بادشاہی پر جیسا چاہتا ہے تصرف کرسکتا ہے اور تمام مخلوقات کے حالات سے بخوبی واقف ہی تمام مخلوقات کے علم اُسی کی ذہن ہیں اور اسکی کرسی سب کو گھیرے ہوئے ہی کوئی اُس کے احاطے باہر ہو ہی نہیں سکتا تو پھر شفاعت کے کیا معنے عمل دیکھے جاوینگے - اور وہ بہت بلند ہی ذات کی رو سے اور صفات کی رو سے اور سب سے بڑا ہی کسی طرح کا کوئی اسپر قابو نہیں پاسکتا اس آیت کے پڑھنے میں بہت فوائد ہیں ایک ضعیف حدیث میں آیا ہی کہ جو شخص اُسکو ہر نماز کے بعد پڑھے گا اُسکے جنت میں پہنچنے میں صرف زندگی ہی کی آڑ ہے مرا اور جنت میں داخل ہوا سات کو سوتے وقت جو شخص اسکو سات مرتبہ پڑھکر سوئے ہر بلا سے وہ محفوظ رہتا ہی نہ اُسکی جان کو کوئی خطرہ پہنچتا ہے نہ مال کو بلکہ سات گھر اُسکے اردگرد کے بھی اُسکی برکت سے محفوظ رہتے ہیں - زمین آسمان کے سامنے ایسی ہی جیسے ایک جنگل میں کوئی چھلا ڈالدے یعنے بہت ہی چھوٹی اور بے حقیقت - اور ساتوں آسمان اُسکی کرسی کے سامنے بھی ایسے ہی ہیں اور کرسی عرش کے سامنے ایسی ہی ہے اور عرش اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اسطرح میں جیسے کہ ہمارے تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ تمام جہان کا وہی محافظ ہی اس میں اختلاف ہی کہ کرسی اور عرش ایک ہی چیز ہی یا الگ الگ - اس لیئے کہ عرش بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں - اور کرسی بھی بیٹھنے کی چیز کو کہتے ہیں اسلیئے دونوں احتمال ہوسکتے ہیں لیکن حدیث سابق اور ماسوا اسکے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہی کہ دونوں الگ الگ ہیں واللہ اعلم ٭

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اسلام زبردستی سے نہیں منوایا گیا اور اسلام کا مقتضی ہی کہ زبردستی سے منوایا جاوے بلکہ ہر عقل سلیم اسکو قبول کرتی ہے - اور چونکہ اسلام حقیقی اصلاح اور حسن اخلاق سکھاتا ہی اسلیئے جن لوگوں کی سزا قتل بھی کفار میں سے بسبب کسی بغاوت وبلوہ وقتل کے اُن کے لیئے بھی شارع نے یہ تخفیف کی ہی کہ جسوقت اسکے سر کے پاس تلوار پہونچ بھی جاوے اور وہ کلمہ توحید پڑھے تو تلوار کو وہیں تھام لینا چاہیئے گو اُس نے اسوقت جان بچانے کی غرض سے کہا ہو ممکن ہے کہ پھر صدق دل سے اُسکا اقرار کرے - کسی مخالف کو بالکل اسبات کا ثبوت اسلام کی کبھی کتابوں میں ہرگز نہیں ملسکتا کہ اسلام زبردستی کسی قوم سے قبول کرا دیا گیا ہو - آنحضرت کی تمام لڑائیاں مدافعت اور دفع فساد کی غرض سے ہوتی تھیں - ابتدائی کوئی جنگ نہیں واقع ہوئی - اسلیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہم جبر سے نہیں منواتے بلکہ اسلام نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل جدا کرکے دکھا دیا ہی سو جس نے سمجھہ سوچ کر شرک کو چھوڑ دیا جادو اور غیر اللہ کی عبادت وبتوں سے باز رہا اور ایمان وتوحید کو اختیار کیا تو اس نے گویا اپنے بچاؤ کے لیئے ایسے نہایت مضبوط کڑے کو پکڑا جو کسی طرح سے ٹوٹ نہیں سکتا - اور طاغوت اصل میں طغووت تھا مثل جبروت وملکوت کے تھا ایک واو کو قلب مکانی کرکے غین سے قبل لے آئے اور الف سے بدل دیا اور اُسکے معنی مبالغہ کے ہیں طغیان میں - یعنی سخت سرکش اور سخت سرکشی کی وجہ سے اسی لیئے کعب بن الاشرف یہودی کا لقب بھی اہل اسلام کے نزدیک طاغوت تھا - اور بتوں کو بھی طاغوت کہا جاتا تھا -

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ؀

ولی کا معنی دوست کے اور والی کے معنے مالک ومربی کے اور ذمہ دار کے اور سب جگہہ سب ٹھیک ہیں - یہ آیت تو اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لیئے بھیجی تھی لیکن جسنے اسے قبول کیا وہ ایماندار کہلایا اور جسنے نہیں قبول کیا وہ کافر کہلایا - سو ایمان والوں کا ہر طرح سے اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہوگیا یعنے

جس طرح سے کہ اُن کی جسمانی تربیت کرتا ہے اسطرح اُن کی روحانی تربیت کرتا ہے تاکہ دنیا اور قیامت دونوں جگہوں میں باامن وباعزت رہیں اور کفار کی صرف جسمانی ہی تربیت کرتا ہے۔ اور ایمان والوں کی تربیت یہ ہے کہ اسلام کی بدولت کفر و شرک و بدعت و جہالت کے اندھیروں سے اُن کو نکالتا ہے یعنے جیسے کہ انہوں نے کفر وغیرہ بُری باتوں کے چھوڑنے کا سچا اقرار کیا اسی طرح اللہ تعالےٰ خود اپنی مہربانی سے اُن کو اُسکے اسباب سے دور رکھتا ہے اور اہلبیت اور اخلاق اور طریق تمدن کی تعلیم فرماتا ہے۔ اور اچھی باتیں دل میں ڈالتا ہے۔ اور کفار کے ساتھ یہ باتیں نہیں برتتا۔ وہ تو کفر پر اڑکر ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو چکے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ط قَالَ إِبْرٰهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ٥ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو قصے بیان فرمائے ہیں ایک ابراہیم علیہ السّلام کا مناظرہ نمرود بن کنعان کے ساتھ جو کہ اُن کے وقت میں بادشاہ تھا اور پہلی پہل اسی نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ظلم و تعدی کا پیشہ اختیار کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اُس نے اپنی خدائی کا دعویٰ ظاہر کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے یعنے زندہ کو مار دے سکتا ہے اور مرے ہوئے کو زندہ کر سکتا ہے۔ تو اُس نے بطور حجت کے کہا کہ میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ نقل ہے کہ اُس نے دو شخص بلوائے ایک بے قصور اور ایک قصور والا قابل قتل تھا تو اُس نے قصوروار کو چھوڑ دیا اور بے قصور کو مروا ڈالا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے کہا کہ یہ تو اتفاقی امر ہے کہ اس میں تو ایک شق ایسی ہے کہ اس میں بظاہر گویا ایک شخص کو ایک آدمی نے مار ڈالا گو حقیقت میں اللہ ہی مارنے جلانے والا ہے لیکن میں تم سے دوسرا سوال کرتا ہوں کہ اگر تم میں قدرت ہے تو آفتاب کو مغرب کی طرف سے طلوع کرا کے مشرق میں غروب کرا دو۔ اللہ تعالیٰ تو مشرق سے طلوع کراتا ہے اور مغرب کی طرف غروب کراتا ہے۔ اس میں وہ نمرود کافر لاجواب ہو گیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک محال ہے اسی لئے اُسکی الوہیت پر اُسکے افعال سے حجت پکڑی جاتی ہے اور اسی لیئے ابراہیم وغیرہ سب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اُسکے افعال سے حجت پکڑی۔

دوسرا قصہ حضرت عزیز علیہ السلام کا ہے۔ یا ارمیا بن خلقیا (خضر یا) کوئی اور کافر کا جو کہ صدقیا بادشاہ کے عہد میں تھا۔ اُس کا بیان یہ ہے کہ جب بخت نصر نے بیت المقدس کو توڑ تاڑ کے ویران کر دیا اور توریت کو جلا دیا تو اُسکی ویرانی کی حالت میں اس شخص کا وہاں پر گزر ہوا تو اُس نے تعجب سے کہا کہ اب اللہ اس ویران گانو کو کیونکر آباد کریگا تو اللہ تعالیٰ نے اسکی روح اُسی جگہ قبض کر لی اور سو برس تک مرا رہا اور اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے تمام بیت المقدس کو آباد کر دیا اور پھر اُس شخص کو زندہ کر دیا اور اُسکا نبیذ وغیرہ جو کھانے کی چیز تھی اُسکو کچھ تغیر نہوا اور گدہا اُسکا مر گیا اور اُسکی ہڈیاں بھی گل گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اُسکے گدہے کو بھی زندہ کر دیا تو اُسوقت اُس شخص کو پکا یقین ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے زندہ کرنے پر اور مارنے پر اور سوائے اُن کے ہر بات پر۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلَى وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ط وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥

نقل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے ابراہیم علیہ السلام نے مری ہوئی چیز کے زندہ کرنے کی صورت دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم چار پرندے لاؤ اور اُن کو کاٹ کر ٹکڑے کر دو اور اُن میں کا کچھ کچھ حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ آؤ پھر اپنے مقام پر ہو کر اُن کو بلاؤ سو ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جب اُن کو بلایا تو ہر پہاڑ سے اُسکا حصہ اُن کی طرف دوڑا اور راستہ ہی میں ہوا میں ملے جلے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنے حصوں میں آن ملے جو ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے اور ریکے سب یعنی چاروں زندہ ہو گئے واللہ اعلم کہتے ہیں کہ یہ چار پرندے مور اور گدھ اور کوا اور مرغا تھا۔

پہلا قصہ وجود صانع کے بارے میں تھا اور دوسرا اور تیسرا اُسکے افعال اور قدرت کے اثبات میں۔

مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة والله يضعف لمن يشاء والله واسع عليم اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح آدمی کھیتی میں ایک دانہ بوتا ہے اور اُسکے سات سات خوشے نکلتے ہیں اور ہر ہر خوشے میں سو سو دانہ ہوتا ہے تو ایسے فائدے کو چھوڑنا نہایت نامناسب ہے اسی طرح آخرت کے ثواب کو بھی سمجھنا چاہیئے اور نیکیوں پر پابندی کرنی چاہیئے تاکہ اُن کا ثواب بھی اسی طرح ترقی کرتا جاوے۔ اور اخلاص سے صدقہ دیتے رہو۔

الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ صدقہ کا ثواب اس شرط سے ملیگا کہ جسکو صدقہ دیا گیا ہو اُس پر احسان نہ جتایا جاوے اور نہ اُسکو اور کسی قسم کی ایذا دی جاوے +

قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها اذى والله غني حليم يا ايها الذين امنوا لا تبطلوا صدقتكم بالمن والاذى كالذي ينفق ماله رئاء الناس ولا يؤمن بالله واليوم الاخر فمثله كمثل صفوان عليه تراب فاصابه وابل فتركه صلدا لا يقدرون على شيء مما كسبوا والله لا يهدي القوم الكفرين ومثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله وتثبيتا من انفسهم كمثل جنة بربوة اصابها وابل فاتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل والله بما تعملون بصير ان تینوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں بیان فرمائیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس صدقہ کے اخیر میں صدقہ لینے والے کو ایذا دی جاوے یا اس پر احسان جتایا جاوے تو ایسے صدقہ کا نہ دینا بہتر ہی بلکہ اُسکی جگہہ نرمی کے ساتھ اُسکو خالی پھیر دینا اور اُس سے معافی چاہنا زیادہ بہتر ہی۔ دوسری بات یہ ہو کہ جو شخص صدقہ خیرات دکھاوے کے لیئے کرتا ہو اُسکی مثال چکنے پتھر کی ہے کہ اُسکے اوپر کسی قدر غبار ہو تو بارش کے ہوتے ہی وہ سب غبار دُہل جائیگا اسی طرح ریاکار کا عمل بھی اُسی غبار کی طرح پر ہے کہ صرف دنیا کی زندگانی بھر تو کچھ اپنی ناموری کرلے لیکن موت کے آتے ہی وہ سب صدقہ خیرات بیکار ہو جاویگا اللہ کے دربار کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہرگز نہو گا تیسری بات یہ بیان فرمائی ہو کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیئے نہایت اخلاص سے اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات دیتے ہیں تو ان لوگوں کی مثال ایک باغ کی ہو جو کہ اونچے پر ہے اگر خوب بارش ہوئی تو اُس میں دُگنا میوہ پیدا ہو گا نہیں تو شبنم ہی کافی ہے غرض کبھی اُس میں ٹوٹا نہیں ہوتا۔ اسی طرح سچے ایمان داروں کے دل توحید و اخلاص سے باغ باغ ہو رہے ہیں کسی وقت بھی خدا کی ناراضی اونپر نہیں اگر اُن کو کہیں سے مال ملگیا اور اللہ کی راہ میں اُسکو خرچ کیا تو علاوہ توحید و اخلاص کے اور زیادہ انعام کے مستحق ہو گئے اور اگر مال نہیں ملا جسے خرچ کرتے تو شبنم کی طرح ان کا وہ اخلاص ہی انکی نجات کے لیئے کافی ہو حاصل یہ کہ اخلاص والے کو کبھی ٹوٹا نہیں ہوتا۔ ايود احدكم ان تكون له جنة من نخيل واعناب

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُو

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ ریا کے صدقہ کا صرف ثواب نہ ملنے پر کفایت نہیں بلکہ علاوہ ثواب کے نہ ملنے کے ہلاکت اور تباہی کا بھی خوف ہے جیسے کسی بوڑھے آدمی کا باغ ہو کھجور یا انگور کا اور اسکا گزر اسی پر ہو وہی معاش ہے اور اس بوڑھے کی اولاد نہایت ضعیف ہو اپنی طرف سے کچھ پیدا کر سکنے والی نہیں یا تو اسوجہ سے کہ بہت چھوٹی چھوٹی ہو اور یا بیوقوف نابلد اپاہج ہو تو اس بوڑھے کی اس اخیر عمر میں ایسی گرم ہوا چلی کہ وہ باغ بالکل جھلس گیا اور جلکر بھسم ہو گیا تو ایسے وقت میں نقصان کس درجہ کا ہے جس سے جانوں کے تلف ہونیکا پورا یقین ہے۔ اسی طرح چونکہ آدمی کی نجات اعمال سے ہے اور اعمال کا یہ حال ہے کہ خالص خدا کیلئے نہیں ہیں تو بالکل کالعدم ہوئے اور عین نجات حاصل کرنیکے وقت اعمال کی بیکاری ثابت ہوئی تو بھلا پھر نجات کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ تو خلاصہ ہوا کہ صدقہ بھی نجات کے ارکان میں سے ایک جزو ہے بشرطیکہ ریا اور ایذا دہی اور احسان جتانے سے بری ہو ورنہ بالکل بے سود نیکی برباد گناہ لازم ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ صدقہ دینا تو تم پر فرض ہے نقد کا اور جنس تجارت کا اور غلہ کا لیکن اسمیں یہ بھی لحاظ رہے کہ ردی اور بیکار اور سڑی گلی اور بسی ہوئی چیز مت دو کیونکہ اگر کوئی شخص ایسی چیز دے گا تو ہرگز نہ لوگے اور اگر مجبوراً لینا بھی پڑیگا تو ناک بھوں چڑھا کر لوگے خوشی سے ہرگز نہیں لوگے۔ خدا کو ایسی گندی خبیث چیزوں کی ضرورت نہیں کہ ایسے چیزوں کے ثواب بانٹے اور جب تک آدمی کے اخلاص دل میں یقین نہیں کدورت نہیں ہوتی تو ایسے کام ہرگز اس سے سرزد نہیں ہوسکتے۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان کا یہ اصول ہے کہ کبھی آدمی کو اعتدال کے طریق پر نہیں رہنے دیتا کہیں تو افراط کی طرف کھینچتا ہے اور کہیں تفریط کی طرف سو جب آدمی صدقہ کا قصد کرتا ہے تو اسکے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ ارے میاں یہی اثاثہ ہے جس پر ہماری گزر ہے اگر اس میں سے اسی طرح صدقہ کرتے کرتے نکالتے رہیں گے تو پھر تو بے فلانے مفلس ہو جاویں گے اور فلان کا ہم پر حق ہے اور فلاں کا ہم پر حق ہے۔ ادھر تو یہ تفریط کا سبق پڑھایا اور ادھر شہوتی خیالات ڈالکر رنڈی بازی وغیرہ فسق و فجور میں بے انتہا خرچ اٹھوا رہا ہے یہ افراط کا سبق ہوا سو نیکنامی کی جگہ خرچ کرنے سے روکدیا اور بیحیائی اور بدنامی کی جگہ فضول خرچی کرادی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان تمکو صدقہ کے وقت فقر و احتیاج کا خوف دلاتا ہے اور بیحیائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمکو صدقہ کرنے پر مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ کی رحمت فراخ ہے اور تمام بندوں کے حالات سے واقف ہے سو جو صدقہ سے بچا یا تو گویا اس نے شیطان کے وعدہ کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی معاذ اللہ تکذیب کی یہ کیسی بُری حرکت ہے اعیاذ باللہ۔ یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

حکمت احکام بکسر الف سے ماخوذ ہے جسکے معنے ہیں کام یا بات کا مضبوط کرنا اور مضبوط وہی چیز ہوتی ہے جس کا انجام سلامتی سے ہوا اور جو چیز اول میں اچھی معلوم ہوا اور نتیجہ خراب ہو وہ مضبوط نہیں کہلاتی۔

سو جس چیز کا انجام اچھا ہو وہی حکمت ہے اور محکم ہے۔ سو شیطان آدمی کو نیکی سے اور صدقہ سے روکتا ہے اور ظاہری خوبی اسباب کی اس طرح دکھاتا ہے کہ خرچ نہ کرنے سے مال بچا رہتا ہے اور پھر صدقہ کے مقدار سے زیادہ ناجائز محل پر خرچ کرادیتا ہے یہ انجام برا ہوا کہ بخیل بھی کہلائے اور فسق و فجور میں خرچ کرنے سے بدنام بھی ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی علیحدہ حاصل کی +

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انجام کی خوبی اور نیک نامی اور خدا کی رضامندی چاہنا یہ عقلمندی کے کام ہیں جنکو اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرماتا ہے وہی ایسی سوچ کرتے ہیں سو حکمت اللہ کی دین ہے جسے چاہے دے حکمت کی تفسیر سلف نے سنت کے ساتھ کی ہے اور بے شک سنت نبوی ایسی ہی چیز ہے +

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو باتوں کی طرف ہدایت فرماتا ہے ایک خلوص نیت دوسرا محل پر خرچ کرنا - اسلئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہوگا اور ظلم کے معنی ہیں وضع الشئی فی غیر موضعہ یعنی کسی چیز کو بے محل رکھنا سو جسنے خرچ اور نذر میں ریا کی تو اُس نے اپنے دینی عمل سے غیر اللہ کی خوشنودی کی خواہش کی اور اگر غیر اللہ کے نام سے صدقہ و نذر دی تو بھی شرک کیا اور اگر بے جا خرچ کیا اور معصیت کی نذر مانی تو بھی بے محل کام کیا سو جو شخص اپنے ہر عمل میں اللہ کو حاضر ناظر سمجھے ریا و شرک و فضولی سے بچے وہی اجر کا مستحق ہے؛

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

صدقہ خواہ نفلی ہو یا فرض اُسکو ظاہر دینا یا پوشیدہ کرکے دینا دونوں طرح جائز اور اچھا ہے دینے والے کی نیک نیتی شرط ہے - اب اس میں اختلاف ہے کہ افضل دونوں باتوں میں کون سی ہے - ظاہر کرکے دینا یا پوشیدہ - سو قول فیصل یہ ہے کہ نفلی صدقہ میں پوشیدگی افضل ہے اور فرض صدقہ میں اظہار افضل ہے اور آیت دونوں قسم کے صدقہ کو شامل ہے -

صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ پوشیدہ کرکے صدقہ کرنا افضل ہے یا ظاہر کرکے - تب یہ اُتری - اور ایک مشہور (صحیح) حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کے سایہ کے نیچے جگہ ملے گی اُن میں سے ایک وہ شخص ہے کہ ایسا پوشیدہ کرکے صدقہ دیا کہ داہنے ہاتھ سے دیا اور بائیں کو خبر نہوئی - آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پوشیدہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے -

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشرکوں کو صدقہ نہیں دیا کرتے تھے تب یہ آیت اُتری دوسری یہ کہ حضرت ابوبکر رض کی بیٹی اسماء کے پاس اُنکی ماں اور دادی آئیں اس سے کچھ خرچ مانگتی تھیں تو اُس نے کہا کہ جب تک میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لونگی تمکو کچھ نہ دونگی اور وہ دونوں مشرکہ تھیں تو جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُس نے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اسے حکم دیا کہ بیشک ان پر صدقہ کرو - اور ایک تیسری روایت یہ بھی ہے کہ بعض انصار کی قرابت بنی قریظہ اور بنی نضیر میں تھی اور وہ محتاج تھے اور انصار کہتے تھے کہ جب تک تم مسلمان نہو گے ہم تم پر صدقہ نکریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی - حاصل یہ کہ نیک نیتی سے جس محتاج پر صدقہ کرو گے اسکا اجر ضرور ملے گا اسلام شرط نہیں ہے مگر یہ بات نفلی صدقہ میں ہے اور فرض صدقہ سوائے اہل اسلام کے دوسرے کو نہیں دیا جاتا - اور نفلی میں بھی اہل اسلام مقدم ہیں اُسکے بعد غیر +

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

یہ آیت اُن فقراء مہاجرین کے بارے میں اُتری ہے - جو کہ اصحاب الصفہ کہلاتے تھے یعنی مسجد کے دالان میں رہنے والے اسلئے کہ مدینہ میں اُن کا کوئی قرابتی نہ تھا جو اُن کو اپنے ہاں ٹھیراتا اور وہ تخمیناً چار سو کے قریب تھے اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ساتھ سب لڑائیوں میں حاضر ہوتے تھے اور وہ نہایت محتاج تھے محنت مزدوری کرتے تھے لیکن کافی نہیں ہوتی تھی اور کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ اَن جان آدمی اُن کی بے سوالی دیکھ کے اُن کو غنی سمجھتا تھا۔ ابن عباس رضہ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم ایک روز اصحاب الصفہ کے پاس جا کھڑے ہوئے اور اُن کا فقر و فاقہ دیکھا تو آپ نے یہ کہکر اُن کے دلوں کو خوشی اور تسکین دی کہ اے اصحاب صفہ تمکو خوشخبری ہو جو شخص قیامت کے روز تم میں سے اپنی اسی حالت میں خوشدلی سے آن ملا تو وہ میرے رفیقوں میں سے ہے۔ سو اللہ تعالی نے اس آیت میں اُن فقرا کی پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں ایک اپنے آپ کو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کے لیئے وقف کر دینا دوم تجارت وغیرہ کے لیئے سفر نکر سکنا اللہ کی راہ میں وقف ہونے کی وجہ سے سوم انجان اُن کو مستغنی سمجھے۔ چوتھی یہ کہ ہوشیار آدمی اُن کے چہروں سے اُن کا فقر و فاقہ پہچانے۔ ہر ایک نہ پہچان سکے۔ پانچویں یہ کہ حتی الامکان اپنے آپ کو سوال سے بہت بچاتے ہیں کبھی لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی کہ اللہ تعالی پاک دامن سوال سے بچنے والے کو دوست رکھتا ہے اور فسق و فجور والے بدزبان کو اور اس لپٹ کر سوال کرنے والی کو بُرا جانتا ہو کہ اگر بہت دیا جاوے تو مدح میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتا ہے اور اگر تھوڑا دیا جاوے تو مذمت اور ہجو میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتا ہے +

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اس سے پہلی آیت جب اُتری تو عبدالرحمن بن عوف رضہ نے اصحاب الصفہ کی طرف دن میں کئی اشرفیاں بھیجیں اور حضرت علی رضہ نے رات کے وقت دُو من اٹھارہ سیر کھجوریں بھیجیں تو رات کا صدقہ افضل رہا۔ ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ علی کے پاس ایک وقت صرف چار درہم تھے سو ایک کو رات کے وقت صدقہ کیا اور ایک کو دن میں اور ایک کو پوشیدہ اور ایک کو ظاہر صدقہ کیا تو آنحضرت نے اُن سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اسلیئے یہ کیا ہو کہ اللہ تعالے نے جو مجھے وعدہ دیا ہو اسکا میں مستحق ہو جاؤں تو آپنے فرمایا تو اُسکا مستحق ہو گیا تب یہ آیت اُتری صاحب کشاف کہتا ہو کہ یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ اُنہوں نے چالیس ہزار اشرفی اللہ کی راہ میں صرف کی دس ہزار رات کو اور دس ہزار دن کو اور دس ہزار پوشیدہ اور دس ہزار ظاہر۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جہاد کے گھوڑوں کے گھاس دانہ دینے کے بارے میں اُتری ہی سو ابوہریرہ رضہ جب کسی موٹے تازے پلے ہوئے گھوڑے کے پاس سے گزرتے تو یہ آیت پڑھتے۔ اور اصل یہ کہ آیت سبکو شامل ہے اور عام ہی جو کثرت سے صدقہ کرینگے اُن کو کچھ خوف نہو گا +

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

صدقہ اور سود میں مناسبت تضاد ہی یعنے دونوں آپس میں ضدین ہیں یعنی صدقہ کسی کو مال دینا نہ کسی معاوضہ کے مقابل میں اور سود کسی سے مال لینا نہ کسی معاوضہ کے مقابل میں۔ اسی مناسبت سے صدقات کے ذکر کے بعد سود کا ذکر کیا اور سود کی دو قسمیں ہیں ایک ربوا النسیہ دوسری ربوا الفضل۔ جاہلیت کے زمانے میں پہلی ہی قسم کا سود زیادہ تر رائج تھا اور اسکی صورت یہ تھی کہ مدیون کو مال دے دیا اس شرط پر کہ ہر مہینے میں ایک مقدار معین تمسے لیں گے اور اصل مال مدیون کے ذمہ رہیگا جب میعاد معینہ قرض کی آن پہنچی تو مدیون سے اصل مال کا مطالبہ کیا اگر اُس نے ادا کر دیا تو فبہا ورنہ اور میعاد بڑھا دی اور سود بھی بڑھا دیا۔ اسطرح کا سود انہیں رائج تھا۔ اور ربوا الفضل یہ ہے کہ ایک قسم کے گیہوں مثلاً دو سیر دیکے اُس سے اعلی قسم کے گیہوں

ایک سیر لینا - ابن عباس پہلے اُسکو سود نہیں سمجھتے تھے جب اُن کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پہنچی تو اپنے خیال سے باز آئے پھر حدیث سے تو ربا الفضل صرف چھ چیزوں میں ناجائز ثابت ہوتا ہی پھر فقہا نے اسکو سب چیزوں میں عام کر دیا - اور ربا الفضل کو ربا النقد بھی کہتے ہیں - اور تفصیل اسکی کتب فقہ میں اور اصول میں ہی - سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سود خوار قیامت کے روز ایسے بھونچکے ہو کر قبروں سے اُٹھیں گے جیسے کسی پر بھوت سوار ہو کیونکہ دنیا میں انہوں نے حرام حلال میں تمیز نہیں رکھی اور دین کو بے بس اور لاچار کر دیا سو جسکو نصیحت پہنچی اور مان گیا تو اُسکا پچھلا نادانستگی کا کھایا ہوا اُسکو معاف ہی اُسکا معاملہ اللہ سے ہوگا اور جس نے جانکر ایسا کیا وہ یقینی دوزخی ہیں اور ہمیشہ اُس میں رہیں گے +

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝

یعنی گو ظاہر میں سود کا مال بہیترا ہاتھ آتا ہی لیکن اُس میں برکت نہیں ہی اور صدقہ دینے کے وقت گو ظاہر میں مال اپنے پاس سے نکلتا ہی لیکن اُسکے نکلنے سے بقیہ مال میں اللہ تعالیٰ برکت کرتا ہی برکت کے معنی یہ ہیں کہ ایسا موقع نہیں آتا کہ ناگوار جگہ مال مجبوراً صرف کرنا پڑے - اور سود خوار کا مال بے برکت ہوتا ہے اور وہ خود اللہ تعالیٰ کا مبغوض اور نہایت ناشکرا اور بدکردار ہی +

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

نماز کا قایم کرنا اور اُسکی پابندی رکھنی اور زکوٰۃ دیتے رہنا یہ دونوں عمل عملوا الصالحات میں داخل ہیں لیکن چونکہ سب اعمال سے زیادہ مہتم بالشان تھے اسلیئے ان دونوں کو خاص کر کے ذکر کیا - اور نماز اور زکوٰۃ دونوں آپس میں نہایت مناسب ہیں و نسبت میں اسی لیئے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اُس سے جہاد کروں گا غرض قیامت کے دن پورا امن اور بے خوفی اُسی کو ہوگی جو حتی المقدور نیک اعمال میں کوشاں رہا اور برے اعمال سے گریزاں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اس آیت میں کئی ارشاد ہیں ایک یہ کہ سود خوار متقی یعنی خدا سے خوف کھانے والا نہیں - دوم یہ کہ سود خوار مومن نہیں سوم یہ کہ سود خوار گویا خدا اور رسول سے جنگ کرنے پر کمر بستہ ہوا ہے - چہارم یہ کہ راس المال تمکو پورا ملیگا اگر تم سود خواری سے توبہ کروگے اور پچھلا سود کھایا ہوا راس المال میں شمار نہیں کیا جاویگا - پنجم یہ کہ سود خواری ظلم ہے - ششم یہ کہ مقروض اگر تنگدست ہو تو اُسکو اُسوقت تک مہلت دینی چاہیئے جہاں تک کہ اُسکو ادائے قرض کی صورت ہاتھ لگے - ہفتم یہ کہ تنگدست کو بالکل معاف ہی کر دینا اور اُس سے بالکل قرض کا تقاضا نکرنا بہت ہی بہتر ہی - ہشتم یہ کہ سود خوار اگر خدا کے روبرو قیامت کے روز کھڑے ہونے کو ہر وقت خیال میں رکھے تو کبھی سود خواری کو پسند نکرے - آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے سے پہلے سب قرآن میں سے آخر آیت یہی اتری ہی یعنی وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ آخر تک +

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۗ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۗ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۗ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ

ونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْــَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ
وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ

تمام قرآن مجید میں اس آیت سے زیادہ بلکہ اسکے برابر بھی کوئی آیت بڑی نہیں - اسکو آیت دین کہتے ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملات قرض و تجارت کے ضروریات اور مہمات بتائے ہیں تاکہ انجام میں فساد نہ پڑے سو اول یہ مہم بیان فرمائی کہ جب تم قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اسکو لکھ لو کہ مثلاً میں نے آج فلاں مہینے کی فلاں تاریخ میں فلاں شخص سے فلاں چیز یا اسقدر مال قرض لیا اور فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو ادا کردونگا اور اپنا نام مع ولدیت و سکونت اور جس سے قرض لے اسکا نام مع ولدیت و سکونت اور جس چیز کو قرض لے اسکا نام لکھے اور عدد مع اسکے نصف کے لکھے تاکہ اشتباہ نہ رہے مثلاً میں نے فلاں شخص سے مبلغ چیالیس روپیہ قرض لئے جسکے نصف تئیس روپیہ ہوتے ہیں اور عبارت اور ہندسہ دونوں لکھے جیسے کہ سنن نسائی شریف وغیرہ میں پتہ لکھا ہوا ہے - دوسری مہم یہ ہے کہ لکھنے والا منصف اور امین ہو - تیسری مہم یہ کہ منشی کو ہدایت کی جاتی ہے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے اللہ نے اسکو جیسا سکھایا ہے اسکو استعمال میں لاوے اس میں دو فائدہ ہیں ایک یہ کہ اکثر معاملات کی تحریر سے آدمی ہوشیار ہو جاتا ہے دوم یہ کہ آج یہ دوسرے کا کام بالکل دوسرا اسکے کام آئیگا دنیا میں اسی طرح معاملات چلتے ہیں چوتھی مہم یہ کہ تحریر اور اقرار مقروض کی طرف سے ہو جانا چاہیے اس لیئے کہ اسی نے مال لیا ہے اسی کا اقرار بھی درکار ہے پانچویں مہم یہ کہ اقرار نامہ لکھوانے والا یعنی مقروض تحریر کرانے میں دغا و فریب کو استعمال میں نہ لاوے اور جتنی مقدار حق کی اسپر ہے اسکو ہو بہو پورا لکھوا دے - اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرض دینے والا مقروض سے اقرار نامہ لکھتے وقت ہوشیاری سے کام لے تاکہ مقروض سے کسی قسم کا دہوکا نہ کھاوے چھٹی مہم یہ ہے کہ اگر مقروض و مدیون کم عقل ہے یا بچا یا پاگل یا بڈھا ضعیف ہے یا گونگا یا سخت لکنت والا ہے تو اسکی طرف سے اسکا ولی وارث انصاف سے اقرار نامہ لکھوا دے ساتویں مہم یہ کہ اپنی ہم جنس قوم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے دو گواہ مرد بھی اس معاملہ کے لیئے رکھے جاویں اور دونوں مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد ہی اور دو عورتیں بجائے دوسرے مرد کے اس وجہ سے کہ عورتوں میں بھول زیادہ ہوتی ہے اس لیئے دو مقرر کی گئیں تاکہ اگر ایک سے غلطی ہو تو دوسری اسکو یاد دلا کر سنبھال لے - آٹھویں مہم یہ کہ اللہ تعالیٰ گواہوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ ضرورت کے وقت حاضری سے انکار نہ کریں اسی میں ان کا بھلا ہے نویں مہم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ معاملہ کی تحریر میں کبھی سستی مت کرو خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اللہ کے نزدیک بھی انصاف کی یہی بات ہے کہ ہر معاملہ کو تحریر میں ضبط کرے اور گواہی کی مضبوطی بھی اس میں ہے اور کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا دسویں مہم یہ ہے کہ اگر دست بدست تجارت کا معاملہ ہے کہ اس ہاتھ دیا اور اس ہاتھ لیا تو بھی اولیٰ یہی ہے کہ اسکو بھی تحریر میں ضبط کرے لیکن اس کے لکھنے میں زیادہ تاکید نہیں ہے اور نہ لکھنے میں چنداں حرج بھی نہیں ہے - گیارہویں مہم یہ ہے کہ خرید فروخت کرتے وقت بھی گواہ کر لو کہ فلاں شخص سے فلاں چیز اتنی قیمت میں خریدی بارہویں مہم یہ ہے کہ منشی اور گواہ اگر کسی عذر سے تحریر یا گواہی سے انکار کریں تو انکو دق نہ کیا جاوے کسی اور سے لکھوا لو اور کسی اور کو گواہ بنا لو یا بغیر تحریر اور گواہی کے کسی اور ذریعہ سے اپنے معاملہ کی مضبوطی کر و منشی اور گواہ کو دق کرنا فسق ہے - تیرھویں مہم یہ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ ان تمام معاملات

میں ۔ خدا کا خوف مدنظر رکھے کسی حیلہ اور پیچ کے خیال میں نہ رہے بلکہ ایمان داری کو اپنا شیوہ بنا دے چودھویں یہ مہم ہے کہ دل میں اس بات کا عقیدہ رکھے کہ جتنی بہبودی انسانی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے ذریعے سے تعلیم نہ کرتا تو ہم بالکل ٹوٹے اور نقصان میں رہتے ۔ پندرھویں مہم یہ ہے کہ تمام چیزوں کا عالم اور جاننے والا فقط اللہ ہی کو جانے سوا اللہ کے اور کسی کو ہر چیز کا جاننے والا نہ جانے اور نہ یہ خیال کرے کہ کوئی ایسی چیز بھی ہوگی جسے اللہ نہ جانتا ہوگا کیونکہ یہ صریح کفر ہے۔ سولہویں یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام ضروریات میعادی قرض کے بیان کر دیے اور تجارت کی احتیاط بھی بتا دی ہے

وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

یہ پہلی آیت کا تکملہ ہے یعنی جب تم سفر میں ہو اور کاتب (منشی) نہ ملے یا ملے اور لکھنے سے انکار کرے تو قرض لینے والے کی کوئی چیز رکھ لو ہاں اگر ایک دوسرے پر آپس میں اطمینان ہو تو رہن رکھنے کی چنداں ضرورت نہیں تو اس صورت میں قرض لینے والے کو چاہیے کہ نیک نیتی اور ایمان داری سے قرض کو ادا کرے اور خدا کا خوف کرے اور کسی کا مال مار رکھنے کا قصد نہ کرے۔ اور اس آیت میں اس بات کی بھی سخت تاکید کی گئی ہے کہ گواہی کو ہرگز نہ چھپا دے اسکا چھپانا بہت گنہگاری کی بات ہے بمقتضائے ظاہر کے جو کہ اس آیت سے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ جب تک سفر نہ ہو اور کاتب (منشی) مفقود نہ ہو رہن رکھنا جائز نہیں لیکن جمہور علما کا اسبات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ رہن سفر حضر دونوں میں جائز ہے اور خواہ لکھنے والا ملے یا نہ ملے قرآن میں سے منسوخ ہے

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ جب اللہ تعالیٰ نے عبادات و معاملات وغیرہ کے احکام بیان فرمائے تو اسکے بعد اپنے حکم دینے کا استحقاق بیان فرمایا کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسی کا ملک ہے اور خالق اور مالک اپنی مخلوق اور ملک میں مختار ہوتا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ خواہ آدمی جن و فرشتے وغیرہ کسی بات کو اپنے جی ہی میں رکھیں خواہ ظاہر کریں اللہ تعالیٰ کو وہ بات ہر طرح معلوم ہو جاتی ہے یہ اسکا کمال علم ہے اس لیے اس آیت میں بڑا زبردست اعلان دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے سب پوشیدہ اور ظاہر باتوں کا حساب لیگا پھر جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا اسکے قصور پر عذاب کریگا کوئی شخص اسکے کسی کام میں دخل نہیں دے سکتا اور نہ روک سکتا ہے تو اس آیت میں یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر دل میں برے خیالات کا گذر ہو تو ان کو ٹھیرنے اور جمنے نہ دو اور خدا سے ان کی معافی مانگو تو کہ مستحق عذاب کے نہ ہو۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ اس سے پہلی آیت جب اتری تھی تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آیت بہت سخت ہے اور دل کے خیالات کی آمد و رفت اختیاری نہیں ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح سمعنا و عصینا کہنا چاہتے ہو۔ یعنی ہمنے سن تو لیا لیکن مانیں گے نہیں تو پھر انکی ہمت بندھی اور یہ آیت آخر سورت تک اتری اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکو پڑھو سو انہوں نے پڑھنا شروع کیا جہاں دعا کا موقع آیا اور وہ کلمات انہوں نے پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد فعلت یعنی میں نے تمہاری التجا قبول کی اور صحابہ کے دل مطمئن ہو گئے اس آیت میں اصول توحید کا بیان ہے کہ انبیا کا اور مومنین کا ایمان اس طریق کا ہے کہ وہ خدا کا اور فرشتوں کا اور اللہ کی

آسمانی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا یقین رکھتے ہیں اور کسی رسول کی رسالت میں عیب نہیں لگاتے اور سمعنا و اطعنا (یعنے ہم نے دل سے سنا اور بخوشی اطاعت کے لیئے مستعد ہیں) کہتے ہیں اور اپنی کوتاہی کے لیئے معافی چاہتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ ضرور اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے +

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۝

اور اہل ایمان اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو انکی طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا سو جو کوئی نیکی کریگا اسکا بدل پاوے گا اور جو بُری کمائی کرے گا اسکی سزا بھگتے گا جب ان عقائد کا ان کے دل میں خیال گزرتا ہے تو معاً اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں کہ اے بار خدایا ہماری بھول چوک پر ہمکو مواخذہ مت کیجیو اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ میری امت کی بھول چوک اور مجبوری معاف ہے مجبوری کے یہ معنی کہ کسی نے زبردستی سے کسی سے بُرا کام کروایا ہو اور اسنے جان کے خطرہ کی وجہ سے وہ کام کرلیا ہو۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ

اے بار خدایا ہم پر ایسے بوجھ مت رکھیو جیسے ہم سے پہلی قوموں پر رکھے تھے یعنی یہود و نصاریٰ پر نہایت سخت احکام اترے تھے اور جو عیب کرتے تھے وہ ظاہر ہو جاتا تھا۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

اے بار خدایا ہمپر کوئی ایسی محنت و مشقت مت ڈالیو جسکی ہم کو طاقت نہیں +

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اے بار خدایا ہمکو عذاب سے معافی دے اور ہمارے عیب چھپا اور ہمپر اپنا رحم کر تو ہی ہمارا مولیٰ اور مالک ہے پھر ہمکو قوم کفار پر بھی نصرت دے۔ امن الرسول سے اخیر تک خواتیم سورۃ البقرہ کہلاتی ہیں ان کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے اور رات کو سوتے وقت ان آیتوں کا پڑھنا بھی بہت مفید ہے سورہ بقرہ کی فضیلت آیت الکرسی اور خواتیم السورۃ سے ہی ہے۔

سورۃ آل عمران مدنیۃ ہے اس سورۃ دو سو آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝

الٓمّٓ کی تفسیر بھی تفسیر سورہ بقرہ میں ہو چکی ہے اور اس کے بعد کی آیت کی بھی +

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۝

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو جو کچھ ان کتابوں میں قرآن کے خلاف ہے وہ آسمانی حکم نہیں بلکہ تحریف ہے۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝

یعنے پہلے زمانوں میں ہدایت کے لیئے توریت اور انجیل اتاری اور اس زمانہ کے لیئے قرآن مجید اتارا جو کہ حق باطل میں خوب تمیز کرا دیتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

یعنی جب کتابیں ہدایت کے لیئے خدا کی طرف سے اتر چکیں اور دلائل واضحہ سے حق باطل سے جدا ہو گیا پھر اسپر بھی جس نے حکم الٰہی نہ مانا اور ہر سرِ انکار ہی رہا تو ان کو خدا کے ہاں بہت سخت سزا ملے گی اور اللہ تعالیٰ کو انتقام کی پوری قدرت ہے +

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

جیسا اللہ تعالیٰ حی اور قیوم ہے اور آسمان و زمین میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور ماؤں کے پیٹوں میں اولاد کی

جس طرح چاہتا ہے صورت بناتا ہے اور اُسکے سوا اور کوئی اس پر قدرت نہیں رکھتا تو ضرور ہوا کہ اُسکے سوا اور کوئی معبود بھی نہو نصاریٰ عزیز جو عیسےٰ وغیرہ کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں اُنکا دعویٰ جھوٹا ہے اسلیئے کہ عیسےٰ وغیرہ حی اور قیوم نہیں اور نہ آسمان و زمین کے غائبات پر مطلع ہو سکتے ہیں اور نہ اولاد کی رحموں میں تصویر بنا سکتے ہیں جب ان باتوں میں سے کسی پر قدرت نہیں رکھتے پھر کیونکر معبود و الٰہ ہو سکتے ہیں عزیز (غالب) و حکیم علی الاطلاق ہونا خدا ہی کی شان ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

قرآن شریف کی آیتیں دو قسم کی ہیں محکم اور متشابہ اصل مقصود تو محکم سے ہے جیسے عبادات اور معاملات سو شغل انہیں چاہیئے۔ اور متشابہ وہ ہیں جنمیں کئی کئی احتمال پیدا ہو سکتے ہیں جیسے اوائل سُوَر الٓمٓ و یٰسٓ وغیرہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں اور اشارہ ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح ان کے بارے میں مروی نہیں ہے اسلیئے ان میں زیادہ خوض و بحث کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح صفات کی آیتیں جیسے الرحمٰن علی العرش استویٰ کہ ان کے معنے اللہ تعالیٰ کے عرش پر بیٹھنے کے معلوم ہیں لیکن اسکی کیفیت میں بحث کرنا اثبات و انکار میں اور اسکی تاویلیں اپنی طرف سے گھڑنا جائز نہیں جیسے کہ اہل کلام نے بلا فائدہ ان باتوں میں سر مغزیاں کیں اور سلف صالحین کے سیدھے سادے عقیدے میں بٹا لگایا اور ایسی تقریریں کیں جس سے صریح کتاب اللہ کا انکار لازم آوے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور ان باتوں سے ہزاروں فتنے اور فساد دنیا میں پھیلے اور حقیقت کچھ نہ کھلی یہاں تک کہ بہت بڑے بڑے متکلمین آخر عمر میں سخت پشیمان ہوئے اور اپنے بیکار دفتر سیاہ کرنے سے پچھتائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کج رو یعنے ٹیڑھی چال چلنے والے بتایا ہے۔ اور راسخ اور مضبوط علم والا اُن لوگوں کو بتایا ہے جنھوں نے بے چون و چرا ہر قسم کی آیتوں کو مانا اور سب کو اللہ کی طرف سے حکم ناطق سمجھا اُس میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیا اور عبادات و معاملات میں مشغول رہے تاویلوں کے بیکار شغلوں سے بچے رہے اور نصیحت کی باتوں پر عمل کیا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو عقلمند فرمایا ہے اسلیئے کہ اصل مقصود میں مشغول ہیں ❖

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ❖

اور راسخین فی العلم اپنے صحیح اور سچے عقیدے پر ہو کر یہی خدا سے التجا کرتے ہیں کہ اے بار خدایا ہمکو اس ہدایت پر قائم رکھیو اور ہمارے دلوں کو اس سے مت بچلائیو اور ہم پر اپنی نظر رحمت رکھیو تو بڑی دین والا ہے۔ تمام لوگوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں جدھر چاہے پھیر دے اسی لیئے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ دین اسلام کے سچے اور سیدھے سادے عقیدوں سے ہمارے دلونکو مت پھیریو۔ آمین رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

اس دعا میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قیامت کا آنا ہمارے اعتقاد میں ایک بہت ضروری و یقینی امر ہے کسی طرح اُس سے مفر نہیں اور یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ موجب اپنے سچے وعدے کے ہمکو ہمارے ایمان لانے کے سبب سے ہمکو نجات دیجیو ❖

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝

اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ قیامت کے دن کافروں کو کسی صورت سے نجات نہیں مل سکتی کیونکہ قیامت کے دن کوئی عوض کسی سے قبول نہیں کیا جائیگا بلکہ وہاں تو صرف ایمان اور نیک اعمال ہی کام آتی ہے ❖

دوسری بات یہ ہے کہ جیسے تنور وغیرہ کا ایندھن لکڑیاں وغیرہ ہوتی ہیں اسی طرح کفار دوزخ کے ایندھن ہیں اور ایندھن موقوف نہیں ہوا

کرتا۔ تو دوزخ کے مزاج کے خلاف صرف ایمان دار لوگ ہیں جیسے پانی آگ کا مخالف ہے ✦

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

یعنے جیسے ان کفار کا حال ہے کفر میں اور عذاب کے سزاوار ہونے میں ایسا ہی حال پہلے کافروں کا تھا جو کہ فرعون کے اتباع تھے اور ان سے بھی پہلے کے کافر سو جو اُن کا حال وحشر ہوا وہی اُن کفار کا بھی ہونا چاہیئے ✦

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر میں کفار قریش پر غالب ہوئے تو مدینے کے یہودی قینقاع وغیرہ بولے کہ اے محمد تم اس غرہ مت ہو کہ قریش کے چند آدمیوں پر غالب آگئے ہو وہ تو فنون جنگ سے واقف نہ تھے جس وقت ہم سے لڑو گے تب حقیقت کھلیگی تب یہ آیت اُتری اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ان یہود سے کہدو کہ ایمان لانا ہو تو لے آؤ ورنہ یقیناً تم بھی عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے شک ہو تو لڑ کے تجربہ کر لو اور مغلوبی ہی کافی نہ ہوگی بلکہ دنیا میں مغلوبی کی ذلت اور قیامت کے روز جہنم کی طرف دھکیلدیئے جاؤ گے وہاں کی ذلت اور دُکھ کی مار علیحدہ ہوگی ✦

قد كان لكم آية في فئتين التقتا فئة تقاتل في سبيل الله واخرى كافرة يرونهم مثليهم رأي العين والله يؤيد بنصره من يشاء ان في ذلك لعبرة لاولي الابصار ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بدر کی لڑائی خود تمہارے لئے عبرت ہے کیونکہ قوت جمعیت یعنے کثرت تعداد اور سامان جنگ کی فراہمی سب کفار میں تھی اور مسلمان تعداد میں بھی تھوڑے تھے اور ہتیار بھی اُن کے پاس کافی نہ تھے بلکہ بہت مسلمان نہتے تھے کسی کے پاس تلوار کسی کے پاس تیر کسی کے پاس ہڈی کسی کے پاس لکڑی اور کوئی بالکل خالی یہ دلیل ہے کہ اس جنگ میں نصرت اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہوئی ورنہ ظاہری سامان سب مغلوبی کے تھے صرف غالب ہونیکی وجہ یہی تھی کہ گروہ اہل اسلام اللہ کی راہ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا اللہ نے اُس کافروں کے گروہ پر ایسا رعب ڈالا کہ مسلمانوں کو اپنے گروہ سے دونا خیال کر رہے تھے حالانکہ کفار کے گروہ کے نصف بھی مسلمان نہ تھے۔ تو سچی دل کی بینائی والوں کے لئے اس جنگ میں یقینی عبرت ہے ✦

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○

لفظ قنطار کی تحدید میں مختلف اقوال ہیں۔ مرفوع حدیثیں اس بارے میں چار آئی ہیں۔ ایک یہ کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ ہے دوسری یہ کہ دو ہزار اوقیہ ہیں۔ تیسری یہ کہ ایک ہزار دینار ہے۔ چوتھی یہ کہ ایک ہزار دو سو اوقیہ ہے اور یہ اخیر کی روایت منکر ہے۔ اور پہلی روایت زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم اور یہاں مراد کثرت ہے اور قناطیر جمع قنطرہ کی بھی ہے بمعنی زیادت یا اور قنطرہ پل کو کہتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ میں رومیوں کے پل باندھ دوں گا یا ڈھیر لگا دونگا اور اصل معنی قنطار کے خزانے کے ہیں۔ مسومہ کے معنی یہ ہیں کہ بے قید جا بجا چھوڑ دیے جاویں اس سے مراد بھی کثرت اور انکا خوب پلا ہوا ہونا ہے۔ آیت کا مطلب یہ کہ دنیوی لوگوں کو تو ظاہر زیب وزینت اور عورتوں اور بونڈیوں کا دستیاب ہونا اور سونے چاندی کے خزانہ ملنا اور گھوڑے وغیرہ پلے ہوئے بکثرت ہاتھ آنا پسند ہے لیکن یہ سب دنیا ہی میں رہ جانیوالا سامان آخرت کا نفع اس میں نہیں آخرت میں تو صرف نیک نیتی کا پھل ملے گا اور وہ پھل ان سب اشیاء مذکورہ سے لاکھوں درجے بہتر ہوگا اسلیئے جنگ وغیرہ میں بھی کثرت سامان پر

مغرور ہونا چاہیئے بلکہ نیک نیتی اور ہمت سے زیادہ کام لینا چاہیئے لیکن اسکا یہ معنی نہیں کہ جنگ کے سامان کرنے سے بھی غافل ہو جاویں سامان بھی کریں لیکن ہر کام میں نیک نیتی اور ہمت کو مد نظر رکھیں اور ہمت بھی عقیدے کی مضبوطی پر موقوف ہے +

قل اؤنبئکم بخیر من ذٰلکم للذین اتقوا عند ربھم جنات تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا وازواج مطہرۃ و رضوان من اللہ واللہ بصیر بالعباد ٥

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے مقابلے میں جنکا عمدہ ہونا دنیا کے لوگوں کے نزدیک مجوب ہے قیامت کے ثواب کا ذکر فرمایا کہ تقویٰ والے لوگوں کو جو قیامت کے روز اجر ملیگا وہ بدرجہا ان دنیوی چیزوں سے افضل ہوگا۔ اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں ایک تو اپنے مالک خداوند کریم کا قرب ہوگا دوسرے رہنے کے لئے باغ ہوں گے تیسرے ان میں ہر دم نہریں جاری ہوں گی کہ ان سے وہ باغ ہمیشہ شاداب ہیں گے نہ ان پر خشکی خزاں کی طاری ہوگی اور نہ پانی کی کثرت ان کو زرد کرے گی۔ چوتھے ایسی بیویاں ہونگی جو حیض ونفاس وغیرہ الائیشوں سے بالکل پاک وصاف ہونگی۔ پانچویں سب سے اعلیٰ اور عمدہ نعمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راضی ہو جائیگا بھلا کہاں یہ اور کہاں وہ دنیوی الائشیں +

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥

یعنے یہ نعمتیں مذکورہ اُن کے واسطے ہیں جو کہ اللہ کی روبرو اپنی خطا واری ظاہر کرتے ہیں اور اُسکی معافی چاہتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں +

الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار ٥

یعنے ایسی نعمتوں کے جو مستحق ہیں اُن کا شیوہ یہ ہے کہ نیکی پر جمے رہتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں نافرمانیوں سے بچے رہتے ہیں ہمیشہ سچ ہی بولتے ہیں اللہ کے دربار میں باادب کھڑے ہوتے ہیں اسکی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور سحر کے وقت کو تہجد گزاری اور استغفار میں کاٹتے ہیں کسی وقت غافل نہیں رہتے +

شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم ٥

اللہ تعالیٰ اس بات کا اعلان فرماتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے قابل پرستش کوئی نہیں ہے۔ اور تمام فرشتے اور تمام عقلمند لوگ بھی گواہی دیتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ انصاف پر قائم ہے اسی لئے اُسکے سوا کوئی معبود ہونیکا مستحق نہیں ہے وہی سب پر غالب ہے اور وہی حکیم مطلق ہے اسکا کوئی کام خلاف حکمت نہیں ہے۔ حکمت کے معنے مضبوطی کے ہیں اور انصاف پر قائم ہونے سے بڑھکر کوئی مضبوطی نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ اصدق الصادقین ہے اسلئے اُسکا اعلان اور شہادت سب سے زیادہ محکم ہوگی

ان الدین عند اللہ الاسلام ٥

مذہب کے دو رکن ہوتے ہیں ایک عقیدہ اور ایک اُسکے مطابق عمل سو پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی ہدایت کی گئی ہے اور ارشاد کیا گیا ہے کہ سوائے اُسکے کسی کی عبادت نہ چاہیئے۔ تو جب تک عابد (بندہ) عبادت نکرے وہ عابد نہیں اور جسکی عبادت نہیں کی اُسکو معبود برحق نہیں سمجھا۔ سو اسلئے اس آیت میں عمل کی طرف ارشاد ہے کیونکہ اسلام کے معنی ہیں فرمانبرداری اور گردن نہادی سو عقائد تو ایمان کہلاتے ہیں اور اعمال اسلام اور اس میں شک نہیں کہ ایمان اسلام پر مقدم ہے لیکن جبتک اسلام کا وجود نہ پایا جائیگا ایمان کا تحقق نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ اصل دین اور

مذہب اسلام یعنے اعمال میں جب تک اعمال کا ظہور نہو دعوی ایمان کا بالکل جھوٹا ہے +

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ +

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ اہل کتاب میں جو اختلاف پیدا ہوئے ہیں اسکا باعث نادانستگی نہیں ہے بلکہ آپس میں ضد ضدہ ہو کر مخالفت کی ہے حسد اور عداوت اور سخن پروری (بات کا پیچ) اسکا باعث ہے کیونکہ آسمانی کتابوں میں نبوت اور الوہیت کے اصول سب ایک ہی ہیں تاویلوں سے اُسکا مطلب خراب کر دیتے ہیں +

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ اگر اہل کتاب ہٹ دھرمی سے کج بحثیاں کرے ہی جاویں تو اُن سے کہدو کہ اگر ماننا ہو تو مان لو لغو حجتوں کی ضرورت نہیں اور اگر تمہیں کفر پر اصرار ہے تو ہم اور ہمارے اتباع تو مسلمان ہی ہیں اور تمہیں خدا کا پیغام پہونچانا تھا سو پہنچا دیا آگے تمہارا اختیار ہے اور خدا تمسے سمجھ لے گا وہ سب بندوں کے حالت کو دیکھ رہا ہے +

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کوئی نئی تمہارے ساتھ ہی نہیں بلکہ قدیم سے یہ لوگ انبیا کو اور دیگر علماء دین کو قتل کرتے چلے آئے ہیں کفر اور ظلم انکا پرانا شیوہ ہے آخرت و دنیا دونوں میں ملعون ہیں اور دردناک عذاب کے مستحق ہیں تو انکا عذاب سے چھوڑانے والا مددگار نہیں۔ ایسوں کو نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی کیونکہ ہدایت اُس شخص کو ہوتی ہے جو اُسکا طلب گار ہو اور جو جانکر ہدایت کے خلاف کرے اور ہٹ دھرمی کرے وہ ملعون ہے اُسکو ہدایت درکار نہیں ہے +

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ اُن کی ہٹ دھرمی تمنے اسی میں نہیں دیکھ لی کہ انہیں کا جھگڑا تھا اور انہیں کی کتاب کے مطابق تم فیصلہ کرتے تھے لیکن راضی نہیں ہوتے تھے وہ تو نفس پرست ہیں اور اس نفس پرستی کا باعث یہ ہی انہوں نے اپنی طرف سے ایک عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ ہمکو صرف چند دن دوزخ کا عذاب ہوگا پھر نجات مل جائیگی تو پھر ہم جو چاہیں کریں سو انکا عقیدہ تو یہ ہے لیکن اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قیامت میں جو اُن کی گت ہوگی دیکھنا کہ کیسی ہوگی اور یہ اپنے خیالی پلاؤ میں مغرور ہو رہے ہیں وہاں کسی پر ظلم نہو گا بلکہ سب اپنا کیا بھگتیں گے +

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمجید و تعظیم و طریق طلب اپنے نبی کو تعلیم کی ہے کیونکہ پہلے توحید اور ایمان کی تعلیم کی پھر دین اسلام کی طرف ہدایت کی پھر مخالفین کے فردی حالت جتائی اُسکے بعد یہ تعلیم دی۔ سب نحویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ اللّٰھم کے معنے یا اللہ کے ہیں سوائے فراء کے لیکن فراء کا قول بہت پوچ ہے ذکر کرنیکے قابل نہیں ہے ایلاج کا معنے داخل کرنا ہے یعنے رات جب

دن میں داخل ہوگی تو دن لمبا ہو جائیگا اور دن رات میں داخل ہوگا تو رات لمبی ہو جائیگی اور زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالینگے دو معنے ہیں ایک تو انڈے سے مرغ اور مرغ سے انڈا نکالنا بیج سے کھیتی اور کھیتی سے بیج اور دوسرے معنے اسکے یہ ہیں کہ کہ کافر سے مسلمان اور مسلمان سے کافر پیدا کرتا ہے۔ خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہے بادشاہت کا دینا یا اسکا چھیننا یا عزت یا ذلت دینا سب اسی کے اختیار میں ہے کسی خاص قوم کی وراثت نہیں ہے ٭

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیءٍ الا ان تتقوا منہم تقاۃ ویحذرکم اللہ نفسہ والی اللہ المصیر

مخالف کے دھوکے میں آدمی جبھی آتا ہے کہ اسکی شباہت اپنے وجود ظاہری میں پیدا کرے اسکا سا لباس پہننے کا شوق کرے اسکی سی چال چلنی پسند کرے اسکی سی وضع قطع اختیار کرے اس سے مخالف کی محبت دل میں بیٹھتی ہے اور جب محبت اسکی دل میں بیٹھی تو اسکے جال میں یقیناً پھنسا۔ کیا وجہ ہے کہ اپنے نبی کی وضع اختیار نہیں کرتا معلوم ہوا کہ اسلام کی وضع اسکو ناپسند ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ مومنوں کو چاہیے کہ ہرگز سوائے مومنوں کے کسی اور مخالف کی دوستی اختیار نکریں ورنہ اللہ تعالیٰ ان سے بیزار ہو جائیگا ہاں کسی سخت خوف کے مقام میں بطور تقیہ کے اگر ان کی شباہت کر لی یا ان کی ظاہری دوستی برت لی تو کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ سب کی نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ دوبارہ تاکید سے فرماتا ہے کہ اللہ تم کو اپنی ذات کا خوف دلاتا ہے اس سے ڈرو اسکی مخالفت مت کرو۔ آخر تمکو اسی کے پاس جانا ہے ٭

قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللہ ویعلم ما فی السموات وما فی الارض واللہ علی کل شیءٍ قدیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ زبانی بہانوں سے دنیا کے آدمیوں سے تو تم چھٹکارا پا سکتے ہو لیکن یہ بہانے خدا کے سامنے نہیں چل سکتے وہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے دل کے بھید جانتا ہے اور جیسا چاہے عذاب کر سکتا ہے ٭

یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بینہا وبینہ امدا بعیدا ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد

یعنے اسکی کامل قدرت کا ظہور تم پر اسدن ہوگا جسدن ہر جی اپنے اچھے برے کیئے کو اپنے سامنے دیکھے گا اور تمنا کریگا کہ کاش اس برائی میں اور مجھ میں مشرق مغرب کا سا فاصلہ ہوتا لیکن وہاں چھٹکارا ملنا مشکل بلکہ محال ہے اللہ کی بندوں پر یہ بڑی مہربانی ہے کہ دنیا میں انکو اپنی ذات کا خوف دلایا انبیاؑ کے ذریعہ سے تاکہ اسدن ان کو شرمندہ ہونا پڑے اسپر بھی جو نمانے تو اسکی نجات محال ہے ٭

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک معیار یعنے کسوٹی کا ذکر کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعوی کرتا ہے اسکے صدق کی پہچان یہ ہے کہ اپنے نبی کی سچی پیروی کرے اور اگر نبی کی اتباع میں اس نے بہت خامی کی یا دوسرے کو ان پر مقدم جانا جیسے کہ وحدت وجودی صوفی اولیا کو انبیا پر ترجیح دیتے ہیں اور مقلدین اپنے ائمہ کے اقوال کو صریح اور صحیح حدیث اور صریح آیت پر ترجیح دیتے ہیں گو اپنے مونہ سے یہ نہیں کہتے کہ ائمہ انبیاء پر مقدم ہیں لیکن ان کا حال اس قال پر دلالت کرتا ہے۔ مقتضائے ایمان تو یہ ہے کہ ائمہ کو معذور سمجھے اور ان کی قدر دانی اور تعظیم کرے اور عمل موافق نص صحیح کے کرے اور ائمہ نے بھی یہی وصیت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معیار اس آیت میں اسی کو بتایا ہے۔ اور

اس پر اس ثواب کا وعدہ فرمایا ہے کہ متبع رسول کا یہ محبوب ہوگا دوسرا وعدہ یہ فرمایا کہ متبع رسول کے گناہ بھول چوک بھی معاف ہو جائینگی۔ قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین ٥

اس آیت میں اللہ تعالیٰ پہلی آیت کے مضمون کی تاکید فرماتا ہے یعنے جسنے خدا ورسول کی اطاعت سے انکار کیا وہ کافر ہے اور ایسے سے اللہ محبت نہیں رکھتا اس سے معلوم ہوا کہ جسقدر آدمی میں اتباع سنت ہوگا اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اسکو حاصل ہوگی اگر اُس میں کسی قدر خامی ہے تو اُسی قدر اُس کی محبوبیت میں بھی خامی ہے۔ بعض خشک غیر مقلد جنکے پاس سوائے تکفیر کے کوئی پونجی نہیں ہوتی وہ فروعات غیر مشہورہ متواترہ کے ترک پر یا نہ ماننے پر مخالف کو کافر اور مشرک بنا دیتے ہیں اور کتنے مقلد اپنے امام کی نافرمانی کو کفر قرار دیتے ہیں حالانکہ کفر صرف خدا ورسول کے صریح حکم کے نہ ماننے کو کہتے ہیں اسلیئے ایسے لوگ دونوں فریق میں گمراہ ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُنہیں کی طرف کفر عائد ہوتا ہو +

ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحا وآل ابرٰھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضہا من بعض واللہ سمیع علیم ٥

جب اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کی تاکید فرمائی تو اُسکے بعد اُن انبیاء ورسل کے درجات اور عظیم المراتب ہونا بیان فرماتا ہے کہ آدم اور نوح تمام لوگوں سے فضل تھے اور اپنے وقت میں مومنین آل ابراہیم اور مومنین آل عمران انبیا ہوں نہ ہوں غیروں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اور جو ان کی اولاد میں کافر ہوگا اسپر بیگانہ ایماندار فضیلت رکھے گا لیکن اُن میں کا ایماندار دوسرے ایمانداروں پر فضیلت رکھے گا اس سے سب کی فضیلت بشرط ایمان معلوم ہوئی ورنہ آیت کا مطلب غیر مفید قرار پائیگا۔ لیکن کفر کی حالت میں سب اور زیادہ موجب ذلت ہے نعوذ باللہ منہا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب انبیا ورسل پر فضیلت ہے۔ اور فضیلت کی دو قسم ہے کہ انبیاء۔ قوائے جسمانیہ وروحانیہ میں غیروں سے مخالف ہوتے ہیں غیروں کے قوائے یا تو غلط کار ہوتے ہیں جیسے کافر اور ضعیف الفعل ہوتے ہیں جیسے کہ غیر انبیاء کے اہل اسلام میں سے ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی ظاہری باطنی سب سے زیادہ قوی ہے سو ظاہری قوی پانچ ہیں منجملہ اُن کے ایک قوت باصرہ ہے اور یہ بھی آپ میں نہایت کامل تھی کہ زمین کے مشرق اور مغرب آپکے سامنے نمایاں تھے۔ اور زرقاء الیمامہ (ایک عورت تھی) یمامہ والوں میں سے اس کی ایسی نظر تھی کہ تین دن کی مسافت سے ہر چیز دیکھ لیتی تھی اور وہ مسلمان بھی نہ تھی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بصارت کے کمال سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں زویت لی الارض الحدیث اور منجملہ اُن قوی کے قوت سامعہ ہے سو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس میں بھی کمال تھا آپ کو آسمان کی چرچراہٹ معلوم ہوتی تھی اور دوزخ میں ایک چٹان ڈالی گئی اُسکے جانے کی سرسراہٹ آپنے سُن لی اور فلاسفہ اسکا انکار نہیں کر سکتے اسلیئے کہ انکا دعویٰ ہے کہ فیثاغورس حکیم افلاک کی گردش کی آواز سنتا تھا اور منجملہ اُن کے قوت شامہ ہے جیسے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو سونگھ لی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس میں بھی نہایت کمال تھا۔ اور منجملہ اُن کے قوت ذائقہ ہے کہ بکری کا بازو بھنا ہوا زہر آلود جب چکھا تو فرمایا کہ مجھے یہ خبر دیتا ہے کہ اس میں زہر ہے۔ اور منجملہ ان کے قوت لامسہ ہے اس میں سب انبیاء کو خصوصًا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کمال حاصل تھا اور منجملہ اُن کے قوت محرکہ ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج میں ساتوں آسمانوں سے اوپر خضر سے آگے جا پہونچے اور قوائے روحانیہ اور کمالات عقلیہ سو وہ بھی حد کمال کو پہونچے ہوئے تھے +

اذ قالت امرأت عمران رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی انک انت السمیع العلیم فلما وضعتہا قالت رب انی

وضعتہا انثیٰ واللہ اعلم بما وضعت ولیس الذکر کالانثیٰ وانی سمیتہا مریم وانی اعیذہا بک وذریتہا من الشیطان الرجیم

فتقبلہا ربہا بقبول حسن وانبتہا نباتاً حسنا وکفلہا زکریا کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندہا رزقا قال یا مریم

انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب ٥

عمران کی بیوی (حنۃ بنت فاقوذ) کی اولاد نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ بڑی ہوگئی پھر اُس نے ایک جگہ ایک پرندہ دیکھا کہ اپنے بچے کو کچھ کھلا رہا تھا تو اُسکا دل اولاد کے لیئے للچایا تو اس نے خدا سے اولاد کے لیئے دعا مانگی تو مریم سے حاملہ ہوئی پھر عمران مر گیا جب اُسکو حمل کا یقین ہوگیا تو اُس نے نذر مانی کہ میں اپنے اس بچے کو خالص عبادت گاہ کی خدمت کے لیئے چھوڑا۔ اور یہ سب اللہ کی طرف سے اُسکو الہام ہوا تھا۔ اور سوائے مریم کے کسی عورت کو عبادت گاہ کا خادم بنکے عبادت گاہ میں رہنا جائز نہ تھا اور لیس الذکر کالانثیٰ سے پایا جاتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی پر فضیلت ہے۔ اور مریم کا معنے عابدہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لڑکا پیدا ہوتا ہے شیطان اُسکو ایسا مس کرتا ہے کہ رو دو نکلتا ہے سوائے مریم اور اُسکے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے پھر ابو ہریرہ نے کہا کہ اگر چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو وانی اعیذہا بک وذریتہا من الشیطان الرجیم۔ اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپنے حضرت فاطمہ اور اُنکی اولاد کے بارے میں بھی اسی آیت کا مضمون بیان فرمایا تو اُن کی بیٹی اور آپکے نواسے مس شیطان سے محفوظ ہیں تو آپ پر کوئی مخالف اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخص الخواص ہیں پھر اُن پر کیسے شیطان کا تسلط ہو سکتا ہے۔ پھر خاتم النبیین ایسا شخص نہیں ہو سکتا جس پر شیطان کا تسلط ہو۔ سو آپ کا خاتم النبیین ہونا پوری عصمت کی دلیل ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے مریم کے بارے میں اُن کی دعا قبول کرلی اور عبادت گاہ کی خدمت کے لیئے بھی قبول کر لیا اور زکریا علیہ السلام جو اُن کے خالو تھے اُن کی تربیت کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تاکہ خالہ جو کہ بمنزلہ ماں کے ہے اُن کی تربیت کرے۔ اور مریم کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے ایسی تہذیب اخلاق اور خوبی عطا کی جو وقت زکریا علیہ السلام عبادت گاہ میں اُنکے پاس جاکر پوچھتے کہ یہ رزق اور میوہ وغیرہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تو صاف کہتیں کہ یہ اللہ کا دیا ہوا ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ھنالک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء ٥

جب مریم کی والدہ بڑھیا کی اولاد کے بارے میں دعا قبول ہوگئی تو زکریا علیہ السلام کو بھی دعا کا خیال ہوا کہ گو ہم بھی اور بیوی بڈھے ہیں لیکن خدا تو قادر ہے تو اُنہوں نے خدا سے نیک اور پاک صاف اولاد کی دعا مانگی +

فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحییٰ مصدقا بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصورا ونبیا من الصالحین قال رب انی یکون لی غلام وقد بلغنی الکبر وامرأتی عاقر قال کذلک اللہ یفعل ما یشاء ٥

اس آیت میں کئی فوائد ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی دعا اولاد کے بارے میں قبول فرمائی دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکا نام خود رکھا یعنی یحییٰ اس کے معنی یہ ہیں کہ زندہ رہے گا حالانکہ یہودیوں نے اُن کو عبادت گاہ میں ذبح کر دیا تھا تو زندگانی سے مراد شہادت اور شہید کو مردہ کہنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ اُسکو زندہ سمجھو۔ تیسرا یہ کہ زکریا علیہ السلام نے ذریۃ طیبۃ (پاک اولاد) خدا سے مانگی تو نیک عبادت گزار ہونا اُنکے بیٹے کا فی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے

نے مزید عنایت وفضل وکرم سے ایسی اولاد دی کہ نبی بھی تھی پاک بھی تھی اور پھر نبی بھی تھے اور سید بھی۔ جب کہ یحییٰ علیہ السلام سید ہوئے اور عزیز مصر بھی سید ہوا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بطریق اولیٰ سید ہوں گے۔ چوتھا یہ کہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والی اولاد بخشی اللہ کے کلمہ سے دو مطلب کا احتمال ہے یا تو اللہ کلمہ سے مراد اُسکی کتاب ہے اور اطلاق کلمہ کا کلام پر بہت آیا ہے۔ اور یا کلمۃ اللہ سے مراد عیسےٰ علیہ السلام ہیں جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں صریح فرماتا ہے رسول اللہ وکلمتہ اور مراد کلمہ سے نتیجہ کلمہ کا ہے یعنے کن کے کلمہ سے پیدا ہوئے اور چونکہ اُن کا پیدا ہونا بالکل قدرتی طور پر تھا یعنے بغیر باپ کے پیدا ہونا تھا اسلئے اُن کی پیدائش کلمہ کن کے ساتھ خاص کی گئی ورنہ سب چیزیں کن ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ پانچواں یہ کہ حصور کے معنی میں نہایت پاک دامن کہ کسی عورت کو نہیں چھوا یعنے نکاح تک نہیں کیا باوجود قوت شہوانی کے موجود ہونے کے نہ یہ کہ عنین تھے جیسے کہ بعض غافلوں نے تفسیر کی کیونکہ اس میں کوئی مدح نہیں ہے بلکہ مذمت ہے۔ باوجود قوت کے نکاح نہ کرنے کی فضیلت صرف اگلی امتوں میں تھی کیونکہ اُن لوگوں کے قوی بسبب ضبط کامل کے مضبوط تھے اور تحمل اور برداشت بھی نہایت کامل تھی اور یہ امت قوی میں ضعیف ہے اسلئے انکے لئے قوت کے ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنا مکروہ ہے بلکہ بحالت توقع حرامکاری کے نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب زکریا علیہ السلام کو یقین ہوگیا کہ ضرور میرے اولاد ہونے والی ہے تب خدا سے تعجب کے طور سے اس کیفیت کا سوال کیا کہ میں نہایت بڈھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو کمال قوت کے وقت جب اولاد نہیں ہوئی تو اب کس صورت سے ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں اُن کو فرمایا کہ اسباب ظاہر یہ سب ظنی ہیں اصل تو اللہ کا حکم ہے جب چاہتا ہے اولاد دیتا ہے +

قال رب اجعل لی آیۃ قال آیتک الا تکلم الناس ثلاثۃ ایام الا رمزا واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار ۰

انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کو چونکہ قرب زیادہ حاصل ہوتا ہے اسلئے انکو ہی اللہ تعالیٰ کی مکالمت ان کو محبوب ہوتی ہے اب اللہ کی نعمت حاصل کرنے کی اُن کو جلدی ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ یا اللہ جب میری اولاد ہونے کو ہو تو مجھ کو علامت اُسکے ہونے کی میرے لئے مقرر کیجیو تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس سوال کو بھی قبول فرمایا اور علامت بتائی کہ جب اولاد ہونیکو ہوگی تو تم تین دن تک سوائے اشاروں کے کسی سے بات نہ کر سکو گے اور وہ وقت قریب ہے اسلئے تم صبح وشام تسبیح میں مشغول رہو

واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفاک وطہرک واصطفاک علی نساء العالمین یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین

اب اللہ تعالیٰ تیسرا قصہ اسی قسم کا بیان فرماتا ہے جس میں محض اُسکی قدرت کاملہ پائی جاوے۔ پہلا قصہ عمران کی بیوی کا دوسرا حضرت زکریا علیہ السلام کا تیسرا حضرت مریم کا۔ اس میں علما کا اختلاف ہے کہ کوئی عورتوں میں سے بھی کسیکو اللہ تعالیٰ نے نبوت بخشی ہے یا نہیں سو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سوائے مرد کے کوئی نبی نہیں ہوا اس دلیل سے جو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے +

وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم من اہل القریٰ

اور جو لوگ عورتوں کی نبوت کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابن حزم وغیرہ وہ اس آیت میں رجالا کے معنے آدمی کرتے ہیں اسلئے کہ یہ آیت اُن منکرین کے جواب میں واقع ہوئی ہے جو کہ کہتے تھے کہ اگر کوئی نبی ہوتا تو فرشتہ ہوتا آدمی کیونکر نبی ہو سکتا ہے۔ لیکن ترجیح اُنہیں لوگوں کے قول کو ہے جو کہ عورت کے نبوت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ اگر مطلق انسان ہی مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ لفظ اناسی ہی بولتا لیکن چونکہ لفظ رجالا میں دو فائدے تھے ایک انسان ہونا اور دوسرا مرد ہونا اسلئے اللہ تعالیٰ نے

لفظ رجالا کو اختیار کیا ہے واللہ اعلم سو حضرت مریم سے فرشتوں نے یہ کہا کہ اے مریم چونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھکو برگزیدہ کیا اور پاک سیرت بنایا اور تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی ہے تجھکو چاہیئے کہ اسکے شکریہ میں اللہ کی خدمت و طاعت میں اسکے لیئے قیام اور رکوع اور سجود میں مشغول رہ یہ آیت گویا بطور تمہید کے ہے ان کی اولاد ہونے کے قصہ کی اور اس میں یہود کا رد ہے کیونکہ وہ حضرت مریم علیہ السلام کو زنا کی تہمت لگاتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی پاکدامنی بلکہ اُس سے بڑھکر یہ جتلایا کہ حضرت مریم تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ پھر ان کے حق میں تہمت کا تصور کرنا غایت درجہ کی بے ایمانی اور خیرہ چشمی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مردوں میں تو بہت کامل گزرے ہیں اور عورتوں میں صرف چار عورتیں کامل ہوئی ہیں۔ ایک حضرت مریمؑ دوسری آسیہ یعنے فرعون کی بیوی تیسری ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یعنے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہلی بیوی۔ چوتھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ حدیث کا مضمون ختم ہوگیا۔ اور ان چاروں میں فضیلت حضرت مریم کو ہے اور قرآن شریف کا ظاہر اسی کا مقتضی ہے۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون

اس آیت میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی سے سیکھہ کر قرآن کے قصص تالیف نہیں کیئے بلکہ سب خدا کی طرف سے وحی ہوئی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی دوسری فضیلت یہ بیان فرمائی کہ بڑے بڑے نیک لوگ جو کہ خدا کے ہاں ذی وجاہت تھے وہ سب حرص کرتے تھے کہ مریم کی تربیت ہمارے ذمہ ہو جاوے چنانچہ اپنی ان قلموں کا انہوں نے قرعہ ڈالا جنسے تورات وغیرہ آسمانی حکم لکھا کرتے تھے لیکن یہ شرف حضرت زکریا کو حاصل ہوا۔

اذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسےٰ ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین ویکلم الناس فی المھد وکھلا ومن الصالحین

عیسےٰ علیہ السلام دوسرے وہ لڑکے ہیں جنکا خدا تعالیٰ نے خود نام رکھا حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے یہ خوشخبری دی کہ تمہارے پیٹ سے عیسےٰ مسیح پیدا ہوگا دنیا اور قیامت میں ذی وجاہت ہوگا اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے ہوگا اور نیک ہوگا اور گود میں ہی باتیں کرنی شروع کریگا مسیح فعیل کے وزن پر ہے اسکے دو معنے ہیں ایک ملنے والا دوسرے ملا ہوا۔ بنی اسرائیل میں جو نبی ہوتا تھا اُسکو ایک قسم کا تیل ملتے تھے جس سے وہ برکت والا ہو جاتا تھا اس صورت میں مسیح خاص حضرت عیسےٰؑ کے ساتھ نہ ہوگا۔ ہاں اُس روایت کی بنا پر خاص بطور نام کے انہیں کے ساتھ ہوگا اور وہ روایت یہ ہے ماں کے پیٹ ہی سے تیل ملے ہوئے نکلے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس بیمار پر ہاتھ ملتے تھے وہ اچھا اور چنگا بھلا ہوجاتا تھا جو لڑکا ایسی خوبیوں والا ہو اُسپر تہمت کا الزام رکھنا ملعونوں کا کام ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ کسی خبر کی نقل کیلئے تواتر شرط نہیں بلکہ صحت نقل شرط ہے سو حضرت عیسےٰ کا گود ہی میں باتیں شروع کردینا اہل کتاب کی معتبر کتابوں میں موجود ہے اسکی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں ہے گو حد تواتر کو نہ پہنچا ہو +

قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء اذا قضےٰ امرا فانما یقول لہ کن فیکون ○ +

حضرت مریم علیہا السلام کو بھی جب اولاد کے ہونیکا یقین ہوا تو تعجب سے وجہ پوچھنے لگیں کہ اولاد تو نکاح سے ہوتی ہے اور میری یہ حالت ہے کہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک بھی نہیں تو اُنکے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی جواب دیا کہ اسباب عادی میں لازمی نہیں بلکہ اصل تو ہمارا حکم ہے اُسکے لیئے سامان کی کوئی ضرورت نہیں ہے +

ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوریۃ والانجیل ورسولا الیٰ بنی اسرائیل انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذلک لایۃ لکم ان کنتم مومنین ومصدقا لما بین یدی من التوریۃ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم وجئتکم بایۃ من ربکم فاتقوا اللہ واطیعون ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم ۵

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ خدا اُسے توراۃ و انجیل سکھائیگا کہتے ہیں کہ جب پیدا ہوئے تھے تب ہی سے عیسےٰ علیہ السلام کو توراۃ انجیل یاد تھی۔ اور علاوہ اُن کے اور چیزیں بھی سکھائیگا جیسے کہ لکھنا ہے اور حکمت یعنے علوم کے نتائج معلوم کرنا۔ اور بنی اسرائیل کا رسول ہو کر ان میں جا کر کہے گا کہ میری رسالت کی علامت ایک معجزہ ہے جو کہ میں تمہارے رب کے پاس سے لایا ہوں کہ مٹی لیکر ایک پرندے کی تصویر بناتا ہوں پھر اس میں پھونکتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ واقعی پرندہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا معجزہ یہ لایا ہوں کہ مادرزاد اندھے اور برص (سفید داغ) والے کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردہ کو زندہ کر سکتا ہوں اللہ کے حکم سے اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ ذخیرہ رکھتے ہو اس سب کی خبریں تمکو دے سکتا ہوں یہ باتیں میری رسالت کی کافی دلیلیں ہیں اگر تم میں ایمان کا مادہ ہوگا تو مان لوگے۔ اور میں توراۃ کا تصدیق کرنے والا ہوں اور بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئیں ہیں ان کو تمہارے لئے حلال کرنے آیا ہوں یعنے توراۃ میں جو بعض چیزیں اہل کتاب پر حرام تھیں اُن کی حرمت کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ اور معجزے جو لیکے آیا ہوں سو تمکو معلوم ہو ہی چکے ہیں تو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ جو میرا تمہارا سب کا رب ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے +

فلما احس عیسےٰ منہم الکفر قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ آمنا باللہ واشہد بانا مسلمون ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاہدین ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین ۵

جب عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کے ماننے کی طرف بنی اسرائیل کو دعوت کی تو سب نے تمرد اور انکار ظاہر کیا اور عیسےٰ علیہ السلام کو قرائن سے معلوم ہوا کہ یہود مجکو قتل کرنا چاہتے ہیں تو وہاں سے چپ کے نکل گئے اور دوسری جگہ کے لوگوں میں یہ پکار دی کہ دین اور اللہ کی اطاعت میں میرا کوئی مددگار ہے تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں تم ہمارے اسلام کے گواہ ہو جاؤ۔ اور خدا سے بھی اُنہوں نے یہی التجا کی کہ یا اللہ ہم نے تیرے اتارے ہوئے حکم کو مانا اور تیرے رسول (عیسےٰ) کی ہم نے پیروی کی سو تو ہمکو اس شہادت والوں میں لکھدے حواری کا لفظ لغت کی رو سے تو دھوبی کے معنوں میں ہے لیکن اب عرف میں خاص اور خالص دوست کو کہتے ہیں۔ اور اُن حواریوں کی گنتی (۱۲) تھی۔ اور عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ ہر وقت جبریل سوار رہا کرتے تھے تو یہود کے بادشاہ نے حیلہ سے عیسےٰ علیہ السلام کو پکڑوا لیا اور ایک کھڑکی والے مکان میں قید کر دیا کہ صبح کو نکال کے اسکو قتل کریں گے جبریل علیہ السلام اُن کو کھڑکی کے رستے سے نکال کے لے گئے اور صبح کو جو آدمی ان کو پکڑ کے نکالنے کی نیت سے گیا تھا اللہ نے اسکی صورت عیسےٰ علیہ السلام کی سی کر دی کہ جسوقت وہ نکلا لوگوں نے اُسکو قتل کر ڈالا اور وہ انکار کرتا رہا کہ میں عیسےٰ نہیں ہوں جب قتل کر چکے تو وہ پھر اپنی صورت میں ہو گیا تو پہچانے۔ تو اُن حاضرین کے تین فرقہ ہو گئے ایک کا تو یہ عقیدہ ہو گیا کہ یہ عیسےٰ ہم میں خدا تھا نکل گیا دوسرے کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ یہ خدا کا بیٹا تھا۔ تیسرے کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا اللہ کا رسول اور اُسکا بندہ تھا۔

تمہارے قتل و ایذا سے بچاکر اسکو یہ عزت بخشی کہ آسمان کی طرف اٹھا لیا اور ہر ایک عقیدے والے کے ساتھ ایک جماعت ہو گئی لیکن دو کافر فرقے مومن فرقے پر غالب ہوگئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو انہوں نے اس مسئلہ کو خوب حل کیا اور حق والے فرقے کی تائید کی اور کفر و شرک کو مٹایا اور توحید کو پھیلایا

اذ قال اللہ یاعیسےٰ اِنّی متوفیک و رافعک الی و مطہرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون ٥

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا یہود نے اُن کو نہیں قتل کیا اور نہ اُن کو سولی دیا (تفسیر ابن کثیر) میں ہے کہ حسن بصری تابعی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ عیسےٰ بیشک نہیں مرے اور وہ تم میں لوٹ کر آئیں گے) لیکن تفسیر ابن کثیر والے نے اُسکا کوئی مخرج نہیں بتایا اور نہ سلسلۂ سند ذکر کیا سو اُسکے مرسل ہونے میں تو کلام نہیں ہے اور باقی سند مذکور ہوتی تو اُسکے رجال کا حال معلوم ہوتا اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح اس بارے میں ہم تک نہیں پہنچی اور نہ اجماع صحابہ اس پر پایا جاتا ہے صرف جمہور کے مفسرین اُن کے زندہ ماننے پر اس وجہ سے مجبور ہوئے کہ قبل قیامت اُنکا نزول صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ قرآن میں انکی توفی ایک مرتبہ ہی مذکور ہے اور صحیح ثابت حدیثوں میں بھی انکا ایک ہی دفعہ مرنا مذکور ہے اور کسی ضعیف حدیث میں بھی انکا دو مرتبہ مرنا مذکور نہیں ہے اور اللہ کی قدرت سے اُن کا زندہ آسمان پر اُٹھ جانا کوئی مستبعد نہیں اور متوفیک و رافعک میں واو باتفاق ترتیب کے لیے نہیں ہے بلکہ کوئی ترتیب کے لیے کہتا ہے اور کوئی نہیں کہتا۔ اور کسی حدیث میں ایسے الفاظ نہیں ہیں جو کہ ان کے نزول میں شک ڈالیں یا ان کے بدلے کوئی اور ان کے منصب کا آئے بلکہ صریح ینزل فیکم عیسےٰ ابن مریم من السماء فرمایا ہے تو من السماء اور عیسےٰ ابن مریم ان دونوں لفظوں کی تصریح حدیث میں موجود ہے اس بنا پر ان کو آسمان پر زندہ ماننا کسی صورت سے خلاف اصول شریعت نہیں۔ اور توفی کے معنی میں قبض کرنا اور کسی شے کو پورا لینا سو عیسےٰ علیہ السلام کو پورا لینا جب ہی صادق آئیگا کہ ان کے بدن سے اُن کے روح علیحدہ نہ کی جاوے بلکہ جوں کی توں اٹھا لیئے جاویں۔ اور قبض کرنا عام ہے مار ڈالنے کو بھی کرنا کہتے ہیں اور سلا دینے کو بھی قبض کرنا کہتے ہیں اور زندہ اٹھا لینے کو بھی قبض کرنا کہہ سکتے ہیں۔ پھر وہ کون سی صورت ہے جس سے اُن کا زندہ اُٹھا لیجانا محال ہے اور آیہ وحرام علی قریۃ اھلکنا ھا انھم لا یرجعون کے معنی بھی محتمل ہیں کہ حرام کے معنے محال کے کیئے جاویں یا واجب کے دونوں طرح معنے صحیح ہو سکتے ہیں۔ بہر صورت عیسےٰ علیہ السلام کو زندہ ماننے میں کوئی قباحت نہیں اور نہ اصول شریعت کے برخلاف ہے

دوسرا فائدہ اس آیت میں یہ ہے کہ ہمیشہ قیامت تک جو عیسےٰ پر سچا ایمان لانیوالے ہیں اُسکے نہ ماننے والوں پر فوقیت رکھیں گے اور ایسا ہی واقع میں موجود ہے کہ یہود ہر جگہ ذلیل ہیں ان کی بادشاہت کہیں بھی نہیں ہے اور عیسائی لوگ گو عیسےٰ علیہ السلام کے ماننے کا دعوی کرتے ہیں لیکن اُن کا ماننا توحید اسلام کے برخلاف ہے اس لیئے دلائل کی رو سے ہمیشہ یہ بھی ذلیل رہتے ہیں تو اہل اسلام کو دو فوقیتیں حاصل ہیں ظاہری اور معنوی کیونکہ اُن کے ہاتھ میں حکومت اور دنیا بھی ہمیشہ سے رہی اور دلائل میں بھی ہمیشہ آج تک وہی غالب رہے۔ اور اسلامی رعب ہمیشہ کفار پر غالب رہا۔ اور عدل و انصاف میں بھی اور وفا کے عہد میں بھی ہمیشہ اہل اسلام کو ہی فوقیت رہی ✤

فاما الذین کفروا فاعذبھم عذابا شدیدا فی الدنیا والاخرۃ وما لھم من ناصرین

اس میں شک نہیں کہ عیسے علیہ السلام کے نہ ماننے والوں پر دنیا اور قیامت میں سخت ذلت ہے جیسے کہ یہود اور کوئی اُنکو مددگار نہیں مل سکتا کہ دنیا کی ذلت سے اُن کو بچاوے اور قیامت کے دن بھی کوئی اُن کا بچانے والا نہیں +

واما الذین امنوا وعملوا الصالحات فیوفیھم اجورھم واللہ لا یحب الظالمین ہ

عیسے علیہ السلام اور ان کے سوا اور سب انبیا پر سچا ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے اہل اسلام ہیں جنکو قیامت میں پورا اجر ملے گا۔ اور کسی کی حیثیت کے خلاف عقیدہ رکھنا ظلم ہے اور اس ظلم کی حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ توہین میں حد سے تجاوز کرنا سو اس شیوہ والے فرقہ میں کسی جہت سے خوبی نہیں ہے اس دنیا اور قیامت میں سوائے ذلت کے اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے دوسری حیثیت یہ ہے کہ تعظیم میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا چونکہ اس میں مطلق تعظیم و تکریم جو کہ مقصود شارع تھا موجود ہے اور وہ خوبی تھی اور حد سے تجاوز کرنا بُرائی تھی اور کفر تھا اسلیئے اس تعظیم کی خوبی کی وجہ سے دونوں جگہ ایسے عقیدہ والے ذلت کے مستحق نہوئے بلکہ پوری ذلت قیامت کے دن ہوگی اور دنیا میں اُن کا حال مساوات میں رکھا گیا۔ کیونکہ ظلم خدا کو ناپسند ہے اور یہ بھی ظلم ہے بلکہ سب ظلموں سے بڑھکے ہے کہ جو مرتبہ خاص خدا ہی کے لیئے تھا وہ مخلوق کو دیا جاوے تو یہ خدا پر ظلم کرنا ہوا۔

ذالک نتلوہ علیک من الایات والذکر الحکیم ہ

یعنے یہ قصے اور خبریں جو ہمنے تجکو سنائی ہیں یہ آیات و علامات صدق میں سے ہیں تیری نبوت کے لیئے اور محکم یاد داشت میں سے ہے یعنے قرآن شریف کے محکم مطالب میں سے +

الحق من ربک فلا تکونن من الممترین +

یعنے ان میں شک مت کرنا یہ یقینا تیرے رب کے پاس کی خبریں ہیں +

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم

ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہ

اول اللہ تعالی نے اپنے نبی کو ان قصص مذکورہ کا یقین دلایا اور اُن میں شک کرنے کی ممانعت فرمائی تو آپکو یقین اور علم ان قصص کا حاصل ہوا پھر یہ ارشاد ہوا کہ اس علم و یقین کے حاصل ہونے کے بعد اگر تم سے کوئی ناحق حجت کرے تو ان کو مباہلہ کا اعلان دو جو ناحق پر ہوگا آپ ذلیل اور ہلاک ہو جاویگا چونکہ اصول امت محمدیہ نہایت سچے ہیں اسلیئے اس امت کے لیئے مباہلہ معین کیا گیا اسلیئے کہ حق والے کو خوف نہیں ہوتا اور ناحق والا اگر مباہلہ کریگا تو یقیناً ذلیل و خوار و ہلاک ہوگا اور اگر نکریگا تب بھی بوجہ خوف کے اُسنے نہیں کیا چنانچہ آنحضرت خود تشریف لیگئے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین وغیرہم کو مباہلہ میں لے گئے لیکن اہل کتاب باوجود وعدہ کے خوف کے مارے نہ آئے +

ان ھذا لھو القصص الحق وما من الہ الا اللہ وان اللہ لھو العزیز الحکیم فان تولوا فان اللہ علیم بالمفسدین

اللہ تعالی پھر تاکیداً فرماتا ہے کہ سب اخبار مذکورہ سچے قصے ہیں اور سوائے خدا کے کسی ہستی کے لئے خدا نہیں بتایا گیا حکمت والا غالب باعزت وہی ہے پھر بھی اگر نہ مانیں تو ان مفسدوں سے خدا ہی سمجھے گا تمہارا کام تو صرف سمجھانا ہے +

قل یا اہل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا
من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون

اس آیت میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ اہل کتاب سے کہدو کہ آؤ ہم تم توحید میں متفق ہو جاویں اور آپس میں ایک دوسرے کو معبودی کا درجہ نہ دیویں بلکہ سب کو اللہ کا بندہ سمجھیں اور معبود صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کو مانیں کیونکہ ہماری کتاب قرآن اور تمہاری کتاب تورات و انجیل وغیرہ بھی توحید میں متفق ہیں۔ سو اگر اہل کتاب یہ بات کو مان لیں تو اہل اسلام میں داخل ہوگئے جو کہ خدا کا قدیم دین ہے اور اگر نہ مانیں تو اُن سے کہدو کہ ہم تو اسلام ہی پر قائم ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور ہرقل کی طرف جب اپنی دعوت کا فرمان بھیجا تو اس میں یہی لکھ بھیجی ❊ قل یا اہل الکتب لم تحاجون فی ابراہیم وما انزلت التورٰیۃ والانجیل الا من بعدہ افلا تعقلون ○

قرآن شریف نے اسبات کی خبر دی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف (موحد) اور مسلم (مسلمان) تھے اور تورات اور انجیل میں یہ موجود نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نصرانی پھر عیسے علیہ السلام بھی ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں موجود نہ تھے جنکی ابنیت وغیرہ پر عیسائیوں یعنی نصرانیوں کے مذہب کی بنا ہے اور یہود اسبات کے قائل نہیں ہیں کہ جو انبیا، موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اونہیں کی شریعت کے تابع موسیٰ علیہ السلام ہوں بلکہ اُن کو مستقل پیغمبر مانتے ہیں تو جیسے اور پیغمبر جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے یہودی نصرانی نہ تھے اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی یہودی نصرانی نہ تھے پھر اسلام اور حنیفیت کے معنی یہ نہیں کہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی امت ہو بلکہ اسکے معنی توحید اور اتباع رسالت ہے جو کہ کسی مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہم قرآن شریف صاف اسبات کی تصریح کرتا ہے کہ اسلام اور حنیفیت میں محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے تابع ہیں نہ کہ ابراہیم علیہ السلام اُن کے تابع ہوں کس سے صاف ثابت ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ ابراہیم یہودی یا نصرانی تھے بالکل جھوٹا ہے کیونکہ یہودیت کی بنا تورات پر ہے اور نصرانیت کی بنا انجیل پر ہے اور یہ دونوں ابراہیم علیہ السلام سے بہت بعد آتری ہیں اور توحید کی بنا کسی خاص کتاب پر نہیں ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا حنیف مسلم ہونا تو برقرار رہا لیکن یہودی نصرانی ہونا ثابت نہوا پھر جو چیز ثابت نہو سکے اسکا مدعی ہونا کیسی بوچ اور بے عقلی کی بات ہے ❊

ہا انتم ہؤلاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوہ وہذا النبی والذین امنوا واللہ ولی المؤمنین ○ اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ بحث اور حجت علم کے ساتھ کرنی چاہیئے نہ کہ اٹکل پچو اپنی طرف سے مُعمّی کرنا اور ہٹ دھرمی سے جواب دینا ابراہیم کے بارے میں تم سب کا دعویٰ یہودیت اور نصرانیت کا جھوٹا ہے نہ وہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ سچے موحد اور مسلمان تھے اور اُن کے پیرو بھی اہل اسلام ہی ہیں۔ قرآن شریف اللہ کی طرف سے کتاب اُتری ہوئی ہے اس میں ابراہیم کے حنیف مسلم ہونیکی خدا خبر دے رہا ہے اور تمہارے پاس خدا کی طرف سے ابراہیم کے یہودی نصرانی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں پھر جاہلانہ کیوں گفتگو کرتے ہو۔ ایسے لوگ مومن نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ تو مومنوں کا دوست اور مددگار ہے ❊

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ اب مسلمانوں کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ تم ہوشیار رہنا اہل کتاب کے حیلوں اور چالوں اور جھانسوں میں نہ آنا وہ تمہیں اپنی طرح گمراہ کرنا چاہتے ہیں گو وہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے آپ کو اور راہ راست سے دور ڈالنا چاہتے ہیں لیکن اپنی کم عقلی سے سمجھتے نہیں ہیں +

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

اب اللہ تعالےٰ اہل کتاب کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ تم جانکر کیوں کفر کرتے ہو اور حق کو باطل سے چھپانا چاہتے ہو تم جانتے ہیں کہ اسکا وبال کس پر پڑیگا + وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کی چال بازی کو بیان فرماتا ہے کہ اُنہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرکے ایک دوسرے سے کہا یا اُن کے معاش ہودیوں نے اپنے بعض اتباع سے کہا کہ تم لوگ ظاہر میں ابتدائے دن میں یعنے سورج نکلنے کے بعد مسلمان ہو جاؤ اور عصر کے بعد پھر کافر ہو جاؤ تا عوام مسلمان اس دھوکے میں آجائیں گے کہ یہ یہود لوگ اتنے سارے جب اسلام لے آئے پھر اخیر دن میں اُنہوں نے اس سے انکار کیا تو کوئی نہ کوئی عیب ہی دیکھکر اب کیا ہوگا کیونکہ یہ علم والے لوگ ہیں اور اہل کتاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو اُن کے مکر کی خبر دیدی تو اُن کے دل میں سختی ہوگئی اور اہل کتاب کو اس حیلہ کرنے میں فضیحت کے سوا اور کچھ بھی حاصل نہوا بلکہ اور قدم اکھڑ گئے اور ایسے حیلہ بازی کی ہمت بہت کم ہوگئی +

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ان یؤتی اصل میں بان یؤتی ہے اور یہ ولا تومنوا کے ساتھ متعلق ہے اور او یحاجوکم کا تعلق بھی ولا تومنوا ہی کے ساتھ ہے او یہاں او کے معنی حتیٰ کے ہیں۔ خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ علمائے یہود اپنے چیلوں سے کہتے ہیں کہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کو سچا مت سمجھنا یعنے جو اصول و فروع تمکو تعلیم دے گئے ہیں اللہ کسی اور کو تعلیم نہیں کریگا اور اگر تم ایسا نکرو گے تو قیامت کے روز محمدی لوگ خدا کے سامنے حجت پیش کریں گے کہ یہ لوگ ہماری باتوں کی تصدیق کرتے تھے پھر ایمان نہیں لاتے تھے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے ۔ اے نبی ہے جسکو اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دے یا ہدی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیوے۔ اور کوئی اہل کتاب ہی پر اللہ کا فضل موقوف نہیں ہے بلکہ وہ اسکے اختیار میں ہے جسے چاہے دے اسکے ہاں کچھ کمی نہیں۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اہل کتاب یعنی دغیرہم کی بیوقوفی اور بد دیانتی اور مکاری بیان فرماتا ہے ۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اہل کتاب میں بہت تھوڑے ایسے آدمی ہیں جنکو تم امانتاً ایک خزانہ دو اور پھر وہ ویسا کا ویسا ہی تمہیں آ کر دیں اور بہت ان میں ایسے ہیں کہ ایک اشرفی بھی اگر اُن کو امانت دو گے تو جبتک اُن کے سر پر محافظ نہ ہوگے تو بھی وہ اشرفی تمکو ادا نہ کرینگے اس کا سبب یہ ہے کہ اونہوں نے اپنا مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ امی یعنی ان پڑھے لوگ یعنے جو کہ اہل کتاب نہیں ان کا مال مار لینے میں ہمیں کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور یہ دیدہ و دانستہ خدا پر جھوٹ باندھتے

پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو تقوے والوں کو دوست رکھتا ہے جو کہ وعدہ وفائی کی عادت رکھتے ہیں اور انہیں کو خدا کے ہاں بگڑ نہیں ہے خیانت والے کو تو خدا کے ہاں ہرگز نجات نہیں ملے گی ✦

ان الذین یشترون بعهد الله وایمانهم ثمنا قلیلا اولئک لا خلاق لهم فی الاخرة ولا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیمة ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ دنیا کو جو کہ تھوڑی سی قیمت کی وقعت رکھتی ہے اللہ کے عہد پر اور اپنی قسموں کے پورا کرنے پر مقدم رکھتے ہیں اور اپنے چیلوں سے رشوتیں لیکر اللہ کے حکموں کو چھپاتے ہیں اور لوگوں کے مال حرام طریق سے لیتے ہیں جیسے کہ اہل کتاب کا شیوہ ہے ایسے لوگوں کا خدا کے ہاں قیامت کے روز کوئی خوبی کا حصہ نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ ایسوں کو نظر رحمت سے دیکھیگا اور نہ ان سے کلام کریگا بلکہ بجائے اسکے اُن کو نہایت سخت عذاب ہوگا یہ بھی مذمت اہل کتاب کی ہے ✦

وان منهم لفریقا یلوون السنتهم بالکتب لتحسبوه من الکتب وما هو من الکتب ویقولون هو من عند الله
وما هو من عند الله ویقولون علی الله الکذب وهم یعلمون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں اہل کتاب ہی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ اپنی طرف سے گھڑ کے عبارتیں پڑھتے ہیں اور ایسی صورت ظاہر کرتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ کتاب اللہ کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہیں اور حقیقت میں وہ اُن کی من گھڑت باتیں ہوتی ہیں اور اسکو خدا کا حکم بتاتے ہیں اور حقیقت میں وہ اللہ کا حکم نہیں ہوتا جانکر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں ✦

ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله ولکن کونوا ربنیین بما کنتم تعلمون الکتب وبما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملئکة والنبیین اربابا ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو الزام دیتا ہے کہ تم نے جو عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا ہے اسکا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کیونکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرتا ہے وہ تو صرف لوگوں کو یہی ہدایت کرتا ہے کہ تم سچے سب خدا پرست بنجاؤ جیسے کہ تم آسمانی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو نہ یہ کہ لوگوں سے کہنے لگے کہ سوائے خدا کے میری عبادت کرو اور نہ یہ حکم دیتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیا کو رب سمجھنے لگو یہ بھی تو کفر ہے کیا اسلام کے بدلے تمکو کفر سکھائیگا۔ یہ سب تم اہل کتاب کی اپنی طرف کی باتیں ہیں جنکی وجہ سے تم ہدایت سے محروم ہو ✦

واذ اخذ الله میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب وحکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشهدین فمن تولی بعد ذلک فاولئک هم الفسقون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا اور ان انبیا کے ذریعے سے ان کے تمام اتباع سے بھی عہد لیا کہ تمکو جو میں نے کتاب اور علم عنایت کیا ہے اسکی تصدیق کرنیوالا کوئی اور نبی تمہارے پاس آوے تو تم ضرور اوسپر ایمان لانا اور اسکی تصدیق کرنا اور اسکی پوری مدد کرنا سو سبنے اس کا اقرار کیا اور اس عہد کو مان لیا انہیں میں سے یہ اہل کتاب بھی ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں۔ پھر جو جانکر اس عہد سے پھرے تو بیشک وہ فاسق ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی عہد کے موافق نبی ہوکر آئے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں باوجود اسکے اہل کتاب ایمان نہیں لاتے اور جانکر کفر کرتے ہیں۔

افغیر دین الله یبغون وله اسلم من فی السموت والارض طوعا وکرها والیه یرجعون

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ عہد و میثاق اور محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانا خود ان کی کتابوں میں موجود ہے

اور یہی بات کلام اللہ قرآن مجید میں ہے سو یہی اللہ کا دین ہے جب اُسکو اہل کتاب نہیں مانتے تو ٹگے سوا ابلیس کا راستہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے حکم سے سب ایجاد و اعدام ہوتا ہے تو سب چیزیں اسی کی فرمانبردار ہیں خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے پھر اُسکے دین کو چھوڑ کے اپنا ٹھکانا کہاں بنائیں گے ۔

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اہل کتاب کے سامنے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے اور اُسی اس آسمانی کتاب پر ایمان لائے جو کہ ہم پر اُتری یعنے قرآن مجید پر اور جو اور انبیاء پر اُترا اُس پر بھی ایمان لائے ہم کسی نبی کو اسکے درجہ نبوت سے نہیں گھٹاتے ہم تو خدا کے فرمانبردار ہیں تم خواہ مانو یا نہ مانو ۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسنے سوائے اسلام کے اپنے لیئے کوئی اور دین پسند کیا تو وہ دین ہمارے ہاں ہرگز قبول نہ ہوگا اور اُس دین والا آخرت میں یقیناً ٹوٹا پائیگا کیونکہ دین وہ ہے جسکی ہدایت اللہ تعالیٰ کرے نہ یہ کہ اپنی من گھڑت ہو من گھڑت کو دین نہیں کہتے ہیں ۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہدایت تو اس شخص کو ہوتی ہے جو ناواقف ہو اور ہدایت کا طلب گار ہو اور جو جانکر کفر کرے اسکو کیونکہ ہدایت ہو سکتی ہے ایسا آدمی تو ملعون ہے اگر بغیر توبہ کے اسی حالت پر مرگیا تو ہمیشہ لعنت اور سخت عذاب میں مبتلا رہیگا ۔ اور توبہ کی شرط یہ ہے کہ اس نافرمانی کے کام کے نکرنے کا سچا عہد کرے اور اپنی اصلاح کرے اور جن کو بہکایا ہے اُن کے سامنے اظہار کرے کہ حق یہ ہے اور اس سے پہلے جو میں نے تمہیں بتایا تھا وہ ناحق تھا ۔ تب اللہ کی مغفرت کا مستحق ہوگا ورنہ خدا کو اُسکی کچھ پرواہ نہیں ہے ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝

اس آیت میں پہلی آیت کے مضمون کی تاکید ہے یعنے جو لوگ ایمان لاکر مرتد ہوگئے اور کفر ہی میں ترقی کرتے رہے پھر جب زندگانی سے مایوس ہوگئے تو اسوقت ان کو توبہ سوجھی تو اُن کی ایسی توبہ ہرگز قبول نہوگی اور ایسے لوگ گمراہ کہلاتے ہیں ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدٰى بِهِ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝

یہاں نجات کی صورت یا تو توبہ ہے اگر قبول ہو یا جرمانہ یا کر نجات پا سکتا ہے اگر جرمانہ قبول ہو یا کوئی مددگار ہو کہ اپنی قوت اور زبردستی سے کسی کو سزا نہونے دے یا سفارش کر کے نجات دلوادے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں ان سب کو نفی کر دیا ہے کہ جو کفر پر مرا (یعنے اگر توبہ اسکو سوجھی بھی تو مایوسی کے وقت تو وہ کفر ہی میں شمار ہوگا) تو اسکی نہ توبہ قبول ہے نہ اس سے کوئی عوض قبول کیا جاویگا اور نہ اسکا کوئی مددگار سفارشی ہوگا جب ان میں سے کچھ میسر نہوا تو نجات

اپنے آپ محال ہوگئی ہو

چوتھا پارہ شروع ہوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ کافر کو مال خرچ کرنا کچھ نفع نہ دیگا تو اسکے بعد اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ اس خرچ کی ہدایت کرتا ہے جو اُسکے ہاں مقبول ہو اور مقبول خرچ کی تین صفتیں ہیں اگر ایک بھی ان میں سے کم ہوگی تو مقبول نہو گا ایک یہ کہ اپنی سکت کے وقت اگر مایوسی کے وقت خرچ کریگا تو مقبول نہو گا۔ دوسری یہ کہ اچھا مال ہو یعنے جو کہ اُسکو محبوب ہے اور اُسکی مقدرت میں داخل ہے۔ تیسری یہ کہ اخلاص سے خرچ کرے جبراً قہراً نہ سمجھے اور نہ ریاکاری سے خرچ کرے اور بِرّ کے معنی اس آیت میں دو طرح کے احتمال رکھتے ہیں ایک یہ کہ وہ رتبہ حاصل ہو جس سے آدمی ابرار میں داخل ہو۔ دوم یہ کہ اسکا مطلب ثواب اور جنت ہے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور مما تحبون سے مراد وہ مال ہے جو کہ خرچ والے کے نزدیک اُسکی حیثیت کے موافق محبوب ہو کیونکہ امیر کی اور حیثیت ہے اور فقیر کی اور۔ تو جس مقدرت کا آدمی ہو وہ اپنی حیثیت کے موافق اپنے اچھے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے ردی میں سے نہ کرے۔ اور فقیر کی مقدرت کے موافق جو اچھا مال ہوتا ہے امیر کی حیثیت کی رو سے ردی ہوتا ہے تو امیر اپنی حیثیت کے موافق اچھا مال دے اور سب کو چاہیئے کہ اخلاص کو مدنظر رکھیں ریا وغیرہ سے بچیں تاکہ اُسکی قبولیت میں خامی نہ آوے ؛

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

انحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جملہ اہل اسلام کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم ابراہیمی دین پر ہیں یہود نے یہ اعتراض کیا کہ اگر تم ابراہیمی دین پر ہوتے تو اونٹ وغیرہ وہ چیزیں جنکو ہم حرام جانتے ہیں اُن کو نہ کھاتے کیونکہ ابراہیمی دین میں وہ چیزیں حرام ہیں تو انحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ آیت اُن کے جواب میں اُتری کہ جتنی چیزیں ہم اہل اسلام کھاتے ہیں وہ سب ابراہیمی دین میں حلال تھیں ہاں بنی اسرائیل پر صرف وہ چیز حرام ہوگئی تھی قبل توراۃ کے جسکو اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا اگر سچے ہو توراۃ کو لاکر اس میں سے اپنا دعویٰ ثابت کرو ورنہ تم جھوٹے ہو ابراہیمی دین میں وہ سب چیزیں حلال تھیں جو ہمارے استعمال میں ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے پکے موحد تھے اور مشرک نہ تھے جیسے کہ تم نے شرک کے رسوم اپنی طرف سے ایجاد کر کے ان کو دین میں داخل کر دیا ہے۔ مثلاً عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا وغیرہ اور جو چیز یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کی تھی جمہور مفسرین کے نزدیک اونٹ کا گوشت تھا۔ اور وجہ حرام کرنے کی یہ تھی کہ اُن کو ایک سخت مرض لاحق تھا بعض کہتے ہیں کہ گٹھیا تھی تو اُنھوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھکو اس سے شفا بخشی تو جو گوشت مجھکو زیادہ محبوب ہے وہ نہ کھاؤنگا سو وہ نذر کو اُنہوں نے اپنے اوپر بعد شفا پانے کے حرام کر دیا تھا اور خدا کی طرف سے سب بنی اسرائیل پر وہ حرام ہوگیا

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

یہود کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر تم ابراہیم کے دین پر ہو تو بیت المقدس کو اپنا قبلہ کیوں نہیں بناتے سو انحضرت صلے اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے بذریعہ وحی یہ جواب دیا کہ زمانہ بھی پہلا صرف خانہ کعبہ ہی ہے اور ابراہیمی قبلہ بھی خانہ کعبہ ہے جو کہ شہر مکہ میں ہے اور اس میں ابراہیمی نشان موجود ہیں جیسے کہ مقام ابراہیم دوسرا یہ نشان ہے کہ جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ امن میں ہو جاتا ہے کوئی اسکو تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور یہ ابراہیمی دعا کا اثر ہے اور بہت برکت کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے اور اسکے بعد بیت المقدس ہے صحابہ نے پوچھا کہ ان کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ تھا فرمایا کہ چالیس برس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گھر قدیمی تھے جب منہدم ہو گئے تو کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام نے پہلے نشانوں پر تعمیر کیا اور بیت المقدس کو سلیمان علیہ السلام نے درست کیا تو جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام پر فضیلت ہے اسی طرح ابراہیمی بنا کو سلیمانی بنا پر فضیلت ہے۔ اور تم لوگ اہل کتاب ہرگز اسبات کا ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ بیت المقدس ابراہیمی قبلہ تھا اور اسبات کا انکار نہیں کر سکتے کہ ابراہیم نے کعبہ کو بنایا تو ہم اہل اسلام اپنے دعوے میں سچے رہے اور تمہارا دعوے جھوٹا ثابت ہوا۔

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ۝

یہ اور ثبوت ہے کہ پہلی کتابوں سے ثابت ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل نے کعبہ کا حج کیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اسکا حج فرض کیا تھا باوجودیکہ عرب لوگ مشرک ہو گئے تھے تاہم برابر حج کرتے تھے اور بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا اور ہم اہل اسلام پر بھی خانہ کعبہ کے حج کی فرضیت نازل ہوئی ہے تو ہمیں ابراہیمی دین پر ہوئے۔ شریعت اسلام میں منجملہ پانچ ارکان اسلام کے حج بھی ایک رکن ہے بشرطیکہ بامن اس جگہ پہونچ سکے اور باوجود توفیق مالی وموجودگی سازو سامان سفر کے جو شخص حج نہ کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ومن كفر فان الله غني عن العالمين ۝

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے بغیر عذر کے حج نہیں کیا تو وہ یہودی یا نصرانی کی موت سے مرا۔ اور ظاہر ہے کہ جو حج سے اعتقادی یا عملی انکار کریگا تو اسکا نقصان اسی کے حق میں ہوگا خدا کو کسی کی عبادت کی پرواہ وضرورت نہیں ہے۔

قل يا اهل الكتب لم تكفرون بايات الله والله شهيد على ما تعملون قل يا اهل الكتب لم تصدون عن سبيل الله من امن
تبغونها عوجا وانتم شهداء وما الله بغافل عما تعملون ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کو الزام دیتا ہے کہ تم یقیناً جانتے ہو کہ دین محمدی سچ ہے اور محمدی لوگ ابراہیمی دین پر ہیں اور کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے اور اسکا حج بھی فرض ہے پھر باوجود جاننے کہ تم کیوں انکار کرتے ہو اور پھر انکار پر کفایت نہیں بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکاتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کرتوتوں کو دیکھ رہا ہے غافل نہیں۔

يا ايها الذين امنوا ان تطيعوا فريقا من الذين اوتوا الكتب يردوكم بعد ايمانكم كافرين وكيف تكفرون و
انتم تتلى عليكم ايات الله وفيكم رسوله ومن يعتصم بالله فقد هدي الى صراط مستقيم ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو تنبیہ فرماتا ہے کہ تم جان چکے ہو کہ اہل کتاب جھوٹے ہیں اور دین ابراہیم کی حقیقت اور محمدیوں کا دین ابراہیم پر ہونا تم جان ہی چکے ہو تو اب تمکو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے اور اہل کتاب کے کسی فریب میں نہ

تم اللہ کی کتاب کی آیتیں دن رات پڑھی جاتی ہیں اور اللہ کا رسول تم میں موجود ہے پھر کیونکر تم دین اسلام کی باتوں سے برگشتہ ہو کر دوسروں کے تابع ہو سکتے ہو اور جس نے خلوص اور حق طلبی پر چنگل مارا سو سیدھی راہ پر ہو گیا +

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ۝ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم اياته لعلكم تهتدون ۝ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اہل اسلام کو ہدایت فرماتا ہے اور تنبیہ فرماتا ہے کہ اسلام کا فائدہ اور ثمرہ تم کو اُس وقت معلوم ہوگا جبکہ تم اللہ سے ایسا خوف رکھو گے جو کہ خوف رکھنے کا حق ہے اور خوف رکھنے کا حق یہ ہے کہ سوائے اُسکے دوسرے کا خوف اُسقدر نہو جسقدر خدا کا خوف ہو اور ہر وقت خدا کو حاضر ناظر سمجھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی کتاب جو کہ اللہ کی طرف کھینچنے والی رسی ہے اُسکو چنگل مارے رہو۔ تم دیکھتے ہو کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں میں ایک سو بیس برس سے برابر لڑائی اور نہایت سخت دشمنی آپس میں چلی آتی تھی اسلام ہی کی برکت سے ایک دم وہ عداوت نابود ہو گئی اور اسکا نشان نہ رہا یوں جسقدر تم کتاب اللہ کے اور سنت رسول اللہ کے پیرو رہو گے اُسی قدر تم میں آپس کی محبت بڑھے گی اور تمہاری قومی اور دینی ترقی ہو گی۔ اسلام سے پہلے تم اپنی حرکات ناشائستہ کی بدولت دوزخ کے کنارہ تک پہنچ گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمکو اس سے نجات دیکر اسلام سے مشرف کیا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اوس اور خزرج کے درمیان پھوٹ بھی یہودی ہی نے ڈالی ہے پھر تم اہل کتاب سے کیونکر نفع کی امید رکھ سکتے ہو +

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر واولئك هم المفلحون ۝ ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات واولئك لهم عذاب عظيم ۝ يوم تبيض وجوه وتسود وجوه فاما الذين اسودت وجوههم اكفرتم بعد ايمانكم فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون ۝ واما الذين ابيضت وجوههم ففي رحمة الله هم فيها خالدون ۝ تلك ايات الله نتلوها عليك بالحق وما الله يريد ظلما للعالمين ۝ ولله ما في السموات وما في الارض والى الله ترجع الامور ۝ پہلے اہل کتاب کے اللہ تعالیٰ نے دو عیب بیان فرمائے تھے ایک یہ کہ خود کفر کرتے تھے دوسرا یہ کہ اوروں کو کفر میں شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے تو ان دونوں عیبوں کو اہل اسلام سے دور کرنا چاہا اور اُنکی بیخ کنی کے دو طریق بیان فرمائے ایک یہ کہ خود کفر سے بچیں دوسرا یہ کہ اوروں کو کفر سے بچانے کی کوشش کریں تو خود عمل اسلام کے اصول کے موافق کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اسلام کے بہت بڑے ارکان میں سے ہیں جب ان دونوں باتوں میں خامی آتی ہے تو اسلام میں ضعف آتا ہے جیسے اب اس زمانہ میں دونوں باتیں ضعیف ہیں اور اسلام بھی اسی وجہ سے ضعیف ہو چلا ہے پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان دونوں باتوں میں خامی آنے کی وجہ اختلاف ہے اور آپس کی پھوٹ ہے تو اس سے بچنا نہایت سخت ضروری ہے اہل کتاب کی طرح پھوٹ [illegible] کرنا کہ کتاب اللہ موجود ہو اور دلائل شرع موجود ہوں اور پھر حسد اور بغض اور ہٹ دھرمی ناحق پر جمے رہو یہ بات اسلام کے برخلاف ہے حق ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور اسلام میں پھوٹ اور اختلاف دائمی روسیاہی کا باعث ہے کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا اور خلوص سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور اسلام کے اصول پر قایم رہنا سرخروی کا باعث ہے جسکی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں رہنا ہوگا۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ

اپنے بندوں کو ہر نشیب و فراز سے آگاہ کر دیتا ہے پھر اس پر بھی اگر نہ مانیں تو سب کو اللہ کے پاس جانا ہی ہے وہاں سب کا فیصلہ و انصاف ہو جائیگا +

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ ولو امن اھل الکتاب لکان خیرا لھم منھم المومنون واکثرھم الفاسقون لن یضروکم الا اذی وان یقاتلوکم یولوکم الادبار ثم لا ینصرون

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس امت کی خوبی کا ذکر فرماتا ہے کہ امت محمدیہ بہت بہتر امت ہے اس وجہ سے کہ خود بھی ایمان والے ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان کی ہدایت کرتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور اگر اہل کتاب بھی ایسا کرتے تو اُن کے حق میں اچھا ہوتا کچھ ہی لوگ اہل کتاب میں اہل ایمان ہیں اور اکثر تو فاسق ہیں اور فاسقوں کی نیت ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ اور لوگ بھی ان جیسے ہو جاویں اور جو اُن کی چالوں سے نفرت کرتے ہیں اُن کے وہ دشمن ہو جاتے ہیں اور اُن کو دکھ پہنچانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آگاہ کرتا ہے کہ گو اہل کتاب میں اکثر لوگ فاسق ہیں اور تمہارے دشمن ہیں لیکن تم جب تک اپنے اصول اسلام پر قائم رہوگے تو تمکو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے صرف یہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے تمہیں بُرا بھلا کہہ لیں گے سو اسکی تم پرواہ مت کرو اور یہ بھی اطمینان کر لو کہ جسوقت تم سے وہ میدان جنگ میں مقابلہ کرنا چاہیں گے تو دُم دبا کے بھاگینگے سوا اور کچھ نہ کر سکیں گے اور کوئی اُن کا مددگار ایسا نہیں ہوگا جو ان کو ثابت قدم رکھ سکے۔ ان دونوں آیتوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب ثابت ہوتا ہے +

ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباءو بغضب من اللہ وضربت علیھم المسکنۃ ذالک بانھم کانوا یکفرون بایات اللہ ویقتلون الانبیاء بغیر حق ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود پر ہمیشہ کیلئے ذلت ہو ٹکری گئی ہے اور اسی طرح محتاجی بھی ہو ٹکری گئی جبتک جزیہ نہ دیں جو کہ خدا کیطرف سے حکم ہوا اور جزیہ دینے والے لوگ بھی جزیہ پر کفایت نکریں تو اُن کو کسی طرح امن نہیں مل سکتا یہ خدا کا غضب دنیا میں آن پر نازل ہوا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جانکر اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور اسی پر کفایت نہیں کرتے تھے بلکہ ناحق انبیا کو بھی قتل کرتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ نافرمانی اور ظلم میں حد کو پہنچ لئے تھے۔ یہ سو یہ لوگ اپنے انہیں اسلاف کی بدمعاشیوں کے پیرو ہیں +

لیسوا سواء من اھل الکتاب امۃ قائمۃ یتلون ایات اللہ اناء اللیل وھم یسجدون یومنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصالحین وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین ہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب کے سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں بلکہ کچھ لوگ اُن میں مثل عبداللہ بن سلام وغیرہ کے ایسے ہیں کہ کتاب اللہ کے پابند ہیں اور عبادت میں سرگرم ہیں اور اللہ کے سامنے سربسجدہ ہیں اللہ کا اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہتے ہیں اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں غرض کہ نیکوکار ہیں اور اُن کی کوئی نیکی بیقدری سے نہ دیکھی جائیگی بلکہ سب کی قدر کی جاویگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والونکو جانتا ہے

ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون مثل ما ینفقون فی ھذہ الحیوۃ الدنیا کمثل ریح فیھا صر اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہ وما ظلمھم اللہ ولکن انفسھم یظلمون

انہوں نے پھر حملہ کر دیا اور تم کو فتح کے بعد شکست حاصل ہوئی مومنوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے اسلئے اُنکو معاف کر دیا جسکی وجہ سے کسی قدر تم سنبھل گئے ورنہ کفار بالکل تم کو نیست و نابود کر دیتے ۔

اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون ۔ ترجمہ جب تم کافروں پر چڑھے چلے جاتے تھے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایس پشت والی جماعت میں کھڑے ہوئے تمکو بلا رہے تھے اور تم کسی کی طرف مڑ کے بھی نہ دیکھتے تھے تو اللہ نے تمکو غم پر غم دیا یہ ایک نصیحت ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اسپر غم نہ کھایا کرو اور نہ اسپر (مصیبت) جو تمکو پہونچے افسوس کیا کرو اور جو کچھ (بھی) تم کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے ۔

تفسیر یعنے تمہاری شکست کا یہ حال تھا کہ لوگ دم بھاگے جاتے تھے اور کسی کو پیچھے پھر کے نہیں دیکھتے تھے اور رسول تم کو پیچھے سے برابر پکار رہا تھا تو کفار کا غم اللہ نے تمپر ڈالدیا تاکہ تم کو تنبیہ ہو جاوے اور پھر خدا ہی کی طرف تمہاری لو لگی رہا کرے اور کسی مصیبت اور زیان سے تمکو غم نہ ہوا کرے ۔ اور اللہ تعالی ہر وقت تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس سے کوئی پوشیدہ نہیں سو جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے ۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا یغشی طائفۃ منکم وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھھنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم و لیبتلی اللہ ما فی صدورکم ولیمحص ما فی قلوبکم واللہ علیم بذات الصدور ۔ ترجمہ پھر اللہ نے (شکست کے) غم کے بعد تمپر اطمینان کی حالت طاری کر دی (اور وہ) اونگھ تھی جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی اور ایک گروہ (منافقوں کا) تھا جنکو اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے (اور) اللہ کی طرف (زمانہ) جاہلیت کا (سا) ناحق گمان کرتے تھے (یعنی) کہتے تھے آیا ہمارے لئے بھی اس امر (یعنے غلبہ اور مال غنیمت میں) سے کچھ (حصہ) ہے اے محمد ان سے کہدو کہ ہر ایک امر (یعنے غلبہ اور غنیمت) سب اللہ ہی کے لئے ہے (زبانی شکایتوں کے علاوہ) اپنے دلوں میں (اور باتیں بھی) جو تم پر ظاہر نہیں کرتے پوشیدہ رکھتے ہیں آپس میں ذکر کرتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے اس امر سے (یعنے غلبہ اور غنیمت سے) کچھ (حصہ) ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے (اے محمد ان سے) کہدو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ جنکی تقدیر میں (جس مقام پر) مارا جانا لکھدیا گیا ہے (وہ آپ ہی اپنے گھروں سے نکل نکل کے) اپنے مقتل میں آموجود ہوتے اور (یہ جو کیا گیا اسمیں چند مصلحتیں تھیں) تاکہ جو تمہارے دلوں میں ہے اللہ اُسکو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں (شبہہ پیدا ہو گیا) ہے اسکو بالکل صاف کر دے اور دلوں کی بات سے اللہ (خوب) واقف ہے ۔

تفسیر اللہ تعالی نے پہلے بیان فرمایا کہ اول میں نے مومنوں کو نصرت دی پھر جب اُن میں سے بعض نے حکم عدولی کی تو میں نے اُنپر خوف ڈالدیا کہ کفار سے ڈر کر بھاگ نکلے ۔ اور اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالی نے مومنوں سے پھر اُس خوف کو دور کیا اور بجائے خوف کے بعض پر اونگھ ڈالدی اور یہ نہایت امن اور بے خوفی کی دلیل ہے ورنہ خوف میں نیند کہاں میسر ہو سکتی ہے ۔ ابو طلحہ کہتے ہیں کہ میدان جنگ میں ہم پر اونگھ غالب ہو گئی تھی یہانتک کہ ہم میں سے بعض کے ہاتھ میں سے تلوار گر پڑتی تھی پھر اسکو اٹھا لیتا تھا پھر گرتی تھی پھر اٹھا لیتا تھا ۔ اور زبیر کہتے ہیں کہ جبکہ ہم پر خوف غالب ہوا اور ہم انحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ یکایک اللہ تعالی نے ہم پر نیند نازل کی اور اس نیند ہی سے

غلبہ کی حالت میں تھے معتب بن قشیر (منافق) کی آواز آرہی تھی وہ کہہ رہا تھا +
لوکان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھھنا ترجمہ کہ اگر ہمارے لئے اس امر سے (یعنے غلبہ اور غنیمت سے) کچھ (حصہ) ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے +

تفسیر اور عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں احد کے دن ہم پر نیند ڈالدی گئی اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نیند لڑائی کی حالت میں امن ہے اور نماز میں نیند کا شیطان کی طرف سے ہے یہ تو مومنوں کا حال تھا۔ پھر اللہ تعالی نے منافقوں کا حال بیان کیا کہ کچھ کا کچھ بک رہے تھے غرض آزمایش پوری ہوئی کہ خالص محکم ایمان والے بھی معلوم ہوگئے اور ضعیف الایمان لوگ بھی معلوم ہوگئے اور منافق بھی معلوم ہوگئے +

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا و لقد عفا اللہ عنھم ط ان اللہ غفور حلیم
ترجمہ بے شک جس دن دو جماعتیں (مسلمانوں اور کافروں کی) باہم مقابل ہوگئی تھیں اُس دن جو لوگ تم میں سے (شکست کھاکے پیچھے) ہٹ گئے تھے اُن ہی کے بعض اعمال (کی شامت) سے شیطان نے ! نکو لغزش دی تھی بیشک تحقیق اللہ بخشنے والا بردبار ہے

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اُن مومنین کا ذکر کرتا ہے جو کہ اُحد کے دن پیٹھ دیکر بھاگ گئے تھے یعنے انکا بھاگنا اُن کی شامت اعمال سے تھا پھر اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اُن کے ایمان دار ہونے کے سبب ہم نے اُن کا یہ قصور معاف کردیا جنگ اُحد میں جو لوگ کہ آنحضرتؐ کے ہمرکاب اور ثابت قدم رہے وہ ۱۴ شخص تھے سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے تو مہاجرین میں سے۔ ابو بکر اور علی اور عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح اور زبیر بن العوام تھے۔ اور انصار میں سے خباب بن المنذر اور ابو دجانہ اور حارث بن الصمہ اور عاصم بن ثابت اور سہل بن حنیف اور اُسید بن حُضیر اور سعد بن معاذ تھے اور حضرت عمر بھی بھاگ گئے تھے لیکن صرف پہاڑ کی جڑ تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب وہاں پہنچے تو وہ آپکے ہمراہ ہولئے اور حضرت عثمان ایسے بھاگے کہ تیسرے دن ملاقات ہوئی۔ ابن عینیہ نے روایت کی ہے کہ احد کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محافظت میں تیس صحابی شہید ہوئے اور یہی کہتے رہے کہ ہمارا منہ آپکے منہ پر قربان ہے اور ہماری جان آپ کی جان پر قربان ہے اور آپ کو ہم سلام کرتے ہیں لیکن انکی رخصت کا سلام نہیں بلکہ ہماری رخصت کا۔ اور چودہ صحابی جو آپکے ہمرکاب باقی رہے تھے اُن میں سے تین مہاجرین علی اور طلحہ اور زبیر نے اور پانچ انصار ابو دجانہ اور حارث بن الصمہ اور خباب بن المنذر اور عاصم بن ثابت اور سہل بن حنیف نے آپ کی محافظت پر جان دیدینے تک کی بیعت کی تھی مگر بفضل خدا سب سلامت رہے کوئی انمیں سے قتل نہیں ہوا

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین کفروا و قالوا لاخوانھم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزا لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم ط واللہ یحیی و یمیت ط واللہ بما تعملون بصیر ۝ ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون ۝ ولئن متم او قتلتم لالی اللہ تحشرون +

ترجمہ اے ایمان دالو تم ان جیسے نہ ہو جو حقیقت میں منکر اسلام ہیں اور اپنے (منافق) بھائیوں کے حق میں جب (وہ) ملک میں سفر کریں یا جہاد میں ہوں (تو) یہ کہتے ہیں کہ وہ اگر ہمارے پاس (مقیم) رہتے (اور سفر و جنگ میں نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ

مارے جاتے اور یہ اسی غرض سے کہتے تھے تاکہ اللہ اس خیال کو ان کے دلوں میں (باعث) حسرت بنادے اور دیوں تو اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اسکو دیکھ رہا ہے اور (قسم ہے کہ) اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا (کسی اور طریقہ سے) مرجاؤ یا مارے جاؤ البتہ (مرنے کے بعد) اللہ ہی کی طرف اوٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر عبد اللہ بن ابی اور معتب بن قشیر وغیرہ منافقین اہل ایمان کو ملامت کرتے تھے اور ان کو عار دیتے تھے کہ تم ہمارے ساتھ یہیں گھر بیٹھے رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آگاہ کرتا ہے کہ تم ایسا مت کرنا کہ لوگوں کو نامردی اور بزدلی سکھانے لگو کیونکہ بعض اہل ایمان جنگ اُحد میں سست اور بزدل ہو گئے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ انکو تنبیہ فرماتا ہے کہ جو تم سے بزدلی اور نامردی ہوئی سو ہوئی لیکن اب سنبھل جاؤ پھر نہ ایسی بزدلی کرنا اور نہ کسی دوسرے کو بزدلی پر آمادہ کرنا۔ مارنا جلانا تو اللہ کے اختیار میں ہے اور شہادت سے آدمی کو مغفرت اور رحمت حاصل ہوتی ہے اور یہ مرتبہ حصول دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور جو شہید ہو گا یا مریگا سو اللہ ہی کے پاس جائیگا وہاں سب دارِ زینت پر ہے

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین۔

ترجمہ تو (اے محمد) خدا ہی کا فضل ہے کہ تم انکو نرم دل ملے اور اگر تم (خدانخواستہ کہیں) کج خلق (اور) سخت دل ہوتے تو تمہارے پاس سے (یہ لوگ کبھی کے) منتشر ہو جاتے پس (جنہوں نے تمہاری نافرمانی کی ہے) ان کو معاف کرو اور (خدا سے) ان کے لئے مغفرت چاہو اور ان سے (لڑائی کے) کام میں مشورہ لیا کرو (پھر مشورہ کے بعد) پختہ ارادہ کرو تو اللہ پر (اسی پر) بھروسہ کرو بے شک خدا (اپنے اوپر) بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی اور حسن خلق کا بیان ہے کہ آپ کا خلیق ہونا امت کے لئے باعث رحمت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین اور فرمایا خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین اور آپ کی تعریف بیان فرمائی وانک لعلی خلق عظیم اور فرمایا لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حاکم کا حلم اور رفق اللہ تعالیٰ کو سب کے حلم و رفق سے زیادہ پیارا ہے اور حاکم کا جہل و سخت خو ہونا خدا کو بہت مبغوض ہے سب کے جہل و سخت خوئی سے اور چونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے امام ہیں اسلئے ضرور ہوا کہ سب سے زیادہ حلیم اور خلیق ہوں۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ عثمان رض کی بیوی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ (عثمان ابن عفان نے یہ کیا حرکت کی کہ میدان جنگ سے بھاگ گیا) بخدا ایسا آدمی قوم کی سرداری کے قابل نہیں تو حضرت علی بولے کہ ہاں عثمان نے آج تو تمام زمانہ کی فضیحت کی تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چپ رہو اور یہ بھی مردی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھکو سارے ہوؤں نے دق کر ڈالا کہ آپس میں محبت سے نہیں گزر کرتے۔ اور حضرت عثمان جب اپنے دونوں ہمراہیوں کے ہمراہ بھاگنے سے لوٹ کر آئے تو آپ نے صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم تو اسی پہاڑ میں یا زمین میں لیٹے نکل گئے۔ حاصل یہ کہ آپ کی حسن خلقی کی شرح نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور زیادہ حسن خلقی کی تاکید کی کہ جیسے ہم نے اُن بھاگنے والوں کو معاف کیا ہے تم بھی اُن سے

درگزر کرو اور ان کے لئے دعائے مغفرت مانگو اور ان سے اپنے کاموں میں مشورہ لو پھر جس بات پر مشورہ قرار پاوے خدا پر توکل کرکے اسکے مطابق عمل درآمد کرو یہ معافی پر اور اعزاز ہوا کہ گنہگاروں کے گناہ معاف کرکے ان کو نبی کا مشیرکار بنا دیا۔ اور اس آیت سے مشورہ کی فضیلت بھی ثابت ہوئی اور مشورہ میں یہ بھی ضرور نہیں کہ سب کے سب آدمی اعلیٰ درجے کے تجربہ کار ہی ہوں یا سب کے سب ایک ہی مرتبہ کے متقی ہوں ؛

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہٖ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ؕ

ترجمہ اگر خدا تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر تم کو (ایسے ہی) چھوڑ دے (یعنے مدد نکرے) تو اسکے (چھوڑ دینے کے) بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ (ہر کام میں) اللہ ہی پر بھروسا کریں ؛

تفسیر حاصل یہ کہ سوائے اللہ کے کوئی نصرت و شکست نہیں دے سکتا اور پہلی آیت سے بھی اور اس آیت سے بھی توکل کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی لیکن توکل کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اسباب ظاہریہ جائزہ کو بالکل چھوڑ بیٹھے بلکہ ان سب کا حتے المقدور استعمال کرے لیکن ان پر یہ اعتماد نکرے کہ بغیر حکم خدا کے ان سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکیگا مثلاً اولاد ہونے کے لئے مشہور و معروف سبب نکاح ہے اور امر مشروع بھی ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ جو نکاح کرے اسکی اولاد ضرور ہو ہی جاوے گی ہاں باعتبار اسباب کے بقتضے کے بغیر نکاح کے اولاد کا ہونا قریب محال ہے کیونکہ عادۃ اللہ اسیطرح جاری ہے اور گاہے بگاہے کا اعتبار نہیں جیسے کہ آدم علیہ السلام کا بغیر ماں باپ کے پیدا ہونا اور عیسےٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا سو اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدائش میں اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے یہ ضرور نہیں کہ جس بات کی قدرت ہو اسکی عادت بھی ہو۔ اور مثلاً سیری اور زندگانی عادۃً کھانے پینے پر موقوف ہے جو کھانا پینا چھوڑ دے گا مر جائیگا لیکن یہ ضرور نہیں کہ جو کھائے پیئے ہمیشہ زندہ ہی رہے۔ غرض یک لخت اسباب کا چھوڑ دینا بھی حماقت ہے اور اسباب ہی پر اعتماد کرنا بیدینی اور دہریت ہے ؛

وما کان لنبی ان یغل ومن یغلل یات بما غل یوم القیمۃ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون ٥

ترجمہ اور (تمہارا گمان بالکل غلط ہے) نبی سے ہرگز خیانت نہیں ہو سکتی اور جو خیانت کریگا (تو) جو چیز خیانت کی ہے قیامت کے دن اُس کو (اپنی گردن پر رکھ کر خدا کے آگے) لائیگا پھر ہر شخص کو جیسا اُس نے کیا ہے (برا یا بھلا) پورا پورا دیا جائیگا اور اُن پر ظلم نکیا جائیگا

تفسیر غلول غنیمت کے مال میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔ جنگ بدر میں ایک سرخ چادر گم ہو گئی تھی غنیمت کے مال میں سے تو بعض نادانوں نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گمان کیا کہ شاید آپ نے نہ لیلی ہو تب یہ آیت نازل ہوئی اس آیت سے بھی اور بے شمار حدیثوں سے غلول کی سخت مذمت ثابت ہوتی ہے اور اسکے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔

افمن اتبع رضوان اللہ کمن باء بسخط من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر ٥

ترجمہ کیا بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ جو خدا کی مرضی کے مطابق کام کرے اسکی مثل ہو جاوے کہ جو خدا کے غصہ کا مستحق ہوا اور اُس کا ٹھکانا تو دوزخ ہے اور کیا بری رہنے کی جگہ ہے۔

تفسیر اللہ کی رضامندی کی پیروی یہ ہے کہ اسکے احکام کی فرماں برداری کی جاوے اور اُسکے رسول کی اطاعت کی جاوے اور ہر قسم کی خیانت اور بد دیانتی سے پرہیز کیا جاوے۔ سو ایسی خوبیوں والا آدمی اور وہ آدمی جس پر خدا کا غضب

ہے اور نہایت برا ٹھکانا یعنی جہنم اسکا قرارگاہ ہے یہ دونوں آدمی کیونکر یکساں ہوسکتے ہیں یہ ظاہر ہے ✤

هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ

ترجمہ اللہ کے ہاں ان کے مراتب (مختلف) ہیں اور جو (وہ) کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ✤

تفسیر یعنے اچھے لوگ اور برے لوگ سب ایک ہی مرتبہ پر نہیں ہیں بلکہ اچھوں میں بھی بہت مراتب اعلیٰ اور ادنیٰ ہیں اور بروں کے بھی اسی طرح بہت مراتب اعلیٰ اور ادنیٰ ہیں اور ان سب کی شناخت اور میزان اللہ ہی کے پاس ہے کیونکہ وہ سب کے ظاہری اور باطنی اعمال کو دیکھتا ہے ✤

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

ترجمہ بیشک مسلمانوں پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا جو ان میں انہی کی قوم میں کا ایک رسول بھیجا ان کو خدا کی آیتیں (پڑھ پڑھ کے) سناتا ہے اور (کفر کی نجاست سے) ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب (یعنے قرآن حمید) سکھاتا ہے اور حکمت (اس رسول کی بعثت سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے ✤

تفسیر نادانوں میں ایسا دانا پیدا کرنا جو انکو دانائی سکھائے اور ان پڑھوں کو کتاب پڑھنا سکھائے ظاہری باطنی ناپاکی ان سے دور کرے اور گمراہوں کو ہدایت کرے یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے جیسے کہ اس نے اس امت کے لئے انہیں میں سے ایک نبی امی سید المرسلین اور خاتم النبیین محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اس اللہ کا ہزار ہزار شکر کہ اس نے اس نبی کی بدولت ان کو جہالت کے خوفناک گڑھے سے نکالکر شرف ایمان بخشا الحمد للہ رب العالمین

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ترجمہ (تو) کیا جب تم کو (جنگ احد میں) کوئی مصیبت پہنچی (حالانکہ تحقیق بدر میں) اس سے دو چند (کافروں کو) پہنچا چکے ہو (گھبرا کے) یہ کہنے لگے ہو کہ یہ (مصیبت) کہاں سے (آپڑی) ہے (اے محمد تم ان سے) کہدو کہ یہ (مصیبت) تمہاری (ہی) طرف سے ہے (تم احد میں مورچے چھوڑ کے بھاگ گئے تھے) بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر اللہ تعالیٰ جنگ احد کے شکست خوردوں کو سرزنش کرتا ہے کہ جب تم پر شکست کی مصیبت پڑی تو کہنے لگے یہ بلا کہاں سے آگئی یہ تمہاری شامت اعمال ہے اور جب تک تمہاری نیک نیتی قایم تھی تم نے دوہری مصیبت مخالفین پر ڈالی تھی جیسے جنگ بدر میں کفار میں سے ستر آدمی تم نے قتل کئے اور ستر قید کرلائے۔ اور یوں بھی دوہری مصیبت ہوسکتی ہے کہ جنگ بدر میں بھی مظفر و منصور ہوئے اور پہلے ہی پہل جنگ احد میں بھی کفار کو تم نے شکست دیدی۔ جب تم نے ہمارے رسول کی حکم عدولی کی تو پھر تمکو اسکا مزا چکھا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جزا اور سزا دونوں کی قدرت ہے ✤

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ

ترجمہ اور جس دن دو جماعتیں (مسلمانوں اور کافروں کی باہم مقابل ہوئیں (احد دن) جو کچھ بھی تمہارے سامنے آیا تو اللہ کے حکم سے آیا، اور تاکہ اللہ (خالص) ایمان والوں کو معلوم کرلے (کہ کون ہیں) اور ان لوگوں کو معلوم کرلے جو منافق ہیں

اور اُن سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں قتل کرو یا دم سے شریک ہو کر دشمن کو دفع کر دو تو وہ اسکے جواب میں کہنے لگے کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو بیشک تمہارا ساتھ دیتے یہ لوگ ایمان کے اعتبار سے اس روز کفر سے بہت نزدیک تھے اپنی زبان سے (وہ بات) کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہے اور جو (نفاق) وہ چھپاتے ہیں اللہ اُسکو خوب جانتا ہے ۞

تفسیر اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ گروہ اسلام کو اُحد کے روز شکست دینے میں یہ فائدہ تھا کہ مومن اور منافق آپس میں ممتاز ہو جاویں اور انکے دلی بھید اس حکمت سے صورت ظہور پیدا کریں اور واقعی اس دن خوب معلوم ہو گیا اس روز منافقین کا عقیدہ کفر کی طرف بنسبت ایمان کے بہت ہی زیادہ تھا ۞

الذین قالوا لاخوانہم وقعدوا لو اطاعونا ما قتلوا قل فادرءوا عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین ۞

ترجمہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے (گھر) بیٹھ کے اپنے (شہید) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر (وہ) ہمارا کہا مانتے (اور لڑائی میں نہ جاتے تو) نہ مارے جاتے (اے محمد اُن سے) کہدو کہ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو تو (ب) اپنے اوپر سے موت کو ہٹا دینا ۞

تفسیر اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ خود تو وہ بیٹھ ہی رہے تھے لیکن اوروں کو بزدل کرنے کے لئے اپنے اور بھائی بندوں کی نسبت کہتے تھے کہ کاش وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر موت سے بچنا اُن کی تدبیروں پر موقوف ہے تو دیکھیں اپنی جان ہی موت سے بچالیں - کیونکہ مرنا بہرصورت لازم ہے خواہ لڑائی میں خواہ مرض وغیرہ سے ۞

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون ۝ فرحین بما اتاہم اللہ من فضلہ و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم الا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۝

ترجمہ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انکو مردہ گمان نکرو بلکہ (وہ) زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں سے روزی دیئے جاتے ہیں (اور) جو اللہ نے اپنے فضل سے انکو دے رکھا ہے اسپر خوش ہیں اور اُن لوگوں کی نسبت یہ خوشخبری سننے (کے سبب خوش ہوتے ہیں جو لوگ اُن کے بعد اُن میں (آکے) شامل نہیں ہوئے کہ (انپر نہ (کسی طرح کا) خوف ہوگا اور نہ وہ غم کھائینگے

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم شہیدوں کو جو کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے ہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اُن کو ابھی سے رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے قیامت کے آنے پر موقوف نہیں اور اپنے ان بھائی بندوں کی خوشوقتی اور نیکبختی کی خبریں سنکر جو کہ دنیا میں زندہ ہیں خوش ہوتے ہیں کہ الحمد للہ ہماری طرح ان کو بھی کوئی خوف و غم نہوگا - لیکن اتنا ضرور جاننا چاہیئے کہ ظاہری طور سے شہید اور غیر شہید جو دنیا سے علیحدہ ہوا اور دفن ہو گیا وہ میت ہی ہے اسلئے کہ انبیا کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے انکے واسطے لفظ میت صریح قرآن شریف میں موجود ہے تو معلوم ہوا کہ اُس زندگی کے معنے کچھ اور ہی ہیں جو کہ شہیدوں کے لئے مانی گئی کیونکہ اُن کی بیویاں بالاتفاق عدت کے گزرنے کے بعد دوسروں کے نکاح میں آتی ہیں اور انبیا کے انتقال کے بعد اُن کی بیویاں دوسروں کے نکاح میں بالاتفاق نہیں آسکیں لہذا کوئی اُن کے درمیان ایسی چیز فاصل ہے جو دونوں کو ممتاز کرتی ہے اسی لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بھلا جب شہید زندہ ہیں تو انبیا بطریق اولیٰ اپنی قبروں میں زندہ ہونگے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر تعلیم فرمائی کہ تم سب انبیا کے مرنے کا عقیدہ رکھو اور

شہیدوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو پھر کیونکر دونوں کا آپس میں ایک دوسرے پر قیاس ہو سکتا ہے۔

یستبشرون بنعمۃ من اللّٰہ وفضل و ان اللّٰہ لا یضیع اجر المؤمنین ۝

ترجمہ اللہ کی نعمت اور فضل و (کرم) سے خوش ہوتے ہیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا ۔

تفسیر یعنے شہید لوگ اس بات پر خوش ہوں گے کہ اللہ کسی ایمان والے کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا اور جو ان پر اللہ کا فضل و نعمت ہوگی اُسے دیکھ دیکھکر شادان اور فرحاں ہوں گے ۔

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ۝ فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ وفضل لم یمسسھم سوٓء واتبعوا رضوان اللّٰہ واللّٰہ ذو فضل عظیم ۝

ترجمہ (یہ وہ لوگ ہیں) جن سے لوگوں نے (آکے) کہا کہ تحقیق کافروں نے تمہارے مقابلے کے لئے لشکر جمع کیا ہے پس تم انسے ڈرو تو اُس نے (بجائے خوف کے) انکا ایمان (اور بھی) زیادہ کر دیا اور کہنے لگے (کہ بس) ہمکو (مدد کے لئے) اللہ کافی ہے اور (وہ کیا ہی) اچھا کارساز ہے (جب جنگ نہیں ہوئی) تو اللہ کے احسان اور فضل سے (اپنے گھر) واپس چلے آئے انہیں کوئی ایذا نہیں پہنچی اور اللہ کی مرضی کے مطابق کیا اور اللہ تعالےٰ کا اپنے بندوں پر بڑا فضل و (کرم) ہے ۔

تفسیر مومنوں کی تعریف اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ کسی کی دھمکی میں نہیں آتے بلکہ اُن کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے ڈرپوک اور بزدل نہیں ہیں۔ اُحد کی لڑائی سے جب ابو سفیان لوٹا تو اُسنے لوٹنے کے وقت یہ پکار سنائی کہ اے محمد بدر صغریٰ جن دنوں بازار لگتا ہے انہیں دنوں اور اسی جگہ ہمارا تمہارا پھر مچیٹا ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم اس سے کہدو کہ بیشک انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس موقع پر حاضر ہوں گے جب وہ وقت آگیا تو ابو سفیان اپنے گروہ کو لیکر نکلا یہاں تک کہ مرالظہران تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اسکے دل میں رعب بٹھا دیا اور بھاگنے کا قصد کیا تو نعیم بن مسعود اشجعی مدینہ کی طرف سے عمرہ کرنے کے لئے جا رہا تھا ابو سفیان اُس سے ملا اور اُس سے کہا کہ میں نے محمد سے اس سال لڑنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ سال قحط سالی کا ہے اور لڑائی کے لئے جانے کے واسطے وہ سال مناسب ہے جس میں چوپایوں کو چارہ اچھی طرح ملے اور ہمکو اُن کے دودھ ملیں پینے کے لئے اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ تو جا کر محمد وغیرہ کو ایسی خبر سنا کہ مارے خوف کے گھر ہی بیٹھے رہیں میدان جنگ میں نہ آنے پائیں اور میں لوٹ جانا چاہتا ہوں جب نعیم عمرہ کر کے لوٹا تو اُس نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاریاں کرتے دیکھا تو ابو سفیان کے کہنے کے مطابق اس قسم کی گفتگو کی کہ کسی قدر مسلمان خوف زدہ ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہو تب بھی تن تنہا میں وہاں ضرور پہونچوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ستر آدمیوں کو لیکر نکلے جن میں وہ شخص یعنے نعیم بن مسعود بھی تھا یہاں تک کہ بدر صغریٰ پر پہونچ گئے تھے اور وہاں ابو سفیان وغیرہ کا پتا بھی نہ تھا۔ اور بدر صغریٰ میں ہر سال آٹھ دن تک بازار لگتا تھا کیونکہ وہاں بنی کنانہ کا پانی تھا مسلمانوں کے لشکر نے وہاں خرید و فروخت کی خوب نفع ہوا کہ ایک ایک روپیہ کے بدلے میں دو دو روپیہ کا فائدہ ہوا اور سالم غانم گھر لوٹ کر آئے۔ اور مکہ والوں نے ابو سفیان کے لشکر کا نام جیش السویق رکھا اور کہا کہ تم صرف ستو کھانے کے لئے گئے تھے لڑائی کے لئے نہیں گئے تھے۔

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

ترجمہ سوائے اسکے اور نہیں کہ یہ (خبر دینے والا) شیطان ہے (جو) تمکو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو اگر تم (سچے) مومن ہو تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرو۔

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان کا کام ہی ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم کو چاہیئے کہ شیطان کی دوستی مت اختیار کرو اور کفار سے مت ڈرو بلکہ مجھسے خوف کرو اگر ایمان دار ہو۔

وَلَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ترجمہ اور جو لوگ کفر کی (معاونت) میں سرگرم رہتے ہیں تمکو (اے محمد) انپر غمگین ہونا نہ چاہیئے بیشک وہ اللہ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے (بلکہ) اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں کچھ ان کو (ثواب سے) حصہ نہ دے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے

تفسیر اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر تسکین دیتا ہے کہ کفار کا کروفر اور طمطراق دیکھکر حیرت زدہ مت ہو جاؤ دنیا میں اُن کو ایسی ترقی اسلئے دی ہے کہ قیامت کے دن اُن کو بالکل محروم کیا جاویگا اور بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہونگے جیسے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر یعنے دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ اسلئے وہ جتنا ہی کفر کا جوش دکھائیں مت گھبراؤ ان کا اخیر نتیجہ ذلت ہے جیسے کہ اکثر اس زمانہ کے نئی روشنی والے نصاریٰ کی کلیں اور فلسفہ اور سائنس دانی کو قرآنی تعلیم پر ترجیح دیتے ہیں اور اسلامی عقائد پر ٹھٹھے اڑاتے ہیں اور اسلامی معجزات کا انکار کرتے ہیں اور نصاریٰ کی جھوٹی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں اور لباس اور وضع میں نصاریٰ کی شباہت اختیار کرتے ہیں اور اوروں کے گمراہ اور بے دین بنانے کے واسطے اپنے آپ کو مسلمان کہے جاتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں نصاریٰ کے دلال ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ترجمہ بیشک جن لوگوں نے ایمان کی عوض کفر خریدا وہ لوگ) خدا کو ہرگز کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور انکے لئے تکلیف دہ عذاب ہے

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ تاکید سے اس مضمون کو بیان فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کیا ہے وہ لوگ خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑ رہے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کے واسطے دردناک عذاب تیار ہو گیا۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝

ترجمہ جو لوگ منکر (اسلام) ہیں (وہ ہرگز) نہ خیال کریں (کہ یہ جو ہم نے (دنیا میں) انکو مہلت (اور فارغبالی) دے رکھی ہے (یہ) انکے حق میں بہتر ہے ہم نے (تو فقط (اسلئے) انکو مہلت دے رکھی ہے تاکہ (اور) گناہ میں بڑھتے جائیں اور انکے لئے آخر کار ذلت کی مار ہے۔ تفسیر یعنے غرور اور تکبر والے کفار کو جو دنیوی آسایش ہمنے دے رکھی ہے وہ صرف اسلئے ہے کہ انکا غرور بڑھے اور گناہوں میں ترقی کریں تاکہ قیامت کے دن خوب ہی ذلت اٹھائیں۔ عیش و عشرت کا بہم پہنچنا مقبولیت کی دلیل نہیں ہے ایمان اور نیک اعمال کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل کا بشاش ہونا دلیل مقبولیت کی ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ

اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فامنوا باللہ ورسلہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم

ترجمہ (اے منافقو) ہرگز اللہ ایسا نہیں کہ بُرے بھلے میں تمیز کئے بغیر مسلمانوں کو ایسی حالت پر چھوڑ دے جس حالت پر تم ہو اور اللہ (ہرگز) ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے ولیکن اپنے پیغمبروں میں سے اللہ جسکو چاہتا ہے (اس کام کے لئے) انتخاب کر لیتا ہے پس خدا اور اوسکے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیزگاری (بھی) کرو تو اوسکے بدلے میں انہیں بڑا ثواب ملے گا ؛

تفسیر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم کو تو اہل اسلام کا خلوص منظور ہے اس لئے ہم یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو موجودہ حالت پر برقرار رکھیں بلکہ ہم قسم قسم کی آزمائشیں کریں گے تاکہ پاک طینت اور خباثت والے ممتاز ہو جاویں اسلئے تمکو چاہیئے کہ اللہ و رسول پر ایمان لانے میں خوب محکم ہو جاؤ تاکہ بہت بڑے ثواب کے مستحق ہو جاؤ ؛

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیمۃ وللہ میراث السموات والارض واللہ بما تعملون خبیر

ترجمہ جو چیز اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اونکو دے رکھی ہے جو لوگ اوس پر بخل کرتے ہیں (وہ یہ) خیال نکریں کہ یہ اونکے حق میں بہتر ہے بلکہ وہ اونکے حق میں بُرا ہے کیونکہ عنقریب قیامت کے دن جس چیز پر وہ بخل کرتے تھے اُس چیز کا انہیں طوق پہنایا جاویگا اور زمین اور آسمان کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے (پھر اونکا بخل کرنا عبث ہے) اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے خوب واقف ہے ؛

تفسیر بخل کے معنے یہ ہیں کہ جو جو حقوق مالی اللہ تعالیٰ کے اوسکے بندوں پر ہیں وہ نہ دئے جاویں۔ اس آیت میں بخل کی سخت مذمت ہے اور اُسپر سخت وعید ہے یعنے جو لوگ مال بچانے کے لئے زکوۃ نہیں دیتے یہ اونکے حق میں اچھا نہیں ہے دنیا میں تو بخیل اور کنجوس کہلائیں گے اور قیامت کے دن وہ مال نہایت بڑے اژدہے کی صورت بنا کر اُن کی گردنوں میں ہنسلی کی طرح لٹکایا جائیگا کہ گھڑی گھڑی کاٹتا رہے گا اور کہے گا کہ میں وہی مال ہوں جسکو تونے دنیا میں اللہ کی راہ میں نہیں صرف کیا تھا اور زکوۃ نہیں دی تھی۔

الذین قالوا ان اللہ عھد الینا الا نؤمن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین

ترجمہ (یہ وہی لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ بیشک اللہ نے ہمسے عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تا وقتیکہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو (آسمان سے اترکے) آگ کھا جائے (اے محمد اُن سے کہدو) کہ بیشک تمہارے پاس مجھسے پہلے پیغمبر معجزے لیکے آئے تھے اور (قربانی بھی لائے تھے) جو تم نے کہا پس اگر تم سچے ہو تو تمنے انہیں کیوں قتل کیا ؛

تفسیر یہود آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کرتے تھے کہ تم نبی برحق جب ہوتے کہ تمہاری قربانی کو آگ آسمان سے آکر کھا جاتی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اُن سے کہدو کہ اول تو تمہارا یہ دعوی بالکل جھوٹا ہے اور پھر جو نبی تمہارے پاس یہ معجزے لیکر آئے اُن کو تم نے قتل کیوں کیا اگر تم سچے ہو۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی ہٹ دھرمی ثابت کی ہے کہ اُن کی خالی مولی حجتیں ہی ہیں کوئی جواب معقول اُن کے پاس نہیں ہے ؛

فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک جاءو بالبینٰت والزبر والکتٰب المنیر ۝ کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ۝

ترجمہ - پس (اے محمد ابر ہی) اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو (کچھ پریشانی کی بات نہیں) بیشک تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں جو صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے ہر ایک شخص (کسی نہ کسی دن) موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے اور سوا اسکے نہیں کہ قیامت کے دن تمہیں تمہاری پوری (پوری) مزدوری دیجائیگی تو جو دوزخ (کی آگ) سے دور رکھا گیا اور جنت میں پہنچا تو (بیشک وہ (اپنی) مراد کو پہنچا اور (دنیا کی (چند روزہ) زندگی دھوکے کی پونجی کے سوا کچھ نہیں +

تفسیر - اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تکذیب سے خوف و ذلت اُسکو دامن گیر ہوتی ہے جسکا دعویٰ جھوٹا ہو اور تم سچے نبی ہو تو جیسے اور رسولوں کی تکذیب ہوئی اور اُنہوں نے صبر کیا تم بھی ایسا ہی صبر کرو مرنا تو سب کو ہی ہے وہاں بامراد وہی ہوگا جو کہ جنت میں داخل ہوگا اور جنت میں داخل ہونے کی شرط یہ ہے کہ رسولوں پر ایمان لایا جائے دنیا تو دھوکے کی ٹٹی ہے +

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور ۝

ترجمہ (مسلمانو) البتہ تم اپنی جانوں (کے نقصان) اور اپنے مالوں (کی کمی) میں آزمائے جاؤگے اور جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (یعنے یہود و نصاریٰ) اور ان لوگوں سے کہ شرک کرتے ہیں بیشک تم سرزنش (کی باتیں) بہت سنوگے اور اگر (ان سب مصیبتوں پر) صبر کروگے اور (اللہ کی نافرمانی سے) بچتے رہوگے تو بیشک یہ (بڑی) ہمت کے کاموں سے ہے -

تفسیر - اب اللہ تعالیٰ اہل اسلام کو ہوشیار کرتا ہے کہ تم بھی خالی خولی اسلام کے دعوے ہی پر غرہ نہ ہو جاؤ بلکہ چست ہو جاؤ اور ہم تمہاری جانی اور مالی آزمایش کریں گے - اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ وغیرہ مشرکین بھی تم کو برا بھلا کہتے رہیں گے اور تمہارے دین پر اعتراض کیا کریں گے اور تم کو جھوٹے الزام لگایا کریں گے ان سب امور کے دفعیہ کے لئے صبر اور تقویٰ درکار ہے اور یہی چستی کا کام ہے - اس زمانہ میں لوگوں نے کتاب و سنت کی مہار بالکل چھوڑ دی اور کفار کی وضع و لباس کو اختیار کیا اور مخالفین کے جوابات کے لئے منطق کو آلہ قرار دیا ہے جو کہ خود مخالف کا ہی ہتیار ہے اسلئے وہ اپنے پیچ میں آپ ہی پھنستے ہیں لیکن پھر اُسی پر فدا ہیں العیاذ باللہ -

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنا قلیلا فبئس ما یشترون ۝

ترجمہ اور (اے محمد تم انہیں وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ (یہ کتاب جو تمہیں دی گئی ہے) اس کو لوگوں کے آگے بیان کردینا اور اسکے (احکام کو) چھپانا نہیں پس انہوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت ڈالدیا اور اسکے بدلے میں تھوڑے دام حاصل کئے سو کیا بُری (چیز) ہے جو (یہ) خرید کرتے ہیں -

تفسیر اب اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو الزام دیتا ہے کہ تم آگ والی قربانی کی شرط جھوٹ موٹ نبوت کے لئے مقرر کرکے محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ایمان لانے سے باز رہے اور اللہ تعالیٰ نے جو سچا عہد تم سے لیا ہے کہ اللہ کی کتاب کے مضامین جیسے ہوں ویسے ہی صحیح صحیح لوگوں سے بیان کیا کرنا اور حق کو مت چھپانا تو دنیا کی لالچ اور رشوت خور کے

غرض سے اس عہد کو تم نے بالکل پس پشت ڈالدیا یہ تمہارا کتنا بُرا سودا ہے۔ اور پھر تم ان حرکات سے باز نہیں آتے اور خدا سے خوف نہیں کرتے ؛

لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم ۰ وللہ ملک السموات والارض واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر ۰

ترجمہ (اے محمد) تم انکو (نیک) گمان نکرو جو اپنے (اس) کئے پر کہ (توریت سے تمہاری تعریفی جملے بدلتے ہیں) خوش ہوتے ہیں اور یہ خواہش رکھتے ہیں کہ جو (عمدہ کام) انہوں نے نہیں کیا اس پر (بھی خواہ مخواہ) اُنکی تعریف کی جائے بس ہرگز تم انہیں گمان نکرنا (کہ وہ) عذاب سے خلاصی میں (ہیں) اور انکے واسطے درد دینے والا عذاب ہے اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور خدا ہر شے پر قادر ہے ؛

تفسیر اس آیت میں دو باتوں کی سخت مذمت ہے ایک یہ کہ بُرائی کر کے خوش ہونا دوسری یہ کہ جو بھلائی نہیں کی اُس پر آفریں چاہنا دونوں ایسے گناہ ہیں کہ اُن کی سزا سے کسی صورت سے مخلصی کی صورت نہیں ہے۔ سو یہود لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت کو جو کہ تورات میں موجود ہے اُسکے برخلاف بیان کرتے اور اس بے ایمانی پر خوش ہوتے اور اپنے چیلوں سے یہ چاہتے ہیں کہ انکو با ایمان اور متقی سمجھیں اور منافقین ظاہر میں اسلام کے موافق برتاو رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسلام والوں کو دھوکا دے لیا خوب ہوا اور اس نفاق کے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ مسلمان لوگ ہم کو با ایمان سمجھیں۔ سو یہ لوگ اگر دنیوی عقوبتوں سے بچ بھی گئے تو قیامت کے دن کسی صورت سے نہیں چھوٹ سکتے ؛

ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیت لاولی الالباب ۰

ترجمہ بیشک زمین اور آسمانوں کے پیدا کرنے اور رات دن کے لوٹ پھیر میں اہل خرد کے لئے (خدا کے وجود و عظمت و شان کی بہتری) نشانیاں ہیں ؛

تفسیر اصل مقصود قرآن مجید کا توحید کی تعلیم ہے اسلئے جب مخالفین کے شبہات کا رد کیا پھر وہی تعلیم شروع کر دی یعنے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے عبرت پکڑنا آسمانوں کے عجائبات سے اور زمین کے عجائبات سے اور رات دن کی گردش سے غرض اللہ کی ہر صنعت عبرت وہ ہے اہل دل اور اہل عقل کو ؛

الذین یذکرون اللہ قیٰما وقعودا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار ۰ ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظلمین من انصار ۰

ترجمہ کہ جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی (اور جو عجائبات ان میں ہے اُن کی) پیدائش میں (خوض) فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو (ہر عیب سے) پاک ہے تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا اے ہمارے پروردگار بیشک تو جسکو (دوزخ کی) آگ میں ڈالے تو تحقیق تو نے اُسے رسوا کیا اور گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں ؛

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل عقل کی صفتیں بیان فرماتا ہے کہ عبرت پکڑنے والے کسی حالت میں اللہ کے ذکر سے

غافل نہیں ہوتے کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدایش میں غور کرتے رہتے ہیں اور اسبابات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کی کوئی مخلوق بیکار اور بے فائدہ نہیں اور پھر اسکی درگاہ میں دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ اے بار خدایا تیری ذات بیفائدہ کام کرنے سے پاک ہے ہم سچے دل سے تیری قدرت اور حکمت کے قایل ہیں ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔ کیونکہ جو دوزخ میں گیا وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگیا اور وہ جگہ ظالموں کی ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ❊

ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار

ترجمہ اے ہمارے پروردگار ہم نے سنا کہ ایمان کے لئے ایک پکارنے والا یوں پکارتا تھا کہ (اے لوگو) تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے پس اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخشدے اور ہماری بُرائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے ❊

تفسیر اور یہ بھی اُنہیں عقل والوں عبرت پکڑنے والوں کی اللہ کے دربار میں عرض بیش ہوتی رہتی ہے کہ بارخدایا تیری طرف پکارنے والے رسول کی ہمنے حکم برداری کی اور تجھپر اور تیرے رسول پر ایمان لائے ہمارے گزشتہ قصور اور خطائیں معاف کر اور مرنے کے بعد ہمکو نیکوں کے ساتھ رکھ ❊

ربنا واتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد

ترجمہ اور اے ہمارے پروردگار تو نے جو کچھ اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے وعدہ کیا تہا وہ ہمکو (پورا کر) دے اور قیامت کے دن ہم کو رسوا کر بیشک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ❊

تفسیر اور اہل عقل کی بارگاہ الٰہی سے یہ بھی گزارش رہتی ہے کہ بارخدایا اپنے رسولوں کی زبانی جو کچھ وعدہ تو نے ہم کو دیا ہے ہم کو اُسی وعدہ کا مستحق رکھ اور ہم سے ایسے حرکات سرزد ہونے دے جنکی وجہ سے ان انعامات کے وعدہ کے مستحق نہ ہیں اے بارخدایا اور ہمکو قیامت کے دن ذلیل مت کیجیو ہمارا اس پر ایمان ہے کہ تیرے سب وعدے سچے ہیں ❊

فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھر ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب

ترجمہ پس اُن کے پروردگار نے اُن (کی دعا) کو قبول کیا (اور کہا ہماری عادت ہے) یہ کہ ہم تم میں سے (کبھی) کسی محنت کرنیوالے کی محنت ضائع نہیں کرتے مرد ہو یا عورت (اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کیونکہ) تم ایک دوسرے (کی جنس) سے ہو تو جن لوگوں نے (مکہ سے مدینہ کو) ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دئے گئے اور ہماری راہ میں (قسم قسم کی) تکلیفیں دئے گئے اور (کافروں سے) جنگ کی اور شہید ہوئے البتہ ہیں ان سے اُن کے گناہ دور کر دونگا اور بیشک میں اُن کو (جنت کے) باغوں میں جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل کر دونگا (یہ) اللہ کے ہاں سے (اُن کو) بدلا ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے ❊

تفسیر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اہل عقل کی سب گزارشیں منظور کرلیں کہ ان میں کسی کی نیکی ضائع نہیں کرونگا

بلکہ اُن کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جنکے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اُن کے اعمال کی جزا ہے اور اس سے بہی اچھی جزا خدا کے پاس موجود ہے کیونکہ میری خوشنودی کے لئے اُنہوں نے اپنے گھربار چھوڑے اور بُرا بہلا مخالفوں سے سنا اور تکلیفیں دئے گئے اور جہاد کئے اور قتل ہوئے یہ سب باتیں دلیل ہیں اُن کے اخلاص کی اور خدا کو بہی اخلاص ہی منظور ہے

لا یغرنک تقلب الذین کفروا فی البلاد متاع قلیل ثم ماوٰهم جهنم وبئس المهاد۝

ترجمہ (اے محمد) کافروں کے شہروں میں (تجارت کے لئے) آمدورفت (اور اُن کی فارغ البالی) اُنہیں دہوکے میں نہ ڈالے (یہ) تو فقط تہوڑی (سی) پونجی ہے پھر اس کے بعد اُنکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا (ہی) بُری جگہ ہے ۔

تفسیر اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی بہت بڑی ثروت والا ہو تو یہ ثروت اوسکی قبولیت کی دلیل نہیں دنیا چندروزہ جگہ ہے نہ اوسکی تکلیفیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور نہ یہاں کی عیش و عشرت کو کچھ پائداری ہے کفار کا انجام عاقبت میں یہ ہے کہ ہمیشہ بُری جگہ یعنے دوزخ میں مقیم رہیں گے نجات کی کوئی صورت نہو گی ۔

لکن الذین اتقوا ربهم لهم جنت تجری من تحتها الانهر خالدین فیها نزلا من عند الله وما عند الله خیر للابرار۝

ترجمہ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اُن کے (رہنے کی) لئے باغات ہوں گے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں (وہ) ابدالآباد اُسمیں رہیں گے (یہ) اللہ کے ہاں سے (اُن کی) مہمانداری ہے اور جو (ثواب) اللہ کے ہاں سے نیکوں کے لئے ہے وہ دنیا کی پونجی سے کہیں (بہتر ہے) ۔

تفسیر جب دوزخیوں کا ذکر کیا تو اُن کے بعد پھر تسکین دلانے کے لئے اہل ایمان کی جنت کا ذکر کیا اور مومنوں کی جزا کا نام اللہ نے مہمانی رکہا ہے تاکہ اُن کی عزت بڑہے ۔

وان من اهل الکتب لمن یؤمن بالله وما انزل الیکم وما انزل الیهم خاشعین لله لا یشترون بایات الله ثمنا قلیلا

اولئک لهم اجرهم عند ربهم ان الله سریع الحساب۝

ترجمہ اور بیشک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بہی ہیں جو خدا پر اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا (یعنے قرآن) اور جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ایمان لاتے ہیں خدا کے آگے سر جہکائے ہوئے ہیں اللہ کی آیتوں کے بدلے تہوڑے دام نہیں لیتے یہی ہیں جن کیلئے اُن کا بدلہ اُن کے پروردگار کے ہاں ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۔

تفسیر اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ اہل کتاب میں بھی بعض ایسے لوگ ہیں جو کہ دنیا کے لالچی نہیں بلکہ پکے ایماندار ہیں قرآن پر اور باقی سب آسمانی کتابوں پر اُن کا ایمان ہے اور اُن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ یہ لوگ بہی بیشک ثواب کے مستحق ہیں ۔

یا ایها الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلکم تفلحون۝

ترجمہ اے ایمان والو (دین کی تکلیفوں پر) صبر کرو اور (مصائب جہاد کو) برداشت کرو اور جہاد کیلئے تیار رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم مراد کو پہنچو

تفسیر اس آیت بطور اجمال کے اللہ تعالیٰ نے سب اصول استقامت کے بیان فرما دئے یعنے جو لوگ اپنا انجام اچھا چاہتے ہیں اُن کو اسلام کے اعمال پر پابندی اور مصائب پر صبر کرنا چاہیئے اور دشمن کے مقابل میں ثابت قدم رہنا اور ہر وقت تقویٰ کو مدنظر رکہنا چاہیئے یہ فلاح کی صورتیں ہیں اور یہ نہیں تو فلاح و نجات مشکل بلکہ محال ہے صحیح حدیثوں میں آیا ہے

کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور ان فی خلق السموٰت والارض ختم آیۃ تک پڑھتے تھے ان آیتوں کی بڑی فضیلت آئی ہے اور یہ گویا خاتمہ ہیں آل عمران کا اور اول میں اس سورت کے بھی اسم اعظم ہے تو اس سورت کی فضیلت کی دلیل یہ دو آیتیں بھی ہوئیں واللہ اعلم۔

سورۃ النساء

یہ سورۃ مدنی ہے اور اسکی ایک سو چھتر آیتیں ہیں

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تسائلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا ۝

ترجمہ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم (سب) کو ایک شخص (یعنے آدم) سے پیدا کیا اور ان (کی بائیں پسلی) سے اُن کی بی بی (حوا) کو پیدا کیا اور (بعد ازاں) اُن دونوں (میاں بی بی) سے بہت سے مرد و عورت پھیلائے اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے (نام کے) وسیلہ سے (آپس میں) ایک دوسرے سے مانگتے ہو (اور قطع) قرابت سے (بھی ڈرو) بیشک اللہ تمہارا نگہبان ہے۔

تفسیر ابن عباس سے مروی ہے کہ یاایھا الناس کا خطاب مکہ میں اہل مکہ پر واقع ہوا ہے گویا یاایھا الناس والی سب آیتیں مکی ہیں۔ اور اصول کے اعتبار سے خطاب عام ہے اور نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور اُن کی بائیں پسلی میں سے اُن کی بیوی حوا کو پیدا کیا اور اُن دونوں میں سے بیشمار مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اسلئے اسکی عادتیں بھی ٹیڑھی ہوتی ہیں اگر اُسے سیدھا کرنے لگے گا تو اُسے توڑ بیٹھے گا اور اگر ویسا ہی ٹیڑھا رہنے دے گا تو اپنا کام بقدر ضرورت نکال لیگا اور کجی اُس میں ویسی ہی رہے گی۔ اور آدم علیہ السلام کی پیدائش معلوم ہے کہ مٹی سے ہوئی ہے۔ عقل میں ایسی قدرت نہ تھی کہ یہ معلوم کرتی کہ سب مخلوقات ایک ہی چیز سے پیدا ہوئی ہے یہ علم بذریعہ وحی ہوا ہے۔ اور جب تمام آدمیوں کا پیدا ہونا ایک آدمی سے ثابت ہوا تو سب مخلوق کے لئے ایک خالق ہونا بھی ثابت ہو گیا اور یہی توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک اللہ واحد سے ڈرو اور قطع رحمی سے بھی بچو کیونکہ تم سب ایک جنس ہو اور ہمجنسوں کا الگ ہونا سخت نازیبا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توحید اور اتحاد کا حکم دیا ہے اور دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ رقیب کے معنے ہیں محافظ اور گھاتی۔

وآتوا الیتامی اموالہم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالہم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا ۝

ترجمہ اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں) انکا مال دیدو اور حرام (مال) کو حلال (مال) کے ساتھ نہ بدلو اور اُن کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ (ملاکے) نہ کھاؤ بیشک بڑا گناہ ہے۔

تفسیر جسکا باپ مرجاوے اُسکو یتیم بولتے ہیں اور اصل میں یتیم اکیلا ہونے کو کہتے ہیں اسی واسطے رانڈ کو بھی یتیمہ کہتے ہیں اور سیپ میں اکیلا موتی جو پیدا ہوتا ہے اُسکو بھی دریتیم کہتے ہیں۔ سو یتیم جسکی پرورش میں ہو اُسکے پرورش کرنے والے کو چاہیئے کہ اُسکے مال کو محفوظ رکھے اور اُسے نہ کھاوے نہ غتر بود کرے اور یتیم کے حوالے بھی نہ کرے جبتک کہ وہ ہوشیار نہ ہو جاوے جب اپنی مصلحتوں سے واقف ہو جاوے اور اپنے کام انتظام سے کر سکے اسوقت اسکا مال

اُسکے حوالے کرنا چاہیئے اور یہ ضرور نہیں کہ یتیم بالغ ہونے سے ہوشیار ہو جاوے بلکہ اگر بالغ ہو کر بھی ہوشیار نہ ہوا تو یتیمی اس سے زائل ہوگی اور یتیم کے مال ظلم سے کہانے والوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا اس سے بڑہکے اور کیا وعید ہو سکتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُسکو سوائے یتیم کے اوروں کے لئے خبیث فرمایا ہے اگر ظلم سے کھایا جاوے اور اللہ تعالیٰ نے صریح اُسکو گناہ کبیرہ بتایا ہے جیسے کہ آیت میں ہے ؛

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتٰمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنٰی ان لا تعولوا وآتوا النساء صدقاتهن نحلة فان طبن لکم عن شیء منه نفسا فکلوه هنیئا مریئا

ترجمہ اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں (سے نکاح کروگے تو اُن کے حق (میں انصاف نہ کرسکوگے تو دو دو تین تین چار چار عورتوں سے جو تمہیں بھلی معلوم ہوں نکاح کرو پھر اگر تمہیں (اس پر بھی) ڈر ہو کہ (کئی عورتوں میں) تم انصاف نہ کرسکوگے تو ایک ہی (بس ہے) یا (لونڈی) جسکے تمہارے ہاتھ مالک ہوں یہ بے انصافی کرنے کے لئے بہت قریب ہے اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشدلی سے دو پھر اگر وہ اُس میں سے بخوشی تمہارے لئے کچھ چھوڑدیں تو اُسکو شوق سے خوش ہوکے کھاؤ ؛

تفسیر لفظ اقساط اور قسط دونوں کے معنے انصاف کے ہیں لیکن جب اُن کا فعل مجرد استعمال کیا جاویگا تو بمعنے ظلم ہوگا اور جب اسکو باب افعال میں لیجاوینگے تو بمعنے انصاف کرنے کے ہوگا۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی کسی متولی کی پرورش میں ہوتی ہے اور مالدار ہوتی ہے تو وہ متولی اُس سے بعد بالغ ہونے کے نکاح کرنا چاہتا ہے تاکہ اُسکا مال اُسکے تصرف میں آئے اور اُسکے ساتھ کج ادائیوں سے پیش آتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ میرے قبضہ میں ہے اور اسکے مہر میں بھی کمی کرتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس ظلم سے منع فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ عدل کا برتاؤ نہ کرسکو تو انکے سوا اور لڑکیوں سے شادی کرو اور بے انصافی سے پرہیز کرو۔ اور نکاح کرنے میں تمکو چار بیبیاں جائز ہیں اس سے زیادہ نہیں اور اگر چار یا تین یا دو میں انصاف نہ برت سکو تو ایک ہی پر کفایت کرو اور اگر اصیل عورت سے بھی کماحقہ انصاف نہ برت سکو تو لونڈی خرید کر رکھ لو اور یہ بھی ارشاد ہے کہ نہایت خوشی و رضامندی اور آسانی سے اپنی بیبیوں کو مہر دیا کرو۔ یہ نہیں کہ مہر باندہتے وقت ناموری کے لئے اپنی حیثیت سے بھی زیادہ ہزاروں لاکھوں کا مہر باندہ دیا اور دینے کے نام آدہی دمڑی بھی نہیں۔ مہر اتنا باندہنا چاہیئے جو ادا ہو سکے اور اگر بیوی خود مہر معاف کردے تو مضائقہ نہیں وہ تمہارے لئے مال طیب ہے خوشگواری سے اسکو کھاؤ ؛

ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوهم فیها واکسوهم وقولوا لهم قولا معروفا ؛

ترجمہ اور تم اپنے (وہ) مال بے وقوفوں کو نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے ذریعہ معاش کیا ہے اور انکو اس مال میں سے جو تجارت کرنے سے نفع میں ملا ہے) کھلاؤ اور اُنہیں پہناؤ اور گفتگو کرو ؛

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ یتیموں کے متولیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ نابالغ یتیموں کے حوالے انکے مال برباد کرنے کے لئے مت کرو بلکہ اُن کو کھلاؤ پلاؤ اور اُن کو عقل کی باتیں سمجھاؤ اسلئے کہ مال ہی سے آدمیوں کی معیشت چلتی ہے۔

وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفیٰ باللہ حسیبا ہ

ترجمہ اور یتیموں (کے حالات) کو آزمایا کرو یہاں تک کہ جب وہ شادی (کے سن کو) پہنچیں، پھر اگر تم اُن میں (ہوشیاری اور حسن تدبیر دیکھو تو اون کے مال اون کے حوالے کردو اور اوس (مال) کو فضول (خرچ کرکے) نہ کہاو اور اس جلدی میں کر دکہیں یہ بڑے ہوجائیں (تو ہم سے مال لے لیں گے) اور جو (اُن میں) مالدار ہو تو (اُسے) چاہیے کہ وہ الگ رہے اور جو محتاج ہو تو وہ جبی طور سے کہائے پھر جب تم اُن کے مال اُن کے حوالے کرو تو (کسی کو) ان پر گواہ کرلیا کرو اور (یوں تو) حساب لینے کو اللہ ہی کافی ہے

تفسیر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یتیم تمہاری زیر پرورش ہوں اُن کو جانچتے رہا کرو حد بلوغ تک اگر بالغ ہوکر اُن میں عقل آجاوے تو اون کے مال اُن کے حوالے کردو اور یہ مت کرو کہ اُن کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی اُنکے مال کہا اوڑادو - بلکہ یتیم کے مال سے بہت پرہیز کرنا چاہیئے اگر اُسکا متولی غنی ہے تو ہرگز یتیم کے مال میں سے کچھ نہ کہائے اور اگر فقیر ہے تو بقدر سدرمق و بمقتضائے اجرت اوس سے کہاوے اور جب یتیموں کے مال اُنکے حوالے کرنے لگو تو کسیکو اوپر گواہ کرلیا کرو ؎

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا ہ

ترجمہ ماں باپ اور (خویش) و اقارب کے ترکہ میں سے حصہ ہے مردوں کا اور (علی ہذا القیاس) عورتوں کے لئے (بھی) جو (مال) ماں باپ اور (خویش) و اقارب چھوڑ گئے ہیں اُس میں سے حصہ ہے (ہماری طرف سے) مقرر کیا ہوا وہ (مال متروکہ) تھوڑا ہو یا بہت (بہرحال) اوس سے (ہر ایک کا) حصہ مقرر کیا ہوا ہے ؎

تفسیر اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اوس بن ثابت انصاری تین بیٹیاں اور ایک بیوی چھوڑ مرے تو اوسکے دو چچازاد بھائی آئے اور مطابق وصیت اپنے بہائی کے سب مال کو لے گئے تو اُس کی بیوی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے خاوند کے دونوں وصیوں نے نہ تو مجھے کچھ دیا اور نہ میری بیٹیوں کو کچھ دیا بلکہ سارا مال میرے خاوند کا خود ہی سمیٹ لیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو اپنے گھر جا تاکہ میں دیکھوں کہ اللہ تعالیٰ تیری شان میں کیا حکم بھیجتا ہے - تب یہ آیت نازل ہوئی - یعنے جو کوئی مرے اوس کے وارثوں میں مردوں اور عورتوں کو سب کو حصہ ملتا ہے - خواہ مال تھوڑا ہو خواہ زیادہ ہو - لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی کے حصہ کی مقدار بیان نہیں فرمائی تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کے وصیوں کی طرف حکم بھیجا ہے کہ اُسکے مال میں سے کچھ نہ چھوئیں پھر اسکے بعد یوصیکم اللہ آخر تک اُتری جس میں سب وارثوں کے حصوں کی مفصل مقدار موجود ہے - تب آپ نے حکم دیا کہ اسکے مال میں سے اوس کی بیوی کو آٹھواں حصہ ملنا چاہیئے اور اوسکی لڑکیوں کو دو تہائی مال کی اور باقی مال اُن دونوں چچازاد بہائیوں کا ہے ؎

واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا ہ

ترجمہ اور جب (مال متروکہ) تقسیم کرتے وقت قرابت دار (جنکا کوئی حصہ معین نہیں) اور یتیم اور محتاج آجایا کریں تو انہیں

(بھی) اس میں سے (کچھ) دیدیا کرو (تو بہتر ہے) اور (جب ترکہ بٹ چکے ہوں) تم ان کو نرمی سے (بطور عذر کے کوئی بات پیدا کرو یعنی)
ابھی تم اپنے ہی مالک نہیں بن سکتے ہو

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ وارثوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جب تم میں ترکہ تقسیم ہونے لگے اور اس حالت میں جو لوگ کہ وارث نہیں ہیں خواہ قرابت دار ہوں یا یتیم یا مسکین ہوں تو اُن کو بھی گو وارث نہیں اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق جو چاہو سو دیدیا کرو اور بہت نرمی اور خوبی سے اُن کو سمجھا دو کہ یہ مال وارثوں کا ہے تمہارا اس میں حق نہیں ہے اور یہ جو کچھ بھی تم کو دیا ہے بطور سلوک اور مروت کے دیا ہے

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا

ترجمہ اور چاہیئے کہ وہ لوگ (اللہ سے) ڈریں (اور خود اپنے دل میں خیال کریں کہ) اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد ننھے ننھے ناتوان بچے چھوڑ جائیں تو ان لوگوں کو کس طرح ان پر ترس آئے تو اُن کو چاہیئے کہ (غریب بچوں پر سختی کرنے میں) اللہ سے ڈریں اور چاہیئے کہ سچی تلی بات کہیں

تفسیر اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے کہ غیر وارثوں کو کچھ دیدینا اور خوبی کے ساتھ اُن کو سمجھانا یہ فائدہ رکھتا ہے کہ تمہاری اولاد بھی اگر یتیم رہجائے تو اُن کے ساتھ بھی دوسرے وارث ایسا ہی برتاؤ کریں گے اور اگر تم اُن سے کج ادائی سے پیش آؤ گے تو تمہاری اولاد کی بھی یہی گت ہو گی اسلئے خدا سے ڈرنا چاہیئے اور کسی کو بُرا بول نہ سنانا چاہیئے

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا

ترجمہ بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق (اور ناجائز طریقہ سے) کھاتے ہیں وہ سوا اسکے نہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور (عنقریب وہ) دوزخ میں پڑیں گے

تفسیر یتیموں کے بارے میں پہلے بھی آیت گزر چکی ہے اور پھر اسکی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اُتارا ہے یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ مال نہیں کھاتے گویا آگ کھا رہے ہیں اسلئے کہ وہ ضرور دوزخ کی آگ میں جلیں گے۔ سدی کہتے ہیں کہ جو شخص ظلم سے یتیم کا مال کھاتا ہے جس روز قبر سے اُٹھے گا اُسکے مونہ سے آگ کا شعلہ نکلتا ہوا دکھائی دیگا۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ معراج کی رات کو میں نے ایسے لوگ دیکھے کہ جنکے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی برابر تھے اور ایک ایسا شخص اُن پر مسلط تھا کہ اُن کے ہونٹ پکڑ کے اُن کے مونہوں میں آگ کا دہکتا ہوا پتھر ڈالتا رہتا تھا اور یہ حال تھا کہ اُدھر مونہ میں ڈالا اُدھر نیچے سے نکلا تو میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو اُس نے کہا کہ یہ لوگ لوگوں کے مال ظلم سے کھاتے تھے اسکی سزا انکو مل رہی ہے

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک وان کانت واحدۃ فلھا النصف

ترجمہ اللہ تمہاری اولاد کے (بارہ) میں تم کو حکم کرتا ہے کہ (ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے پس اگر میت کی اولاد لڑکیاں ہی) لڑکیاں ہوں دو سے زیادہ تو انکو مال متروکہ کی دو تہائی (کا استحقاق) ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو (مال متروکہ میں سے) اسکے لئے نصف ہے

تفسیر جاہلیت کے زمانے میں لوگ آپس میں دو طریق سے وارث ہوتے تھے ایک قرابت دوسرا عہد۔ اور قرابت کی وراثت کا

یہ حال تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وارث نہیں بناتے تھے یعنے ترکہ کے مال سے یہ محروم رہتے تھے صرف وہ مرد جو گھوڑوں پر چڑھ کر لڑتے تھے اور مال غنیمت لوٹ کے لاتے تھے وہی وارث ہوتے تھے ٭

اور عہد کی وراثت بھی دو طرح سے تھی ایک حلف سے اور اُسکی صورت یہ تھی کہ جاہلیت کے زمانہ میں ایک آدمی اپنے رفیق سے کہتا تھا کہ تیرا خون میرا خون ہے اور تیرا ہلاک ہونا میرا ہلاک ہونا ہے اور تو میرا وارث ہے اگر میں پہلے مرگیا اور میں تیرا وارث ہوں اگر تو مجھسے پہلے مرا اور تو مجھسے بدلے اور میں تجھسے بدلوں گا اسطرح کا دونوں میں اقرار ہو جاتا تھا تو جو ان دونوں میں سے پہلے مرتا تھا دوسرا اُسکا وارث ہوتا تھا دوسری تبنی یعنے جاہلیت میں بعض لوگ غیر کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیتے تھے پھر وہی لوگ اُن لڑکوں کے باپ کہلاتے تھے اور وہ لڑکے اُنہیں کی اولاد مشہور ہو جاتے تھے اور یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہے پھر جب آنحضرت (محمد صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اول آپ نے اُن لوگوں کو وہی اسی حالت پر رہنے دیا بلکہ بعض علما کہتے ہیں کہ خود اللہ تعالی نے اُن کو اسی حالت پر برقرار رکھا چنانچہ فرماتا ہے ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون اس سے مراد قرابت کی وراثت ہے اور فرماتا ہے والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم اس سے مراد عہد سے وراثت ہونا ہے۔ حاصل یہ کہ جاہلیت کے زمانہ میں تو وارث اس طریق سے ہوتا جو کہ لکھا گیا ہے اور اسلام میں وراثت کے چار سبب ہیں دو تو ذکر ہو چکے یعنے حلف اور عہد جنکو اسلام نے اول اول برقرار رکھا تھا اور دو سبب اور زیادہ کردئے تھے ایک ہجرت یعنے ایک مہاجر دوسرے مہاجر کا وارث ہوتا تھا گو اجنبی ہو۔ دوم مواخات یعنے آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے کئی دو دو کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا سو اس طریق سے بھی ایک دوسرے کے وارث ہوا کرتے تھے۔ پھر اسلام نے ان سب اسباب کو منسوخ کرکے صرف تین سبب توریث کے قایم رکھے ایک نسب۔ دوسرا نکاح تیسرا ولاء۔ سو اول اللہ تعالی نے اولاد سے ابتدا کی اسلیئے کہ آدمی کا تعلق اپنی اولاد سے بہت ہی زیادہ ہوتا ہے چنانچہ اسی وجہ آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنی حضرت فاطمة الزہرا کے بارے میں فرمایا کہ فاطمة بضعة منی یعنے فاطمہ میرے بدن میں کی ایک بوٹی ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ اولاد کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ نری اولاد ہی میت کی وارث ہو دوسری یہ کہ اُن کے ساتھ والدین میں سے کوئی ایک ہو پھر نری اولاد کی تین حالتیں ہیں ایک یہ کہ نر مادہ دونوں طرح کی ہوں دوسری یہ کہ فقط مادہ ہی ہوں تیسری یہ کہ فقط نر ہی ہوں ٭

سو پہلی صورت کو صراحتہً اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے۔ اور اگر نری عورتیں ہی ہوں تو اُن کو بھی اس آیت میں ذکر کر دیا ہے خواہ ایک ہو یا دو سے زیادہ رہی دو سو اسمیں اختلاف ہے ابن عباسؓ دو کو نصف دلاتے ہیں ایک کی طرح اور باقی لوگ دو تہائی دلاتے ہیں ما فوق اثنتین کی طرح اور یہی مذہب راجح ہے اور جمہور نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اور تیسری صورت میں یعنے جب کہ نری نرینہ اولاد ہو تو اگر ایک ہی ہے تو سب مال وہی لے لیگا اور اگر کئی ہیں تو سب کو برابر حصہ ملے گا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے جیسے بیٹا بیٹی اولاد کہلاتے ہیں اسی طرح پوتا پوتی بھی اولاد کہلاتی ہیں لیکن اس میں بحث ہے کہ یہ استعمال حقیقی ہے یا مجازی بہر حال تفصیل پوتوں پوتیوں کی حدیث اور قیاس سے حاصل ہوتی ہے اور اجمالاً اس آیت سے معلوم ہوئی۔

سو پوتوں پوتیوں کا وارث ہونا دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک اسوقت جبکہ اولاد صلبی موجود نہو دوسری

اسوقت جبکہ اولاد صلبی کل مال کو نہ لے سکے لیکن جب اولاد صلبی موجود ہو اور وہ سب مال کو لے سکے تو اس حالت میں پڑتے پوتیاں بالکل محروم ہوں گی۔ اب جاننا چاہیے کہ یوصیکم اللہ فی اولادکم کا عموم چار صورتوں میں نہیں لیا جاتا۔ (۱) اصیل اور غلام آپس میں وارث نہیں ہو سکتے۔ (۲) قاتل عمد بھی وارث نہیں ہو سکتا (۳) کافر و مسلمان آپس میں وارث نہیں ہو سکتے (۴) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن شیعہ لوگ اسکو نہیں مانتے اور حق اہل سنت کی جانب ہے۔

اور فان کن نساء الخ سے یہ مراد ہے کہ نری بیٹیاں ہی ہوں بیٹا اُن کے ہمراہ نہو۔

ولابویہ لکل واحد منہما السدس مما ترک ان کان لہ ولد ج

ترجمہ اور میت کے والدین کو (یعنی) اُن میں سے ہر ایک کے لئے اگر میت کے کوئی اولاد ہے تو مال متروکہ میں سے چھٹا حصہ ہے۔

تفسیر ماں باپ کی تین حالتیں ہیں ایک حالت یہ کہ اُن کے ہمراہ میت کی اولاد بھی ہو خواہ نر ہو یا مادہ اور اسکی بھی تین صورتیں ہیں پہلی یہ کہ والدین کے ہمراہ نر اولاد ہو ایک یا زیادہ تو اس صورت میں والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ والدین کے ہمراہ میت کی دو بیٹیاں یا زیادہ ہوں تو اس صورت میں بھی چھٹا ہی حصہ ملے گا تیسری صورت یہ ہے کہ والدین کے ہمراہ میت کی صرف ایک ہی بیٹی ہو تو اس صورت میں بیٹی کو نصف مال ملے گا اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو ایک چھٹا حصہ بطور صاحب فرض ہونے کے اور دوسرا چھٹا حصہ بطور عصبہ ہونے کے ملے گا۔

فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث ج

ترجمہ اور اگر میت کے کوئی اولاد نہیں اور اُسکے (مال کے) وارث (صرف) اُسکے والدین ہوں تو اُسکی ماں کے لئے ایک تہائی ہے۔

تفسیر دوسری حالت ماں باپ کی یہ ہے کہ اُن کے ہمراہ میت کی کوئی اولاد نہو بلکہ صرف والدین ہی میت کے وارث ہوں تو اس حالت میں ماں کو تہائی ملے گی اور باقی مال باپ کا ہے بطور عصبیت کے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کا صرف باپ ہی وارث ہو تو وہ کل مال کا مالک ہو سکتا ہے۔ اور یہ حکم جب ہے کہ والدین کے ہمراہ کوئی دوسرا وارث نہو سو اگر میت کے والدین کے ہمراہ اُسکی بیوی یا خاوند ہو تو اس صورت میں اکثر صحابہ کا مذہب ہے کہ اول زوج یا زوجہ کو اُسکا فرض دیا جاوے پھر باقی مال کی تہائی والدہ کو دی جاوے پھر جو باقی بچے وہ باپ کو دیا جاوے اور ابن عباس رض کل مال کی تہائی والدہ کو دلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قرآن میں بچے باقی کی تہائی معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ ابن سیرین رح بھی ابن عباس رض کے موافق ہیں لیکن صرف اُس حالت میں کہ میت کے وارث ابوین اور زوجہ ہوں لیکن ترجیح اکثر صحابہ کے قول کو ہے۔

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس

ترجمہ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہیں تو اُسکی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

تفسیر ماں باپ کی تیسری حالت یہ ہے کہ والدین کے ہمراہ میت کے بھائی بہن بھی ہوں۔ اس حالت کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ والدین کے ہمراہ میت کی صرف ایک بہن ہو اس صورت میں بالاتفاق والدہ کے ثلث میں کمی نہیں آسکتی

دوسری صورت یہ ہے کہ تین بہنیں ہوں اس صورت میں بالاتفاق کمی ہوتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دو بہنیں ہوں اس میں اختلاف ہے اکثر صحابہ تو اسطرف گئے ہیں کہ کمی آسکتی ہے جیسے کہ تین سے آسکتی ہے اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کمی نہیں آسکتی جیسے کہ ایک سے نہیں آسکتی۔ لیکن جمہور نے ابن عباسؓ کے مذہب کو اختیار نہیں کیا

من بعد وصیۃ یوصی بہا او دینؕ

ترجمہ یہ (تقسیم) اُس وصیت کے (نافذ کرنیکے) بعد (ہے) جسکو (میت) نے کیا ہے اور (بعد) قرض (کے ادا کرنے کے) بعد ہے

تفسیر یعنے وارثوں کو میت کے مال میں سے یہ حصے اُس وقت ملیں گے کہ میت پر قرض نہیں ہے اور اگر میت پر اتنا قرض ہے کہ سب (مال) اُس میں مستغرق ہو سکتا ہے تو وارثوں کو ایک حصہ بھی نہیں ملے گا۔ اور اگر اتنا قرض ہے کہ ترکہ میں سے ادا کرنے کے بعد بھی کچھ مال بچ سکتا ہے تو اس صورت میں اس باقی مال کی تہائی میں میت کی وصیت جاری کی جاوے گی اور باقی کو حصہ رسد وارثوں پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لیکن یہ بھی جاننا چاہیئے کہ قرض سب ترکہ کو مستغرق کر سکتا ہے لیکن وصیت تہائی سے زیادہ میں جاری نہیں ہو سکتی۔

اٰباؤکم و ابناؤکم لا تدرون ایہم اقرب لکم نفعاً فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیماؕ

ترجمہ تمہارے باپ (ہوں) یا تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ (آخرت میں) تمہارے لئے اُن میں سے کون زیادہ نافع ہے (پھر) تم اپنی عقل سے کسی کو کیسا حصہ مقرر کر سکتے ہو لہذا ہر ایک کی میراث) اللہ کی طرف سے (مقرر کر دیگئی ہے بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا حکمت والا ہے ✦

تفسیر یعنے یہ سب مقداریں حصوں کی اُن منافع کی مقدار کے مقابل ہیں جو کہ وارثوں سے حاصل ہو سکتے ہیں جتنا نفع جس وارث سے پہونچ سکتا ہے اُسی کے مطابق ترکہ میں اُسکا حصہ اللہ نے مقرر کیا ہے اور اُن حصوں کے اندر جو حکمتیں خدا نے رکھی ہیں سب کو ہر ایک نہیں جان سکتا ✦

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لہن ولدٌ فان کان لہن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ یوصین بہا او دینؕ ولہن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلہن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بہا او دینؕ

ترجمہ اور نصف ملیگا جو تمہاری بیویاں چھوڑ مریں بشرطیکہ کوئی اولاد نہو (نہ تمہارے نطفہ سے اور نہ کسی اور شوہر سے) اور اگر اُنکے اولاد ہو تو تم کو اُن کے (مال) متروکہ میں سے چوتھائی کا استحقاق ہے (یہ تقسیم بھی) بعد اُس وصیت کے (نافذ کرنیکے ہے) جسکو وہ کہہ مری ہوں اور اُنکے قرض کے (ادا کرنے کے بھی بعد ہے) اور جو (مال) تم چھوڑ کر مر جاؤ اس میں سے تمہاری بیویوں کو چوتھائی کا استحقاق ہے اگر اولاد نہو اور اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو اُن کو تمہارے (مال) متروکہ میں سے آٹھواں حصہ ملیگا (یہ تقسیم بھی) اُس وصیت کے (نافذ کرنے کے) بعد ہے جسکو تم کہہ مرو اور (تمہارے) قرض کے ادا کرنے کے بھی بعد ہے ✦

تفسیر اللہ تعالیٰ نے وارثوں کی ترتیب نہایت اعلیٰ درجہ کی عمدگی کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور اُسکی صورت یہ ہے کہ وارث کا تعلق میت سے یا تو بلا واسطے ہوگا یا واسطے کے ساتھ۔ اور بلا واسطے تعلق کا سبب یا نسب ہوگا یا زوجیت تو اس جگہ وارثوں کی تین قسمیں حاصل ہوئیں اُن میں سے سب سے اعلیٰ قسم اتصال نسبی بلا واسطے ہے اور یہ تعلق ولادت کے سبب تعلق اولاد کا ماں باپ سے اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اولاد کا حکم بیان فرمایا دوسرا

تعلق بلا واسطہ بطریق زوجیت اسکا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے نیز التعلق بالواسطہ ہے اور وہ تعلق کلالہ کا بیت ہے۔ اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے موجب نسبی میں مرد کو بنسبت عورت کے دوہرا حصہ دلایا ہے اسی طرح موجب سببی میں بھی مرد کا عورت سے دوہرا حصہ مقرر ہے اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی کی بیوی مرجاوے تو خاوند اُسکو غسل دے سکتا ہے اور وہ خاوند کی زوجیت سے باہر نہیں ہوئی گو خاوند کا اُس سے جماع کرنا حرام ہے کیوں کہ حیض و نفاس کی حالت میں بھی جماع حرام ہے اور نیز جماع کا فائدہ مفقود ہے اور نیز اس آیت سے مردوں کی فضیلت عورتوں پر ثابت ہوئی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے احکام بطریق خطاب ذکر فرمائے ہیں اور عورتوں کے احکام بطریق غیبت ✦

وان کان رجل یورث کلٰلۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت فلکل واحد منھما السدس فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین غیر مضار وصیۃ من اللہ واللہ علیم حلیم ✦

ترجمہ اور اگر کوئی مورث مرد یا عورت کلالہ ہو اور اُسکے ایک (اخیافی) بھائی یا ایک (اخیافی) بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کو (اُس کلالہ کے مال سے) چھٹا حصہ پانے کا (استحقاق) ہے اور اگر یہ (اخیافی بھائی بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو سب (مال متروکہ کی) تہائی میں شریک ہیں (یہ تقسیم بھی) بعد اُس وصیت (کے نافذ کرنے) کے ہے جو کیجائے اور قرض کے (ادا کرنے) کے بعد ہے بشرطیکہ وہ وصیت (وارثوں) کو ضرر پہنچانیوالی نہ ہو (یہ) حکم اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔

تفسیر یہ آیت تیسری قسم کے وارثوں کے بیان میں ہے یعنے کلالہ کے بارے میں اور کلالہ اُس وارث کو کہتے ہیں جو کہ ماں باپ اور اولاد کے سوا ہو۔ اور باجماع تمام مفسرین اسجگہ اخ اور اخت اخیافی مراد ہیں عینی اور علاتی مراد نہیں ہیں اور اُن میں تذکیر اور تانیث کا لحاظ نہیں ہے بلکہ سب کو حصہ ملے گا۔ ایک کے لئے چھٹا حصہ اور ایک سے زیادہ کے لئے تہائی۔ اس سے زیادہ اُن کو نہیں ملسکتا۔ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ناجائز وصیت کی بدولت کسی وارث کو ضرر پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ بعض آدمی ستر برس تک جنت کے عمل کرتا رہتا ہے جب وصیت میں ظلم کرتا ہے دوزخیوں میں اُسکا نام درج کردیا جاتا ہے اور بعض آدمی دوزخیوں کے عمل کرتا رہتا ہے لیکن جب وصیت میں انصاف کرتا ہے جنتیوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی وارث کو اُسکے حصے سے محروم کریگا اللہ تعالیٰ اُسکو جنت سے محروم کریگا ✦

تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنٰت تجری من تحتہا الانھر خٰلدین فیھا وذلک الفوز العظیم ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خٰلدا فیھا ولہ عذاب مھین ۝

ترجمہ یہ (میراث کی قسمیں) اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول کی فرمانبرداری کریگا (اور ان حدوں سے آگے قدم نہ رکھیگا) اللہ اُس کو ایسے باغات میں داخل (و قابض) کریگا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں (وہ) ہمیشہ اُن (باغات) میں رہیں گے اور یہ (تو ایک) بہت بڑی کامیابی ہے اور جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کریگا اور اُسکی (مقرر کی ہوئی) حدوں سے نکل جائیگا (تو اللہ) اُس کو نار (جہنم) میں ڈالدیگا (وہ) ہمیشہ اُس میں پڑا رہے گا اور اُسکے لئے ذلیل کرنیوالا عذاب ہے۔

تفسیر یعنے اللہ تعالیٰ کے احکام خواہ میراث کے بارے میں ہوں یا اور کسی بارے میں ہوں یہی اُسکی حدود ہیں اُن میں اُسکا مطیع جنتی ہوگا اور نافرمان دوزخی ہوگا۔ سب مدار اطاعت پر ہے ✦

واللاتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعة منکم فان شہدوا فامسکوہن فی البیوت حتی یتوفٰہن الموت او یجعل اللہ لہن سبیلا

ترجمہ اور تمہاری عورتوں میں سے جو (کمبخت) برا کام کریں تو اپنے لوگوں میں سے چار (مردوں) کو ان (کے اس برے کام) پر گواہ کرلو پھر اگر وہ (حاکم کے سامنے) گواہی دیدیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں قید کردو یہاں تک کہ موت اُن (کی عمر) کو تمام کردے یا اللہ اُن کے لئے کوئی (اور) سبیل نکالے ✦

تفسیر فاحشہ بدفعلی اور بیحیائی کے کام کو کہتے ہیں۔ رجم (سنگسار کرنے) اور جلد (دُرے مارنے) کا حکم ابھی نہیں اُترا تھا اسلئے یہ حکم ہوا کہ چار گواہوں کے ذریعہ سے جب اُن کی بیحیائی ثابت ہوجائے تو اُن کو قید رکھو یہاں تک کہ گھر ہی کے قیدخانے میں مرجائیں اور یا اللہ اُن کے لئے کوئی اور صورت نکالے چنانچہ پھر تفصیل حکم اُترا کہ نکاح والے زانی آدمی کو سنگسار کیا جاوے اور کنوارے کو دُرے مارے جاویں۔ اور زنا میں مرد عورت دونوں کی سزا ایک ہے ✦

واللذان یأتیانہا منکم فاٰذوہما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنہما ان اللہ کان توابا رحیما ۝

ترجمہ اور تم میں سے وہ دو (یعنے مرد وعورت) جو اس (برے کام) کو کریں تو اُن دونوں کو (خوب) تکلیف دو پھر اگر توبہ کریں اور اچھے کام کرنے لگیں تو اُن کی تکلیف دہی سے اعراض کرو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ✦

تفسیر صرف عورتوں کے بارے میں حبس کا حکم اُترا تھا اور مردوں کا کچھ ذکر پہلی آیت میں نہ تھا اس آیت میں مرد اور عورت دونوں کو عار دلانا اور سرزنش اور ملامت کرنے کا حکم بھی دیا ہے لیکن مارپیٹ کا حکم اس میں نہیں نکلتا کیونکہ اس آیت میں بھی مفصل حکم کسی کے حق میں نہیں ہے۔ اور بعض مفسرین اسطرف گئے ہیں کہ پہلی آیت چھپی کھیلنے والی عورتوں کے بارے میں ہے اور یہ آیت لواطت کرنے والے مردوں کے بارے میں ہے واللہ اعلم اور تائب کے قصور معاف ہیں

انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالة ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم وکان اللہ علیما حکیما

ترجمہ مگر یہ سمجھ لو کہ) اللہ پر صرف اُن ہی لوگوں کی توبہ (قبول کرنیکا وعدہ) ہے جو نادانستگی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر جلدی سے توبہ کرلیتے ہیں اللہ جن کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ✦

تفسیر اس آیت سے پہلی آیت میں جو یہ مضمون درج تھا کہ تائب کے قصور معاف ہیں اُسکی تفصیل اس آیت میں یوں آئی ہے کہ توبہ سچی ہو اور فوری ہو یہ نہیں کہ پھر کسی وقت کریں گے ✦

ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدہم الموت قال انی تبت الاٰن ولا الذین یموتون وہم کفار اولئک اعتدنا لہم عذابا الیما

ترجمہ اور جو لوگ (ہمیشہ برے کام) کیا) کرتے ہیں یہاں تک کہ جب اُن میں (سے) کسی کی موت (قریب) آئی تو کہنے لگا کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اُن لوگوں کی توبہ (قبول کرنے کا وعدہ) نہیں ہے اور نہ اُن لوگوں کی توبہ قبول کرنیکا وعدہ ہے جو کفر کی حالت میں مرجائیں یہی لوگ ہیں جنکے لئے ہمنے تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر اس آیت میں فوری توبہ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ موت کے آثار نمودار ہونے سے پہلے توبہ کرے یہ نہیں کہ جب مرنے لگے

آثار معلوم ہونے لگے تب توبہ کرنے ایسے وقت میں توبہ مقبول نہیں ہوتی ہاں ایسی حالت میں اُس شخص کی توبہ مقبول ہو سکتی ہے جو کہ ہمیشہ توبہ کرنے کا عادی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ اپنی قصورواری کا اعتراف کرتا رہتا ہے تو یہ توبہ گویا اُسکی شان عبادت ہے۔ اور جو کہ ہمیشہ غفلت اور فسق و فجور میں مشغول رہا یہاں تک کہ جب اُسکو زندگی سے ناامیدی ہونے لگی تب اُسکو توبہ یاد آئی اور جو کہ کفر کی حالت پر مرا ہو ان سب کی توبہ نامقبول ہے اور سخت سزا کے مستحق ہیں

یا ایها الذین امنو لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اتیتموهن الا ان یاتین بفاحشة مبینة

وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسى ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا

ترجمہ اے ایمان والو تمہیں یہ (کسی طرح) جائز نہیں ہے کہ (اپنے متوفی مورث کی) عورتوں کے (بھی) زبردستی وارث بن جاؤ اور نہ تمہیں یہ اختیار ہے کہ اُن کو کسی اور سے نکاح کرنیکو صرف اسلئے منع کرو کہ جو تم نے اُنہیں دیا ہے اُسکا کچھ (حصہ) دبا رکھو (ہاں) اگر وہ کوئی بُرا کام کریں (تو بیشک تمہیں اُنکے روکنے اور منع کرنے کا اختیار ہے) اور اُن (عورتوں) سے اچھا معاملہ کرو اور اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تب بھی صبر کرو اس لئے کہ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں تمہارے لئے بہت بہتر کر دے۔

تفسیر جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی آدمی مرتا تو اُسکی موجودہ بیوی کے سوا اور بیوی کے پیٹ کا بیٹا جو کہ میت کے نطفہ سے پیدا ہوا آتا تھا یا کوئی اور قرابتی شخص آکر موجودہ بیوی پر کپڑا ڈالتا تھا تو اس فعل سے وہ اُسکا وارث ہو جاتا تھا یعنے چاہے تو وہ اُس بیوی کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیوے خواہ نہ دیوے بغیر اُسکی اجازت کے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ اُسکا مالک ہو چکا ہے گویا جس طرح ترکہ بطور وراثت کے وارث کی ملک میں ہو جاتا ہے اسی طرح اُسکی بیوی بھی اُس وارث کی ملک ہو جاتی تھی اس حرکت سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ یہ ظلم ہے۔ اور اس طرح بھی ہوا کرتا تھا کہ جو شخص میت کا وارث ہوتا تھا اُسکو اختیار ہوتا تھا کہ میت کی بیوی کو دوسرا نکاح نکرنے دے اس غرض سے کہ اگر یہ دوسرا نکاح کریگی تو اُسکا مال ہاتھ سے نکل جائیگا اس طرح سے اُن بیچاری عورتوں کا مال کھانے سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے ہاں اگر اُن سے کوئی صریح بیحیائی کا فعل سرزد ہو تو بیشک اُن کو روک رکھو بطور قید کے تاکہ اُن کو تنبیہ ہو اور تم اگر اُن سے نکاح کر سکو باین طور کہ اگر نکاح اُن کا تم پر حرام نہو تو باقاعدہ اُن سے عقد نکاح کا کر لو اور حتی الامکان اُن کی ناگوار باتوں پر صبر کرو لیکن ظلم سے ان کا مال مت کھاؤ۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا اتاخذونه بهتانا واثما مبینا

وکیف تاخذونه وقد افضى بعضکم الى بعض واخذن منکم میثاقا غلیظا

ترجمہ (اے مسلمانو) اگر تم ایک بی بی (کو طلاق دیکر) اُس کی جگہ دوسری بی بی تبدیل (یعنے دوسری سے نکاح) کرنا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو، جسے طلاق دینا چاہتے ہو، بہت (کچھ مال) دیچکے ہو تو اُس (دئے ہوئے مال) میں سے کچھ واپس نہ لو کیا صریح ناحق اور زبردستی اُس کو چھین لوگے اور تم اُس کو کیسے لے سکتے ہو حالانکہ بیشک تم میں کا ایک دوسرے سے خلوت کر چکا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکے ہیں۔

تفسیر جاہلیت کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی پہلی منکوحہ کو ناپسند جانکر چھوڑنا چاہتا تھا تو اُسکو تہمت کا الزام لگاتا تھا تاکہ وہ تنگ آکر خلع کرے پھر دوسری عورت سے نکاح کر لیتا تھا اس ناشائستہ حرکت سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے

کیونکہ منکوحہ سے وہ صحبت کر چکا ہے اور مہر گویا صحبت ہی کی قیمت ہوتی ہے پھر اُسکو طلاق دینے کے وقت کیونکہ اُس سے مہر واپس لے سکتا ہے یہ بہت بھاری ظلم ہے کیونکہ صحبت صحیحہ مہر کو واجب کر دیتی ہے ۔

ولا تنکحوا ما نکح اٰباؤکم من النساء الا ما قد سلف ط انہ کان فاحشۃ ومقتا ط وساء سبیلا ہ

ترجمہ اور (اے مسلمانو) جن عورتوں سے تمہارے باپ (دادا وغیرہ) نکاح کر چکے ہوں اُن سے تم (اپنا) نکاح نکرو مگر یقیناً جو گزر چکا (وہ معاف ہے) بیشک یہ بُرا ناپسند (کام) ہے اور بُرا طریقہ ہے ۔

تفسیر جاہلیت میں رواج تھا کہ باپ کے مرنیکے بعد بیٹے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا کرتے تھے اس حرکت سے اللہ تعالیٰ نے سخت ممانعت فرمائی - نکاح کے لغت میں صحبت صحیحہ کے معنے ہیں اور عرف شرع میں اسکے معنے عقد کے ہیں اور عرف شرعی ایسا غالب ہوا ہے کہ نکاح کے معنے صحبت کے مطلق تصور ہی میں نہیں آتے تو اس بنا پر زنا کو ہر گز نکاح نہیں کہہ سکتے - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ ہے کہ جس عورت سے کسی شخص نے زنا کیا ہے اُس عورت سے اُس شخص کا بیٹا نکاح نہیں کر سکتا گویا وہ اُسکی ماں ہو گئی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اُس کے خلاف ہیں اسلئے کہ اُس نے اُس عورت سے ناجائز طور پر صحبت کی اور عقد نکاح پایا نہیں گیا اسلئے وہ اُسکی ماں نہیں ہو سکتی کہ زنا سے عورت جورو نہیں بنتی اور یہ معلوم ہی ہو چکا ہے کہ شرعی عرف میں زنا کو بلکہ نری صحبت کو ہر گز نکاح نہیں کہتے

حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخوٰتکم وعمّٰتکم وخٰلٰتکم وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وامھٰتکم الّٰتی ارضعنکم واخوٰتکم من الرضاعۃ وامھٰت نسائکم وربائبکم الّٰتی فی حجورکم من نسائکم الّٰتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ط ان اللہ کان غفورا رحیما ہ

ترجمہ تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودہ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں (یہ سب) تم پر حرام ہیں اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری حمایت میں ہیں تمہاری اُن عورتوں کے پیٹ سے (پیدا ہوئی ہیں) جن سے تم ہمبستر ہو چکے ہو (گو وہ تمہارے نطفہ سے نہیں تو بھی وہ تم پر حرام ہیں) اور اگر تم اُنکے ساتھ ہمبستر نہوئے ہو تو پھر (اُنکی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر گناہ نہیں اور تمہاری اُن لڑکوں کی بیبیاں جو تمہاری پشت سے ہوں (وہ بھی تم پر حرام ہیں) اور دو بہنوں کو ایک ساتھہ (نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے) مگر سابقاً جو ہو چکا (وہ معاف ہے) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

پانچواں پارہ شروع ہوا

والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم ج کتاب اللہ علیکم ج واحل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسٰفحین ط فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ

ترجمہ اور شوہر والی عورتیں (بھی تم پر حرام ہیں) مگر وہ (عورتیں) جو (جہاد سے) تمہارے قبضے میں آئی ہوں حرام نہیں ہیں مذکورہ بالا عورتوں کی حرمت) تم پر اللہ کی (طرف سے) فرض کی ہوئی ہے اور انکے سوا (اور عورتوں سے نکاح کرنا) تمہارے لئے جائز کر دیا گیا

بشرطیکہ اپنے مال (یعنے مہر کے بدلے میں) اُن سے نکاح کرنا چاہو اور اُنکو ہمیشہ کے لئے) قید (نکاح) میں رکھنے کا ارادہ کرو نہ نفس پرستی کا پھر وہ عورتیں جن سے تم نے لطف (صحبت) اُٹھایا ہو تو انکے مہر (جو مقرر ہو چکے ہیں) انہیں پورے دیدو اور مہر کی تعداد مقرر ہو جانے کے بعد ولاجناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ ان اللہ کان علیما حکیما ۵

تفسیر ماں اور بیٹی سے نکاح کرنے کی حرمت تو آدم علیہ السلام سے اسوقت تک برابر متفق علیہ چلی آئی ہے کسی مذہب و ملت میں انکا نکاح جائز نہیں ہوا سوائے زردشت کے کہ اس نے مجوسیوں میں اسکا رواج دیا تھا لیکن اکثر مسلمان اسکو کذاب سمجھتے ہیں ہاں بہنوں کا نکاح آدم علیہ السلام کے وقت میں جائز ہوا تھا اسلئے کہ بغیر اسکے تناسل محال تھا پھر جب ضرورت رفع ہو گئی اُن سے نکاح حرام ہو گیا اور چونکہ جماع ایک شرم کی چیز ہے اور بغیر خلوت کے اس فعل کا کرنا کسی کو گوارا نہیں ہوتا اور اسی کے متعلق اکثر گالی گلوچ بھی دی جاتی ہے اور جس سے صحبت کی جاتی ہے ایک گونہ اسکو ذلت دی جاتی ہے اسلئے یہ ذلت ماں بیٹی بہن وغیرہ محرمات کے حق میں حرام کی گئی کیونکہ ماں بطور اصل کے ہے اور بیٹی بطور جزو بدن کے ہے اور بہن بطور ہمسر کے ہے اسلئے طبع سلیم اس ذلت کو اُن کے حق میں گوارا نہیں کر سکتی۔ آب ہم اسکی تفصیل بیان کرتے ہیں پہلی قسم عورتوں کی جنسے نکاح کرنا حرام ہے اُمہات یعنے مائیں ہیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی اور نانی پرنانی اوپر تک اور دادی پردادی اوپر تک سب مائیں ہیں۔

دوسری قسم محرمات کی بنات یعنے بیٹیاں ہیں اور پوتی پرپوتی اور نواسی پرنواسی آخر تک سب بیٹیاں ہیں اور جاننا چاہیئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک باپ کی مزنیہ یعنے جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو ماں نہیں ہو سکتی اسی طرح جو لڑکی زنا سے پیدا ہوئی ہو وہ زانی کی بیٹی نہیں ہو سکتی۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما اسکے خلاف ہیں۔ تیسری قسم محرمات میں سے اخوات یعنے بہنیں ہیں خواہ بالکل سگی ہوں خواہ اُن کی مائیں علحدہ علحدہ ہوں خواہ باپ علحدہ علحدہ ہوں۔ چوتھی قسم عمات یعنے پھوپیاں۔ پانچویں قسم خالات (یعنے ماسیاں چھٹی قسم بنات الاخ یعنے بھتیجیاں ساتویں قسم بنات الاخت یعنے بھانجیاں۔ اور آٹھویں قسم رضاعی مائیں اور نویں قسم رضاعی بہنیں۔ قرآن شریف میں محرمات رضاعیہ میں سے فقط دو ہی قسموں کی تصریح ہے یعنے ماں اور بہن لیکن رضاعت سے صرف یہی حرام نہیں بلکہ اور بھی ہیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو جو عورتیں نسب میں حرام ہیں اُتنی ہی رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ تو سات نسبی حرام ہوئیں جیسے کہ مذکور ہو چکیں اور سات رضاعی حرام ہوئیں دو تو ماں اور بہن ہیں جنکا ذکر ہو چکا جو کہ بطریق تلاوت حرام ہیں اور پانچ بطریق اخوت حرام ہیں یعنے رضاعی بہنیں اور پھوپیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ تو کل محرمات نسبی اور رضاعی چودہ ہوئیں اب یہ جاننا چاہیئے کہ آدمی کی رضاعی ماں وہ ہے جس نے اُسے دودھ پلایا اور نیز وہ عورت جوکہ دودھ پلانیوالی کی ماں ہو خواہ نسبی ہو یا رضاعی اور جو قیاس ماں کے بارے میں ہے وہی کلیہ بہن کے بارے میں ہے۔ اور جب تو رضاعی ماں باپ کو پہچان لیگا تو رضاعی بہن کو بھی پہچان لے گا اور بہنیں تین قسم کی ہیں ایک بہن سگی یعنے وہ اجنبی لڑکی جسکو تیری ماں نے دودھ پلایا ہو تیرے باپ کے دودھ میں سے خواہ اس لڑکی کو تیری ہمراہی میں دودھ پلایا ہو خواہ تجھسے پہلے یا تجھسے پیچھے۔ اور دوسری وہ ہے جو کہ صرف باپ ہی کی

طرف سے ہے یعنے جسکو تیری سوتیلی ماں نے دودھ پلایا ہو تیرے باپ کے دودھ میں سے - اور تیسری وہ ہے جو صرف ماں ہی کی طرف سے ہو یعنے جسکو تیری سگی ماں نے دودھ پلایا ہو تیرے سوتیلے باپ کے دودھ میں سے جب تم اس تفصیل کو سمجھ لوگے تو رضاعی پھوپیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں آسانی سے تمہاری پہچان میں آجائیں گی - امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک پانچ دفعہ دودھ پینا حرمت رضاعی کو ثابت کرتا ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک بچپن کا پینا حرمت ثابت کرتا ہے اور بڑی عمر میں ثابت نہیں کرتا اور بعض کے نزدیک بڑی عمر میں پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے لیکن احتیاط ضرور چاہیئے -

دسویں قسم محرمات کی امہات النساء یعنے ساسیں ہیں اسی طرح ساس کی ماں اور نانی اور پر نانی آخر تک اور اس کی دادی اور پردادی آخر تک کئی صحابہ اور تابعین وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا تو بمجرد عقد کے اُسکی ماں اُسپر حرام ہو گئی خواہ اُس نے اُس عورت سے دخول کیا ہو یا نکیا ہو اور جمہور صحابہ اسطرف گئے ہیں کہ جب تک صحبت نہ کریگا حرام نہیں ہوگی جیسے کہ ربیبہ حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اُسکی ماں سے صحبت نکی جاوے - حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن الزبیر رضی اللہ تعالی عنہ کا یہی مذہب ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی زیادہ تر مشہور روایت یہی ہے لیکن پہلا مذہب احوط ہے - گیارہویں قسم محرمات کی ربائب ہیں اور ربائب جمع ہے ربیبہ کی یعنے عورت کی وہ لڑکی جو کہ پہلے خاوند سے ہے اُسکی تحریم میں صحبت شرط ہے یعنے اگر اسکی ماں سے بعد نکاح کے صحبت بھی کی گئی ہے تو ربیبہ حرام ہو جاوے گی اور اگر صحبت سے پہلے طلاق دیدی ہے تو اُس سے نکاح کرنا جائز ہوگا - اور ربیبہ کی ماں سے بغیر نکاح کے زنا کرنے سے ربیبہ حرام نہیں ہوتی لیکن امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرام ہو جاتی ہے -

بارہویں قسم محرمات کی حلائل الابناء ہیں اور وہ بہوویں ہیں یعنے بیٹوں کی بیبیاں ہیں اور حلائل جمع حلیلہ کی ہے اور حلیلہ بیوی کو کہتے ہیں یا جائزۃ الدخول کو جیسے کہ لونڈی - اس بنا پر امام شافعی کے نزدیک باپ کو جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کی لونڈی سے نکاح کرے اسلئے کہ اُن کے نزدیک لونڈی پر بھی حلیلہ کا استعمال ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ اُن کے نزدیک حلیلہ صرف بیوی ہی کو کہتے ہیں - اور اس بات پر اتفاق ہے کہ بیٹے کی بیوی بمجرد نکاح کے باپ پر حرام ہے گو بیٹے نے اُس سے صحبت نکی ہو - اور بیٹوں میں پوتے بھی داخل ہیں ،

تیرہویں قسم محرمات کی ایسی دو عورتوں کا اکٹھا نکاح میں رکھنا ہے جو کہ آپس میں ایک دوسرکی بہنیں لگتی ہوں - خواہ معاً ان دونوں سے نکاح کیا ہو خواہ آگے پیچھے لیکن دونوں زندہ ایک وقت میں اُسکے نکاح میں پائی گئی ہوں سو اکٹھا دونوں سے عقد کرنے سے دونوں کا عقد باطل ہو جاتا ہے - اور آگے پیچھے عقد کرنے سے دوسری کا عقد باطل ہوتا ہے - اور اگر ایک سے نکاح کیا پھر اسکے مرنے یا طلاق دینے کے بعد دوسری سے نکاح کرے تو اس صورت میں دونوں میں سے ہر ایک اوسپر حرام نہوگی صرف یہی ہے کہ اکٹھی اُسکے نکاح میں نہیں رہ سکتیں -

چودہویں قسم محرمات میں سے وہ عورتیں ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں یعنے اُن کے خاوند زندہ موجود ہیں اور اُن میں نکاح برقرار ہے مرے نہیں اور نہ اونہوں نے بیویوں کو طلاق دی - اور بعضوں کے نزدیک محصنات سے

مراد اصیل آزاد عورتیں ہیں یعنے جو لونڈیاں نہوں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کافر میاں بی بی میں سے کسی ایک کو کوئی دار الاسلام کی طرف نکال لے جاوے اور اُسکے بعد دوسرے کو لیجاوے تو اُن دونوں کا نکاح آپس میں سے ٹوٹ جاویگا لیکن اگر دونوں کو اکٹھا نکال لے جاوے تو اُس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اُن کا نکاح برقرار رہے گا اور امام شافعی رح کے نزدیک اُس حالت میں بھی نکاح برقرار رہے گا اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا مقتضی ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ عموم ما وراء ذٰلکم میں سے سات عورتیں مخصوص ہیں (۱) ایسی دو عورتوں کو اپنے نکاح میں ایک وقت جمع کرنا جو کہ آپس میں ایک دوسری کی پھوپی بھتیجی ہوں (۲) اُن دو کا جمع رکھنا جو آپس میں خالہ بھانجی لگتی ہوں۔ اِن دونوں قسموں کی تخصیص حدیث شریف سے کی گئی ہے (۳) اُس عورت سے نکاح کرنا جسکو نکاح کرنے والا اول تین طلاقیں دے چکا ہے (۴) عدہ والی کو نکاح کرنا جسکی عدت ابھی باقی ہے (۵) جسکے پاس اصیل بیوی موجود ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا اسکے لئے بالاتفاق ناجائز ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک گو اصیل عورت اُسکے نکاح میں موجود نہو لیکن اصیل کے نکاح کی قدرت رکھتا ہے تب بھی اُسکو جائز نہیں کہ لونڈی سے نکاح کرے (۶) جسکے پاس چار عورتیں موجود ہیں اُسکے حق میں پانچویں کا نکاح کرنا (۷) جس نے اپنی عورت سے لعان کیا ہو وہ اُس لعان والی سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ ساتوں قسمیں حرام ہیں اور لفظ ما وراء سے مخصوص ہیں۔ اب یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ جو عورتیں حلال ہیں اُن کی حلت کی شرط بھی نکاح ہے یہ نہیں کہ بے نکاح کئے ہوئے اُن سے صحبت کرنے لگے۔ مہر وغیرہ جو شروط نکاح کی ہیں اُن کو بہم پہنچاوے تب وہ عورتیں اُس کے حق میں حلال ہو سکتی ہیں یہ نہیں کہ خرچی دیکر حلال کر لیا یا بغیر نکاح کے اپنے گھر ڈال لی یا متعہ کے طریق سے حلال کر لی اِن باتوں سے عورت حلال نہیں ہو سکتی۔ اور آیت میں جو استمتاع کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد اصطلاحی متعہ نہیں ہے۔ اور قرارت فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی سے فقط وقوع انتفاع و استمتاع ایک اجل معین تک پایا جاتا ہے نہ کہ عقد میں یہ شرط کی گئی ہو اور آیت کا سیاق بھی نکاح تابید پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں متعہ کی اباحت اور اُسکے بعد اُسکا منسوخ دائمی ہونا احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور آیت والذین ہم لفروجہم حافظون الخ صاف دلالت کرتی ہے کہ سوائے کنیز اور زوجہ کے اور کسی عورت سے صحبت کرنا جائز نہیں اور متعہ والی عورت زوجہ نہیں ہوتی ورنہ وارث ہوتی حاصل یہ کہ شریعت حقہ غرا میں کوئی ایسی سبیل نہیں جو متعہ کو مباح کرے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیویوں کا مہر ادا کرنا فرض ہے ؎

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنات ط واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان ج فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب ط ذٰلک لمن خشی العنت منکم ط وان تصبروا خیر لکم ط واللہ غفور رحیم

ترجمہ اور تم میں سے جو شخص مالی حیثیت سے مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو تو وہ اُن مسلمان لونڈیوں سے (نکاح کر لے) جو تمہارے قبضے میں ہیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (اور گو اخوت ایمانی کے سبب سے)

تم ایک دوسرے سے (متحد) ہو (مگر اپیر دیسی) اُن لونڈیوں سے نکاح کرو (تو) اُن کے مالکوں کی اجازت سے اور اُنہیں
اُن کے مہر دستور کے موافق ادا کردو (مگر) اُنہیں لونڈیوں سے نکاح کرو جو) پاکدامن ہوں نہ بدکار (ہوں) اور نہ (در پردہ
لوگوں کی) آشنا بناتی ہوں پھر جب وہ نکاح میں آجاویں (اس کے بعد کوئی بُرا کام کریں تو آزاد عورتوں کی سزا سے
نصف (سزا) اُن پر ہوگی یہ (لونڈیوں سے نکاح کرنا) تم میں سے اُسکے لئے ہے (جو زنا کے گناہ میں مبتلا ہو جانے) کا اندیشہ کرے اور
اگر تم (اُن کے نکاح سے باز) رہو اور صبر کرو تو (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؂

تفسیر اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص اصیل عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اُسکے حق میں لونڈیوں سے نکاح
کسی صورت میں اچھا نہیں۔ سو لونڈیوں سے نکاح کرنے کے لئے تین شرطیں ہیں دو نکاح کرنے والے میں اور ایک لونڈی
میں نکاح کرنے والے کی دو شرطیں یہ ہیں کہ اُسکے پاس اتنا مال نہو۔ کہ اصیل عورت سے نکاح کر سکے اور مجردی نے
اُسکو تنگ کر دیا ہو۔ اور لونڈی کی شرط یہ ہے کہ وہ ایمان دار ہو۔ اور آیۂ واللہ غفور رحیم سے یہ پایا جاتا ہے کہ باوجود
ان ضرورتوں کے بھی لونڈیوں سے نکاح کرنا عیب سے خالی نہیں اور من فتیاتکم المومنات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابی
لونڈی سے نکاح کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں چنانچہ آیت صاف اسپر دلالت کرتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک
جائز ہے اس امر میں اتفاق ہے کہ زنا میں جو سزا اصیل عورت کے لئے معین ہے اُس سے آدھی لونڈی کے لئے۔ لیکن
رجم یعنے سنگساری کی تنصیف نہیں ہو سکتی اسلئے لونڈی پر رجم نہیں۔ ہاں دُرّے بجائے سو کے پچاس ہوں گے ؂

یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم واللہ یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین
یتبعون الشھوٰت ان تمیلوا میلا عظیما یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا ۝

ترجمہ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (اپنے احکام) صاف صاف ظاہر کر دے اور جو (اچھے) تم میں سے پہلے (گذر چکے) ہیں اُنکے
طریقے تمہیں تعلیم کرے اور تم پر رحم کرے اور اللہ دانا (اور) حکمت والا ہے اور اللہ (تو) چاہتا ہے کہ تم پر رحمت نازل کرے اور
جو لوگ (نفسانی) خواہشوں کے پیرو ہیں (یعنے کفار وہ کمبخت یہ) چاہتے ہیں کہ تم (راہ حق سے) بہت دور ہٹ جاؤ (اور) اللہ
چاہتا ہے کہ تم سے (اگلی امتوں کی سختیاں دور کرکے دین کو تم پر) ہلکا کر دے اور انسان (تو کمزور پیدا (ہی) کیا گیا ہے ؂

تفسیر اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں ارشاد فرماتا ہے کہ گمراہ لوگ اپنی طرح تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا
ہے کہ تم کو تمہارے مصالح سکھاوے جیسے پہلے لوگوں کو سکھائے تھے اور نیز چاہتا ہے کہ تمہارے ضعف کے سبب سے
تم پر احکام کی تخفیف کرے تمہارے حق میں ایسا کرنا تم پر رحمت سے توجہ کرنے کا نتیجہ ہے ؂

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ
کان بکم رحیما ومن یفعل ذٰلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا ۝

ترجمہ اے ایمان والو (اپنے بھائیوں کے) مال آپس میں ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ لیکن (ہاں اگر) آپس کی رضامندی سے
کوئی تجارت ہو (تو ایک دوسرے کا مال لے سکتے ہو) اور باہم خونریزی (بھی) نکرو (یہ حکم تمہیں اسلئے دیا گیا کہ) بیشک اللہ تم سب لوگوں کے
حال پر مہربان ہے اور جو کوئی جور و ظلم سے یہ (بُرا) کام کریگا (یعنے کسیکا مال ناحق کھا ... یا کسیکو قتل کریگا) تو عنقریب ہم اسے
نار (جہنم) میں ڈالدینگے اور یہ (بات تو اللہ پر (بہت ہی) آسان ہے ؂

تفسیر پہلی آیتوں میں تو یہ بیان تھا کہ کوئی آدمی کسی شخص کی ذات میں بیجا تصرف کرے مثلاً جماع کہ بصورت نکاح ہونا چاہیئے اور نکاح بھی جائز طریق سے ہونا چاہیئے جب اس بیان سے فراغت ہوئی تو مالی تصرفات کی ناجائز صورتوں کی مخالفت کی گئی یعنے کسی کا مال لغو صورت سے نکھانا چاہیئے نہ چوری سے نہ ڈاکے سے نہ دھوکے سے سو اسکے بلکہ اُس تجارت کے ذریعہ سے جو کہ رضامندی سے آپس میں قرار پائی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو نا قتل کرنا چاہیئے اور نہ اُسکے قتل کا باعث بننا چاہیئے اور نہ ایسا کام اختیار کرنا چاہیئے جس سے اپنی جان ہلاکت میں پڑے مثلاً سخت سردی ہو اور پانی کے استعمال سے نزلہ وغیرہ کا خوف ہو تو اُسوقت بجائے غسل و وضو کے تیمم کرنا چاہیئے۔ اور تعدی سے اللہ کے حکم کی مخالفت کرنا یقینی دوزخی بنتا ہے ؛

ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم و ندخلکم مدخلا کریما

ترجمہ (اے مسلمانو) اگر تم ممنوعات کی بڑی (بڑی) باتوں سے بچے رہو گے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہ تم سے (خود ہی) معاف کر دینگے اور تم کو ایک بڑی باعزت جگہ (یعنے جنت) میں داخل کرینگے ؛

تفسیر بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جس چیز کے ذریعہ سے خدا کی نافرمانی کی جاوے وہ کبیرہ ہے سو جس سے جو گناہ سرزد ہو وہ خدا سے اُسکی معافی چاہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امت میں سے کسی کو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رکھیگا مگر اُس شخص کو جو کہ اسلام سے پھر گیا ہو یا کسی فرض کا منکر ہو گیا یا تقدیر کو جھٹلایا۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے کئی وجوہ سے (۱) اگر ہر گناہ کبیرہ ہوتا تو اس آیت میں کبائر کی تخصیص بے معنے ہوتی (۲) اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاہا اور فرمایا وکل صغیر و کبیر مستطر (۳) آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کبائر یہ ہیں خدا کا کسی کو شریک ٹھیرانا اور جھوٹی قسم کھانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور بے گناہ کسی کو قتل کرنا۔ سو اگر سب کبیرہ ہی ہوتے تو یہ تخصیص بے کار ہوتی (۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ منہیات تین قسم ہیں ایک کفر دوسری فسوق تیسری عصیان تو فسوق اور عصیان میں فرق ضرور چاہیئے تاکہ عطف صحیح ہو اور یہی دلیل ہے اسبات کی کہ گناہ دو قسم کے ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ اور واجبات کا ترک بھی کبیرہ ہے۔ تو آیت کا معنے یہ ہوا کہ اگر تم سب واجبات کو بجا لاؤ گے اور سب کبائر سے بچو گے تو ضرور جنت کے وارث ہو جاؤ گے لیکن اس شرط میں کسی قدر خلل آنے سے بالکل جنت سے یقینی محرومی نہیں ہوتی ممکن ہے کہ داخل جنت ہو اور ممکن ہے کہ داخل نہو کیونکہ اُسکا فضل و رحمت اُسکے غضب و عقاب پر غالب ہے ہاں کفر و شرک پر مرنے والے کو بے شک جنت سے مایوس ہو جانا چاہیئے ؛

ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللہ
من فضلہ ان اللہ کان بکل شیء علیما

ترجمہ اور (اے مسلمانو) اللہ نے جو تم میں سے کسی کو کسی پر فضیلت دی ہے اُس فضیلت کی ہوس نکرو (دراصلے) ہر ایک کو اُسکے اعمال کے موافق فضیلت دی گئی ہے مردوں کو اُنکے اعمال کے موافق حصہ ہے اور عورتوں کو اُنکے اعمال کے موافق حصہ ہے پھر حسد سے کیا نتیجہ (ہاں یہ) اچھی بات ہے کہ تم (بھی) اللہ سے اُسکے فضل کی درخواست کرو بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے

تفسیر مجاہد (تابعی) کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں جہاد نہیں کرتیں اور مردوں کا ہماری نسبت میراث
کا دوہرا حصہ ملتا ہے تو کاش ہم بھی مرد ہوتیں تب یہ آیت اتری یعنے کسی کو جو اللہ تعالیٰ نے خلقی فضیلت دمی ہو تو
اُسکی آرزو اور ریس نکرنی چاہیئے کیونکہ بے سود ہے اور جو امور پیدائشی نہیں اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں اُن میں عملوں
پر دارومدار ہے جیسی کمائی مرد کریں گے اُسکا پھل پائینگے اور جیسی کمائی عورتیں کریں گی اُسکا وہ پھل پائیں گی اور
خدا سے تو اُسکا فضل اور اُسکی رحمت طلب کرنی چاہیئے جسکی ضرورت ہر وقت رہتی ہے - اور جسپر زندگی خوشی سے
بسر کرنا موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ سب کے حالات سے واقف ہے جس حالت کے لایق جسکو دیکھا اُسی پر اُسکی جبلت
کردی ہو۔ ولکلٍ جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ان اللہ کان علی کل شیء شہیدا ۵
ترجمہ اور (اے مسلمانو جو مال کہ) ماں باپ اور اعزہ اور وہ لوگ جن سے تم نے عہد (محبت) مستحکم کیا ہے چھوڑ جائیں اُس (مال)
میں سے ہر چیز کے ہمنے وارث مقرر کر دیے ہیں تو تم اُن (وارثوں) کو اُن کا حصہ دیدو بے شک اللہ ہر چیز پر شاہد ہے +
تفسیر یعنے ہر میت کے قرابت دار اُسکے وارث ہوتے ہیں جیسے کہ اُن کے حصوں کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے مزید اسپر یہ ہے کہ
علاوہ وارثوں کے جب کہ وارث کوئی موجود نہو تو حلیف کو وارث گرداننا چاہیئے حلیف وہ ہے جس سے حلفی دوستانہ
گانٹھا جاوے اور ایک دوسرے سے کہدیں کہ تو مریگا تو میں تیرا وارث ہونگا اور میں مروں گا تو تو میرا وارث ہوگا
اس عہد و پیمان کو حلف اور معاقدۃ الایمان اور عقد الایمان کہتے ہیں اور جن میں یہ عہد و پیمان ہوتے ہیں اُنکو
حلفا کہتے ہیں اور ایک کو حلیف کہتے ہیں - میت کا اگر کوئی وارث موجود ہو تو حلیف بالکل محروم رہتا ہے ورثہ
میں اُسکا کوئی حق نہیں ہاں مال وصیت میں سے البتہ کچھ ملسکتا ہے اور اگر اُسکا کوئی وارث نہو اُسوقت حلیف کو اول اسلام
میں ورثہ ملا کرتا تھا پھر منسوخ ہوگیا اور جو لوگ منسوخ نہیں کہتے وہ عقد الایمان سے مراد نکاح اور زوجیت کو لیتے ہیں اور بعض
منسوخ بھی نہیں کہتے اور عقد الایمان سے مراد حلف لیتے ہیں لیکن نصیب سے مراد مدد و نصرت و مروت اور حصہ وصیت
لیتے ہیں - اور عدم نسخ مقدم ہے نسخ پر +

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم فالصلحت قانتت حافظت للغیب بما حفظ
اللہ والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا ان اللہ کان
علیا کبیرا ۵ **ترجمہ** مرد عورتوں پر غالب ہیں بسبب اسکے کہ اللہ نے بعض بنی آدم (یعنے مردوں) کو بعض پر (یعنے عورتوں پر) فضیلت
دی ہے اور اس سبب سے (بھی) کہ انھوں نے (عورتوں پر) اپنا کچھ مال خرچ کیا ہے پس (جو نیک عورتیں (ہیں وہ اس فضیلت
کا خیال رکھتی ہیں اور اپنے شوہروں کی مطیع ہیں (اور اُنکی) عدم موجودگی میں خدا کی حفاظت سے اُنکے مال اور آبرو کی نگہداشت
کرتی ہیں اور وہ عورتیں جنکی سرکشی کا تمہیں خوف ہو تو اُنہیں تم نصیحت کرو اور (اسپر بھی نہ مانیں تو) اُنہیں (اُنکی) خوابگاہوں
میں (تنہا) چھوڑ دو (تم اُن کے ساتھ نہ لیٹو) اور (اسپر بھی نہ مانیں تو) انکو مارو (مگر بہت خفیف بطور تنبیہ) پھر اگر وہ تمہاری
اطاعت کرنے لگیں تو (پھر تکلیف دہی کی) کوئی راہ اُن پر تلاش نکرو بے اللہ بلند مرتبہ اور بزرگ ہے -
تفسیر پہلے یہ ہدایت کی گئی تھی کہ کسی کی ذاتی اور خلقی فضیلت کی ریس نکرنی چاہیئے اُسکی علت اس آیت میں بیان کی

گئی کہ مردوں کو فضیلت عورتوں پر اس وجہ سے ہے کہ عورتوں کے نان و نفقہ کا بوجھ مردوں ہی پر ہوتا ہے اور وہی اُن کے تمام کاموں کے مدبر ہوتے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک چلن اور پہلی مانس ہوتی ہیں وہ ان باتوں کا خدا کے دربار میں شکریہ ظاہر کرتی ہیں اور پس غیبت میں مردوں کی یعنے اپنے خاوندوں کی خیانت نہیں کرتیں بلکہ اُن کے مال اور اُن کے بستر کی محافظت کرتی ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ عورتوں کے خاوندوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ جن بیویوں میں تم شرارت اور فساد اور ذ نگا لڑائی دیکھو تو ان کے سمجھانے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو پند و نصیحت سے کام لے اگر پند کا کچھ اثر نہو تو اُس سے روٹھ جائے اور اسکے پاس نسوئے اگر روٹھنا بھی کارگر نہو تو اوسط درجہ کی مار پیٹ سے کام لے تاکہ پٹنے کے خوف سے سیدھی ہو جاوے لیکن ایسی مار نمارے جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا زخم پڑ جاویں اگر اوسط درجہ کی مار پیٹ سے بھی شرارت سے باز نہ آوے تو آخر درجہ طلاق ہے اور بے قصور عورت کو جھڑکی دینا یا مار پیٹ کرنا ظلم اور تعدی ہے اور شریفانہ اخلاق سے بعید ہے +

وان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما ان اللہ کان علیما خبیرا ○

ترجمہ اور (اے مسلمانو) اگر تمہیں میاں بی بی کی نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبہ میں سے یہ دونوں (پنچ) اگر صلح کرانا چاہیں گے (تو انکی فہمایش سے) اللہ اُن دونوں میں موافقت (پیدا) کر دے گا بیشک اللہ (دانا) اور (سب) خبر دار ہے +

تفسیر عورت کے سمجھانے کی پہلی صورت پند و نصیحت ہے جو ذکر کی گئی اور اسکی اعلیٰ قسم کی ترکیب اس آیت میں بیان کی گئی ہے یعنے میاں بی بی دونوں کے قرابت میں سے دو پنچ مقرر کئے جاویں جو کہ نیک نیتی سے میاں بی بی میں صلح کرائیں اور اس میں شک نہیں کہ اگر اللہ چاہے گا تو بشرط نیک نیت ہونے دونوں پنچوں کے ضرور میاں بی بی میں اصلاح اور موافقت پیدا ہو جاویگی۔ اگر میاں بی بی ان دونوں پنچوں کو پنچ نہ تسلیم کریں یا بغیر ان کی اجازت کے کوئی فیصلہ کریں تو جائز ہے یا نہیں اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ کہ جائز ہے اور اسی کی قائل ہیں امام مالک اور امام اسحاق بن راہویہ دوسرا یہ کہ جائز نہیں اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے +

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا ○

ترجمہ اور (اے مسلمانو) اللہ (ہی) کی عبادت کرو اور (اسکی عبادت میں) کسی کو اسکا شریک نکرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور (اپنے) عزیزوں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور (اپنے) پہلو میں (یعنے پاس) بیٹھنے والے اور مسافر اور اُس (لونڈی غلام) کے ساتھ جو تمہارے قبضے میں ہو (غرض ان سب کے حقوق ادا کیا کرو اسلئے کہ) بیشک اللہ اُس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبر کرے اور شیخی مارے +

تفسیر جب میاں بی بی کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم بیان ہو چکا تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نیکیاں بیان کیں جنکے سبب سے اصلاح برقرار رہے اور کسی قسم کا فتور نہ ہے اور خشونت اور خصومت آپس میں سے اٹھ جاوے اور وہ نیکیاں گیارہ قسم کی ہیں (۱) خدا کی عبادت کرنا اسکو واحد (ایک) جانکر (۲) کسی کو اسکا شریک نہ بنانا نہ اُس کی ذات میں

نہ صفات میں اور نہ عادات میں شریک کرنا اور نہ عبادات میں (۳) ماں باپ سے نیکی کرنا اُن کی اطاعت کرنا حتے الامکان اُن کے خلاف مرضی کوئی کام نہ کرنا اور جب تک خدا کی مخالفت نہ لازم آئے اُن کی مخالفت نکرنا اور ہر مشکل میں اُن کی مدد کرنا جان و مال سے اُن کی خدمت کرنا اور عقیدۃً اپنے مال کو اُن کا مال سمجھنا اُن کو دکھ نہ پہونچانا اُن کو جھڑکی نہ دینا بلکہ اُف تک اُن کے سامنے نکرنا اور اُن کے لئے خدا سے نیک دعائیں مانگنا (۴) قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا (۵) یتیموں کی سرپرستی کرنا اُن سے نرمی کرنا اُن کی تربیت کرنا اُن کو دلاسا دینا اور اگر اُن کے بارے میں اُن کا وصی ہو تو اُن کے مال کی حد سے زیادہ احتیاط کرنا (۶) مسکینوں سے رحم دلی سے پیش آنا اُن کو جھڑکی نہ دینا جہاں تک ممکن ہو سکے اُن سے سلوک کرنا اور جب اُنپر صدقہ کرے تو اُن پر احسان نہ جتانا (۷) قرابت دار پڑوسی کے دونوں طرح کے حقوق کا خیال رکھنا ایک حق قرابت کا دوسرا حق ہمسایگی کا آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کی ایذاؤں سے اُسکا پڑوسی امن میں نرہے وہ کبھی جنت میں داخل نہوگا اور پڑوس کی حد چالیس گھر تک ہے امام زہری کہتے ہیں کہ چالیس گھر داہنے اور چالیس گھر بائیں اور چالیس آگے اور چالیس پیچھے اور ایک عورت کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضور میں یہ بیان کیا گیا کہ وہ دن بھر روزہ رکھتی ہے اور تمام رات نماز میں گذارتی ہے لیکن بدزبان ہے پڑوسیوں کو ایذا دیتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اُس میں کوئی بھلائی نہیں اور وہ دوزخ میں جائیگی (۸) اجنبی پڑوسی سے بھی نیکی کرنا اُسکو ایذا نہ پہونچانا اُسکو خوش رکھنا (۹) اپنے ہم پیشہ اور شریک اور رفیق اور دوست سے سلوک کرنا اُن کی بھول چوک سے درگذر کرنا اور اپنی بیوی جو ہر وقت کی رفیق ہے بلکہ پاس سوتی ہے اُس کو راضی رکھنا اور اُس کو کسی طرح دق نکرنا نان ونفقہ وغیرہ کی اُس کے لئے خبر لیتے رہنا (۱۰) مسافر اور مہمان کی خبر گیری کرنا جہاں تک ممکن ہو اُن کی مطلب براری کرنا (۱۱) اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے سلوک کرنا اور بہت سخت محنت کے کام نہ لینا اور اگر ایسا کام لینے کی ضرورت پڑے تو خود بھی اس محنت میں اُن کا شریک ہو جانا چاہیئے۔ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اُن کی آپس میں موافقت نہو تو اُسکو بیچ کر اور غلام خریدلے کیونکہ لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں کوئی عادت کسی کو بھاتی ہے اور کسی کو ناگوار معلوم ہوتی ہے اس لئے تم خدا کے بندوں کو ایذا مت دیا کرو کہ مارپیٹ کرنے لگو یا گالیاں دینے لگو۔ اور اُن کے کھانے پینے کے لئے کافی سامان دیوے اور اسی طرح اچھا پہننے کو دیوے اور لونڈیاں ہوں تو اُن سے بُرا کسب نہ کراوے ؏

الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ویکتمون ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ ط واعتدنا للکٰفرین عذاباً مھیناً ۝

ترجمہ (یعنے اُن کو) جو (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور (دوسرے) لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم کرتے ہیں اور (جو مال) اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اُسکو (ازراہ بخل لوگوں سے) چھپاتے ہیں اور (یہ نہیں سمجھتے کہ) ہم نے (اُن جیسے) منکروں کے لئے (سخت) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ؏

تفسیر بخل میں چار لغتیں ہیں ایک بُخل بروزن قفل دوسرے بَخَل بروزن کرم تیسرے بُخُل بروزن نفر چوتھی بَخْل بسکون خاء اور معنی بخل کے لغت میں سلوک اور احسان نکرنا اور شریعت میں نفقہ واجب کا ترک کرنا اور علم ضروری اتعلیم کا چھپانا

دینی ہو یا دنیوی اور بخل کے سب اوصاف یہود میں بکمال موجود ہیں کہ اُنہوں نے اللہ کے مالی حقوق بھی نہیں ادا کئے اور نفقہ کیا بھی تو بیجا کیا اور آنحضرتؐ کی مدح جو توراۃ میں موجود تھی اُسکو چھپایا وغیرہ وغیرہ ؛

والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس ولا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ومن یکن الشیطان لہ قرینا فساء قرینا ہ

ترجمہ اور جو لوگ اپنے مال (محض) دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور (ثواب آخرت اُنہیں مقصود نہیں ہوتا) اور نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت پر اللہ اُنہیں بھی دوست نہیں رکھتا اُن کا دوست تو شیطان ہی اور جس شخص کا ہمنشین (اور دوست) شیطان ہو تو وہ بہت ہی بُرا ہمنشین ہے ؛

تفسیر آدمی میں اگر ایمان نہو اور دکھاوے کے لئے مال خرچ کرے تو اُسکا نفقہ شیطانی ہے اور شیطان سے بڑھکر کوئی اور بُرا رفیق نہیں ہو سکتا ؛

وماذا علیھم لو امنوا باللہ والیوم الاخر وانفقوا مما رزقھم اللہ وکان اللہ بھم علیما ہ

ترجمہ اور ان پر کیا (مصیبت آتی) ہے اگر یہ خدا پر اور قیامت پر ایمان لے آئیں اور جو کچھ اُنہیں اللہ نے فرما دیا ہے اُس میں سے (کچھ اُسکی راہ میں) خرچ کریں اور اللہ اُن (کے حالات) کو خوب جانتا ہے ؛

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ کفار اور منافقین جو کہ اللہ کی نامرضی میں دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اگر خدا پر اور پچھلے دن پر ایمان لاکر خدا کی مرضی کے موافق اپنے مال خرچ کرتے تو اُن کا کیا بگڑتا بلکہ وہ سنور جاتے لیکن خدا کی حکمت ہے کہ اُن کو ایسا ہی رکھا ؛

ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما ہ

ترجمہ بیشک اللہ (کسی پر) ذرہ برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر (کسی کی) کچھ نیکی ہوتی ہے تو اُس (کے ثواب) کو (البتہ) دو گنا کر دیتا ہے اور اپنے طرف سے (اُس کا) بڑا ثواب دیتا ہے (خیر دینا میں جو چاہیں کر لیں)

تفسیر ظلم کہتے ہیں غیر کی ملک میں بیجا تصرف کرنا یا اپنی ناتمام ملک میں ناجائز دست اندازی کرنا اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا یعنے تمام مخلوقات کا حقیقی مالک ہے اِسلئے اُسکا کوئی تصرف مخلوقات میں ظلم نہیں کہلا سکتا لیکن چونکہ وہ اصدق الصادقین ہے اور کذب کی اُس نے مذمت کی ہے اور صدق اور کذب میں اسی نے ہمکو تمیز بتائی ہے اور اپنی ذات پاک کو وعدہ خلافی سے مبرا بتایا ہے اور پھر اُسی نے نیکوں کے لئے جنت اور ثواب مقرر کیا ہے اور بُروں کے واسطے دوزخ اور عذاب مقرر کیا ہے اس بنا پر اگر وہ نیکوں کو دوزخ میں لیجائے اور بدکاروں کو جنت میں لیجائے تو یقیناً ظلم کہلائیگا اور اللہ تعالیٰ اس ظلم سے پاک ہے یہ ہم نہیں کہتے کہ اُسکو اسکی قدرت نہیں جیسے کہ خلاف واقع خبر دینی اُس سے ہرگز واقع نہوگی نہ اسلئے کہ اُسکو قدرت نہیں بلکہ خود اُس نے اسبات کو عیب قرار دیا ہے اور اُسکی ذات عیوب سے پاک ہے لہذا یہ عیب بھی اُس سے سرزد نہیں ہو سکتا جیسے کہ دنیوی عادل بادشاہ کو لوگ عادل اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ظلم نہیں کرتا نہ اسلئے کہ اُسکو ظلم کی قدرت نہیں۔ دیکھو عنین اگر فسق و فجور سے بچا ہوا ہے تو یہ اُسکی خوبی نہیں کیونکہ اُس میں اسکی قدرت ہی نہیں ہاں تعریف کے قابل وہ ہوگا کہ قوت باہ بھی قوی رکھتا ہو اور پھر فسق و فجور سے بچے چنانچہ آنحضرتؐ نے معاذؓ سے فرمایا کہ تجھے یہ بھی خبر ہے کہ بندوں پر خدا کا کیا حق ہے اُس نے عرض کیا کہ اللہ و رسول ہی کو اُسکی خبر ہے آپنے فرمایا کہ بندوں پر خدا کا

یہ حق ہے کہ اسی کی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی کو شریک نہ مانیں پھر آپ نے فرمایا کہ تجھے یہ بھی خبر ہے کہ کیا حق ہے جبکہ وہ توحید کے طریق پر عبادت ادا کریں اُس نے عرض کی کہ اللہ و رسول ہی کو اُسکی خبر ہے آپنے فرمایا کہ خدا پر یہ حق ہے کہ وہ ایسے توحید والوں کو عذاب نکرے۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ توحید پر ثواب دینا اور عذاب نکرنا اور خلاف توحید والے کو عذاب کرنا خود شارع نے اپنے اوپر حق لازم کر دیا ہے اور حق تلفی خود ظلم ہے تو حق والے کو اُسکا حق دینا ہی عدل ہے آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم ذرہ بھر نہیں کرتا یعنے جس کسی کی جسقدر بُرائی ہوتی ہے اُس سے زیادہ اُسکو سزا نہیں دی جاتی بلکہ اگر نیکی کرے تو البتہ ایک نیکی کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کئی گُنے کر دیتا ہے اور مطابق اُسکے خلوص کے اُسکو بہت بڑا اجر دیتا ہے ٭

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیدا یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون اللہ حدیثا ٭

ترجمہ پھر کیا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک (ایک) گواہ لائیں گے (یعنے اُن کے نبی کو جو اُن کی بداعمالیاں بیان کریگا) اور (اے محمد) تمہیں ان (کافروں) پر گواہ بنائیں گے۔ اُس دن جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا اور (ہمارے) پیغمبر کے احکام کی مخالفت کی یہ آرزو کرینگے کہ کاش (کوئی انہیں زندہ درگور کردے اور) زمین انکے اوپر برابر کر دی جائے (کہ کسی طرح عذاب الٰہی سے بچ جائیں) اور (اُس دن) خدا سے کوئی بات نہ چھپا سکینگے ٭

تفسیر صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سنا ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہی نے تو مجھے سکھایا ہے تو آپنے فرمایا کہ مجھے یہ بات بھاتی ہے کہ دوسرا شخص مجھے سنائے ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اور میں نے آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو آپ کے آنسو جاری تھے۔ اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول کی مخالفت کرنا یقینی مستحق عذاب کا سبب ہے۔ اور نافرمان کافر منافق وغیرہ چاہیں گے تو یہی کہ اُن کی بُرائیاں خدا پر ظاہر نہوں لیکن یہ بات اُن کے بس کی نہوگی بلکہ ایک بات بھی اُس سے پوشیدہ نرکھ سکیں گے کیونکہ جب زبان سے ایک دفعہ جھوٹ بولیں گے تو ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا زبان کی تکذیب کرینگے اور جو جو افعال اُن سے سرزد ہوئے ہوں گے اُنکی پوری پوری ٹھیک ٹھیک شہادتیں دیں گے غرض وہاں کچھ پوشیدہ نرہیگا ٭

یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم ان اللہ کان عفوا غفورا ٭

ترجمہ (بس) اے ایمان والو تم احکام رسول کی مخالفت نکرو اور نماز میں اہتمام کیا کرو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب (تک) نجایا کرو تاوقتیکہ جو (زبان سے) کہو اُسکو سمجھنے (نہ) لگو اور نہ جنابت کی حالت میں (نماز پڑھو) یہانتک کہ غسل کرلو لیکن بحالت سفر اگر پانی نہ ملے تو غسل کی ضرورت نہیں اور اگر تم بیمار ہو یا (کہیں) سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے تقضائے حاجت کرکے آئے یا تم نے عورتوں سے اختلاط کیا ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو (یعنے) پھر اپنے دونوں ہاتھ مارکر اپنے مونہ

اور اپنے ہاتھوں پر پھیر لو (دیکھو اللہ نے تم پر کیسی آسانی کر دی) بیشک اللہ (بندوں کی خطا سے) درگزر کرنے والا اور (اُن کے گناہوں کو) بخشنے والا ہے۔

تفسیر شراب کی تحریم بتدریج نازل ہوئی ہے اول یہ آیت ہے اور اسکا سبب نزول یہ ہوا کہ بڑے بڑے صحابہ شراب پیکر مسجد میں نماز پڑھنے گئے اُنہیں میں عبد الرحمٰن بن عوف بھی تھے اُنہوں نے نماز کی امامت کی تو قرات میں اُنہوں نے یہ پڑھا اعبد ما تعبدون وانتم عابدون ما اعبد تب یہ آیت نازل ہوئی تو نمازوں کے وقتوں میں نہیں پیا کرتے تھے بلکہ بعد نماز عشا کے پیا کرتے تھے تو صبح ہونے سے پہلے ہی نشہ اُتر جاتا تھا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے اس حد کے نشہ کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے کہا کہ یا اللہ یہ شراب عقلوں کو زائل کر دیتی ہے مالوں کا زیاں کرتی ہے اس میں تو اپنا مناسب حکم اُتار تو صبح کے وقت یہ آیت اُتری تو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا مسجد میں ٹھیرنا منع ہوگیا۔ اور نیند کے غلبہ کی حالت میں بھی نماز نہیں پڑھنا چاہیئے اسلئے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر اونگھ غالب ہو جاوے اور وہ نماز میں ہو تو اُسے چاہیئے کہ سو جاوے یہاں تک کہ نیند کا غلبہ اُس سے جاتا رہے کیونکہ نیند میں نماز پڑھتے وقت بجائے اُسکے کہ استغفار کرے کہیں اپنے آپ کو گالیاں نہ دینے لگے حتیٰ تعلموا ما تقولون کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ جو پڑھے اُسکے معنی سمجھے دوسرے یہ کہ جو تلفظ اُسکے منہ سے نکل رہا ہے دل میں بھی وہ اُسی کا خیال کر رہا ہے یہ نہیں کہ خیال کسی تلفظ کا ہے اور منہ سے کچھ اور نکل رہا ہے۔ سو اس جگہ دوسرے معنی مناسب ہیں ورنہ اُمی کو بے نماز رہنا پڑے گا ہاں نماز کے معنی سیکھنا امر ضروری ہے لیکن شرط صحت نماز نہیں ہے۔ اور جنبی اگر ایسا مسافر ہو جسے پانی نہ ملے وہ بھی مسجد اور نماز سے الگ رہے یہاں تک کہ غسل جنابت کرلے۔ اور بیمار بالفعل یا بالقوہ اور وہ مسافر جسے پانی آس پاس وقت پر نہ ملے خواہ وہ جنبی ہوں یا پاخانہ پیشاب کر کے آئے ہوں یا عورت کے جسم کو بے حائل چھوا ہو تو یہ لوگ ایک مرتبہ پاک زمین پر ہاتھ مار کر کلائی تک دونوں ہاتھوں کو پھر منہ کو اُنہیں غبار آلود ہاتھوں سے ملیں اس فعل کا نام تیمم ہے۔ اور عفو اور غفور کا اس مقام میں لانے کا یہ فائدہ ہے کہ تیمم نماز وغیرہ کو مباح کرنے والا ہے بشرطیکہ یقینی مضر ہونے یا نہ موجود ہونے پانی کے۔ تیمم حدث کو رفع نہیں کرتا اور حدث کا موجود رکھنا ایک گناہ ہے جسکو مجبوری رہنے دیا ہے اور بندہ سے بھی مجبوری کی وجہ سے اللہ نے اُسکو معاف بھی کیا ہے۔ حاصل یہ کہ جہاں تک ممکن ہو بندے کو چاہیئے کہ ہر وقت نجاست سے پاک رہے۔ نشہ کی حالت میں بھی آدمی کو پاکی پلیدی کا خیال نہیں رہتا۔

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یشترون الضللۃ ویریدون ان تضلوا السبیل واللہ اعلم باعدائکم وکفی باللہ

ولیا وکفی باللہ نصیرا

ترجمہ (اے نبی) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت کی طرف نہیں دیکھا جو کتاب سے کچھ حصہ دیے گئے (اور بجائے ہدایت کے) گمراہی مول لینے لگے اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی اُن کی طرح) گمراہ ہو جاؤ اور اللہ تمہارے دشمنوں (کے ارادوں) کو خوب جانتا ہے اور اللہ (تمہارا) دوست بس ہے اور اللہ (تمہاری) مدد کرنے (اور تمہیں دشمنوں کی شرارت سے) بچانے کو کافی ہے۔

تفسیر یہود کے مولوی لوگوں کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے جو کہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت آسمانی کتابوں کی رو سے صحیح اور سچ جانتے تھے اور باوجود اسکے وہ رشوتیں لے لیکر لوگوں کو بہکاتے تھے اور مسلمانوں کو دھوکے دے دے کر گمراہ کرنا چاہتے تھے لیکن سچے دین داروں کا یقینی اللہ تعالیٰ محافظ ہے ❖

من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہٖ ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وراعنا لیا بالسنتھم وطعنا فی الدین ؕ ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیرا لھم واقوم ولکن لعنھم اللہ بکفرھم فلا یؤمنون الا قلیلا ۝

ترجمہ (اور) یہود (میں) سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو الفاظ کو اُن کے مواقع (استعمال) سے پھیر کر استعمال کرتے ہیں اور اپنی زبانوں کو مروڑ کر دین (اسلام) میں طعن (کی نیت) سے (بجی سے) کہتے ہیں سمعنا وعصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا حالانکہ اگر وہ سمعنا واطعنا اور (صرف) اسمع اور (بجائے راعنا کے) انظرنا کہا کرتے تو اُن (ہی) کے حق میں بہتر تھا اور (بات بھی) بہت ہینگے ہوتی۔ لیکن (چونکہ) اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سے اُنہیں (اپنی رحمت سے) دور کر دیا ہے لہٰذا وہ بہی کم ایمان لاتے ہیں ❖

تفسیر اللہ تعالیٰ یہود کی عادات کا بیان فرماتا ہے کہ منجملہ اُن کی عادات قبیحہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کی کتاب کی تحریف کیا کرتے ہیں اور زبان سے ماننے کا اقرار کرتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے اسی لئے ان کے اعمال گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ کتاب اللہ کو نہیں مانتے اسلئے کہ اُن کے اعمال اُن کے اقرار کے خلاف ہوئے ہیں اور انظرنا کی جگہ راعنا بولتے ہیں یعنے رسول سے ایسے پیچیدہ الفاظ کے ساتھ خطاب کرتے ہیں جو گالی بھی بن سکیں اصل میں یہ لوگ دین کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُن کی اِنہیں حرکات کی شامت اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے اکثر پر اپنی لعنت کر دی ہے اسی وجہ سے اُن میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاسکتے تاکہ نجات پاویں ❖

یا ایھا الذین اوتوا الکتٰب اٰمنوا بما نزلنا مصدقا لما معکم من قبل ان نطمس وجوھا فنردھا علٰی ادبارھا او نلعنھم کما لعنا اصحٰب السبت ؕ وکان امر اللہ مفعولا ۝

ترجمہ اے اہل کتاب جو (کلام الٰہی) ہم نے (نبی عربی پر) اُتارا ہے (اور وہ) اُس (کتاب) کی (بھی) تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ ہم کچھ (لوگوں کے) چہرے بگاڑ دیں اور اُنہیں اُنکی پشت پر لوٹ دیں یا جیسے ہم نے ہفتے کے دن احکام الٰہی کی مخالفت کرنے) والوں کو لعنت کی تھی (ویسے ہی) اُنہیں (بھی) لعنت کریں اور (اس کو بعید نہ سمجھو) خدا کا ارادہ (ایسا سمجھو جیسے) کیا ہوا (کام ہوتا) ہے ❖

تفسیر یہ خطاب خاص اُن اہل کتاب سے ہے جو اللہ کی کتاب کو جو کہ اُن کے لئے نازل ہوئی تھی خوب جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ قرآن شریف بالکل اُسکے مخالف نہیں ہے بلکہ سب اصولی تعلیموں میں اُن کی تعلیم کے موافق ہے لیکن جب وہ اپنی ہی کتاب کو نہیں مانتے تھے تو قرآن پر کیونکر ایمان لاتے مکر و دغا فریب اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اسی لئے ایمان نہ لاسکے اور لعنت کا طوق اپنے گلوں میں ڈلوا لیا۔ عبدالرحمان بن عوف کہتے ہیں کہ اُن کی صورتیں یوں مسخ ہوئیں کہ جدھر سے آئے تھے نہایت ذلت کے ساتھ اُدھر ہی واپس چلے گئے یہی معنی ہیں اسبات کے کہ اُن کے منہ آگے سے پیچھے لگا دئے گئے اور سنیچر کے روز مچھلیوں کا شکار کرنے والوں حیلہ گروں کی طرح اُن پر بھی دائمی لعنت ہو گئی۔ یہ مسخ حقیقی نہیں لیکن قبل قیامت کے آنے کے یہود میں حقیقی مسخ بھی ضرور واقع ہوگا ❖

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد افترٰی اثما عظیما ۝

ترجمہ بے شک اللہ اس (جرم) کو نہیں معاف کرتا اُسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اُسکے سوا جسے چاہے بخشدے اور جس نے اللہ کے ساتھ (کسی اور کو بھی) شریک کیا تو بے شک (اُس نے اللہ پر) بڑا بہتان باندھا (پھر اُسے کیوں بخشے)۔

تفسیر چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نہایت وسیع ہے اس لئے اُس نے فقط شرک ہی کو ایسا گناہ قرار دیا جو کبھی معاف نکیا جاوے اگر مشرک شرک پر مرجاوے اور زندگی سے یقینی مایوس ہونے سے قبل توبہ نکرنے پاوے آور فی الواقع یہ گناہ ایسی ہی سزا کے قابل ہے۔ اور باقی گناہوں کو اپنی مشیت پر چھوڑا ہے خواہ بخشے خواہ نہ بخشے تاہم اگر آدمی میں شرک کا عیب نہو اور خدا سے بدگمان نہو تب بھی اللہ کی عنایت سے وہ محروم نہوگا۔ لیکن شرک سے بڑھکر کوئی اور گناہ بڑا متصور نہیں ہوسکتا لیکن شرک سے مراد یہاں شرک اکبر ہے۔ اور جب ہوش حواس درست ہوں اور زندگی سے مایوس نہوا ہو اور مرنے سے پہلے پہلے توبہ کرلے تب بھی شرک معاف ہوسکتا ہے +

الم تر الی الذین یزکون انفسہم بل اللہ یزکی من یشاء و لا یظلمون فتیلا ۝ انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب و کفٰی بہ اثما مبینا ۝

ترجمہ اے نبی) کیا تم نے اُن (لوگوں کی حالت) پر نظر نہیں کی کہ (باوجود کفر کے) اپنا تقدس ظاہر کرتے ہیں (مگر اس سے کیا ہوتا ہے) بلکہ (مقدس وہ ہے کہ جسے) اللہ (مقدس کرے اور وہ) جسے چاہتا ہے مقدس کرتا ہے اور لوگوں پر تاگے (یعنی بال) برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا (اے نبی ان کافروں کو دیکھو) خدا پر کیسا جھوٹ افترا کرتے ہیں اور (ان کے ہلاک کرنے کو) یہ صریح گناہ بس ہے +

تفسیر جب اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی تو یہود بولے کہ ہم مشرک نہیں بلکہ ہم اللہ کے خاص لوگوں میں سے ہیں گویا خدا کے بیٹے اور اُسکے محبوب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ غرض وہ اپنی خوبیاں اور ستھرائیاں ظاہر کرتے ہیں اور خبث باطن کو چھپانا چاہتے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنے بغیر اللہ کے پاک کئے ہوئے کوئی پاک نہیں ہوسکتا خدا پر افترا باندھتے ہیں کہ خدا نے ہمکو اپنا پیارا بنایا ہے یہ اُنکا محض جھوٹ ہے +

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتٰب یؤمنون بالجبت و الطاغوت و یقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدٰی من الذین

امنوا سبیلا ۝ اولٰئک الذین لعنہم اللہ و من یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا ۝

ترجمہ (اے نبی) کیا تم نے اُن (لوگوں کی حالت) پر نظر نہیں کی جنہیں کتاب (الہی) سے کچھ حصہ دیا گیا تھا (اور باوجود اسکے وہ اللہ کو چھوڑکر) جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز (کیسی) اُسکا مددگار نہ پاؤگے +

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود کا مشرک ہونا ثابت فرماتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سردار یہودی یعنے حُیَی بن اخطب اور کعب بن الاشرف مع اور کئی یہودیوں کے مکہ کی طرف گئے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت پر قریش کے ساتھ حلفی عہد کریں تو قریش نے کہا کہ تم لوگ اہل کتاب ہو اور تمہارا طریق محمد کے طریق کے قریب قریب ہے اسلئے ہم تمہارے دھوکے سے ڈرتے ہیں تم ہمارے معبودوں (بتوں) کو سجدہ کرو تاکہ ہم تم کو اپنا سا سمجھکر تم سے عہد کریں تو اُنہوں نے سجدہ بھی کیا جبت اور طاغوت پر ایمان لانا یہی ہے پھر ابوسفیان نے اُن سے کہا کہ بتاؤ کہ محمد زیادہ ہدایت والا ہے کہ ہم تو کعب نے کہا کہ محمد کا کیا دین ہے تو اُنہوں نے کہا وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی

عبادت سے منع کرتا ہے اور اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑ دیا اور پھوٹ ڈالدی پھر کعب نے پوچھا کہ تمہارا کیا دین ہے تو بولے کہ بیت اللہ کے متولی ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں قیدی چھڑاتے ہیں اور اسی قسم کے اور افعال ذکر کئے تو یہود نے کہا کہ بے شک تمہارا دین محمد کے دین سے زیادہ ٹھیک ہے سو اس آیت میں اللہ تعالے نے یہود کا شرک ہونا بھی ثابت کر دیا اور اُن کا جھوٹ بولنا بھی ثابت کر دیا اور جبت سے مراد کاہن ہے اور طاغوت سے مراد ساحر بھی ہے اور جبت اور طاغوت خاص قریشیوں کے اُن دو بتوں کا نام بھی تھا جنکے آگے یہود نے سجدہ کیا تھا اور نیز جبت سے مراد کعب بن اشرف اور طاغوت سے مراد حیی بن اخطب بھی ہے اصل میں جبت جبس جیسے ساتھ تھا جسکے معنے نہایت خبیث اور ردی کے ہیں اور طاغوت کے معنے سخت سرکش کے ہیں اسلئے سب گزشتہ معنوں پر صادق آسکتے ہیں ۞ ام لہم نصیب من الملک فاذا لا یوتون الناس نقیرا ام یحسدون الناس علی ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ واٰتینٰھم ملکا عظیما ہ فمنھم من اٰمن بہ ومنھم من صد عنہ وکفے بجھنم سعیرا ہ

ترجمہ کیا (دنیا کی) سلطنت میں اُن کا حصہ ہے (جو یہ اتنا بخل کرتے ہیں اگر ایسا ہوتا) تو اُس وقت یہ لوگوں کو نقیر برابر (بھی کوئی چیز) نہ دیتے کیا اللہ نے اپنے فضل سے جو (تم) لوگوں کو عطا فرمایا ہے (یعنے نبی اور قرآن) اُس پر یہ (اہل کتاب) حسد کرتے ہیں (تو) اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے بیشک ہم نے ابراہیم کے خاندان کو (اس سے پہلے بھی) کتاب اور علم عطا کیا تھا اور ہم نے (دنیا کی بھی بہت) بڑی سلطنت دی تھی پھر لوگوں میں سے کوئی (تو) اُس پر ایمان لایا اور اُن میں سے کوئی اُس (پر ایمان لانے) سے باز رہا اور (اُسکی سزا کے لئے) دہکتی (ہوئی) دوزخ (کی آگ) کافی ہے ۞

تفسیر اول تو اللہ تعالیٰ نے یہود کا یہ سخت جہل بیان فرمایا کہ اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بتوں کی عبادت افضل ہے (معاذ اللہ) اور اب اللہ تعالیٰ اُن کے حسد و بخل کا بیان فرماتا ہے۔ سو بخل کے یہ معنی ہیں کہ جب آدمی پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت نازل کی ہو اور وہ اُس میں سے کسی کو کچھ نہ دیوے اور اُس سے بڑھکر بخل یہ ہے کہ دوسروں کو بھی خرچ کرنے سے منع کرے اور حسد یہ ہے کہ آرزو کرے کہ سوائے میرے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت نہ دے۔ اور یہ دونوں خصلتیں سخت رذیل ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی بادشاہت انہیں کے ہاتھ میں ہے کہ اس میں سے کسی کو ذرہ بھر اپنی کنجوسی کی وجہ سے نہیں دینا چاہتے۔ نہیں بلکہ اُن کو حسد کا مرض سخت لاحق ہے جو بخل سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہے کیونکہ بخیل تو اپنا مال کسی کو دینا نہیں چاہتا اور حاسد کسی کو اچھی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ہمنے بے شمار لوگوں کو انبیا اور بادشاہ بنایا اور بنی اسمٰعیل میں سے صرف ایک نبی (محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ہمنے مبعوث کیا تو تمکو اتنا سخت کیوں ناگوار گزرا اگر حسد نہیں تو اسکی کیا وجہ ہے ۞

ان الذین کفروا باٰیٰتنا سوف نصلیھم نارا کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب ان اللہ کان عزیزا حکیما ہ

جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہیں عنقریب ہم اُنھیں نار (جہنم) میں ڈالدینگے جب اُنکی کھالیں (آگ سے) گل جائینگی تو ہم اُنکی (جگہ) اُنکی کھالیں سوا ان (پہلی کھالوں) کو (جسم پر) بدل دیا کریں گے تاکہ (اچھی طرح) عذاب (کے مزے) چکھیں۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(اچھی طرح) عذاب (کے مزے) کو چکھیں بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے ؏

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر کفر کی وعید بیان فرمائی ہے یعنے کوئی کافر ہو خواہ مشرکین میں سے ہو یا مجوس میں سے یا یہود میں سے ہو یا نصاریٰ میں سے ہو یا کسی قوم کا ہو جو کفر کرے گا اُسکی سزا یہی ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ جلتا رہے نہ فنا ہو اور نہ راحت پاوے ؏

والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سندخلھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ابدا لھم فیھا ازواج مطھرۃ وندخلھم ظلا ظلیلا ۝

ترجمہ اور جو لوگ (ہمارے پیغمبروں پر) ایمان لائے اور (اُن کی تعلیم کے موافق) اُنھوں نے اچھے کام کیے عنقریب ہم اُنھیں (بہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کریں گے جنکے درختوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں اُن کے لئے پاک (صاف) بی بیاں (بھی) ہوں گی اور ہم اُنہیں گھنے سایہ میں (بھی) داخل کریں گے ؏

تفسیر کفار کے مقابل میں اللہ تعالیٰ ایمان اور اطاعت والوں کے ثواب کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم اُن کو چار چیزیں عطا کریں گے ایک یہ کہ ہم اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جنکے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ دوسری یہ کہ ایسی جگہ میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ جگہ اُن سے چھینی نہیں جائے گی تیسری یہ کہ نہایت ستھری بیویاں ملیں گی جو کہ حیض نفاس و دیگر تمام دنیاوی آلائشوں سے پاک صاف ہوں گی۔ چوتھی یہ کہ نہایت خوشگوار اور دائمی سایوں میں رہیں گے دھوپ نہیں ہوگی اور نہ سردی نہایت عمدہ خوبی کا وقت رہے گا جیسے کہ صبح کا وقت ہوتا ہے ؏

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعا بصیرا ۝

ترجمہ (پس اے لوگو تم کو اگر ان نعمتوں کی خواہش ہے تو احکام الٰہی پر عمل کرو) بے شک اللہ تمہیں یہ فرماتا ہے کہ امانت (رکھوانے) والوں کو (اُن کی) امانتیں (جب وہ طلب کریں تو بجنسہ) پہنچا دو اور جب تم لوگوں میں (کسی مقدمہ کا) فیصلہ کرو تو انصاف سے حکم کرو (کسی کی رو رعایت نہ کرو) بے شک اللہ جو تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ (بہت) اچھی ہے بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے ؏

تفسیر تمام آدمیوں کی بہبودی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نہایت اعلیٰ درجہ کی خوبی اور نیکنامی والی دو خصلتیں تعلیم فرمائی ہیں ایک یہ کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے بلکہ جسکی امانت ہو اُسی کے حوالے کر دے صحیح سلامت چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ بن عبد الدار سے کعبہ کی کنجی لی اور اسکا دروازہ کھول کر آپ تن تنہا اُسکے اندر داخل ہوئے اور جو مورتیں اُسکے اندر تھیں باہر اور کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا پھر جب آپ نماز پڑھ کر باہر نکلے تو حضرت عباسؓ نے آپ سے کنجی لینی چاہی اس غرض سے کہ میں جیسے کہ حاجیوں کا ساقی ہوں اسی طرح کعبہ کا محافظ بھی میں ہی ہو جاؤں تب یہ آیت اُتری کہ ہرگز نہیں بلکہ جس سے لی تھی اُسی کے حوالے کرنی چاہیئے تب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ کنجی عثمان بن طلحہ کو دیدو تو حضرت علیؓ نے کنجی اُسکو دی اور اُس سے معذرت بھی کی تو اُس نے کہا کہ علی کیا وجہ ہے کہ کنجی لیتے وقت

تو تم نے تندی کی اور حوالے کرتے وقت نرمی سے پیش آئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت پر یہ آیت نازل فرمائی ہے اسوجہ سے میں نے نرمی کی ہے تو عثمان بن طلحہ نے اسی وقت کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ اور مسلمان ہوگیا۔ اور جبریل علیہ السلام آنحضرت کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی محافظت عثمان بن طلحہ کی اولاد کے لئے خاص کر دی ہے کہ ہمیشہ کے لئے اسکے کنجی بردار یہی رہیں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے کنجی مانگی تو اس نے دیتے وقت یہ کہا کہ لو یہ اللہ کی امانت ہے اور یہ لفظ اس نے حوالے کرنے سے پہلے دو تین مرتبہ کہا پھر حوالے کر دی جب آپ طواف وغیرہ سے فارغ ہوئے تو آپ کی خواہش یہ تھی کہ کنجی حضرت عباس کے حوالے کر دیں لیکن آپنے عثمان بن طلحہ سے فرمایا کہ میں اس شرط پر تمہیں کنجی دیتا ہوں کہ اس میں عباس کا بھی کچھ حق ہونا چاہیئے تب یہ آیت اتری تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو ہی کنجی دی اور فرمایا کہ لو ہمیشہ یہ کنجی خاص تمہارے ہی خاندان میں رہے گی سوائے ظالم کے اور کوئی تم سے اسکو نہیں چھین سکتا عثمان بن طلحہ نے جب ہجرت کی تو کنجی اپنے بھائی شیبہ کے حوالے کر دی چنانچہ ابتک وہ کنجی برداری بنی شیبہ ہی میں چلی آتی ہے۔ دوسری خصلت اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ جسوقت کوئی حکم دینا چاہو یا فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کو کبھی ہاتھ سے نہ دو بلکہ عدل و انصاف کو ہر وقت اپنا رد یہ اور جبلی عادت بنالو۔ یہ دونوں خصلتیں تمام خوبیوں کی جڑ اور چشمہ ہیں ؂

یا ایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر و احسن تاویلا ہ

ترجمہ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور (اسکے برگزیدہ) رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی (جو تم میں سے ہوں) پھر اگر کسی معاملہ میں باہم تم مختلف ہو جاؤ تو اگر تم اللہ اور قیامت پر دل سے ایمان رکھتے ہو تو اس (معاملہ) کو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ (جو فیصلہ اللہ اور رسول کا ہو اس کو خوشی سے مان لو) یہ (تمہارے حق میں) بہتر ہے اور باعتبار انجام اچھا ہے ؂

تفسیر اس آیت میں ان چار اصول ضروریہ کا ذکر ہے جنکو فقہا رحمہم اللہ تعالیٰ نے ادلہ شرعیہ قرار دیا ہے یعنے کتاب و سنت و اجماع و قیاس سو اطیعوا اللہ سے مراد کتاب ہے اور اطیعوا الرسول سے مراد سنت ہے اسلئے کہ اطاعت رسول عین اطاعت خدا ہے کیونکہ ہم کو خدا کی معرفت رسول ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے تو اطاعتوں کا جدا جدا ذکر کرنا فقط اسی غرض سے ہے۔ اور اولی الامر منکم سے اجماع ثابت ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزماً اولی الامر منکم کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور یہ جمع کا لفظ ہے اور اطاعت جزماً سوائے معصوم کے اور کسی کی ہو نہیں سکتی اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اولوالامر کا ایک فرد معصوم ہو گو اولی الامر کو صرف گروہ علما ہی مانا جاوے یا عالم امیر مراد ہو اسلئے ضرور ہوا کہ اولی الامر کا اتفاق اور اجماع مراد ہے۔ اور فان تنازعتم فی شیء الخ سے مراد قیاس ہے کیونکہ حکم منصوص علیہ میں خلاف کرنے والا مسلمان ہی نہیں بھلا ہشیوا کیسے ہو سکتا ہے اور منصوص علیہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے مفہوم میں داخل ہے تو لامحالہ اس جگہ تنازع ہی مراد ہے یعنے جس بات کے ثبوت میں شبہ ہو تو اسکو دیکھو کہ تمہارے اولی الامر نے اس کو

کیونکہ استنباط کیا ہے کتاب وسنت سے اُن کے استنباط کو پرکھو اب یہ بات جاننی لازم ہے کہ کتاب وسنت
دونوں قیاس پر ہر صورت سے مقدم ہیں قیاس کی وجہ سے اُن کی تعمیل ترک نہیں کی جاسکتی اور نہ قیاس سے اُنکی
تخصیص ہوسکتی ہے گو قیاس جلی ہو یا خفی اور گو قبل قیاس کے نص اپنے عموم پر باقی ہو یا اُس میں تخصیص ہوچکی ہو کیونکہ
اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا امر مطلق ہے اس سے ثابت ہوا کہ کتاب وسنت کی متابعت ہر حال میں واجب
ہے خواہ اُن کا معارض یا مخصص قیاس موجود ہو یا نہو اُن کے مقابل میں قیاس کی کچھ ہستی نہیں ہے۔ اور اس آیت سے
یہ بھی ثابت ہوا کہ ماسوائے اُن ادلہ اربعہ کے سب دلائل باطل ہیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر امر وجوب کے
لئے ہے جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہو اسلئے کہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر وعید سخت ہے تارک اطاعت
پر تو معلوم ہوا کہ اطاعت امر خدا اور اطاعت امر رسول شریعت کے ضروری امور میں سے ہیں۔ یہ بھی جاننا چاہیئے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال میں سے جو کچھ ہم تک پہنچیگا دو حال سے خالی نہیں یا تو قول ہوگا یا فعل سو وجوب اتباع بالقول تو اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول سے معلوم ہوہی چکا ہے اور فعل سو دوسری جگہ اللہ تعالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرکے فرماتا ہے فاتبعوہ اس سے ثابت ہوتا ہے
کہ فعل کی تعمیل بھی ضروری ہے اسلئے کہ اتباع کے معنی یہ ہیں کہ جو فعل متبوع کرے وہی فعل تابع بھی کرے لیکن یہ معنی مراد نہیں اسلئے جس فعل کے
ساتھ کوئی قرینہ وجوب کا ہوگا وہی واجب التعمیل ہوگا اور جس میں قرینہ وجوب نہوگا وہ سنت قرار پائیگا اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عرف شرع میں ہر امر
مقتضی تکرار ہوتا ہے جب تک کوئی دلیل قرینہ نہو کہ جو تکرار کو منع کرے۔ اطاعت رسول وغیرہ کیلئے اطیعوا کا ایک لفظ کافی تھا اور اللہ کی اطاعت
کے لئے اطیعوا کا جداگانہ لفظ لایا گیا اسلئے کہ خالق اور مخلوق میں تمیز رہے اور ادب گفتگو ملحوظ رہے چنانچہ آنحضرت
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خطیب کو یہ کہتے سنا کہ من اطاع اللہ ورسولہ فقد رشد واھتدی ومن یعصھما
تو آپ نے فرمایا کہ بئس الخطیب انت یعنے تو بہت برا اور بے ادب خطیب ہے کہ خدا اور رسول میں فرق نہیں کیا اور
ایک تثنیہ کی ضمیر دونوں کی طرف راجع کردی یعنے ومن یعصھما کی جگہ ومن یعص اللہ ورسولہ تجکو کہنا چاہیئے
تھا۔ اور اجماع سے وہ اُن اہل علم کا اتفاق مراد ہے جو کہ اہل تدین ہوں اور استنباط مسائل پر قادر ہوں مقلدین
اور عوام کا اجماع قابل اعتبار نہیں اور ایمان اجماع میں شرط ہے جس فرقہ کے ایمان میں شک ہو وہ فرقہ داخل
اجماع نہیں ہوسکتا اور نیز اجماع کا ثبوت نہایت محکم طریق سے ہو صرف یہ کہدینا کہ اسپر اجماع ہے کافی نہیں ہوسکتا
اور نہ اجماع سکوتی چنداں قابل حجت ہے اور قیاس صحیح بھی شریعت میں حجت ہے بشرطیکہ اُسکے مخالف نص کتاب وسنت
نہو ورنہ مردود ٹھیریگا اس آیت سے تقلید شخصی کا بھی پورا بطلان ثابت ہو اسلئے کہ بہت امور ایسے ہیں جنکو تحقیق سے معلوم
کرلینا عوام پر شاق نہیں اگر تحقیق کرنا چاہیں مثلاً مقتدی کا امام کی سری اور سکوت کی حالت میں فاتحہ وغیرہ
پڑھنا یا مثلاً رفع الیدین کا سنت ہونا یا آمین بالجہر کا مستحب ہونا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ بھی مد نظر رہے کہ ترک تقلید کے معنے
یہ ہیں کہ خلاف حکم خدا ورسول صلعم اگر ہے یہ نہیں کہ علمائے شریعت کی توہین کرے اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنادے
بلکہ جو استدلال اُسکی سمجھ میں آوے اُسکے بارے میں سلف صالحین کے افعال واقوال کو بھی دیکھے کہ آیا اُن میں سے کوئی
اُسکا قائل یا فاعل ہے یا نہیں اگر اُن میں کوئی نہیں گزرا تو اُس استدلال کو صحیح نہ سمجھے گر اُنکی تلاش میں رہے بشرطیکہ کسی
قاعدہ معتبر سے استدلال کیا ہو ورنہ اُسکو وسوسہ شیطانی سمجھے۔ ترک تقلید کا فائدہ یہ ہے کہ تمام علمائے سلف کو تعظیم کی نظر سے دیکھے

اور اُن کے علوم سے استفادہ کرے گویا تمام علماء کو اپنا اُستاد اور مخدوم سمجھے اور تقلید میں تو بہت سخت قباحت یہ ہے مقلد صرف ایک ہی امام کو اپنا پیشوا بناتا ہے اور باقی سب کو ناحق سمجھتا ہے اور نیز اُسکو معصوم سمجھتا ہے گو وہ زبان سے اسبات کا اقرار نکرے لیکن اُسکی حالت بتا رہی ہے کہ جو رتبہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص تھا وہ رتبہ اُسنے غیر نبی کو دیا اسی کا نام شرک فی الرسالۃ ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ علمائے دین کی توہین اور تحقیر کرنے والا بھی رافضیوں اور خارجیوں کا بھائی ہے اور اُس سے بڑھکر کوئی جاہل نہیں۔ اسبات کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اصل طریق نجات کا ہے اور اُسکی اطاعت بغیر اطاعت رسول کے کسی صورت سے متصور نہیں ہو سکتی اسلئے کہ کوئی ایسا طریق معتبر نہیں ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی مرضی یا نامرضی معلوم ہو سکے سوائے پیغمبروں کی وساطت کے اور وہی اللہ کے احکام بندوں تک پہونچانے والے ہیں اسلئے اُن کا معصوم ہونا ضروری ہوا۔ اور اُنہیں کی طاعت عین خدا کی اطاعت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنے جس نے رسول کی طاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کر لی یہ مرتبہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور نبی کو سب وہ علم ہوتا ہے جسکی امت کی تعلیم کے لئے ضرورت ہوتی ہے اور جسقدر دین کی تعلیم امت کے لئے ضروری ہوتی ہے نبی اُسکی تکمیل کر کے جہان فانی سے رخصت ہوتا ہے غیر نبی اُسکی تکمیل نہیں کر سکتا۔ اور علمائے دین کو اجتہاد کی ضرورت اسی لئے پڑی کہ اُن کا علم نبی کے علم سے بدرجہا ناقص اور سخت ناکامل ہے کوئی عالم دین کے تمام مسائل پر حاوی نہیں ہو سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وفوق کل ذی علم علیم یعنے تمام علماء میں ایک سے ایک بڑھکے ہے۔ اور اجتہاد میں غلطی کا ممکن ہونا ضروری ہے اسلئے اجتہادی مسائل اور اسی طرح وہ اقوال علماء جنکے دلائل معلوم نہیں کسی طرح قابل اطمینان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اُن کے دلائل معلوم نہوں ہاں دیانتدار علماء جنکا حافظہ درست ہے یا ضبط تحریر محکم ہے اُن کی روایت ہر وقت واجب العمل ہے بشرطیکہ تعارض سے سلامت ہو لیکن جنکی روایت مقبول ہو۔ یہ ضرور نہیں کہ اُسکی ہر درایت بھی ضرور مقبول ہو کیونکہ درایت اور روایت میں کوئی لزوم نہیں کیونکہ روایت میں صدق اور دیانت اور ضبط شرط ہے اور درایت میں مطابقت نص شرعی شرط ہے تو بعض اوقات میں درایت اور روایت متفق ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات میں نہیں ہوتیں اور بعض اوقات میں درایت روایت پر مقدم بھی ہو جاتی ہے جبکہ روایت کی صحت مشکوک ہو اور درایت دوسرے طریق شرعی سے قوت حاصل کر چکے حاصل یہ ہے کہ اطاعت خدا و رسول بالاصالۃ فرض ہے اور باقی کسی کی اطاعت اصالۃ کے طور پر لازم نہیں ہے بلکہ بالتبع ہے ؛

الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہٖ ویرید الشیطان ان یضلھم ضلالا بعیدا ۝ واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا ۝

ترجمہ اے نبی! تم نے کیا اُن (لوگوں کی حالت) پر نظر نہیں کی جو (تم سے) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ (ہم) جو (کلام الٰہی) تم پر نازل کیا گیا ہے اور جو تم سے پہلے اور پیغمبروں پر نازل کیا گیا تھا اُس (سب) پر ایمان لائے ہیں (مگر اُن کا دلی) ارادہ یہ ہے کہ اپنے مقدمات میں طاغوت کو حکم بنا دیں حالانکہ اُنہیں (خدا کی طرف سے) یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُسکے معتقد نہ بنیں اور یہ بھی اُنہیں بتا دیا گیا کہ

شیطان چاہتا ہے کہ انہیں سخت گمراہی میں کردے اور (ان جھوٹے دعوے کرنیوالوں کا یہ حال ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہی کہ جو (احکام) اللہ نے نازل کئے ہیں اُن کی اور رسول کی طرف رجوع کرو تو (اے نبی) تم (ان) منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تمہاری طرف (رجوع کرنے) سے ہٹ رُکتے ہیں۔

تفسیر اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان میں کوئی جھگڑا واقع ہوا تو اُسکے فیصلہ کے واسطے یہودی تو کہتا تھا کہ ابو القاسم (محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس چلو اور منافق کہتا تھا کہ کعب بن الاشرف (یہودی طاغوت) کے پاس چلو چونکہ اصل میں حق یہودی کا تھا اور یہودی جانتا تھا کہ آپ ہی سچا فیصلہ کرنے والے ہیں اور کعب بن الاشرف سخت رشوت خوار ہے اسلئے یہودی نے اُسی پر اصرار کیا کہ فیصلہ آپ ہی کریں گے آخر دونوں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا تو جب دونوں باہر نکلے تو منافق نے کہا یہاں فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا پھر اُس یہودی کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لیگیا جب دونوں وہاں پہونچے تو یہودی نے کہا کہ ابو القاسم نے فیصلہ کر دیا ہے مگر یہ منافق اُس فیصلہ پر راضی نہیں ہوا حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا کہ کیا واقعی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہارا جھگڑا فیصل کیا منافق نے کہا کہ بیشک تو حضرت عمر رضی نے کہا کہ اچھا تو میں گھر کے اندر کسی ضرورت کے لئے جاتا ہوں اگر فیصلہ کر دونگا چنانچہ آپ اندر گئے جب نکلے تو تلوار ہاتھ میں تھی آتے ہی منافق کی گردن اُڑا دی اور کہا کہ جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہو میں اُسکا ایسا ہی فیصلہ کیا کرتا ہوں اور یہودی بھاگ گیا اور منافق کے قرابتیوں نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر عمرؓ کی شکایت کی آپنے عمرؓ سے پوچھا آپ نے ماجرا بیان کیا اور یہ آیت بھی اُنہیں کی تائید میں اُتری اُسی دن سے حضرت عمرؓ کا لقب فاروق مشہور ہوگیا یعنے حق و باطل میں بہت اچھی طرح فرق کرنے والا۔ اس آیت میں لفظ یزعمون کا مصدر زعم ہے اور زعم کے اکثر معنی اُس دعوے کے ہوتے ہیں جسکے ثبوت میں شک ہو یا بالکل باطل ہو چنانچہ اس آیت میں یقیناً اُن کے دعوے کو جھوٹا ثابت کیا گیا ہے اور زعم کے معنے یقین کے بہت ہی کم اور نادر آتے ہیں۔ خلاصہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے نبی کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے بلکہ نبی کے دشمنوں کے فیصلہ کو پسند کرتے ہیں وہ منافق ہیں اور باطنی کافر ہیں اور وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں جیسے کہ اسوقت کے نئی روشنی والے دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں احادیث نبویہ کا معجزات وغیرہ کے بارے میں صاف انکار کرتے ہیں اور تواریخ اہل اسلام پر نصاریٰ کی تواریخ کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے کہانے پینے پہننے وغیرہ امور معاشرت میں شریعت کے سخت مخالف ہیں اور علماء اسلام کو لفظ ملانوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر وقت درپے اُن کی تحقیر و تذلیل کے ہوتے ہیں اُن لوگوں سے اسلام کو اتنا سخت نقصان پہنچا ہے جتنا کہ کفار سے ہرگز نہیں پہونچ سکتا تھا یہ لوگ حقیقت میں نصاریٰ وغیرہ گروہ کفار سے زیادہ موذی اور دشمن اسلام ثابت ہوئے ہیں غرور اور نخوت اور تکبر اِن کی گھٹی میں پڑا ہے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اُن کے سایہ سے بہاگنا عین نجات روحانی ہے اور اُن سے دلی رفاقت رکھنا صریح بے ایمانی ہے اللہ تعالیٰ اُن کے شر سے اسلام اور اہل اسلام کو محفوظ رکھے۔

فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت ایدیھم ثم جاؤک یحلفون باللہ ان اردنا الا احسانا وتوفیقا ٭ اولئک

الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا ٭

ترجمہ پھر کیوں جب اُن کے اعمال (بد) کے سبب سے (خدا کی طرف سے) اُنہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تمہارے پاس خدا کی قسم کہاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو صرف بھلائی اور ملاپ کا ارادہ کیا تھا (ہمیں آپکی اطاعت سے کسی طرح انحراف نہیں) یہ لوگ وہ ہیں کہ اللہ (ہی) اِن کے دلوں کی حالت جانتا ہے پس اے نبی! تم اِن (کے قتل کرنے) سے اعراض کرو اور انہیں نصیحت ضرور کرو اور ان سے (ایسی) گفتگو کرو (جو) اُنکے دلوں میں اثر کرنے والی (ہو)۔

تفسیر یہ آیت پہلی آیت کے شان نزول کا تتمہ ہے یعنے جو کہ اصلی حالت سے واقف ہو اُسکے سامنے بہانہ کرنا کتنی ذلت کی بات ہے مگر تاہم اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حسن اخلاق کی تاکید فرماتا ہے کہ گو تم کو ہم نے اُن کی نیت باطنی سے واقف کر دیا ہے تاکہ تم اِن سے نصیحت اور خوش گوئی سے پیش آؤ ممکن ہے کہ نفاق سے توبہ کریں ٭

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول

لوجدوا اللہ توابا رحیما ٭

ترجمہ اور ہم نے (جب کوئی) رسول بھیجا تو اس لئے کہ خدا کے حکم سے اُسکی اطاعت کی جائے اور اگر یہ لوگ جب (تمہاری نافرمانی کرکے) اپنے اوپر ظلم کر چکے (تھے اسکے بعد بھی) تمہارے پاس آتے اور اللہ سے (اپنے گناہوں کی) مغفرت چاہتے اور رسول (یعنے تم بھی) اُن کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے (اور اُن کی خطائیں معاف کر دی جاتیں)٭

تفسیر یعنے ہمیشہ سے عادۃ اللہ جاری ہے کہ جب کسی پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے تو لوگوں کو اُسکی اطاعت کا حکم دیتا ہے یعنے ہر امت کو لازم ہے کہ اپنے رسول کی بھی اطاعت کریں۔ بغیر اطاعت کے کوئی اُسکے گروہ میں شمار نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین کو چاہیئے تھا کہ رسول کے پاس آکر اپنا قصور معاف کرواتے یعنے خود بھی خدا سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی اُن کے لئے خدا سے مغفرت مانگتا تو ضرور اللہ اُن کے قصور کو معاف کر دیتا (مگر) اُنہوں نے تو اُسکے برعکس جھوٹے بہانوں سے کام لینا چاہا جسکی وجہ سے ذلیل ہوئے ٭

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ٭

ترجمہ پس (اے نبی) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (عند اللہ) مومن نہوں گے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں حکم (نہ) بنائیں (اور) پھر جو کچھ تم (اس معاملہ میں) حکم دو اُس سے تنگ دل نہوں اور (بے چون وچرا کے) بخوشی تسلیم کرلیں (جب اسلام جیسی آسان شریعت کے اتباع میں اُن کا یہ حال ہے تو) ٭

تفسیر اس آیت میں ایمان کی پوری کیفیت بیان ہوئی ہے یعنے ایمان کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی نہ پائی گئی تو ایمان کا وجود بالکل محال ہے۔ ایک یہ کہ اختلافی امر میں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی حکم (مرجع) مانا جاوے۔ دوسری یہ کہ آپ کے فیصلے سے دل میں کدورت نہ آنے پاوے۔ تیسری یہ کہ آپ کے فیصلہ کو بغیر جھگڑا رہیں دل وجان کر تسلیم کیا جاوے۔ سو اگر آپ کی حدیث شریف کو حکم نہ مانا جاوے تو یہ صریح کفر ہے اور اگر آپ کے

فیصلہ کو مان لیا جاوے لیکن دل میں اُس سے بجائے خوشی کے تنگی ہے تب بھی ایمان نہیں اور اگر تنگی نہیں لیکن خوشی بھی نہیں تب بھی ایمان نہیں لیکن پچھلی دو صورتوں میں ظاہر طور پر تو مسلمان کہلا سکتا ہے گو باطن میں نہ ہو اور پہلی صورت میں تو نہ ظاہر میں مسلمان ہے اور نہ باطن میں۔ رسول کی اس حد کی اطاعت کا حکم دینا دلیل ہے اسکی کمال عصمت کی اگر کامل عصمت نبوی اور اُن کے فیصلے میں غلطی ممکن ہوتی تو ایسی جازم اطاعت کا جزئی حکم نہ ہوتا +

ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم و اشد تثبیتا و اذا لاٰتینٰھم من لدنا اجرا عظیما و لھدینٰھم صراطا مستقیما ؕ

ترجمہ اگر ہمیں بنی اسرائیل کی طرح اہم اُن پر یہ حکم (جاری) کرتے کہ تم اپنے آپکو قتل کر ڈالو یا دیہ حکم دیتے کہ اپنے وطنوں سے نکل جاؤ تو اُن میں سے چند آدمیوں کے سوا یہ لوگ ایسا (ہرگز) نہ کرتے اور اگر یہ لوگ اُس (بات) پر عمل کرتے جسکی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو اُن (ہی) کے لئے مفید تھا اور (دین میں انہیں) زیادہ مضبوط کرتا اور بے شک اُس وقت ہم انہیں اپنے ہاں سے بڑا ثواب دیتے اور بے شک ہم راہ راست کی (طرف) ہدایت کرتے +

تفسیر یعنے راہ راست پر ہونے اور اجر عظیم کے حاصل کرنے کے لئے یہی کافی ہے جو کہ ہمنے اپنی محض رحمت کی وجہ سے بہت آسان کاموں کی تکلیف دی اُن کو بجا لاویں اور اگر ہم یہ حکم دیتے کہ تم ہمارے حکم سے خودکشی کرو یا جلا وطن ہو جاؤ تو ایسی اطاعت کرنے والے بہت ہی کم لوگ نکلتے اور اس صورت میں کفر و عناد اکثروں کا ظاہر ہو جاتا لیکن ہمنے ایسا نہیں کیا کیونکہ ہمارا مقصود زک دینا نہیں تھا بلکہ رحمت مدنظر تھی +

و من یطع اللہ و الرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین و حسن اولٰئک رفیقا ذلک الفضل من اللہ و کفٰی باللہ علیما ؕ

ترجمہ اور جو کوئی اللہ اور (اسکے) رسول کی اطاعت کرے تو وہ (اُن مقبول بندوں میں سے ہوگا جو قیامت میں ایسے برگزیدہ) لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے (اپنی) نعمت اُتاری ہے یعنے انبیاء اور صدیقین اور شہیدوں اور نیکوکاروں کے ساتھ (ہونگے) اور یہ لوگ (بہت) اچھے رفیق ہیں (مگر) یہ بزرگی (یعنے ایسے لوگوں کی رفاقت محض خدا کے فضل (سے) انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی) ہے جو خدا و رسول کے ساتھ ہونگے اور اللہ جاننے والا بس ہے۔

تفسیر بعض آدمیوں نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمکو آپ سے سخت محبت ہے اور جس وقت ہم آپ سے جدا ہوتے ہیں تو ہمکو سخت وحشت ہوتی ہے اور بغیر آپ کے ملے چین نہیں آتا تو قیامت کے دن کیونکر گزر ہوگی کہ آپ تو اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور ہم لوگ نیچے ہوں گے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ تو معلوم ہے کہ جس پر اللہ کی وحی ہوتی ہے وہ نبی ہے۔ اور صدیق اُسکو کہتے ہیں جو کہ بے چون و چرا شرع کے حکم کو مان لے اول ہی سے اُس کا دل شبہوں سے پاک ہو۔ اور شہید وہ ہے جو کہ اُسکی راہ میں جہاد میں جان دیدے یا جی غیرت سے بابت کے فساد کے وقت سنت نبویہ پر عمل کرے اور کسی کے ظلم و تعدی کا خوف دل میں نہ لائے۔ اور صالحین تمام نیک لوگ جنکی اطاعت کا حصہ اُن کے قصوروں پر غالب ہے۔ سو اللہ اور رسول کی اطاعت کا یہ ثمرہ ہے کہ ایسے لوگوں کی ہمراہی قیامت کے دن نصیب ہوگی زہے قسمت اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت کے چار درجے ہیں

اعلےٰ درجے کی اطاعت کا مادہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہوتا ہے وہ درجہ تو سوائے انبیاء کے دوسرا کوئی حاصل نہیں کرسکتا اور باقی تینوں درجے سب کو حاصل ہوسکتے ہیں۔ یہ درجے عنایت کرنا خدا کی رحمت اور اُس کا فضل ہے کسی استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے ؛

یا ایہا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا ٥ وان منکم لمن لیبطئن فان اصابتکم مصیبۃ قال قد انعم اللہ علی اذ لم اکن معہم شہیدا ٥ ولئن اصابکم فضل من اللہ لیقولن کان لم تکن بینکم وبینہ مودۃ یا لیتنی کنت معہم فافوز فوزا عظیما ٥

ترجمہ اے ایمان والو (جہاد کے وقت) اپنی حفاظت (کے ذرائع) اختیار کرو پھر (چاہے) متفرق (ہو کے دشمن پر) جاؤ یا سب ملکے جاؤ اور بے شک تم میں سے کوئی (ایسا) ہے جو (جہاد سے) ضرور پیچھے رہ جائیگا پھر اگر (میدان جنگ میں) تمہیں کوئی تکلیف پہنچے (تو) کہے گا کہ بے شک اللہ نے مجھپر (بڑا) فضل کیا جو میں ان (مسلمانوں) کے ہمراہ (میدان جنگ میں) موجود نہوا اور اگر اللہ کا فضل تم پر ہو جائے (اور دشمن پر غالب ہو کر کچھ مال غنیمت تمہیں ملجائے) تو (اس طرح) گویا تم میں اور اُس میں کچھ محبت نہ تھی یقیناً کہے گا کہ اے کاش میں (بھی) اُنکے ہمراہ ہوتا تو میں بڑی کامیابی حاصل کرتا ؛

تفسیر یعنے جب ضرورت کے لائق سامان جنگ مہیا ہو جاوے تو پھر اختیار ہے کہ خواہ سب ملکر یکبارگی حملہ کرو خواہ فوج فوج ہو کر بتدریج جنگ کرو جو مناسب وقت دیکھو وہی کرو۔ اس حال میں بھی منافق کا نفاق ظاہر ہو جاتا ہے اور دشمن کے مقابلے سے جی چراتا ہے اگر لشکر اسلام کو اتفاقاً شکست ہو گئی تو بہت خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کا بڑا فضل ہوا کہ میں ایسی حالت میں شریک نہیں ہوا اور اگر خدا کے فضل سے فتح ہوئی اور یہ شخص شامل نہ تھا تو کف افسوس ملتا ہے کہ اے کاش میں بھی ہوتا تو مال غنیمت میں سے حصہ لیتا۔ اسوقت حصہ حاصل کر ہوتا غرض منافق کو ہمیشہ اپنی ذاتی غرض مدنظر رہتی ہے قومی خیر خواہی سے یا اسلام کی نصرت سے اُسکو کوئی غرض نہیں ہوتی

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاٰخرۃ ٥ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ٥

ترجمہ پس جو لوگ دنیا کی (چند روزہ) زندگی آخرت (کے جاودانی عیش) کے عوض بیچتے ہوں (اُنہیں) چاہیے کہ اللہ کی راہ میں (دشمنان دین سے) جنگ کریں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں (دینی دشمنوں سے) جنگ کریگا وہ (خواہ) مارا جائے یا (دشمن پر) غالب (اگر زندہ رہے) تو (بہرحال) ہم عنقریب اُسے بڑا اچھا بدلہ دیں گے ؛

تفسیر لغت میں شرا کے دو معنے ہیں ایک خریدنا دوسرا بیچنا اور اس آیت میں بھی دونوں احتمال ہیں پہلے احتمال سے معلوم ہوتا ہے کہ خطاب منافقین سے ہے اور دوسرے احتمال سے مومنین مخاطب معلوم ہوتے ہیں۔ سو منافقوں کو گویا تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم نفاق اور خود غرضی چھوڑ دو اور سچا ایمان اختیار کر کے جہاد فی سبیل اللہ کرو۔ اور مومنوں کو یہ خطاب ہے کہ چونکہ تم دنیا دیکر آخرت خرید چکے ہو تو پھر سستی کیسی اُٹھو اور نیک نیتی سے جہاد کرو کیونکہ جو کوئی بھی نیک نیتی سے جہاد کریگا خواہ وہ غالب ہو خواہ قتل ہو کسی حالت میں بدنام نہیں ہو سکتا اگر مارا گیا تو شہید کہلائیگا اور غالب آیا تو بہادر کہلائیگا اور ہر صورت اجر کا مستحق ہے دنیا میں مال غنیمت میں شریک ہوگا اور قیامت میں اُسکو جنت اور ثواب کے انعام ملے گا ؛

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم اہلہا ٥ واجعل لنا من لدنک ولیا ٥ واجعل لنا من لدنک نصیرا ٥

ترجمہ اور تم کو کیا (عذر) ہے جو تم اللہ کی راہ میں اور اُن کمزور (مسلمان) مردوں اور عورتوں اور بچوں (کو کفار مکہ کے پنجوں سے چھڑانے) کے لئے جہاد نہیں کرتے جو یہ (دعا) کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس شہر (مکہ) سے جہاں کے رہنے والے (سخت) ظالم ہیں (جلد باہر) نکال اور ہمارا کوئی کارساز اپنے ہاں سے بنادے اور اپنے (ہی) ہاں سے کوئی مددگار ہمارے لئے مقرر فرما ۵

تفسیر اللہ تعالیٰ جہاد کی ضرورت کو اس طرح ثابت کرتا ہے کہ تمہارے بھائی مسلمان جو کہ دارالکفر میں ہیں اور ان پر ظلم ہوتا ہے اور وہ ظالموں کے ستم سے اتنے تنگ آگئے ہیں کہ وہاں سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن اُن کو کوئی نکلنے بھی نہیں دیتا اور وہ رات دن دعائیں مانگتے ہیں کہ بار خدایا ہمکو ان ظالموں کے پنجے سے نجات دے۔ اُن بھائیوں کی مدد کرو اور اُن ظالموں کے پنجے سے بزور بازو چھڑاؤ اور اپنے وطن کو اپنے قبضے میں لاؤ۔ ایسی حالت میں خاموش بیٹھ رہنا سخت بزدلی کہلاتی ہے عزت والا کبھی ایسی حالت میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ اور ایسے وقت میں جہاد کرنا عین عدل ہے اور اپنے بھائیوں کی مدد ہے۔ اسکو ابتدائی جنگ سے اور ظلم و تعدی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ۵

الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ ۚ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان ۚ
ان کید الشیطان کان ضعیفا ۵

ترجمہ (پس اے ایمان والو دیکھو) ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں پس شیطان کے دوستوں سے (خوب) جنگ کرو بے شک شیطان کا داؤ (بہت) کمزور ہوتا ہے (اُسکے پیرو تم سے کبھی برسر نہیں ہوسکتے) ۵

تفسیر اس آیت میں نہایت مدلل اور سچی ترغیب جہاد کی ہے اور ملکی اور مذہبی جنگ میں فرق بتایا گیا ہے یعنے ایمان والے جب لڑیں گے... اُن کی مدنظر خدا کی خوشنودی ہوگی خود غرضی اُن کے پاس تک نہیں جاتی اُن کے دل میں اجر اخروی کا پورا یقین ہوتا ہے حظ دنیا حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ اور کفار کی نیت جنگ میں خودغرضی اور شرارت اور ہٹ دھرمی کی ہوتی ہے اور ایسی نیتیں شیطانی تعلیم سے پیدا ہوتی ہیں اور ایمانی جذبہ کے سامنے شیطانی فریبوں کی کچھ نہیں چل سکتی ۵

الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ ۚ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ ۚ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال ۚ لولا اخرتنا الی اجل قریب ؕ قل
متاع الدنیا قلیل ۚ والاخرۃ خیر لمن اتقی ولا تظلمون فتیلا ۵

ترجمہ (اے نبی) کیا تم نے اُن لوگوں کی (حالت) پر نظر نہیں کی جن (کو جہاد کی آرزو تھی مگر معلوم ہو) اُن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی چندروز تک) اپنے ہاتھ روکے رہو اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو پھر جب اُن پر جہاد فرض کیا گیا تو اُسوقت اُن میں سے بعض لوگ کافروں سے (ایسے) خائف ہوئے جیسے خدا کا خوف (مسلمانوں) کو ہوتا ہے بلکہ (اس سے بھی) زیادہ خوف (اُن پر طاری ہوا) اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کیا ہمیں ایک قریب وقت (یعنے طبعی موت) تک (زندہ) کیوں نہ رہنے دیا (بس اے نبی تم اُن سے) کہدو کہ دنیا کا فائدہ (تو) بہت کم ہے اور آخرت پرہیزگار کے لئے (دنیا سے بدرجہا) بہتر ہے اور تم پر (آخرت میں) تاگے دھاگے کے برابر (بھی) ظلم نہ کیا جائیگا ۵

تفسیر کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت مقداد رضؓ اور قدامہ بن مظعون اور عبدالرحمان بن عوف رضؓ اور سعد بن ابی وقاص رضؓ کے بارے میں اُتری ہے کہ یہ لوگ ہر وقت آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہتے تھے ہجرت سے پہلے اور مشرکین کی طرف سے جو جو ایذائیں ان کو پہنچتی تھیں ان کی شکایتیں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ آپ ہم کو اصحاب کی اجازت دیجئے کہ ہم ان سے جہاد کریں تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ لڑائی بھڑائی سے اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز اور زکوٰۃ میں سرگرم رہو۔ پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور چند روز بعد جہاد کا حکم ہوا تو بعض لوگ کچھ ڈھیلے پڑ گئے ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے +

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ ؕ وان تصبہم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ ۚ وان تصبہم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک ؕ قل کل من عند اللہ ؕ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا ○

ترجمہ (پھر تمہیں موت کا کیا خوف اور اگر موت ہی آگئی ہے تو) تم جہاں کہیں ہوگے تمہیں موت آلیگی اور اگرچہ (میدان جنگ میں نہ جاؤ بلکہ بڑے محفوظ اور) مضبوط محلوں میں ہو جب بھی موت سے نہ بچوگے) اور (دوران کا فروں کو دیکھو) اگر انہیں کچھ فائدہ پہونچتا ہے (تو) کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ تکلیف پہونچتی ہے تو (ہمارے نبی سے) کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے (اے نبی ان سے) کہدو کہ (فائدہ نقصان) سب خدا (ہی) کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے ہی نہیں +

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ جہاد کے لئے شجاعت دلاتا ہے کہ موت کا جو وقت مقرر ہے وہ تو ٹلنے کا نہیں گو کیسی ہی محکم گڑھیوں میں جا پناہ لو اور اگر موت کا وقت نہیں آیا تو گو تم تلواروں کی دھاروں کا مقابلہ کروگے تب بھی نہیں مرنیکے اور دوسری تعلیم یہ ہے کہ جسکو آدمی مخالف جانے اسکی ہر بات کو بے سوچ سمجھے رد نہ کردے اور خیر و شر کا خالق خدا کو جانے اور سبب شر کا کسی دوسرے شخص کو نہ ٹھیرا دے اس کی عداوت کی وجہ سے دوستی اور دشمنی دونوں حالتوں میں انصاف کو مد نظر رکھے۔ یہ بے سمجھی کی بات ہے کہ ایک بے قصور پاک طینت آدمی کو جبراً الزام دیدے مفسرین لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے قبل مدینہ بہت آسودہ حال تھا زراعت اور باغ ہرے بھرے اور شاداب رہتے تھے اور غلہ وغیرہ مال مویشی کی کثرت تھی اور سامان عیش با فراغت تھا جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اکثر یہود اور منافقین ایمان سے محروم تھے تو کسی قدر عیش میں تنگی ہوئی جیسے کہ سنت اللہ جاری ہے وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء تو یہود اور منافقین بولے کہ اس شخص (محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر (معاذ اللہ) کسی کو منحوس نہیں دیکھا کہ جلتے آتے ہی ہماری پیداوار غلہ وغیرہ کی کم ہو گئی ہے اور نرخ گران ہو گئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی شامت اعمال کی طرف نظر نہیں ڈالتے اور اپنی نحوست دوسرے کے سر تھوپتے ہیں اور برائی کا موجد سوائے خدا کے دوسرے کو ٹھیراتے ہیں حالانکہ بھلائی برائی دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بھلائی برائی کو اللہ تعالیٰ بندوں پر جو ڈالتا ہے تو اسکا سبب بندوں کے اعمال ہوتے ہیں۔ جب تک نبی نہیں آتا حجت قایم نہیں ہوتی ہے پہلے اللہ تعالیٰ کسی قسم کا عذاب نہیں کرتا جب نبی بھیجا اور انہوں نے اس سے سرکشی کی اور ایمان نہ لائے اسوقت اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے

اور قسم قسم کے عذابوں میں انکو مبتلا کرتا ہے تاکہ شاید کسی وقت خدا کی طرف توجہ کریں جب بالکل اُن کی ہدایت سے مایوسی ہوتی ہے تو ان کو بالکل تباہ کر دیتا ہے اور اگر ہدایت کو اختیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اُن کے عیش کو فراخ کر دیتا ہے ؛

ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک و ارسلناک للناس رسولا و کفی باللہ شہیدا ۰

ترجمہ (ہاں اے شخص یہ ضرور ہے) کہ جو فائدہ تجھے پہونچتا ہے وہ (صرف) خدا کے فضل سے اور جو نقصان تجھے پہونچتا ہے وہ تیرے (اعمال بد کے) سبب سے اور (اے نبی ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغمبر (بنا کر) بھیجا ہے اور (اسبات کا) اللہ گواہ بس ہے ؛

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک ادب کی تعلیم فرماتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بشر انسانی بشریت سے پاک نہیں ہو سکتا اور مقتضی بشریت یہ ہے کہ اکثر اُس سے بھول چوک سرزد ہوتی رہے اور بھول چوک عیب ہے اور ہر عیب فعلی گناہ کہلاتا ہے اور گناہ مستحق سزا کا ہے اور سزا ہی نتیجہ بد ہے جسکا سبب بندے کا فعل قرار پایا اور سزا کا نہ ملنا یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور سزا نہونا یہ نتیجہ نیک ہے جسکا سبب محض اللہ کی رحمت اور مغفرت ہے تو بندہ جبکہ اکثر استحقاق سزا کا رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر سزا کو اُسپر جاری نہیں کرتا اس لئے جتنی خوبیاں بندے کو حاصل ہوتی ہیں وہ سب اللہ ہی کی مہربانی سے ہیں اسلیے ہر وقت بندے کو چاہیئے کہ تکلیف اور مصیبت کا سبب اپنے افعال کو سمجھے اور منفعت اور خوشی کا سبب محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سمجھے ؛

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولی فما ارسلناک علیہم حفیظا ۰

ترجمہ (جو کوئی اللہ کے) رسول کی (یعنے تمہاری) اطاعت کرے تو بیشک اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو (تمہاری اطاعت سے) اعراض کرے تو (تم اُسکا خیال بالکل نکرو) ہم نے تم کو اُن پر نگہبان (بنا کر) نہیں بھیجا (کہ اُن سے کوئی بات ہماری مرضی کے خلاف ہونے نہ دو) ؛

تفسیر اس آیت میں نبوت اور رسالت کا بہت بڑا پایہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول کی سنت ہی کتاب اللہ کی مفسر اور مبین ہے جسنے سنت کو محکم پکڑا وہی خدا کا سچا فرمان بردار ثابت ہوا اور وہی قرآن مجید کا پیرو بھی ہے اور جس نے سنت نبوی سے انکار کیا قولاً یا فعلاً اُسکا ایمان نہ اللہ پر ہے اور نہ قرآن پر اور نہ رسولوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بڑی پرکھ تعلیم فرمائی چنانچہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث سے عداوت رکھنا بدعتی ہونے کی علامت ہے ۔ قرآن شریف کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا کفر ہے اور اپنی رائے سے تفسیر کرنے والا جہنمی ہے چنانچہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من قال فی القرآن برائہ فلیتبوا مقعدہ من النار ۰ خلاصہ یہ ہوا کہ آدمی کا ایمان جبھی ٹھیک ہوگا کہ حدیث پر عمل کرے اور اہل حدیث سے محبت رکھے اور زید و عمر کے قول سے سرگردان رہے ؛

و یقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منہم غیر الذی تقول و اللہ یکتب ما یبیتون فاعرض عنہم و توکل علی اللہ و کفی باللہ وکیلا ۰

ترجمہ اور (ان منافقوں کو دیکھو کہ تمہارے سامنے تو) کہتے ہیں کہ طاعۃ (یعنے ہم آپ کے مطیع ہیں) پھر جب تمہارے پاس سے

باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ جو (تم سے) کہتے ہیں اسکے خلاف رات کو مشورہ کرتے ہیں اور (یہ نہیں جانتے کہ) جو مشورہ کرتے ہیں اللہ (کو اسکا علم ہے اور وہ اسکو) لکھ لیتا ہے پس (اے نبی) تم ان سے اعراض کرو اور خدا پر بھروسہ کرو اور (سمجھ لو کہ) خدا (تمہارا) کارساز بس ہے۔

تفسیر منافقین کی حالت کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارے سامنے تو کہتے ہیں کہ حضرت ہم آپکے فرمان بردار ہیں اور جب تم سے علیحدہ ہوتے ہیں تو تمہارے قول کے خلاف منصوبے گانٹھتے ہیں لیکن تم اپنی حسن اخلاقی کو ہاتھ سے نہ دو بلکہ درگزر کرو اور ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو نیک نیتوں اور اچھے اخلاق والوں کا وہ خود محافظ ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ط ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ۝

ترجمہ پس کیا یہ (قرآن کے منکر) قرآن میں غور نہیں کرتے اور (اتنا نہیں خیال کرتے کہ) اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

تفسیر قرآن مجید کی اعلےٰ درجہ کی ایک یہ بھی خوبی ہے کہ نیک نیتی سے اس میں غور خوض کرنے والوں کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں متضاد مضامین ہرگز نہیں ہیں کوئی مضمون کسی مضمون کے خلاف نہیں یہ دلیل ہے اسکے کلام اللہ ہونے پر اگر اس منصب کی کتاب غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہوتی تو ضرور اسکے مضامین اکثر متضاد ہوتے لیکن کلام اللہ میں غور و تدبر شرط ہے نظر اعتراض سے نہ دیکھے اس سے ایمان میں نقصان ہوتا ہے اور قرآن پر کوئی اعتراض پڑ نہیں سکتا اسکا جواب اوسی میں موجود ہوتا ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ط ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ط ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا ۝

ترجمہ اور (ان منافقوں کا یہ حال ہے کہ) جہاں ان کے پاس امن (یعنے مسلمانوں کی فتح) کی یا خوف (یعنے مسلمانوں کی شکست) کی کوئی خبر آئی (بس فوراً) اسکو مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اُس (خبر) کو رسول تک اور مسلمانوں میں سے ذی عقل لوگوں تک پہونچا دیتے تو بے جو لوگ ان میں سے اسکی تحقیق کرتے ہیں وہ اسکو سمجھ لیتے (کہ یہ بات مشہور کرنے کی ہے یا نہیں) اور (اے مسلمانوں) خیر اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی (تو) یقیناً سوائے چند لوگوں کے تم (سب لوگ) شیطان کی پیروی کرنے لگتے

تفسیر اس آیت میں بھی منافقوں کی ایک بد خصلت کا ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ جسوقت کوئی خبر اڑتی ہوئی سنتے ہیں تو بے سوچے سمجھے اسکو شہرت دینے لگتے ہیں گو وہ خبر امن کی ہو یا خوف کی اور ایماندار کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ اُس خبر کی اشاعت کے درپے نہیں ہوتا بلکہ اسکی تحقیق کے درپے ہوتا ہے کہ آیا یہ خبر صحیح ہے یا نہیں اور اشاعت کے قابل ہے یا نہیں اسلئے اہل یقین کے سامنے اس خبر کو پیش کرتا ہے جو کہ اُس سے ٹھیک نتیجہ نکال سکتے ہیں اور اسکی سچائی یا غیر سچائی کو معلوم کر سکتے ہیں اور سچی بھی ہو تو اسکی اشاعت کے مناسب یا نامناسب ہونے کو جان سکتے ہیں اور یہ شیطانی پیروی ہے جیسے کہ اکثر بلکہ گویا کل اڈیٹران اخبارات اسی مد میں ہوتے ہیں اور جھوٹ موٹ واہیات خبریں اپنے اخباروں میں شائع کرتے رہتے ہیں اور خود اسکی خوبی اور غیر خوبی کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ اخبار نویس بالکل دین سے نابلد ہوتے ہیں اور جہل مرکب ان میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اسی لئے ظاہر میں تو دین کے مددگار رہتے ہیں اور حقیقت میں اسلام کی

بالکل جڑیں کاٹتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا ایمان صرف بیدینی محض سے مبدل ہو جاتا ہے العیاذ باللہ ؂

فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا واللہ اشد بأسا واشد تنکیلا

ترجمہ پس (اے نبی) تم خدا کی راہ میں جہاد کرو تم سوائے اپنی ذات کے (اور کسی کے) ذمہ دار نہیں ہو اور (اصحاب کے ذمہ دار ہو کر) مسلمانوں کو (جہاد) کی ترغیب دو (اگر وہ تمہارے کہنے پر عمل کریں گے تو) عنقریب اللہ کافروں کی جنگ روک دیگا (کیونکہ خدا تمہاری طرف ہے) اور خدا کی جنگ بہت سخت ہوتی ہے اور وہ عذاب دینے میں (بھی) بہت سخت ہے۔

تفسیر اس آیت میں جہاد کا حکم ہو گیا لیکن خاص ذات سرور کائنات محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور یہ حکم بھی آپ کو دیا گیا کہ اہل ایمان کو اسکی رغبت دو اور امید رکھو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مخالفین کے زور کو گھٹا دے گا خدا کی پکڑ کا اور سختی کا بھی کا کوئی برداشت کرنے والا نہیں۔ نبی کا ایمان کسی صورت سے ضعیف نہیں ہو سکتا اور نہ منافقین کی باتیں نبی کو بے ہمت کر سکتی ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ہی کو اول قتال کا مکلف کیا اور دوسرے لوگ گو ایمان دار ہیں لیکن اُن میں منافقوں کی باتیں کسی نہ کسی قدر اثر کر ہی جاتی ہیں اسلئے یکبارگی اُن کو مکلف نہیں کیا بلکہ ترغیب دی ہے ؂

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا ومن یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا وکان اللہ علی کل شیء مقیتا ٥

ترجمہ (اے مسلمانو) جو کوئی (کسی کی) اچھی (بات میں) سفارش کرے (تو) اُسکو (بھی) اس (اچھے کام کے ثواب) سے کچھ حصہ ملے گا اور جو (کسی کی) بُری (بات میں) سفارش کرے تو اُس کو بھی اُس (بُری بات کی سزا) سے کچھ حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ؂

تفسیر پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا کہ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو اور اُس سے پہلی آیت میں منافقوں کی کم ہمتی اور اوروں کا بے ہمت کرنا مذکور تھا اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نیکی پر ہمت دلانے یا اُس سے بے ہمت کرنے کی حالت بیان فرماتا ہے کیونکہ شفاعت کے معنی بھی ترغیب کے ہیں خواہ اچھی بات کی ترغیب ہو یا بُری بات کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اچھی بات کی ترغیب دیگا اُس پر عمل کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا اُتنا ہی ثواب ترغیب دینے والے کو بھی ملے گا اور اسی طرح بُری ترغیب کے گناہ کی حالت ہے اور یہ مضمون صحیح حدیث میں آیا ہے۔ سو جہاد کی ترغیب دینا نیک شفاعت ہے اور اُس سے بے ہمت کرنا بُری شفاعت ہے اور اصل میں شفاعت شفع سے مشتق ہے جسکے معنے جفت کے ہیں گویا کمی طاق سے تعبیر کی گئی اور زیادتی جفت سے اسی طرح کسی کام کی ترغیب دینے والا اور سفارش کرنے والا دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتا ہے ؂

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوہا ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا ٥

ترجمہ اور جب تمہیں سلام کے ذریعہ سے دعا دی جائے تو تم (بھی) اُسکے جواب میں، اُس سے بہتر دعا دو یا وہی لفظ جواب (میں) کہدو بے شک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے ؂

تفسیر چونکہ لڑائی کے وقت آدمی جوش میں ہوتا ہے اس لئے اکثر ایسا موقع ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص آکر سلام کہے تو اس حالت میں اُسکے سلام کی طرف التفات نہیں کرتا بلکہ اُسپر وار کر ہی دیتا ہے اور نیز بغیر لڑائی کے بھی جب کوئی مخالف فریق میں سے اگر رسوم آداب بجا لاوے تو بوجہ تعصب مذہبی کے خوشدلی سے اسکا جواب دینے میں تامل ہوتا ہے

اور یہ دونوں باتیں حسن اخلاق کے برخلاف ہیں اور ان میں بہت ہی بڑے مفاسد ہیں اسلیے اللہ تعالیٰ ان کا رد اس طور پر فرماتا ہے کہ کسی قوم کا کوئی کیوں نہو جب سلام کرتا ہوا تمہارے سامنے آوے تو تم پر فرض ہے کہ تم دونے حسن اخلاق سے اُس سے پیش آؤ اور اُسکے سلام سے زیادہ فروتنی کے ساتھ اُسکا جواب دو اور اگر زیادہ نہو سکے تو خیر اُتنا تو ضرور ہی اُسکو جواب دو جتنا اُس نے کہا ان امور سے مخالف کے دل میں محبت کی کشش پیدا ہوتی ہے بہرہ کم سے کم اُتنا تو ضروری کرتا ہے کہ پرخاش سے پیش نہیں آتا اللہ تعالیٰ کسی کی خوبی کو رائیگان نہیں جانے دیتا بلکہ سب کا حساب اپنے پاس رکھتا ہے ہر ایک کی جزا ضرور دیتا ہے خواہ دنیا میں خواہ قیامت میں خواہ یہاں بھی اور وہاں بھی تحیۃ کے معنے اصل میں زندگی کی ہی دعا دینے کے ہیں جیسے حیاک اللہ یعنے اللہ تجکو زندہ رکھے اور سلام علیک یعنے تجہپر سلامتی رہے - یہ بھی گویا زندگی کی ہی دعا ہے لیکن چونکہ زندگی دوامی کی دعا یقیناً نامقبول ہے اسلیے شرع نے ایسی دعا مقرر کی ہے جسکی قبولیت ایک حد تک ثابت ہو سکے کیونکہ سلام کے معنے سلامتی کے ہیں یعنے بلائے ناگہانی سے سلامتی دشمن کی ایذا سے سلامتی امراض مزمنہ سے سلامتی ذلت سے سلامتی وغیرہ وغیرہ تو زندگی کی حد تک اُن میں سے کوئی نہ کوئی ضرور مقبول ہو سکتی ہے بخلاف اسکے کہ کوئی کہے تم جیتے رہو تو جیتے رہنا یہی ہے کہ مرے نہیں ہاں طول طویل تاویلوں سے ٹھیک ہو سکتا ہے کہ مدت دراز تک جیتے رہو وغیرہ بہر صورت السلام علیکم سے بہتر کوئی دعا نہیں ہے ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ کسی نے السلام علیکم کہا تو اسکے جواب میں کسی نے وعلیکم السلام کہدیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس نیکیاں ہوئیں - اتنے میں ایک اور نے آکر سلام کیا تو ایک شخص نے اُسکو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا تو آپنے فرمایا کہ یہ بیس نیکیاں ہوئیں اتنے میں ایک اور نے آکر سلام کیا کسی نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو آپنے فرمایا کہ تیس نیکیاں ہوئیں ایک دوسرے کو سلام کرنا یہ بھی موجب محبت ہے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو آپس میں سلام کرنیکی بہت ترغیب دی ہے اور اس میں قید پہچان کی نہیں رکھی یعنے ہر ایک کو سلام کہو خواہ وہ تمہاری جان پہچان کا ہو خواہ نہو افسوس کہ کہ یہ سنت قریب قریب بالکل اس امت سے اُٹھ گئی اور سنت تو درکنار سلام کا جواب دینا جو کہ فرض تھا وہ بھی اکثر غرور والوں نے چھوڑ دیا بلکہ بعض تو ایسے جاہل ہیں کہ اُن کو کافر صریح سمجھنا چاہیے کہ کہتے ہیں کہ السلام علیکم کہنا تہذیب اور حسن اخلاق کے برخلاف ہے بلکہ آداب اور کورنش وغیرہ کہنا چاہیے ایسے شخص سے بڑھکر کوئی اور پاجی نہیں ہو سکتا جو کہ لفظ السلام علیکم کو ایسے الفاظ سے تعبیر کرے کیونکہ اُس نے اپنی ذات کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھکر سمجھا اور بعض بدمعاش تو یوں کہدیتے ہیں کہ یہ تو جلاہوں کا سلام ہے - غرض سلام سنت الاسلام ہے اور جب تک یہ موجود ہے اسلام بھی موجود ہے اور جب یہ بالکل مفقود ہو جائے گا تو اسلام بھی بالکل نیست و نابود ہو جائے گا - اور سلام کے ساتھ مصافحہ بھی سنت ہے - اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت بھی تھی آپ فرماتے ہیں کہ جب دو مسلمان ایکدوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں (خلوص محبت سے) تو اُن کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے (باد خزاں سے) اور یہود و نصاریٰ (اور نیز رافضی) کو ابتدا سے سلام نہیں کرنا چاہیے اور اگر وہ خود سلام کریں تو فقط وعلیکم اُن کے جواب میں کہنا چاہیے - اور اگر کوئی ضروری مصلحت دینی ہو یا خوف ہو تو

ابتدا سے سلام کرنے میں کچھ حرج نہیں ؞

اللہ لا الٰہ الا ھو لیجمعنکم الیٰ یوم القیٰمۃ لا ریب فیہ ومن اصدق من اللہ حدیثا ؏

ترجمہ (یاد رکھو) اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں بیشک وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کریگا اس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کون (اپنی) بات میں سچا ہو سکتا ہے ؞

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ گویا بطور تنبیہ کے ارشاد فرماتا ہے کہ حتی الامکان تم ہر ایک سے حسن اخلاق سے پیش آؤ اور بداخلاقی مت برتو جیسے کہ میرے پاس ہر بات کا حساب ہے اسی طرح قیامت کے دن سب کو ہم اکٹھا بھی کرینگے اور اس میں کوئی شک نہیں ۔ لفظ لا الٰہ الا ھو اس مقام پر بطور قسم کے ہے یعنے ضرور بالضرور اور لامحالہ قیامت کا دن آنے والا ہے جس میں سب کے فیصلے ہوں گے اور یہ بات خدا کی سچی ہے اور خدا سے زیادہ اور کوئی سچا نہیں ہو سکتا ۔ اُس نے جو جو خبریں اپنی کتاب میں دی ہیں وہ ضرور ہو کر رہیں گی ؞

فما لکم فی المنٰفقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا ؏

ترجمہ (اے مسلمانو) تمکو کیا (ہو گیا) ہے کہ (تم) منافقوں (کے بارے میں) دو گروہ ہو گئے ہو یعنے کچھ لوگ تو اُنکے موافق ہو اور کچھ لوگ اُنکے مخالف حالانکہ اللہ نے اُنکے اعمال (قبیحہ) کے سبب سے اُن (کی عقلوں) کو الٹ دیا ہے (اب وہ راہ راست پر نہ آئینگے) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کیا ہے اُسے راہ راست پر لے آؤ حالانکہ جسے اللہ گمراہ کرے پھر اُس کی ہدایت کے لئے کوئی سبیل نہ پائیگا

تفسیر بعض لوگ مکہ میں اس قسم کے تھے کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اہل مکہ سے مقابلہ ہوا تو مشرکین اُن نام کے مسلمانوں کو بھی اپنی کمان میں لیکر آئے تھے چنانچہ اُنہوں نے مشرکوں کی طرف سے جنگ کی اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ جو اہل ایمان تھے اُنہوں نے اُن کو قتل کیا لیکن قتل کرنے کے بعد اُن میں اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ تم نے کلمہ گو مسلمانوں کو قتل کر ڈالا بڑے افسوس کی بات ہے بعض نے کہا اچھا ہوا کہ قتل کیا وہ مشرکین کی طرف سے کیوں لڑنے آئے تھے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسی بات کی تائید فرمائی کہ بیشک وہ لوگ منافق تھے وہ کیوں مشرکوں کے طرفدار تھے بے شک وہ گمراہ تھے اور حقیقی مسلمان نہ تھے ورنہ ایسی حرکت ہرگز اُن سے سرزد نہوتی ؞

ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منھم اولیاء حتیٰ یھاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا ؏

ترجمہ وہ (کمبخت منافق) یہ چاہتے ہیں کہ کاش جس طرح وہ (خود) کافر ہو گئے (اسی طرح) تم بھی کافر بن جاؤ تاکہ سب یکساں ہو جاؤ پس (اے مسلمانو ہوشیار رہو) اُن میں سے (کسی کو) دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں (یعنے پکے مسلمان ہو جائیں) پھر اگر وہ اس سے اعراض کریں تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں انہیں پاؤ اُن کو قتل کر ڈالو اور خبردار اُن میں سے (کسی کو اپنا) دوست اور حمایتی نہ بناؤ ؞

تفسیر اللہ تعالیٰ اور تاکید سے فرماتا ہے کہ ایسی حرکت والے حقیقت میں کافر تھے اور وہ تمکو بھی اپنا جیسا بنانا چاہتے تھے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن کے ہم خیالوں اور بھائی بندوں میں سے کسی سے دوستی مت کرنا جب تک کہ اللہ کی

راہ میں ہجرت نہ کرلیں اور حب الوطنی پر حب ایمانی کو ترجیح نہ دے لیں۔ اور اگر ہجرت سے انکار کریں تو جیسے کفار کا حال ہے وہی اُن کا حال ہے یعنے جہاں ملیں وہیں اُن کو پکڑو اور مار ڈالو اور اُنکو کبھی بھی اپنا دوست اور مددگار مت سمجھو ❊

الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق او جاؤکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومھم ولو شاء اللہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا ۝

ترجمہ مگر جو لوگ کسی ایسی قوم (کے لوگوں) سے تعلق رکھتے ہوں جن میں اور تم میں (باہم) معاہدہ (ہو چکا) ہے یا تمہاری جنگ سے اور اپنی قوم کی جنگ سے (بھی) دل تنگ (اور دست بردار) ہو کر تمہارے پاس چلے آئیں (تو انہیں کسی قسم کا آزار نہ پہنچاؤ) اور اللہ چاہتا تو بیشک انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے ضرور جنگ کرتے (مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا) پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح (کی سلسلہ جنبانی) کریں تو (پھر) ان لوگوں کی (تکلیف رسانی کی) خدا نے تمہارے لیے کوئی سبیل نہیں نکالی ❊

تفسیر اللہ تعالیٰ نے عام کفار کے قتل کا جو حکم دیا ہے اُن میں سے دو گروہ کو مستثنےٰ کیا ہے ایک وہ گروہ جنکا عہد و پیمان اس قوم سے ہے جنکی مسلمانوں سے صلح ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جنکا کسی سے عہد و پیمان تو نہیں لیکن تمہارے گروہ کو بُرا نہیں سمجھتے اس لئے تم سے لڑنا بھی ان کو ناگوار ہے اور مشرکین سے بھی نہیں لڑنا چاہتے اس لئے کہ وہ ان کے قرابت دار ہیں غرض وہ دونوں میں سے کسی سے نہیں لڑتے بلکہ صلح پسند ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے لڑنیکا حکم نہیں دیا ❊

ستجدون اخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومھم کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا فان لم یعتزلوکم ویلقوا الیکم السلم ویکفوا ایدیھم فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانا مبینا ۝

ترجمہ عنقریب تم (کچھ) اور لوگ (ایسے بھی) پاؤگے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے (بھی) امن میں رہیں اور اپنی قوم سے (بھی) امن میں رہیں (مگر ان منافقوں کا یہ حال ہے کہ) جب کبھی فساد کی طرف بلائے گئے (تو اُس میں اس خوشی سے شریک ہو جاتے ہیں کہ گویا) اُس میں اوندھے (مونہ) گرا دیگئے پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح (کی سلسلہ جنبانی) نہ کریں اور اپنے ہاتھ (تمہاری جنگ سے) نہ رکیں تو (ضرور) انہیں گرفتار کرو اور جہاں انہیں پاؤ (بے تامل) اُن کو قتل کر ڈالو اور یہی لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح غلبہ عنایت فرمایا ❊

تفسیر پہلے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مستثنےٰ کیا تھا وہ ایسے لوگ تھے کہ فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتے تھے نہ کہ بزدلی سے خوف کہاتے تھے اسلئے اُن میں ایک گونہ نیک نیتی بھی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا ذکر فرماتا ہے جو کہ فتنہ و فساد کے تو بہت مشتاق ہیں لیکن تماشائی منافق ہیں اپنی ہمت نہیں رکھتے لیکن لڑائی کی آگ بھڑکانے کا شوق رکھتے ہیں اور اگر کہیں قوت پالیں تو خود بھی لڑائی فساد کرنے کو موجود ہو جاتے ہیں جیسے کہ لومڑی کو شیر کا سہارا مل جائے۔ اُن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ اگر وہ تم سے کنارہ کش نہوں اور فتنہ و فساد سے باز نہ آئیں تو اُن کو پکڑو اور قتل و غارت کرو اور ایسی ہی قوم تو غارت و تخت و تاراج کرنے کی قابل ہے ایسے ہی لوگوں سے تو ہمیشہ بد امنیاں اور بلوے قائم ہوتے ہیں

ایسی قوم پر جب کبھی ایسی حرکت کے وقت قابو پڑ جائے تو اُن کی بیخ و بنیاد اکھیڑ دینی چاہیئے یہاں تک کہ ایک بچہ بھی نہ بچ رہے

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأ ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اھلہ الا ان یصدقوا

فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیة مسلمة الی

اھلہ وتحریر رقبة مؤمنة فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبة من اللہ وکان اللہ علیما حکیما

ترجمہ اور (اے مسلمانو) کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کر دینا نہ چاہیئے مگر غلطی سے (نا دانستگی میں اگر ایسا ہو جائے تو خیر) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے (بھی) قتل کر ڈالے تو (اُسپر فرض ہے) ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو خونبہا دینا لیکن (اگر) وہ لوگ معاف کر دیں (تو پھر کچھ مضائقہ نہیں) پھر اگر وہ (مقتول) تمہاری قوم مخالف (کے لوگوں میں) سے ہو اور وہ مسلمان ہو تو (صرف) ایک غلام مسلمان کا آزاد کرنا (ضروری) ہے (خونبہا کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ (مسلمان مقتول) کسی ایسی قوم (کے لوگوں میں) سے ہو جن میں اور تم میں کچھ معاہدہ ہو تو (اس صورت میں) مقتول کے عزیزوں کو خونبہا دینا اور مسلمان غلام کا آزاد کرنا (یہاں ان دونوں باتوں کی ضرورت) ہے پھر جو شخص (غلام آزاد کرنے کے لئے) نہ پائے تو (اسکے لئے) اللہ کی طرف سے کفارہ کا یہ طریقہ مقرر ہا ہے (کہ) دو مہینے (کے لگا) تار روزے (رکھے) اور اللہ (دانا اور) حکمت والا ہے +

تفسیر یعنے جان بوجھ کر کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو قتل نہیں کر سکتا جب قتل کرے گا تو خطا سے ہی قتل کرے گا یعنے بھول چوک کر اس آیت کی شان نزول میں تین روایتیں ہیں اور مقصد تینوں کا ایک ہے اول یہ کہ عروۃ بن الزبیر سے مروی ہے کہ جنگ اُحد میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اُن کے باپ کو مسلمانوں نے غلطی سے کفار میں کا ایک آدمی سمجھکر قتل کے لئے اُسپر حملہ کر دیا اور حذیفہ کہتے رہے کہ یہ میرا باپ ہے اور اس جوش میں اُن کی آواز کسی کی سمجھ میں نہیں آئی جب قتل کر چکے تب سمجھا اور سخت پچھتائے اور حذیفہ کہہ رہے تھے کہ خدا تم کو معاف کرے تم نے میرے باپ کو مار ڈالا اس بات کی خبر جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کو حذیفہ کے اس صدمہ کا بہت سخت صدمہ ہوا کیونکہ حذیفہ آپکے بہت خواص میں سے تھے تب یہ آیت اُتری دوم یہ کہ اسلام کا ایک لشکر کہیں جہاد کے لئے جا رہا تھا انہیں میں ابو الدرداء بھی تھے وہ کسی ضرورت سے پہاڑ کے ایک درہ کی طرف گئے وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے اُسپر حملہ کر دیا اور وہ لا الہ الا اللہ بھی کہتا رہا لیکن اُنہوں نے یہی سمجھا کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے آخر اُسکو قتل کر ہی ڈالا اور اُسکی بکریاں ہانک لیں لیکن پھر اُن کو کچھ ندامت لاحق ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں یہ ذکر کیا تو آپ کو اُسکا قتل کرنا سخت ناگوار ہوا اور فرمایا کہ تم نے اُسکا دل چیر کر نہ دیکھا کہ مسلمان تھا یا نہ تھا تب یہ آیت اُتری۔ سوم یہ کہ مروی ہے کہ ابی جہل کا مادر زاد بھائی عیاش بن ابی ربیعہ مسلمان ہو گیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل وہ اپنے قوم کی تعدی کا خوف کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے نکل بھاگا اُسکی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ گھر لوٹ کر نہ آجائیگا میں نہ روٹی کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی نہ چھت کے نیچے بیٹھوں گی تو ابو جہل اپنے ہمراہ حارث بن زید بن ابی انیسہ کو لیکر اُسکے پاس آئے اور لمبی چوڑی تقریریں اُس سے کیں ابو جہل نے کہا کہ کیا محمد تجکو ماں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم نہیں دیتا تو یہاں سے واپس گھر کو چل اور اپنی ماں کی خدمت کر اور اپنے دین اسلام

پر قایم رہو تو عیاش اُن کے کہنے سے اُن کے ہمراہ گھر کی طرف لوٹا جب مکہ کے قریب پہنچے تو اُسکے ہاتھ پاؤں اُنہوں نے باندھ دئے پھر سو دُرّے اُسکو ابوجہل نے مارے اور سو حارث نے تو عیاش نے کہا کہ یہ (ابوجہل) تو میرا بھائی ہے (اُسکے مارنے میں کچھ مضائقہ نہیں) لیکن اے حارث تو (مجھے مارنے والا) کون تھا واللہ میں اگر تجھے اکیلا پاؤں گا تو تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور اسطرح بھی مروی ہے کہ حارث نے عیاش سے لوٹتے وقت یہ کہا تھا کہ اگر تیرا پہلا دین حق تھا تو اُسکو تو چھوڑ چکا تھا اور اگر ناحق تھا تو تو اُس میں داخل ہو چکا ہے تو عیاش نے قسم کھائی کہ میں جب کبھی تجھے اکیلا پاؤں گا قتل کر ڈالوں گا۔ جب عیاش اپنی ماں کے پاس پہنچا تو اُسکی ماں نے قسم کھائی کہ جب تک اپنے دین پر نہ آئیگا میں اسکی قید کو نہ کھولوں گی تو اُس نے ماں کے کہنے پر عمل کیا۔ پھر اُسکے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور ہجرت کی اور حارث بھی اسلام لے آیا اور ہجرت کی تو اتفاقاً عیاش نے اُسکو اکیلا جو دیکھا اور اُسکے مسلمان ہونے کی اُسکو خبر نہ تھی آخر عیاش نے اُسکو مار ہی ڈالا جب عیاش کو خبر ہوئی کہ وہ اسلام لے آیا تھا تو اُسکو اُسکے قتل پر ندامت ہوئی تو وہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے حارث کو قتل کر ڈالا اور مجھے اُسکے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی تب یہ آیت نازل ہوئی اور لفظ خطاً یا تو مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے یعنے اصل میں قتلاً خطاءً تھا اور یا خطاء بمعنے مخطیٔاً کے ہے جیسے کہ عدل بمعنے عادل کے آیا کرتا ہے تو اس صورت میں خطاءً حال واقع ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ مفعول لہ ہے لیکن یہ توجیہ ٹھیک نہیں ہے امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ قتل کی تین قسمیں ہیں قتل عمد قتل خطا۔ اور قتل شبہ عمد۔ سو قتل عمد تو یہ ہے کہ کسی کو قتل کی نیت سے مارے گو اُس میں زخم ہوا ہو یہ امام شافعی رح کا قول ہے۔ اور قتل خطا کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ کسی مشرک یا کسی پرند کو مارنے کا قصد کیا ہو مثلاً اور کسی مسلمان کو لگ گیا۔ دوسری یہ کہ کسی کو مشرک جان کر قتل کرے بایں طور کہ اُسکی وضع قطع مشرکوں کی سی دیکھے یا کسی اور وجہ سے اُسکو مشرک تصور کرے۔ سو پہلی قسم خطا کی فعلی تھی اور یہ خطا قصدی ہے اور قتل شبہ عمد یہ ہے کہ ہلکی سی لکڑی سے مارے جس سے غالباً آدمی قتل نہیں ہو سکتا امام شافعی رح کہتے ہیں کہ یہ خطا ہے قتل میں گو مارنے میں عمد ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ بھاری چیز کے مارنے سے اگر آدمی مر جاوے تب بھی یہ قتل خطا اور شبہ عمد ہے اگر قتل کرنے کی نیت نہو۔ لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے سر پر چکی کا پاٹ مارے اور مضروب مر جاوے اور ضارب کہنے لگے کہ میری نیت اُسکے قتل کی نہ تھی تو ہر عقل والا اُسکو صریح جھوٹا کہے گا۔ اور قتل عمد امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک موجب کفارہ نہیں ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک موجب کفارہ ہے اور حدیث اور قیاس دونوں امام شافعی رح کے مؤید ہیں۔ ابن عباس رض اور حسن رح اور شعبی رح اور نخعی رح کے نزدیک جو غلام آزاد کیا جاوے وہ بالغ ہونا چاہئے جس پر نماز روزہ وغیرہ فرض ہو۔ اور امام مالک رح اور شافعی رح اور اوزاعی رح اور ابوحنیفہ رح کے نزدیک لڑکے کا آزاد کرنا بھی جائز ہے جبکہ اُسکے ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو۔ اور یہی قول دلیل کی رو سے راجح ہے واللہ اعلم۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں اور شبہ عمد میں دیت مغلظہ مثلثہ ہے یعنے تیس حقہ (سہ سالہ اونٹ) اور تیس جذعہ (چار سالہ) اور چالیس خلفہ (گابھن اونٹنی) اور خطاء محض میں دیت ہلکی ہے یعنے بیس بنت مخاض (یک سالہ اونٹنی) اور بیس بنت لبون

(دو سالہ) اور بیس ابن لبون (دو سالہ اونٹ) اور بیس حقہ اور بیس جذعہ اور ابو حنیفہ رحمہ بھی بالکل یہی کہتے ہیں لیکن بنت لبون کی جگہ ابن مخاض (ایک سالہ اونٹ) کہتے ہیں - اور جب اونٹ دستیاب نہوں تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یا تو ایک ہزار دینار دینے پڑینگے یا بارہ ہزار درہم اور امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک دس ہزار درہم امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت آٹھ سو دینار اور آٹھ ہزار درہم تھے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں پھر حضرت عمرؓ نے سونے والوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم مقرر کئے اور وجہ استدلال کی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات صحابہ کے مجمع میں کہی تھی اور کسی نے کچھ اعتراض نہیں کیا اسلئے بطور اجماع کے ہو گیا - اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی دلیل یہ ہے کہ کم عدد کو اختیار کرنا اولی ہے اور دیت قاتل کے اور اُسکے عصبہ کے ذمہ ہے اور ابو بکر الاصم اور جمہور خوارج کے نزدیک صرف قاتل ہی کے ذمہ ہے - اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اور اصم اور ابن عطیہ کہتے ہیں کہ مرد کی دیت کے برابر ہے - اور اگر مقتول کا قبیلہ کافر ہے تو وہ دو حال سے خالی نہوں گے یا تو اُن کا مسلمانوں سے صلح کا عہد و پیمان ہوگا یا نہ ہوگا اگر نہیں تو قاتل کے ذمہ صرف مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے - اور اگر ہے تو غلام کے آزاد کرنے کے علاوہ دیت بھی دینی پڑے گی - اور جسکو غلام آزاد کرنے کی توفیق نہو یا دیت کی بھی توفیق نہو تو وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما ○

ترجمہ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے تو (پھر غلام کا آزاد کرنا وغیرہ ہرگز اُسکا کفارہ نہیں ہو سکتا بلکہ) اُسکی سزا دوزخ ہے (اور) وہ اُس میں ہمیشہ رہے گا - اور اُس پر خدا نے (اپنا بے پناہ) غضب نازل کیا ہے اور اُسے (اپنی) رحمت سے دور کر دیا اور اُسکے لئے (بڑا) سخت عذاب تیار کر رکھا ہے ٭

تفسیر اس میں شک نہیں کہ جو شخص دیدہ و دانستہ کسی بے قصور مسلمان کو اُسکے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کرے تو ضرور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مستحق ہے اور اُس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اسلئے کہ سوائے کافر کے کوئی بھی مسلمان کو اس نیت سے قتل نہیں کر سکتا - اور اگر کسی قصور کی وجہ سے قتل کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو قتل اُسکے قصور کی سزا تھی یا نہ تھی اگر نہ تھی تو یہ تعدی ہے اسکا مرتکب عذاب کا بے شک مستحق ہے لیکن ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مستحق نہیں - اور اگر تھی تو قاتل بے قصور ہے - اور اگر بے قصور کو مارا تب بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو قاتل کے خیال میں وہ قصوروار تھا یا نہ تھا اگر نہ تھا تو یہ بھی سخت عذاب کا سزاوار ہے لیکن کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہی ہوگی ورنہ دیدہ و دانستہ ایسے جرم کا کوئی مرتکب نہیں ہو سکتا - اور اگر تھا تو پھر تعدی کی سزا کا مستحق ہے واللہ اعلم اور اسکی پوری بحث سورہ فرقان میں آئے گی ٭

یایھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا فعند اللہ مغانم کثیرۃ کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم فتبینوا ان اللہ کان بما تعملون خبیرا ○

ترجمہ لہذا اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لئے) سفر کیا کرو تو (کسی کے قتل میں عجلت نہ کیا کرو بلکہ پہلے یہ) تحقیق کر لیا کرو (کہ یہ مسلمان ہے یا کافر) اور جو کوئی تمہیں سلام کرے اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہے (اور اس بنا پر اسے قتل کر ڈالو یہ کیا) تم دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے اسباب (یعنے مال غنیمت حاصل کرنے) کی خواہش (میں ایسا کرتے) ہو تو (سمجھ لو کہ) اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں پہلے تم (بھی) ایسے ہی تھے (یعنے کافروں کے شہر میں رہتے تھے) پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (اور تمہیں وہاں سے نکال لایا) لہذا تم (ضرور) تحقیق کر لیا کرو (اُسکے بعد قتل کیا کرو یہ خوب سمجھ لو کہ) بیشک اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے ❖

تفسیر اسکی شان نزول کے بارے میں کئی روایتیں آئی ہیں لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہے۔ فدک والوں میں سے ایک شخص مرداس بن نہیک نام مسلمان ہو گیا اور اُسکی قوم میں سے اور کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا تو اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک لشکر جہاد کے لئے اسطرف گیا اور اُس لشکر کا امیر غالب بن فضالہ تھا تو مرداس کی سب قوم بھاگ گئی لیکن مرداس نہ بھاگا اسلیے کہ وہ اپنے اسلام کے بھروسے پر تھا جب اُس نے لشکر کے گھوڑوں کو دیکھا تو اپنی بکریوں کو پہاڑ کی ایک محفوظ جگہ میں جمع کر دیا جب لشکر پاس آگیا اور تکبیر کہی تو اُس نے بھی تکبیر کہی اور اُترا اور کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ السلام علیکم تو اُسامہ بن زید نے اُسکو قتل کر ہی دیا اور اُسکی بکریاں ہانک لایا تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں نے اس واقعہ کی خبر دی تو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُسکے قتل ہونے سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اُسکو محض اُسکے مال کے طمع سے قتل کیا ہے پھر آپنے یہ آیت اُسامہ کو سنائی تو اُسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے آپ خدا سے معافی مانگئے تو آپ نے فرمایا میں کیونکر تیرے لئے معافی مانگوں اور حالت یہ ہے کہ تو نے اُسے لا الہ الا اللہ کہنے پر بھی قتل کر ڈالا اسامہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برابر یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں اسی وقت مسلمان ہوا ہوتا کہ اسلام کی بدولت میرا یہ قصور بھی معاف ہو جاتا۔ پھر آپ نے میرے لئے معافی مانگی اور فرمایا کہ ایک غلام آزاد کر۔ اس آیت میں بہت سخت احتیاط کا حکم ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو اسی وقت اُسکے قتل سے رک جانا چاہیئے اور کلمۂ اسلام کے کہنے والے کے قتل پر ہرگز جرأت نہ کرنی چاہیئے ❖

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالهم وانفسهم فضل اللہ المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القاعدین درجة وکلا وعد اللہ الحسنیٰ وفضل اللہ المجاهدین علی القاعدین اجرا عظیما درجات منه ومغفرة ورحمة وکان اللہ غفورا رحیما

ترجمہ (مگر اس خوف سے ایسا نہ کرنا کہ جہاد ہی چھوڑ دو دیکھو) معذور لوگوں کے سوا جہاد کو چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمان اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے (دریغ نہ کر کے) جہاد کرنے والے (مسلمان خدا کے نزدیک رتبہ میں) ہرگز برابر نہیں ہیں (بلکہ) اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر اُن لوگوں کو جو (اللہ کی راہ میں) اپنی جان و مال سے (دریغ نہیں کرتے اور) جہاد کرتے ہیں رتبہ میں بزرگی عطا فرمائی ہے اور (اگرچہ ان) سب (جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والے دونوں) سے (بسبب اُنکے مسلمان ہونے کے) اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے (مگر اور بھی تو سنو) اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر باعتبار ثواب عظیم کے فضیلت دی ہے

یعنے (انہیں) اپنی طرف سے بڑے مرتبے (عنایت فرمائیگا) اور اُن پر بخشش اور مہربانی کرے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؛

تفسیر اول اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا حکم دیا کہ مسلمان کا خطا سے قتل کرنا بھی جرم سے خالی نہیں تو بھلا شبہ عمد اور عمد کا کیا کہنا۔ یہ احتیاطی حکم سے احتمال تھا کہ مسلمان جہاد سے بھی کنارہ کشی کرنے لگیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی فضیلت بیان فرمائی یعنے نیک نیتی سے جہاد کرنے والے کسی صورت میں ثواب سے محروم نہیں رہ سکتے لیکن اتنے بڑے ثواب کے کام میں جہاں تک ممکن ہو کسی طرح کا خلل نہ آنے دینا چاہیئے۔ اور نیز اس آیت سے ثابت ہوا کہ گو اسلام کے انتظامی امور کے لئے جہاد ایک بہت بڑا رکن ہے تاہم جو ارکان عبادات کے ہیں جیسے شہادتین اور نماز روزہ اور حج اور زکوٰۃ اُن سے جہاد کبھی افضل نہیں ہو سکتا اسلیئے اسکے تارک جہاد کو کافر نہیں کہا جا سکتا بشرطیکہ اُسکی فضیلت کا قائل ہو۔ اور ضرر سے مراد نابینا ہونا یا لنگڑا ہونا یا مریض ہونا ہے ؛

ان الذین توفاھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماوٰھم جھنم وساءت مصیرا الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا فاولٰئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوا غفورا

ترجمہ اور اے مسلمانوں ایسے مقامات کو قطعاً چھوڑ دو جہاں تم خدا کی عبادت سے روکے جاؤ (اسلیئے) کہ بیشک جن لوگوں کی ارواح کو فرشتوں نے اس حال میں قبض کیا ہے کہ وہ اپنے اوپر دار الحرب میں رہ کر ظلم کر رہے تھے (اُن سے فرشتے) کہتے ہیں کہ تم کس (دین) میں تھے وہ کہتے ہیں (تھے تو ہم مسلمان مگر چونکہ) دنیا میں کمزور تھے (اس سبب سے خدا کی عبادت نہیں کر سکتے تب فرشتے) کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین (ہی) فراخ وسیع نہ تھی پھر تم (جہاں کمزور تھے وہاں سے اُس دوسرے مقام میں) ہجرت کر جاتے (جہاں تم عبادت الٰہی سے نہ روکے جاتے پس یہ لوگ ایسے ہیں) کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔ مگر جو کمزور مرد اور عورتیں اور بچے (کہ درحقیقت معذور ہیں) نہ کوئی حیلہ کر کے دار الحرب سے نکل سکتے ہیں اور نہ کوئی (اور) سبیل (اپنی رہائی کی) پاتے ہیں) یہ لوگ (البتہ قابل معاف کرنے کے ہیں امید ہے) عنقریب اللہ ان سے درگزر کرے گا اور اللہ (بڑا) درگزر نے والا (اور) بخشنے والا ہے ؛

تفسیر یہ آیت اُن لوگوں کے بارے میں اُتری ہے جو کہ دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اور مشرکین میں ملے جلے رہتے تھے اور ارکان اسلام کما حقہ ادا نہیں کرتے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کی تو اُن سے پوچھا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے کہ ارکان اسلام سے غافل رہے اُن کی روحوں نے جواب دیا کہ ہم کمزور ہونے کی وجہ سے مجبور رہتے تھے اسلیئے ارکان اسلام کے بجالانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے تب فرشتوں نے اُن سے کہا کہ اتنا تم سے ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیئے وطن کو چھوڑ دیا ہوتا خدا کی زمین تو تنگ نہ تھی یہ تمہارا عذر بدتر از گناہ ہے اسلیئے تم معافی کے مستحق نہیں ہو اور نہ اہل اسلام کے زمرہ میں گنے جا سکتے ہو ؛

اس آیت میں ہجرت کی بہت بڑی تاکید ہے جبکہ آدمی فرائض اسلام کے بجالانے سے روکا جاوے اور بظاہر کسی طرح اُن کو عمل میں نہ لا سکے ایسی حالت میں بے شک ہجرت کرنا فرض ہو گا اور ہجرت نہ کرنے والا تارک فرائض قرار پائیگا ؛

ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ

ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفورا رحیما ○

ترجمہ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت مقامات (ٹھیرنے کے لئے) پاتا ہے اور (ہر قسم کی) کشادگی (اُسے نصیب ہوتی ہے) اور جو شخص اپنے گھر سے (خاص) اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرکے نکلے پھر اُسے (منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے) موت آجائے تو یقیناً اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

تفسیر اس آیت میں ہجرت کی فضیلت کا بیان ہے یعنے جو شخص ہجرت کی خالص نیت کرکے گھر سے نکلا پھر وہ اگرچہ راستے ہی میں مر گیا اور منزل مقصود تک نہ پہنچا تب بھی وہ کامل مہاجر گنا جاوے گا اور ہجرت کا اُسکو پورا ثواب ملے گا اور نیز نیک نیتی سے ہجرت کرنے کا یہ ثمرہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے مہاجر سے فکر معاش دور کر دیتا ہے اور اُسکو غنی اور مستغنے کر دیتا ہے ○

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا ان الکٰفرین کانوا لکم عدوا مبینا ○

ترجمہ اور (اے مسلمانو) جب تم زمین میں سفر کیا کرو تو (اس میں) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کر دیا کرو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے بے شک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں ○

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ صلوٰۃ خوف کو بیان فرماتا ہے یعنے اگر کفار کے حملہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت بھی موجود ہو تو اُس وقت نماز مختصر پڑھنی چاہیئے اور مختصر سے دو مطلب مفہوم ہوتے ہیں یعنے یا تو گنتی میں کمی کی جاوے یا طول ارکان اور ہیئت ارکان میں اختصار کیا جاوے۔ اور دونوں قول ایک گروہ کے ہیں علمائے کرام میں سے لیکن عدد میں کمی کرنا راجح ہے جیسے کہ احادیث میں اسکی تصریح آئی ہے۔ اور نیز اس آیت میں بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد مسافر کی نماز ہے یعنے سوائے صبح و مغرب کے بجائے چار کے دو رکعت پڑھنا اور اُن کے نزدیک ان خفتم کی قید اتفاقی ہے نہ احترازی یعنے فقط آیت کے نزول کے وقت اتفاقاً خوف موجود ہوگیا تھا یہ شرط نہیں ہے کہ بغیر خوف کے قصر نہ کرے ○

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخرٰی لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم واسلحتھم ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم ان اللہ اعد للکافرین عذابا مھینا فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم فاذا اطماننتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا ○

ترجمہ اے نبی! جب تم اُن میں موجود ہو (اور لڑائی کی آگ بھڑک رہی ہو) اور تم اُن کے لئے نماز قائم (کرنے کا ارادہ) کرو تو دیکھنا چاہیئے کہ (مسلمانوں کے دو گروہ کر دو ایک کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دو اور) اُن میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ رہے اور اُنہیں چاہیئے کہ نماز کی حالت میں اپنے ہتیار لئے رہیں پھر جب (یہ لوگ) سجدہ کر چکیں تو اُنہیں چاہیئے کہ وہ تمہارے پیچھے (یعنے دشمن کے مقابلہ پر) ہو جائیں اور چاہیئے کہ (دوسرا گروہ (جو دشمن کے مقابلہ میں تھا) اور ابھی جنہے نماز نہیں پڑھی) آجائیں وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھیں اور

انہیں بھی چاہیئے کہ اپنی حفاظت کی چیزیں اور اپنے ہتیار (نماز کی حالت میں) لئے رہیں کافر یہ چاہتے ہیں کہ کاش (کسی طرح) تم اپنے ہتیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایکبارگی تم پر جھک پڑیں (لہذا تم ہوشیار رہو) اور تمہیں اگر بارش کے سبب سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر (اس میں) کچھ گناہ نہیں کہ اپنے ہتیار اُتار کر رکھدو اور اپنی حفاظت کی چیزیں لئے رہو اور خوب یاد رکھو کہ بیشک اللہ نے کافروں کے لئے (سخت) ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز ختم کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو پھر جب (جنگ موقوف ہو جائے اور) تم مطمئن ہو جاؤ تو (اپنے معمول کے موافق نماز پڑھو بیشک نماز ایمان والوں پر فرض ہے (اور اُسکا وقت (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا ہے ۵

تفسیر صلوٰۃ خوف میں اول اختلاف تو یہ ہے کہ عدد رکعات میں کمی کریں یا نکریں بعض علما کہتے ہیں کہ عدد رکعات میں کمی نکی جاوے۔ اور بعض کے نزدیک بوقت ضرورت کمی بھی جائز ہے جیسے کہ بہت احادیث اسکی شاہد ہیں۔ اور صلوٰۃ خوف کے بہت طریق ہیں اُن میں سے افضل کون ہے اس میں بھی اختلاف ہے لیکن امام ابو حنیفہ کا طریق اس آیت کے برخلاف ہے۔ قاضی ابو یوسف اور حسن بن زیاد لؤلؤی کا مذہب یہ ہے کہ صلوٰۃ خوف آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاصہ تہا اور کسی کو اسپر عمل کرنا جائز نہیں۔ اور امام مزنی کہتے ہیں کہ اول اسکی اجازت سب کو تھی کسی کا خاصہ نہیں تہا لیکن پھر منسوخ ہو گئی۔ اور جمہور علما کے نزدیک نہ آپ کا خاصہ تھا اور نہ منسوخ ہوئی بلکہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک بوقت خوف جائز ہے۔ اور خوف سے مراد عام خوف ہے صرف لڑائی کا ہی خوف نہیں ہے خواہ شیر کا خوف ہو جنگل میں خواہ اژدہے کا خواہ کسی اور دشمن ظالم کا واللہ اعلم اور اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہتیار بند رہنا سپاہی کے لئے ضروری ہے اور بغیر عذر معقول کے جیسے کہ بارش اور مرض ہے ہتیار کا اُتار رکہنا نہ چاہیئے۔ بارش میں ہتیاروں کے زنگ آلود ہونے کا خطرہ ہے اور مرض میں بوجھ کی برداشت نہیں ہوتی۔ اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ مرض اور بارش عذر معقول شرعی ہے جیسے کہ خوف اسلئے مرض و بارش کے عذر کے وقت جمع بین الصلوٰتین بھی جائز ہو گا۔ اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر طرح اپنا بچاؤ ضرور کرنا چاہیئے۔ دشمن سے غذا مضر سے۔ مرض متعدی سے۔ سمیات سے نا تجربہ کار کے علاج سے بد پرہیزی سے۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جب اطمینان ہو جاوے تو نماز کو نہایت کامل طریق سے باقاعدہ ادا کرنا چاہیئے بہانہ نہ بنانا چاہیئے کیونکہ نماز کے اوقات جو شارع نے مقرر کر دئے ہیں اُنہیں اوقات میں نماز کا ادا کرنا فرض ہے اور اوقات نماز یہ ہیں صبح کی نماز کا وقت اُسوقت ہوتا ہے جبکہ تڑکے پہ پہنچتی ہے اور ظہر کا وقت اُسوقت ہوتا ہے جبکہ آفتاب ڈھلے دوپہر کے بعد۔ اور عصر کا وقت اُسوقت ہوتا ہے جبکہ علاوہ دوپہر کے سایہ کے ہر چیز کا سایہ اُسکی لمبائی کے برابر ہو جاوے اور اُسکا آخر وقت جب ہوتا ہے جبکہ علاوہ سایہ زوال کے ہر چیز کا سایہ دونا ہو جاوے۔ اور امام ابو حنیفہ رح کے مشہور مذہب میں یہ عصر کا اول وقت ہے۔ اور مغرب کا وقت اُسوقت ہوتا ہے جبکہ آفتاب افق میں ڈوب جاوے۔ اور عشا کا وقت اُسوقت ہوتا ہے جبکہ مغرب کی سرخی یعنے شفق غائب ہو جاوے اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اور اسیطرح مغرب اور عشا کا وقت ہے اسلیئے عذر کی حالت میں آدمی کو رخصت ہے کہ ظہر کے وقت ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرے یا عصر کے وقت دونوں کو جمع کرے اور اسی قیاس پر مغرب و عشا کو جمع کرے یہ فعل بھی سنت ہے اور شارع کی طرف سے اسکی اجازت ہی آئی ہے

جمع ہیں الصلوتین کرنے والا نماز کو وقت ہی میں پڑھنے والا قرار پائے گا۔ اور بغیر عذر کے ہمیشہ جمع کرنا رافضیوں کا شیوہ ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○

ترجمہ (اے مسلمانو) کافروں کے تعاقب میں سستی نہ کرو اگر تم تھک گئے ہو تو بے شک جیسے تم تھکے ہو وہ (بھی) تھک چکے ہیں اور (تم کو اتنی) قوت ہی ہے کہ تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں اور اللہ دانا اور حکمت والا ہے۔

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ جہاد کی ترغیب دیتا ہے اور ہمت دلاتا ہے کیونکہ یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ جب دو لشکروں میں لڑائی ہوگی تو دونوں گروہوں میں زخم آئیں گے لیکن اتنا فرق ہے کہ نیک نیت کی امید بھی ہے کہ قیامت کا اجر یقینی اسکو ملے گا اگر شہید ہوا اور اگر زندہ رہا تو علاوہ اجر کے ناموری اور غنیمت بھی حاصل ہوگی۔ یعنے جہاں تک ممکن ہو دشمن کو ترقی ہونے نہ دے کیونکہ جب دشمن کو تقویت ہوتی ہے تو ایذا رسانی میں کوتاہی نہیں کرتا۔ اسلیئے جہاں مفسدے کا خوف ہو وہیں مفسدوں کی بیخ کنی یا گوشمالی کر دینی چاہیئے جیسے مناسب وقت ہو اور اسی طریق سے امن قائم ہوتا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ○ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○

ترجمہ بیشک (اے نبی) ہم نے (یہ مقدس) کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم اسکے موافق جو اللہ نے تمہیں تعلیم کیا ہے لوگوں (کے جھگڑوں) میں فیصلہ کرو اور (خبردار) تم خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور (اے نبی اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے) اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر یعنے جتنے احکام ہم بیان کر آئے ان میں کوئی حکم خودغرضی پر مبنی نہیں بلکہ سب کے سب نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہیں جنسے راعی اور رعایا سب امن و امان سے رہیں اور دینی اور دنیوی امور سب عمدہ انتظام سے جاری رہیں۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن مجید) جو ہم نے تم پر اتاری ہے یہ نہایت سچی کتاب ہے اسمیں یہ ہدایت ہے کہ نبی کو چاہیئے کہ ہر فیصل خدا کی مرضی کے مطابق کرے اور خیانت والوں کی طرفداری نہ کرے۔ یہ آیت بالاتفاق طعمہ بن ابیرق منافق کے بارے میں اتری ہے اسلیئے کہ اسکے پاس کسی نے زرہ امانت رکھی وہ اس زرہ کو دبا بیٹھا اور ایک یہودی کو اس کی چوری کا الزام دیدیا اور انحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے باتیں بنانا شروع کیں آپ چونکہ غیب نہیں جانتے تھے اسکی باتوں میں آگئے اور یہودی کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا چونکہ یہودی بے قصور تھا اللہ تعالیٰ نے اسکی برأت میں اس آیت کو نازل فرمایا اور منافق کی خیانت ثابت کی تو طعمہ مکہ کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا اور وہاں ایک دیوار میں چوری کی نیت سے نقب لگایا دیوار چونکہ بودی تھی گر پڑی اور اسکے نیچے دب کے مر گیا۔ اسلیئے ہر مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے وقت بہت غور و فکر کرنی چاہیئے تاکہ فیصلے میں غلطی نہونے پاوے اور انحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس مقدمہ میں کوئی خودغرضی کا کام سرزد نہیں ہوا لیکن صرف رحم کو اعلیٰ درجہ کے غور پر مقدم کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اعلیٰ درجہ کے غور کرنے میں یا انتظار وحی میں کوتاہی مت کیا کرو تمہارے لیئے یہی گناہ کافی ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغفار کا حکم دیا۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝

ترجمہ اور (اے نبی) تم ان (بدمعاشوں) کی طرف (ہو کر لوگوں) سے جھگڑا نہ کرو جو اپنے (آپس ہی کے) لوگوں سے (دغابازی) کرتے ہیں (اسلئے کہ) بیشک اللہ اُس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو (یہ بدمعاش) لوگوں سے تو (اپنی شرارتیں) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپاتے اور (اُس سے کیسے چھپا سکتے ہیں) وہ تو اُس وقت (بھی) اُنکے ساتھ (ہوتا) ہے جب وہ راتوں کو اُن باتوں کے مشورے کرتے ہیں جنکو خدا پسند نہیں کرتا اور اللہ ان (کے تمام) کاموں کو جو وہ کرتے ہیں احاطہ کئے ہوئے ہے خبردار ہو تم اے لوگو دنیا کی زندگی میں تو اُنکی طرف سے جھگڑ لیے (مگر) پھر اُنکی طرف سے قیامت کے دن اللہ سے کون جھگڑا کریگا یا (اُس روز خدا کے سامنے) کون اُن کا وکیل بنے گا۔

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ خیانت والوں کی امداد سے منع فرماتا ہے یعنے اُن کی طرف سے ہرگز نہ جھگڑنا چاہیئے نبی کو اور تمام لوگوں کو اسکی ہدایت کی گئی ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا میں تو تم اُن کی طرفداری کرکے اُن کو بچا لوگے لیکن قیامت کے دن اُن کی طرف سے کون وکالت کریگا۔ اور منافق لوگ جو چوریاں کرتے ہیں وہ آدمیوں پر تو پوشیدہ رہ سکتی ہیں لیکن خدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝

ترجمہ اور (جو شخص اُن کی طرفداری سے توبہ کرے گا اللہ اُسکو بخشدے گا) اسلئے کہ جو شخص کوئی بُرا کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر اللہ سے معافی چاہے (تو بے شک وہ) اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیگا۔ اور جو شخص کچھ گناہ کرتا ہے تو وہ (اپنی) جان پر اُسکے (وبال) کو (جمع) کرتا ہے (کسی کا کیا نقصان) اور اللہ (دانا (اور) حکمت والا ہے اور جو شخص کچھ خطا کرے یا کوئی گناہ (عمداً اُس سے ہو جائے) پھر کسی بے گناہ کو اُس سے متہم کرے تو بے شک اُس نے (بڑا) بہتان اُٹھایا اور ایک صریح گناہ (کا مرتکب ہوا)۔

تفسیر ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ استغفار کی ہدایت کرتا ہے اور نیز ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اُسکی سزا بھگتے گا لیکن سب سے زیادہ گناہگار وہ ہے کہ خود گناہ کرے اور اُسکا الزام دوسرے کو دے ایسا شخص دو سزاؤں کا مستحق ہے ایک تو گناہ کی سزا دوسری بہتان کی سزا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ ۖ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

ترجمہ اور (اے نبی) اگر اللہ کا فضل اور اُسکی رحمت تمپر نہوتی تو بے شک اُن (بدمعاشوں) میں سے ایک گروہ (تو) تمہیں گمراہ کرنا چاہتا تھا (وہ تمہیں گمراہ کر دیتا) اور (چونکہ تمپر خدا کی مہربانی ہے اسلئے وہ) اپنے ہی آپکو گمراہ کرتے ہیں اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ (کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے کہ اُس نے) تمپر کتاب اور حکمت اُتاری اور جو (علم) تم نہ جانتے تھے اُنہیں تعلیم کیا اور اللہ کا فضل تم پر (بہت) بڑا ہے۔

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمارا تم پر بڑا فضل ہے اور عنایت کی نگاہ ہے اسی وجہ سے دشمن تمکو بہکا نہیں سکے اگر ایسا ہوتا تو تمکو گمراہ کر دیتے اب تم اطمینان کرو کہ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کتنا بڑا اللہ کا تم پر فضل ہے کہ کتاب اور حکمت تمکو سکھائی جو کہ تم جانتے ہی نہتے۔ اس آیت میں علم کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے +

لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ؕ ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما ہ

ترجمہ (اے نبی) ان (لوگوں) کے اکثر مشوروں میں (کوئی بھلائی کی بات تک) نہیں ہوتی مگر (ہاں) جو شخص (کسی کی صدقہ (دینے) کا حکم دے یا اچھے کام (کرنے) کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا (تو اسکے مشورہ میں البتہ بہلائی ہے) اور جو کوئی یہ (کام محض) اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرے گا تو عنقریب ہم اُسے بڑا اچھا بدلہ دینگے +

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اکثر سرگوشیاں کانا پھوسیاں بیہودہ اور مفسدوں پر مبنی ہوتی ہیں جن سے بہلائی حاصل نہیں ہوتی اور بعض سرگوشیاں بعض قوموں میں تہذیب کے خلاف ہوتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی جگہ صرف تین ہی آدمی موجود ہوں تو اُن میں سے دو آدمی علحدہ ہوکر ہرگز سرگوشی نکریں کیونکہ اس سے اُس اکیلے رہجانے والے کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے اور طرح طرح کے خیالات اور بدگمانیاں اُسکے دل میں پیدا ہوتی ہیں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی آدم کی ہر بات اُسکے حق میں وبال ہے مگر امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا ذکر خدا۔ سفیان ثوری سے کسی نے کہا کہ یہ حدیث بہت ہی سخت ہے تو اُنہوں نے کہا کہ تونے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من سو یہ آیت اور وہ حدیث ایک مضمون کی ہے اور تونے اللہ تعالیٰ کا قول والعصر ان الانسان لفی خسر نہیں سنا +

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم ؕ وساءت مصیرا ہ

ترجمہ اور (یاد رکھو) جو شخص کہ بعد اسکے کہ اُس کو (راہ) ہدایت معلوم ہو چکی (ہمارے) رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے طریقے کے سوا کسی دوسرے طریقے کی پیروی کرے گا تو جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اُسی طرف ہم (بھی) اُسے متوجہ رکھیں گے اور (انجام کار) یہ ہو گا کہ ہم اُسے جہنم میں ڈالدیں گے اور وہ (کیا ہی) بُری جگہ ہے +

تفسیر اس آیت سے کئی باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ جانکر مخالفت رسول کی کرنا یقیناً جہنم کو واصل ہوتا ہے کہ اجماع امت حجت شرعی ہے جبکہ ثبوت کو پہنچ جاوے۔ تیسری یہ کہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رذائل سے تبلیغ میں غلطی سے پاک اور معصوم ہیں اس لیے اُن کی پیروی کا حکم ہے افعال اور اقوال سب میں۔ سو اگر اُن کے اقوال اور افعال میں گناہ اور غلطی کا قائم رہنا موجود ہے تو گویا غلطی کی پیروی کا حکم ہوا اور یہ محال ہے ناچار آپ کا معصوم ہونا ضروری ہوا +

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ؕ ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا ہ

ان یدعون من دونہ الا اناثا وان یدعون الا شیطانا مریدا لعنہ اللہ وقال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا ولاضلنہم ولامنینہم ولاٰمرنہم فلیبتکن اٰذان الانعام ولاٰمرنہم فلیغیرن خلق اللہ ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا یعدہم ویمنیہم وما یعدہم الشیطان الا غرورا اولئک ماواہم جہنم ولا یجدون عنہا محیصا والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات سندخلہم جنات تجری من

تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا وعد اللہ حقا ومن اصدق من اللہ قیلا ۝

ترجمہ بے شک اللہ اس (جرم) کو نہیں معاف کرتا کہ اُسکے ساتھ شرک کیا جاوے اور اُسکے سوا (اور) جس (جرم) کو چاہے بخشدے اور جس نے خدا کے ساتھ (کسی اور کو) شریک بنایا تو بے شک سخت گمراہی میں مبتلا ہوگیا یہ (مشرک) خدا کو چھوڑکر عورتوں ہی کی پرستش کرتے ہیں (یعنے بتوں کی جو ان کے خیال میں عورت ہیں) اور (درحقیقت یہ لوگ) شیطان سرکش ہی کی پرستش کرتے ہیں جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اُس (لعین) نے (تو ازل ہی میں ہم سے) کہا (تھا) کہ بے شک میں تیرے بندوں (کی عبادتوں میں) سے ایک معین حصہ (اپنی عبادت کا بھی) ضرور بناؤں گا اور بے شک ضرور اُنہیں میں گمراہ کرونگا اور ضرور اُنہیں امیدیں دلاؤں گا اور یقینا ضرور میں انہیں سکھاؤنگا تاکہ وہ جانوروں کے کان کاٹیں اور بے شک یقیناً میں اُنہیں سکھاؤں گا تاکہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی (صورت) کو (میری تعلیم کے موافق) بدلڈالیں اور (یہ اُنہیں معلوم ہوچکاہے کہ) جس نے اللہ کو چھوڑکر شیطان کو دوست بنایا تو بے شک اُس نے صریح گھاٹا اٹھایا شیطان اُنہیں (اچھے اچھے) وعدے (دے دیکر بُرے کام کرالیتا ہے اور اُنہیں امید دلاتا ہے۔ حالانکہ شیطان جو کچھ اُن سے وعدہ کرتا ہے وہ دہوکا ہی (دہوکاہے) یہ لوگ (ایسے ہیں کہ) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اُس سے (کبھی) رہائی نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام کئے عنقریب ہم اُنہیں ایسے باغات میں داخل کرینگے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ خدا کا وعدہ ہے (جو نہایت) سچا (ہی) اور اللہ سے زیادہ کون (اپنی) (بات میں سچا (ہوسکتا) ہے ۝

تفسیر آیہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الخ مکرر آئی ہے اور اُسکے مکرر آنے میں فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے یعنے گو کوئی خیانت کرے یا چوری کرے یا کوئی گناہ اُس سے سرزد ہو وہ بالکل رحمت سے مایوس و محروم نہیں ہوسکتا ہاں اگر شرک ہے تو کسی صورت سے نجات نہیں پاسکتا۔ اور غیر اللہ معبودوں کی تعبیر مونث سے اسلئے کی گئی ہے کہ مشرکین اکثر بتوں کے نام بصیغہ تانیث رکھا کرتے تھے جیسے کہ لات اور منات اور عزّیٰ وغیرہ یا یہ کہ وہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور فرشتوں کو (معاذ اللہ) خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے مرید کے معنے ہیں سخت سرکش۔

شیطان نے کئی باتوں کا دعویٰ کیا ایک یہ کہ خدا کے بندوں میں سے بعضوں کو اپنا بندہ بناؤں گا۔ دوسری یہ کہ انکو گمراہ بھی کروں گا حق سے بہکاؤں گا ایسے پھندوں میں پھنساؤں گا کہ راہ رہت پر آہی نہ سکیں۔ تیسری یہ کہ اُن کے دلوں میں قسم قسم کی ناجائز آرزوئیں پیدا کروں گا۔ چوتھی یہ کہ میں اُن کو حکم دوں گا کہ چوپاؤں کے کان کاٹا کریں چنانچہ مشرکین کی رسم تھی کہ جس وقت اونٹنی پانچ بچے جن چکتی تھی تو اُسکے کان چیر دیتے تھے اور اُس کو چھوڑ دیتے تھے اور اُس سے نفع اٹھانے کو حرام جانتے تھے۔ اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ بتوں کے نام سے چوپاؤں کے کان کاٹا کرتے تھے۔ پانچویں یہ کہ میں اُن کو حکم دوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو بگاڑیں فطرت اللہ میں خلل مذہبی

کریں توحید چھوڑ کے شرک کو اختیار کریں حلال کو حرام اور حرام کو حلال جاننے لگیں ڈاڑھیاں کتروانے یا منڈوانے لگیں اور مونچھوں کو بڑھانے لگیں اور استنجا کرنا چھوڑ دیں مسواک کو بالکل ترک کر دیں چھوٹے بڑوں کی تعظیم نہ کریں لباس مسنون چھوڑ کر کفار کے لباس کو پسند کریں اصول شریعت کی توہین کریں ان باتوں کے اختیار کرنے سے آدمی دوزخ کا مستحق ہوتا ہے اور بہت صاف صریح ٹوٹا پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وعدہ کے بعد وعید کو اور وعید کے بعد وعدہ کا اکثر ذکر فرمایا کرتا ہے اسلئے آخر میں مومنوں نیک کرداروں کی جزا جنت الفردوس ہے اور یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس وعدہ کی تاکید اسباب سے کی کہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ سچا بتایا اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اس کی کتاب اور اسکے نبی کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں۔

لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتٰب من یعمل سوءً یجز بہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا ومن یعمل من الصّٰلحٰت من ذکر او انثٰی وھو مؤمن فاولٰئک یدخلون الجنۃ ولا یظلمون نقیرا

ترجمہ (اے مسلمانو نہ تمہاری آرزو میں (ٹھیک ہے) اور نہ اہل کتاب کی خواہشیں (بجا) ہیں (بلکہ) جو شخص کچھ برا کام کرے گا اُسے اُس کا بدلہ دیا جائیگا اور خدا کے سوا کسی کو (اپنا) کوئی کارساز اور مددگار نہ پائے گا اور جو مرد یا عورت (کوئی اچھا عمل کرے گی (جو) نیک کاموں میں سے (ہو) اور وہ (کرنے والا) مسلمان (بھی) ہو تو (بھی) اُن برگزیدہ لوگوں میں ہو گا جو جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر نقیر برابر (بھی) ظلم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر اس آیت کا مطلب ظاہر ہے۔ نقیر اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پیٹھ پر ہوتا ہے یعنی کسی پر ظلم نہ ہو گا برائی کی سزا دی جاوے گی اور کسی کی ذرہ بھر نیکی ضائع نہ ہو گی نہ سزا گناہ کی مقدار سے زیادہ ہرگز ہو گی اور جزا ذرہ بھر نیکی کی بھی ضرور ملے گی۔

ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا وللہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکان اللہ بکل شیء محیطا

ترجمہ اور باعتبار دین کے اُس سے اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کی فرمانبرداری کے لئے اپنا سر جھکا دیا اور وہ نیکوکار (بھی) ہے اور وہ طریقہ ابراہیم کی پیروی (بھی) کرتا ہے جو (شرک سے بالکل) یکسو تھا اور اسی (شرک نہ کرنے کے سبب) اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا ہے اور (یوں تو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو (اپنے دائرہ قدرت میں) احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تفسیر اس آیت میں اُس ایمان کی شرح کی ہے جس پر مدار نجات کا ہے اور وہ دو چیزیں ہیں ایک عمل اور دوسری اعتقاد یعنی اعتقاد میں نہایت ٹھیک اور سیدھے طریق سے ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرے اسلئے کہ ابراہیم علیہ السلام سب کے نزدیک نہایت پکے موحد تھے اور اعتقاد توحید کے موافق عمل کرے سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرے اسلئے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اسی کا ملک ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری بغیر اطاعت رسول کے محال ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلٰی علیکم فی الکتٰب فی یتٰمی النساء الّٰتی لا تؤتونھن ما کتب

وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتمٰی بالقسط وما تفعلوا من خیر

فان اللہ کان بہ علیماہ

ترجمہ اور (اے نبی یہ لوگ) تم سے (یتیم) عورتوں (سے نکاح کرنے کے) بارہ میں فتوے طلب کرتے ہیں تم (ان سے) کہدو کہ اللہ (خود) تمہیں اُن کے بارہ میں فتوے دیتا ہے اور (اس سے پہلے بھی) جو حکم نازل ہو چکا ہے اور (وہ) تمہیں کتاب اللہ میں پڑھ کر سنایا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے حق میں (فیصلہ قطعی کر چکا ہے) جنہیں تم ان کا وہ (حق یعنی مہر میراث وغیرہ) جو (تم پر) فرض کیا گیا نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ (بجبر) اُن سے نکاح کر لو اور کمزور (یتیم) بچوں کے بارہ میں (ابھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور (وہ حکم) یہ ہے کہ تم یتیموں (کے حقوق ادا کرنے) کے لئے انصاف پر قایم رہو اور (یقین رکھو کہ) جو کچھ تم نیکی کروگے تو بے شک اللہ اُس کا جاننے والا ہے۔

تفسیر اللہ تعالیٰ سبحانہ نے قرآن مجید میں احکام کی ترتیب اس طور پر رکھی ہے کہ پہلے کچھ احکام بیان فرماتا ہے اُسکے بعد پھر وعدہ اور وعید کا ذکر فرماتا ہے اور نافرمانوں کی سزاوں اور فرماں برداروں کی جزاوں کا ذکر فرماتا ہے پھر کچھ احکام ذکر فرماتا ہے پھر وعدہ اور وعید وغیرہ کا ذکر فرماتا ہے اور یہ ترتیب نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور بغیر اس ترتیب کے تکالیف احکام کو برداشت کرنا مشکل ہے کیونکہ بغیر کسی طمع یا خوف کے آدمی کوئی مشکل گوارا نہیں کر سکتا۔ مشرکین عرب کا دستور تھا کہ وہ میت کے ترکہ میں سے عورتوں اور بچوں کو کچھ حصہ نہیں دیا کرتے تھے جیسے کہ اس زمانہ کے بہت سے ہمارے نفسانی مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں کہ سب جائداد بیٹوں کے نام کر دیتے ہیں اور بیٹیوں کو بالکل محروم رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح مشرکین یتیم عورت کو جو نکاح کرتے تھے تو اُسکو مہر پورا نہیں دیا کرتے تھے یا بالکل ہی نہیں دیا کرتے تھے یا اگر نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے تو اُسکو بٹھائے رکھتے تھے کسی دوسرے سے بھی اُسکی شادی نہیں کراتے تھے تاکہ اُسکی جائداد کسی دوسرے کے تصرف میں نہ آنے پاوے اور اگر خوبصورت ہوتی تو اُس سے خود نکاح کر لیتے تھے اور اُسکے مال کو کھاتے اُڑاتے تھے اور مہر اُسکو یا تو پورا نہ دیتے تھے یا بالکل ہی کچھ نہ دیتے تھے ان سب باتوں کے رد میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور ہدایت کی کہ کسی کا حق مت مارو کہ (خواہ عورت ہو یا مرد) یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر واحضرت

الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراہ

ترجمہ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی ناخوشی یا بے رغبتی (دیکھ کر اس امر) کا اندیشہ کرے (کہ وہ اُسے طلاق دیدیگا) تو ان میاں بیوی کو باہم کسی طرح صلح کر لیں دونوں (میں کسی) پر گناہ نہیں اور صلح (کر لینا طلاق دینے سے) بہتر ہے اور (لوگوں کی) طبیعتیں (تو) حرص سے نزدیک کر دی (گئی) ہیں اور (اے مردو) اگر تم (عورتوں سے) اچھا برتاؤ کرو اور (ان کی حق تلفی سے) بچتے رہو تو بے شک اللہ (تمہیں اسکا ثواب دیگا کیونکہ) جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے (وہ) باخبر ہے۔

تفسیر نشوز کے معنی ہیں اچاٹ ہونا کسی چیز سے اور اعراض کے معنی کسی چیز سے مونہ پھیر لینا اور اُس سے بے توجہی کرنا وغیرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت اس بارہ میں اُتری ہے کہ کسی شخص کے پاس بیوی ہو اور وہ اُسے چھوڑ کر کسی اور عورت سے نکاح کرنا چاہے تو وہ عورت اُس سے کہے کہ تو مجھے طلاق مت دے دیسے جس سے چاہے نکاح کر میں نکاح سے تجھے منع نہیں کرتی اور نہ تجھ سے خرچ وغیرہ مانگوں۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ آیت سودہ بنت

زمعہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اُتری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُسے طلاق دینا چاہا تو اُسنے یہ عرض کیا کہ میری باری عائشہ کو دیدیجے اور مجھے ... طلاق مت دیجیے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ یہ روایت ابن ابی السائب کے بارے میں اُتری ہے کہ اُنکی ایک بیوی تھی۔ صاحب اولاد اور وہ بڑہی ہوگئی تھی تو اُس نے چاہا کہ اُسے طلاق دیدے تو عورت نے کہا کہ مجھے طلاق مت دے میں اولاد کی بہبودی میں کوشش کرتی رہوں گی اور ہر مہینے میں بہت تہوڑی قسمت پر میں راضی رہوں گی تو خاوند نے کہا کہ اگر تیری یہ خواہش ہے تو میرے حق میں یہ بہت بہتر ہے۔ غرض شان نزول تینوں روایتوں کے ایک ہی مطلب رکھتی ہے۔ اور ایک قرارت میں یَصَّالحا ہے یے کے فتحہ اور صاد کی تشدید کے ساتھ اور بعد صاد کے الف ہے اور بعد الف کے لام مفتوح ہے۔ اصل میں یتصالحا تھا تے صاد میں ادغام ہوگئی۔ صلح کے معنے اکٹھا ہونا اور متفق ہونا ہے۔ اور شح کے معنے ہیں بخل کے یعنے لوگوں میں بہ نسبت اتفاق کے نا اتفاقی کا مادہ زیادہ ہے حالانکہ آدمی کی تمام بہبودیاں صلح میں ہیں لیکن نفس انکسار کو گوارا نہیں کرتا +

وللہ ما فی السموات وما فی الارض ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ وان تکفروا فان للہ ما فی السموات وما فی الارض وکان اللہ غنیا حمیدا ۰ وللہ ما فی السموات وما فی الارض وکفے باللہ وکیلا ۰ ان یشاء یذھبکم ایھا الناس ویات باخرین وکان اللہ علی ذلک قدیرا ۰ من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والاخرۃ وکان اللہ سمیعاً بصیرا ۰

ترجمہ اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا تھا اُن لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب (الہی) دی گئی تھی اور تم کو (بھی یہی حکم دیتے ہیں) کہ اللہ (کی نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم کے ماننے سے) انکار کروگے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (بڑا) بے نیاز (اور) تعریف والا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (سب کا) کارساز بس ہے (اور) اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم سب کو (ابھی قعر عدم میں) لیجا (کے ڈالدے) اور (بعوض تمہارے دوسروں کو (صفحۂ ہستی میں) لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے جو کوئی (صرف) دنیا (میں اپنے اعمال) کا ثواب چاہتا ہے تو (اُسے کیا معلوم نہیں کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے (پھر اُس نے دنیا کے ثواب پر کیوں اکتفا کی) اور اللہ سنتا اور دیکھتا ہے

تفسیر یعنے تقوی ایسی چیز ہے کہ اسکا حکم تمام شریعتوں میں ہوتا چلا آیا ہے کوئی اس امت کے ساتھ خاص نہیں اور نہ کبھی منسوخ ہوا بلکہ اگلوں اور پچھلوں سب کو یہی حکم ہوتا رہا اور من قبلکم یا تو وصینا سے متعلق ہے یا اوتوا الکتاب سے اللہ تعالیٰ اس مقام پر کرات ومرات یاد دلاتا ہے کہ اس بات کا یقین کرو کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ سب میرا ہی ملک ہے کسی اور کا اس میں کچھ ساجھا نہیں اسلیئے مجھسے ڈرتے رہو اور میری مخالفت سے بچو ورنہ سخت پچھتاؤ گے اور تمہارا کوئی مددگار نہوگا جو تمکو میری پکڑ سے نجات دلوادے اور جیسی کسی کی نیت ہوگی ویسا ہی ثمرہ بھی پاوے گا +

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن

غنیا او فقیرا فاللہ اولیٰ بھما فلا تتبعوا الھویٰ ان تعدلوا وان تلوٗا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون

خبیرا۰ **ترجمہ** اے ایمان والو انصاف پر قایم رہنے والے اور اللہ (کی خوشنودی) کے لئے (امر حق کی) گواہی دینے والے بن جاؤ

اور اگر (اُس گواہی کا کوئی بُرا اثر) تمہاری جانوں پر یا (تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں پر (واقع ہو تب بھی اُسکو چھپاؤ

(اور جاہے) وہ مالدار ہو یا فقیر تو اللہ اُن پر (تم سے) زیادہ مہربان ہے لہذا تم کسی کی رعایت سے حق نہ چھپاؤ اور انصاف کرنے

میں (اپنی نفسانی) خواہش کی پیروی نہ کرو اور اگر تم (سچ (سے بات) کروگے یا (گواہی دینے سے) اعراض کروگے تو بیشک (سمجھ لو

کہ) جو تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے ۰

تفسیر اول اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تمام دنیا میرے اختیار میں ہے اور میں سب کا بادشاہ حقیقی ہوں پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ارشاد کرتا ہے کہ تقویٰ کو انصاف لازم ہے اگر تم دعویٰ ایمان داری کا کرتے ہو تو گواہی میں ہمیشہ سچ اور انصاف کو مد نظر رکھو یعنے سچی گواہی دو گو اس میں تمہارا اور تمہارے ماں باپ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو اور جسکے بارے میں گواہی دینا چاہو اُسکی تونگری اور فقیری کا کچھہ خیال مت کرو کہ فقیر جانکر تمکو ایسا رحم آوے کہ جھوٹ بولکر اُسکی طرف داری کرنے لگو یا امیر کی دولتمندی کے دباؤ سے اُسکی تائید کرنے لگو غرض کوئی صورت ہی کیوں ہو سچ کو ہاتھہ سے مت جانے دو۔

قوّام مبالغہ ہے قایم سے۔ قسط کے معنے انصاف ہے اور لفظ شہداء ممکن ہے کہ قوّامین سے حال واقع ہوا ہو اور ممکن ہے کہ صفت قوامین کی ہو اور ممکن ہے کہ کونوا کی خبر بعد خبر ہو ۰

یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی نزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل

ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالا بعیدا ۰

ترجمہ اے ایمان والو اللہ پر اور اُسکے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اُس کتاب پر جو اُس سے پہلے نازل کی (ان سب پر) ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اُسکے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں اور روز آخرت کا منکر ہوا تو بے شک وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہو گیا ۰

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصول ایمان بیان فرمائے ہیں اور تمام عقائد اسلام کی بنا انہیں اصول پر ہے اگر یہ ہیں تو ایمان اور عقائد سب ٹھیک ہیں ورنہ ایمان ہی غائب ہے اور وہ اصول یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ ایمان لانا اُسکے فرشتوں کے وجود کا اقرار کرنا اُسکی کتابیں ماننا اُسکے پیغمبروں پر ایمان لانا۔ قیامت کے ہونے پر ایمان لانا جو ان اصول میں سے ایک کا بھی منکر ہے وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا اور کسی چیز پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ اُسکے وجود حقیقی پر ایمان لاوے نہ کہ لفظ پر ہی ایمان ہو بغیر مفہوم کے جیسے کہ نیچری لوگ اکثر فرشتوں کے اور قیامت کے بالکل منکر ہیں صرف لفظوں ہی پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں یعنے لفظ قیامت کو مانتے ہیں اور اُسکے معنے اپنے طرف سے تراشتے ہیں اور اس مطلب پر ایمان نہیں لاتے جو کہ سلف صالحین کا عقیدہ تھا اسی طرح لفظ سماء (آسمان) پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن اُسکے وجود ذاتی کو نہیں مانتے ہیں اسی طرح لفظ ملائکہ کو مانتے ہیں لیکن اُنکے وجود حقیقی سے انکار کرتے ہیں غرض جو کچھہ اُن کے عقل میں آتا ہے اُسکو تو مانتے ہیں اور جو اُن کی

سمجھ میں نہ آوے اُسکا بالکل انکار کرتے ہیں۔ بعض تو صریح انکار کردیتے ہیں اور بعض کسی قدر تہذیب کی وجہ سے اُسکی تاویل رکیک کرتے ہیں لیکن غرض سب کی انکار اخبار شرعیہ ہے جیسے کہ سد ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے بھی منکر ہیں العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ ایسے راہ سے بھٹکے ہیں کہ کسی صورت سے راہ راست پر اُنکا آنا متصور نہیں ہو سکتا۔ جو شخص سچا مؤمن ہونا چاہے اُسکو چاہیئے کہ ان اصول خمسہ پر سچے دل سے سلف صالحین کی طرح ایمان لاوے اور مراد سلف صالحین سے وہ لوگ ہیں جنکی خوبی کی شہادت آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے یعنے آنحضرت کا زمانہ اور صحابہ کا اور تابعین کا ان تین زمانہ کے لوگ جو کہ نیکو کار تھے انکا سا عقیدہ رکھنا چاہیئے

ان الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا ۝ بشر المنٰفقین بان لھم عذابا الیما ۝

ترجمہ بے شک جو لوگ ایمان لائے (اور) پھر کافر ہو گئے (اور) پھر ایمان لائے (اور) پھر کافر ہو گئے (اور) پھر کفر میں (خوب) بڑھ گئے اللہ اُنہیں ہرگز نہ بخشے گا اور نہ اُنہیں راہ (ہدایت) پر لائے گا (اے نبی) منافقوں کو (یہ) خوشخبری سنا دو کہ اُنکے لئے (آخرت میں) درد دینے والا عذاب (تیار) ہے۔

تفسیر بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول یہود کے بارہ میں ہے کہ اول انھوں نے موسیٰ اور توریت کو مانا پھر عزیز علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا پھر داؤد علیہ السلام کے ساتھ ایمان لائے پھر عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا پھر جب آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُن کے کفر کو اور ترقی ہوئی۔ اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں کے بارہ میں اُتری ہے کہ وہ لوگ اول ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں یعنے مسلمانوں کے سامنے شرائع اسلام پر عمل کرتے ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو اُن کے سامنے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ہم تو آپ کے ہم عقیدہ ہیں ہم تو مسلمانوں کو دہوکا دیتے ہیں اور اُن سے مذاق کرتے ہیں۔ اور ہر وقت مکر و فریب کی فکر میں رہنا یہ ان کے کفر میں زیادتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جنسے کفر و انکار مکرر سرزد ہوتا ہے ایمان لا لاکر معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی وقعت اُن کے دل میں بالکل نہیں ہے کیونکہ اگر اُن کے دل میں ایمان کی کچھ وقعت اور رتبہ ہوتا تو ادنیٰ شبہہ سے اس سے ہرگز نہ پھرتے اور جس کے دل میں ایمان کی وقعت نہیں وہ مومن نہیں ہے اس آیت سے ثابت ہوا کہ کفر کم و بیش ہو سکتا ہے تو ضرور ہوا کہ ایمان بھی کم و بیش ہو سکے کیونکہ یہ دونوں آپس میں ضدین ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بے استقلالی اور ضعف یقین منافقوں کا شیوہ ہے اور منافقوں کے لئے سخت سزا مقرر ہے۔

الذین یتخذون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا ۝

ترجمہ وہ لوگ (ایسے ہیں) جو ایمان داروں کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں پس کیا یہ اُنکے پاس (جا جا کے اپنی) عزت چاہتے ہیں (تو سمجھ رکھیں کہ) بیشک سب عزت خدا (ہی) کی (ملک) ہے (اُسکے سوا کون ہے جو کسیکو عزت دے سکے)

تفسیر منافقوں کی پہچان یہ ہے کہ کفار سے دوستی گانٹھتے ہیں مومنوں کو چھوڑ کر اس غرض سے کہ کفار کے پاس کوئی

عہدہ یا عزت حاصل ہو اور اصل عزت تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے یہ منافقوں کی خام خیالی ہے کہ کفار کے ہاتھ میں عزت کو جانتے ہیں عزت ذلت دینا سب خدا ہی کے اختیار میں ہے جیسے کہ اس زمانہ میں نئی روشنی والے عیسائی لوگوں کی عادات ولباس کو دل سے پیارا جانتے ہیں اور اسلامی لباس پر مذاق اڑاتے ہیں یہاں تک کہ جسکی مونچھیں کتری ہوئی ہوں اور ڈاڑھی بڑھی ہوئی ہو اور پائجامہ ٹخنوں سے اونچا ہو اُسکو بے ایمان کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں یا اور مذاق اُسپر کرتے ہیں اور مولویوں کو قسم قسم کی تہمتوں کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ یہی ہے اصل نفاق اور ایسے لوگ نہایت سخت اسلام کے دشمن ہیں اُن سے جہاں تک ممکن ہو بچنا چاہیئے اور ہرگز اُن کے جالوں میں نہ پھنسنا چاہیئے ہائے قوم ہائے قوم کرکے اور رو رو کر لوگوں کے دلوں کو کفر پر اُبھارتے ہیں۔

وقد نزل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم ایٰت اللہ یکفر بہا ویستھزءبہا فلا تقعدوا معھم حتٰی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم ط ان اللہ جامع المنٰفقین والکٰفرین فی جھنم جمیعا ۙ الذین یتربصون بکم فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم وان کان للکٰفرین نصیب قالوا الم نستحوذ علیکم ونمنعکم من المؤمنین ط فاللہ یحکم بینکم یوم القیٰمۃ ط ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا ع

ترجمہ اور بے شک اُس نے اپنی کتاب میں تم پر یہ (حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ اُنکا انکار کیا جاتا ہے اور اُن سے مسخرا پن کیا جاتا ہے تو تم اُن (کفر کرنے والوں مسخروں) کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ اُسکے سوا کسی (دوسری) بات میں وہ گفتگو کرنے لگیں بیشک (اگر اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور مسخرا پن کرتے وقت تم اُنکے پاس بیٹھو گے تو تم بھی اُس وقت اُنکی مثل ہو جاوگے بیشک اللہ منافقوں اور کافروں کا ایک ساتھ دوزخ میں جمع کرنے والا ہے وہ (منافق) لوگ جو تمہاری (اس) تاک میں رہتے ہیں (کہ تمہیں فتح ہوتی ہے یا شکست) پھر اگر خدا کی طرف سے تمہاری فتح ہو جائے تو کہتے ہیں (کہ ہمیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دو) کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ (فتح کا) حصہ ملجائے تو (کافروں کی طرف ہو جاتے ہیں اور اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تم پر زبردستی نہ کی تھی (کہ مسلمانوں سے ضرور لڑو) اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں (کے ضرر) سے نہیں بچایا پس اے منافقو تمہاری (اس دورنگی کا) قیامت کے دن اللہ تمہارے درمیان میں فیصلہ کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونیکی کوئی راہ نہ دے گا۔

تفسیر اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت کی ہے کہ جس مجلس میں خلاف شرع باتیں ہوں یعنے کفر کی باتیں ہوں اور شریعت کے مسائل پر مذاق اُڑاتے ہوں تو ہرگز ہرگز ایسی مجلس میں مت بیٹھو ورنہ تم بھی اُن ہی لوگوں میں شمار کئے جاؤگے جبکہ اُس مجلس میں کفر وغیرہ کر رہے ہیں کیونکہ ایسی مجلسوں میں مسلمان ہوکر بیٹھنے والا منافق گنا جاتا ہے اور کافر اور منافق دونوں ہمیشگی ناری ہیں جیسے کہ کفار کو نجات نہوگی ویسے ہی منافقین کو بھی نجات نہوگی۔ اور منافقوں کا شیوہ ہے کہ ہر گروہ کی ظاہری قوت اور زور دیکھتے ہیں جسکو غالب دیکھا اُسی کے ساتھ ہو جاتے ہیں حق کے طلب گار نہیں ہوتے۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہوئی تو باتیں بنا کر اُن سے کچھ مال اینٹھ لیتے ہیں اور اگر کفار کو فتح ہوئی تو اُن سے بھی لے لیتے ہیں اُن کا اصل مطلب دنیا ہے دین نہیں ہے۔ لیکن سچی حجت کی رو سے کافر مسلمانوں پر کبھی غلبہ

نہیں پا سکتے اور نہ با لکل اسلام کو میٹ سکتے ہیں۔

ان المنافقین یخادعون اللہ وھو خادعھم واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا ۝ مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا ۝

ترجمہ بے شک منافق خدا کو فریب دیتے ہیں اور وہ اِن کو فریب دینے والا ہے اور (یہ منافق) جب نماز پڑہنے کھڑے ہوتے ہیں بہ بیدل کھڑے ہو جاتے ہیں (ان کا دل نہیں لگتا بلکہ) لوگوں کو دکہانے کے لئے نماز پڑھ) تے ہیں اور دل سے تو خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں کفر اور ایمان کے درمیان میں مذبذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ اُن کی طرف (اُنہیں اللہ نے گمراہ کیا ہے) اور جسے اللہ گمراہ کرے تو تم ہرگز اسکے لئے ہدایت کی کوئی سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر یعنے منافق لوگ یہ جانتے ہیں کہ ہم خدا کو دہوکا دے رہے ہیں حالانکہ وہ خود دہوکا کہا رہے ہیں۔ اور انکی تیرہ باطنی کی یہ علامت بہی ہے کہ نماز میں نہایت سست ہوتے ہیں اُسکو بیگار سمجھتے ہیں اُسکے رکوع سجود کو پورا نہیں کرتے صرف لوگوں کو دکہانے کی غرض سے چند ٹکریں مار لیتے ہیں خدا کو تہوڑا ہی یاد کرتے ہیں ان کے دل مذبذب ہوتے ہیں نہ کافر ہی ہوتے ہیں اور نہ اسلام کے اصول پر پورے کاربند ہوتے ہیں غرض سخت بہکے ہوئے ہیں اُن کے عقیدے کا کچھ ٹہیک نہیں ہے۔

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ۝ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لہم نصیرا ۝ الا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینہم للہ فاولٰئک مع المؤمنین وسوف یؤت اللہ المؤمنین اجرا عظیما ۝

ترجمہ اے ایمان والو تم (منافقوں کی طرح) مسلمانوں کے سوا کافروں کو (اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کر لو بے شک منافق آگ کے نیچے کے طبقے میں ہونگے اور (اے نبی اُس وقت) تم اُن کا کوئی مددگار نہ پاؤگے مگر (ہاں) جن لوگوں نے (نفاق سے) توبہ کر لی اور نیک کام کرنے لگے اور اللہ کی (شریعت کی) اُنہوں نے مضبوط پکڑ لیا اور اپنے دین کو (خدا کی رضامندی) کے لئے (نفاق سے) خالص کر لیا تو وہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ (جنت میں) ہوں گے اور عنقریب اللہ مسلمانوں کو بڑا (اچہا) بدلہ دے گا۔

تفسیر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ہدایت کرتا ہے کہ نفاق کی جڑ کفار سے دوستی کرنا ہے اور بُری مجلسوں میں بیٹہنا ہے جسقدر کفار کی رفاقت سے بچو گے اُسی قدر تمہارا ایمان مضبوط ہوگا اور جسقدر اُن سے قرب حاصل کروگے اُسی قدر تم میں نفاق بڑہے گا اور نفاق کی سزا سے بڑھکر ہے اسلئے کہ کفر کفار کا ظاہر معلوم ہوتا ہے اور نفاق والوں کا کفر پوشیدہ ہوتا ہے ان سے زیادہ مضرت پہنچتی ہے۔ جس نے کفار کے ساتھ دوستی کی اُس پر خدا کی حجت قائم ہو گئی اور اسلامی امن اُس سے اُٹھ گیا۔ منافقوں کا کوئی ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر منافق سچے دل سے توبہ کریں اور جو کچھ اُنہوں نے بگاڑ کیا ہے پھر اُسکو سنواریں اور خالص خدا ہی کی عبادت کریں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ چنگل ماریں تب وہ ایمان والوں میں شمار ہو سکتے ہیں اور جب مومن ہو جاوینگے تو اجر عظیم کے مستحق بہی ہو جاوینگے۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا۰

ترجمہ (اے لوگو) اگر تم (اللہ کا) شکر کرو اور اس پر ایمان لاؤ تو اللہ تمہیں عذاب کرکے کیا کرے گا اور اللہ (تو بڑا) قدردان (اور) علم والا ہے۔

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمکو عذاب کرنے سے خدا کو کچھ نفع نہیں اور نہ تمکو عذاب کرنے پر اسکی کوئی غرض اٹکی ہوئی ہے اگر تم اسکی نعمتوں کی قدردانی کروگے اور اسپر سچا ایمان لاؤگے تو وہ تمکو کیوں عذاب کرنے لگا وہ تو قدردان ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

چھٹا پارہ شروع ہوا

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا۰

ترجمہ (اور اے لوگو کسی کی برائی نہ کیا کرو کیونکہ) اللہ بری گفتگو کے ظاہر کرنے کو دوست نہیں رکھتا مگر (ہاں) جس پر ظلم کیا گیا ہو (اسکو ظالم کی برائی بیان کرنا جائز ہے) اور اللہ سننے والا (اور) دانا ہے۔

تفسیر چونکہ منافقوں کی عادت ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی کی غیبت کرتے رہتے ہیں کبھی کسی کا عیب ظاہر کیا اور کبھی کسی پر طوفان باندھا عیب چینی کرنا نفاق کی علامت ہے اسلیئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس بری خصلت سے ڈراتا ہے کیونکہ اسلام وایمان خوش اخلاقی نیک نیتی نفع رسانی عیب پوشی کے مجموعہ کا نام ہے جتنی نیک عادتیں ہیں وہ اسلام میں جمع ہیں اور سب بداخلاقیاں اور بے حیائیاں اسلام کے مخالف ہیں اللہ فرماتا ہے کہ سوائے مظلوم کے کہ اسکو جائز ہے کہ کسی داد رس کے سامنے ظالم کا ظلم اور اپنی مظلومی ظاہر کرے اور کسی کو روا نہیں کہ کسی کا عیب ظاہر کرے ہاں ایسا عیب متعدی ہو جس سے بدامنی قائم ہونے کا خوف ہو یا شریعت کا انتظام بگڑتا ہو اسکو ظاہر کرنا بضرورت کے وقت جائز ہے اسکو غیبت نہیں کہتے۔ مثلاً روایت احادیث میں راوی کا ضبط اور صدق شرط ہے سو اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی جھوٹا ہو یا ایسا ہو کہ اسکے حافظہ میں یا ضبط میں فتور ہے تو اس حدیث کے بیان کرنے کے وقت اس راوی کا عیب ظاہر کرنا ضروری ہوگا تاکہ کوئی شخص اس حدیث سے استدلال نہ کرنے پائے اور کوئی بدعت نہ ایجاد ہو جس سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے اور بغیر ذکر حدیث کے ہر وقت اس راوی کا عیب بیان کرنا ناجائز اور داخل غیبت ہوگا۔ اور غیبت اسی کا نام ہے کہ کسی کے واقعی عیب کو اسکی غیبت میں کسی پر ظاہر کیا جاوے اور اگر اسکے سامنے کسی سے اسکا عیب ظاہر کیا جاوے تو اسکو ہمز اور لمز بولتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں جو کسی سے ظاہر کیا گیا ہے تو اسکو بہتان کہتے ہیں یہ بھی حرام ہے غرض اس آیت کریمہ میں ہر طرح سے کسی کو کسی پر برا ظاہر کرنا جائز نہیں خواہ وہ عیب اس شخص میں ہو یا نہ ہو خواہ اسکے سامنے دوسرے پر ظاہر کیا جاوے یا اسکی غیبت میں کسی صورت سے کسی کی عیب گوئی جائز نہیں فقط مظلوم اپنی مظلومی کے دفعیہ کے لیئے ظالم کا ظلم ظاہر کرسکتا ہے۔ اور عام طور پر دھوکا دینے والے کے دھوکے کو بھی ظاہر کرنا جائز ہے تاکہ کوئی اسکے دھوکے میں نہ آئے اور جب سب لوگ ایسے دھوکے باز سے الگ

ہو جاویں گے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی ان حرکات سے باز آویں اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کسی کا کوئی عیب بے وجہ کسی پر ظاہر کیا جاوے اور یہ اسلام کی اعلے درجہ کی خوبی اور حسن اخلاقی ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو کئی مرتبہ ابو بکر نے سکوت کیا اور کچھ جواب نہ دیا مگر انہوں نے جواب جو دیا تو آنحضرت صلے اللہ تعالی علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے تو ابو بکر نے عرض کیا کہ جب وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا تو آپ بیٹھے رہے اور جب میں نے جواب دیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم چپ تھے تو تمہاری طرف سے فرشتہ جواب دیتا رہا اور جب تم نے جواب دیا تو شیطان آگیا اور فرشتہ چلا گیا اسلئے شیطان کے آنے سے میں اٹھ کھڑا ہوا اور جواب دیا تب یہ آیت نازل ہوئی واللہ اعلم ؛

ان تبدوا خیرا او تخفوہ او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفوا قدیرا ہ

ترجمہ (اے) اگر تم (لوگوں کے ساتھ) نیکی (کرو خواہ اسکی ظاہر کرو یا اسکو چھپاؤ یا (کسی کی) خطا معاف کردو تو بیشک اللہ (بھی تمہاری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ وہ بڑا) بخشنے والا (اور) قدرت والا ہے ؛

تفسیر گو بھلائیوں کے اقسام بے شمار ہیں لیکن اس کثرت کے ساتھ بھی اصلی تقسیم کی رو سے سب بھلائیاں دو قسم کی ہیں ایک اللہ سے سچا معاملہ رکھنا دوسری مخلوق سے خلق کے ساتھ پیش آنا ان دو قسموں سے کوئی بھلائی باہر نہیں ہو سکتی۔ پھر جو بھلائی لوگوں سے تعلق رکھتی ہے وہ بھی دو قسموں سے باہر نہیں ایک لوگوں کو نفع پہونچانا دوسری ان سے ضرر کو دور کرنا تو ان تبدوا او تخفوہ سے مراد خلق کو نفع پہونچانا ہے۔ اور او تعفوا عن سوء سے مراد ان سے ضرر دور کرنا۔ پھر اللہ تعالی ہدایت کرتا ہے کہ تم کو چاہیئے کہ سنت اللہ کی پیروی کرو جیسے اللہ تعالی قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دیتا ہے تم بھی باوجود انتقام پر قادر ہونے کے معاف کر دیا کرو تاکہ اللہ تعالی تم سے راضی ہووے اور تمہارے قصوروں کو بھی معاف کر دیا کرے ؛

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ۝ اولئک ہم الکفرون حقا واعتدنا للکفرین عذابا مہینا ہ

ترجمہ بیشک جو لوگ اللہ اور اسکے پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ میں اور اسکے پیغمبروں میں تفریق کریں۔ یعنے اللہ پر تو ایمان لائیں اور اسکے پیغمبروں پر نہ لائیں) اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (پیغمبروں) پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک (دوسری) راہ نکالیں یہی لوگ اصل کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ؛

تفسیر چونکہ منافقین کے کچھ احوال اللہ تعالی ذکر کر چکا ہے اب اس جگہ یہود و نصاریٰ کے کچھ مذاہب ذکر کرتا ہے اور ان کے مناقضات کو بیان فرماتا ہے۔ تو پہلی قسم ان کے حرکات ناشائستہ کی یہ ہے کہ وہ بعض انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں لاتے بلکہ کفر کرتے ہیں جیسے کہ یہود موسیٰ علیہ السلام پر اور توراۃ پر ایمان لائے اور عیسے علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کیا اور نصاریٰ عیسے علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لائے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم

اور قرآن کے ساتھ کفر کیا اور بعض ایسے بھی ہیں جو کہ اطاعت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے درمیان فرق کرتے ہیں یعنے صرف قرآن شریف ہی کے مسائل کو مانتے ہیں اور رسول کے کلام کو نہیں مانتے حدیثوں کے منکر ہیں اسی طرح اہل کتاب میں بھی بہت لوگ ہیں جو اللہ کے بعض حکموں کو مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور بالکل کفر اور بالکل ایمان کے درمیان درمیان ایک طریقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ درمیان میں کوئی راستہ نہیں بلکہ بعض چیز کے ساتھ کفر کرنا کل کے ساتھ کفر کرنا ہے تو جو شخص بعض احکام الٰہی کو مانے اور بعض کو نہ مانے وہ گویا کل کو نہیں مانتا اور کافر ہی ہے ایمان اُس میں ذرہ بھر بھی نہیں اور ایسے لوگ ضرور دوزخ میں ذلت اٹھاویں گے ۰

والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منھم اولٓئک سوف یؤتیھم اجورھم وکان اللہ غفورا رحیما ہ

ترجمہ اور جو لوگ اللہ پر اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اُنھوں نے اُن میں سے کسی میں تفریق نہ کی یہی لوگ ہیں جنھیں عنقریب اُنکے (نیک کاموں کے) بدلے دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۰

تفسیر یعنے ایمان تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ اور اُسکے سب رسولوں کے ساتھ ایمان لاوے اور کسی میں فرق نہ پیدا کرے ایمان لانے میں بایں طور کہ بعض پر ایمان لاوے اور بعض پر نہ لاوے بلکہ سب ہی کو مانے ایسے ہی لوگ رحمت اور مغفرت اور ثواب کے مستحق ہیں۔

یسئلک اھل الکتٰب ان تنزل علیھم کتٰبا من السماء فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذٰلک فقالوا ارنا اللہ جھرۃ فاخذتھم الصاعقۃ بظلمھم ثم اتخذوا العجل من بعد ما جاءتھم البینٰت فعفونا عن ذٰلک واٰتینا موسیٰ سلطٰنا مبینا ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم وقلنا لھم ادخلوا الباب سجدا وقلنا لھم لا تعدوا فی السبت واخذنا منھم میثاقا غلیظا ہ

ترجمہ (اے نبی) اہل کتاب (جو) تم سے (یہ) درخواست کرتے ہیں کہ تم اِن پر آسمان سے لکھا ہوا اوتار دو تو تم اسطرف بجہ التفات نکرو بیشک یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی درخواست کر چکے ہیں یعنے اُنھوں نے (موسیٰ سے کہا کہ ہمیں اللہ کو آشکارا دکھا دو بس اُنکو اُنکے گناہ کے سبب سے بجلی نے لے لیا پھر اُنھوں نے بعد اسکے کہ اُنکے پاس معجزے آچکے تھے گو سالہ بنایا پھر ہمنے اُس سے درگزر کی اور موسیٰ کو صریح غلبہ عنایت کیا اور ہمنے اُن سے عہد لینے کے لئے اُنکے اوپر (کوہ) طور کو اٹھا (کر معلق کر) دیا اور ہمنے اُن سے کہا کہ (شہر کے) دروازے میں سجدے کرتے ہوئے داخل ہو اور ہمنے اُن سے کہا کہ ہفتے کے دن میں زیادتی نکرنا اور ہمنے اُن سے مضبوط عہد لے لیا ۰

تفسیر یہود کی حرکات ناشائستہ اور جہالتوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ کہنے لگے کہ اگر تو سچا رسول ہے تو آسمان سے اکٹھی کتاب ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا جیسے کہ موسیٰ اکٹھی الواح تورات کی لایا تھا یا یہ کہ آسمان سے ہمارے سامنے تو یا کوئی فرشتہ ایک پروانہ لاوے اس مضمون کا کہ یہ شخص جو کہ تمہارے پاس قرآن لایا ہے وہ میرا رسول ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ جہالت کے سوالات یہ لوگ موسیٰ سے بھی کر چکے ہیں اُس سے کہا کہ تو خدا کو ہمارے سامنے لاکر دکھا دے آخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس حرکت کے باعث اُن پر بجلی بھیجی کہ فوراً سب ہلاک ہو گئے

اور پھر اسپر طرہ یہ کہ اس عبرتناک واقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور جان بوجھکر پھر بچھڑے کی عبادت شروع کردی پھر ہم نے درگزر کی پھر کوہ طور ہمنے اُن کے سروں پر رکھا پھر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ پھر ہم نے اُن کو حکم دیا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوجاؤ اس حکم کے ساتھ بھی اُنہوں نے تمسخر کیا۔ پھر ہمنے انکو حکم دیا تھا کہ سنیچر کے دن شکار مچھلیوں کا مت کرو تب بھی وہ فریب سے پیش آئے غرض ہر دم سرکشی اور بدعہدی انکا شیوہ رہا

فبما نقضهم ميثاقهم وكفرهم بايٰت الله وقتلهم الانبياء بغير حق وقولهم قلوبنا غلف بل طبع الله عليها بكفرهم فلا يؤمنون الا قليلا ۝ وبكفرهم وقولهم على مريم بهتانا عظيما ۝ وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه الله اليه وكان الله عزيزا حكيما ۝

ترجمہ (مگر انہوں نے خلاف عہد کیا) پس اُنکے اپنا عہد توڑ دینے سے اور اُنکے خدا کی آیتوں کا انکار کرنے سے اور اُنکے ناحق انبیاء کو قتل کردینے سے اور اُنکے (اس) کہنے سے کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے) ہیں (حالانکہ پردے نہیں) بلکہ بسبب اُنکے کفر کے اللہ نے اُن پر مہر کردی ہے لہذا وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اور بسبب اُنکے کفر کے اور مریم پر ایک بڑا بہتان لگانیکے اور بسبب اُنکے (اس) قول کے کہ بے شک ہم نے مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسےٰ (جو درحقیقت) اللہ کے رسول (تھے اُن) کو قتل کرڈالا حالانکہ نہ اُنہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ سولی دیا ولیکن اُنکے لئے (ایک دوسرا شخص مسیح) مشابہ کردیا گیا اور بے شک جن لوگوں نے عیسےٰ (کے بارے) میں اختلاف کیا یقیناً وہ اُس (کے حالات) کی طرف سے شک میں ہیں سوا (اپنے) خیال کی پیروی کے اُنہیں اُسکا کچھ (بھی) علم نہیں اور اُنہوں نے اُسے بالیقین نہیں قتل کیا بلکہ اُسے تو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چند وجہ سے ان اہل کتاب کو محرومی حاصل ہوئی کہ اچھی خاصی پاکیزہ چیزیں ہمنے اُن پر حرام کردیں اور نیز اُنپر غضب بھی۔ ایک یہ کہ اُنہوں نے عہد شکنی کی دوسری یہ کہ معجزات کا انکار کیا۔ تیسری یہ کہ ناحق انبیاء کو قتل کیا چوتھے یہ کہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے تو مہر کردی جسکے سبب سے ایمان نہیں لاسکتے لیکن باوجود اس جہالت کے دعویٰ یہی ہے کہ ہمارے دلوں میں علم بھرا ہوا ہے اور اوپر سے غلاف چڑھا دیے گئے ہیں اسلئے اور کسی نبی وغیرہ پر ایمان لانے کی کوئی ضرورت نہیں پانچویں یہ کہ علاوہ مریمؑ پر ایمان نہ لانے کے اُنپر تہمت عظیم باندھنا چھٹا اُن کا یہ کہنا کہ جسے تم رسول اللہ کہتے ہو یعنے عیسےٰ ابن مریم کو ہم نے قتل کردیا ہے حالانکہ اُنہوں نے نہ اُسکو قتل کیا اور نہ سولی دیا یہ نرا اُن کا گمان ہی گمان ہے یقین نہیں ہے صرف خیالی اختلاف ہے بلکہ یقینی بات یہ ہے کہ بشر کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ آسمانوں پر چڑھ جاوے لیکن اللہ تعالیٰ بڑا غالب ہے اُسپر کوئی چیز مشکل نہیں ہے وہ اپنی قدرت و حکمت سے جسے چاہے آسمان پر لے جائے جیسے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر لے گیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو زندہ مع الجسم معراج پر بلا لیا یعنے ساتوں آسمانوں سے اوپر۔

وان من اهل الكتب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيمة يكون عليهم شهيدا ۝

ترجمہ اور اہل کتاب میں سے کوئی (اُس وقت موجود) نہ ہوگا مگر یہ کہ ضرور اُسکے مرنے سے پہلے ایمان لائیگا اور وہ (یعنے عیسےٰ)

اُن پر قیامت کے دن گواہ ہونگے

تفسیر اس آیت کی تفسیر میں دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ہر یہودی اپنی موت سے پہلے عیسےٰ پر ایمان لاتا ہے یعنے اُسکی نبوت کا اقرار کرتا ہے گو وہ اقرار اُسکو نفع نہ دے چنانچہ شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ حجاج بن یوسف نے کہا کہ جب کبھی میں اس آیت کو پڑھتا ہوں تو میرے دل میں اُسکے بارے میں شبہہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جب کبھی میں کسی یہودی کو قتل کرتا ہوں تو مجھے اُسکے موت سے عیسےٰ پر ایمان لانے کے بارے میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تو میں نے حجاج سے کہا کہ جب یہودی کو موت آتی ہے تو فرشتے اُسکے مونہ پر طمانچہ اور اُسکے چوتڑ پر دکا رتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دشمن خدا کے تیرے پاس عیسےٰ نبی ہو کر آیا اور تونے اُسکو جھٹلایا تب وہ کہتا ہے کہ اے خدا میں ایمان لایا ہوں اسبات پر کہ وہ (عیسےٰ علیہ السلام) تیرا سچا بندہ ہے اور نصرانی سے موت کے وقت فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے پاس عیسےٰ نبی ہو کر آیا اور تونے اُسکو خدا اور خدا کا بیٹا کہا تب وہ کہتا ہے کہ میں ایمان لایا اسبات پر کہ وہ اللہ کا بندہ ہے سو اہل کتاب عیسےٰ پر ایمان تو لاتے ہیں لیکن ایسے وقت کہ اُنکو وہ ایمان کچھہ نفع نہیں دیتا تو حجاج یہ حدیث سنکر سیدھا ہو بیٹھا اور کہا کہ اس حدیث کو تونے کس سے نقل کیا میں نے کہا کہ مجکو محمد بن علی بن الحنفیہ نے یہ حدیث سنائی ہے تو حجاج ایک کانٹھے سے زمین کریدنے لگا اور کہا کہ بیشک تونے اس حدیث کو ایک نہایت صاف چشمہ سے لیا ہے اور ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے عکرمہ نے اُن سے کہا کہ اگر چھت سے گر پڑے یا آگ میں جل جاوے یا اُسکو درندہ کہا لیوے تو اُنہوں نے کہا کہ ہر حالت میں بے ایمان لائے نہیں مرتا (یہ ضرور نہیں کہ اُسکی سنائی دوسروں کو بھی دے) اور ابن عباسؓ کے سوا اوروں سے بھی یہ تفسیر مروی ہے دوسری وجہ اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر عیسےٰؑ کی طرف پھرتی ہے یعنے عیسےٰ علیہ السلام کے مرنے سے پہلے سب اہل کتاب اُنپر ایمان لے آویں گے یعنے وہ سب اہل کتاب جو اُن کے نزول کے وقت موجود ہوں گے اس صورت میں یہ آیت نزول عیسےٰؑ کی پیشین گوئی کرتی ہے ۔

فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبٰت احلت لهم وبصدهم عن سبیل الله کثیرا واخذهم الربوا وقد نهوا عنه واکلهم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکفرین منهم عذابا الیما ۔

ترجمہ یہودیوں کے گناہ کے سبب سے ہم نے اُن پر وہ چیزیں جو اُنکے لئے حلال کی گئی تہیں حرام کر دیں اور بسبب اُنکے روکنے کے خدا کی راہ سے بہت لوگوں کو اور بسبب اُنکے سود لینے کے حالانکہ وہ بے شک اس سے منع کئے گئے تہے اور بسبب اُنکے لوگوں کا مال ناحق کہا لینے کے (اچھی حلال چیزیں اُن پر حرام کر دیں) اور اُن میں سے کفر پر قائم رہنے والوں کے لئے ہمنے درد دینے والا عذاب تیار کر رکہا ہے ۔

تفسیر قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی سے نعمت چھن جاتی ہے اور نعمت (کمبختی) اور مصیبت گہیر لیتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل کتاب نے جبکہ لوگوں کو ناحق مارنے شروع کئے اور جانتے تہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے تب بہی سود کہانا شروع کیا اور لوگوں کو دین کی راہ راست سے بہکانے لگے اور دیگر ظلم و تعدی شروع کی تب اللہ تعالیٰ نے اُنپر حلال چیزیں حرام کر دیں اور سخت اور مشکل احکام نازل فرمائے کیونکہ ان افعال کے کرنے سے وہ کافر ہو گئے تہے اور پہر اسی پر کفایت نہیں تھا بلکہ انہی اُن کے لئے دکھہ کی مار

تیار ہے غرض سرکشی سے دنیا میں بھی نیک نامی اور آزادی سے محروم ہو گئے اور قیامت میں خدا کی مغفرت سے محروم ہو گئے خسر الدنیا والآخرہ ؛

لکن الراسخون فی العلم منھم والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ والمؤمنون باللہ والیوم الاٰخر اولٰئک سنؤتیھم اجرًا عظیمًا ہ

ترجمہ لیکن اُن میں سے جو لوگ علم (دین) میں ثابت قدم ہیں اور (جو لوگ) ایماندار ہیں یعنی) جو کچھ (اے نبی) تمہاری طرف اُتارا گیا ہے اُس پر ایمان لاتے ہیں اور جو تم سے پہلے اُتارا گیا ہے اُس پر (بھی ایمان لاتے ہیں) اور نماز پڑھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے (ہیں) اور اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں جنہیں ہم عنقریب بڑا (اچھا) بدلہ دیں گے ــ

تفسیر راسخین فی العلم سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھ کے لوگ ہیں جو کہ یہود میں سے مسلمان ہوئے تھے اور والمقیمین عبداللہ بن مسعود رضہ وغیرہ کی قرات میں والمقیمون آیا ہے لیکن زیادہ تر مشہور و متواتر قرات والمقیمین ہی ہے ـ اور اسکے منصوب یا مجرور ہونے کی تحقیق امام ابن القیم کی کتاب بدائع الفوائد میں دیکھنی چاہیئے یعنے لیکن یہود میں سے جو لوگ پکے اور پکے عالم اور عامل ہیں وہ پہلی کتابوں پر اور قرآن پر سچا اور پکا ایمان رکھتے ہیں اور وہ نماز کے بہت محکم پابند ہیں اور زکوٰۃ بھی ہمیشہ دیتے رہتے ہیں اور اللہ پر اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہیں اور بیشک یہ لوگ اجر عظیم پائیں گے ؛

انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہٖ واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھٰرون وسلیمٰن واٰتینا داوٗد زبورًا ورسلًا قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلًا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیمًا رسلًا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزًا حکیمًا ہ

ترجمہ بے شک (اے نبی) ہمنے تمہاری طرف (ویسی ہی) وحی بھیجی ہے جیسی نوح کی طرف اور (اُن) پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے بھیجی تھی اور (جیسی) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسےٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی اور (جیسے) داؤد کو ہمنے (کتاب) زبور عنایت فرمائی (اور ہمنیں ویسا ہی پیغمبر کیا ہے جیسے) اور پیغمبروں کو تم سے پہلے (مبعوث کیا تھا) جن کا حال ہمنے تم سے بیان کیا ہے اور جیسے اُن پیغمبروں کو جن کا حال تم سے نہیں بیان کیا اور اللہ موسیٰ سے اچھی طرح ہمکلام ہوئے (اور ہمنے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر اس لئے (بھیجے) کہ پیغمبروں کے (بھیجنے کے) بعد لوگوں کا خدا پر الزام نہ رہجائے اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے ؛

تفسیر اس آیت میں کئی مسئلے ہیں اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اول یہود کی عنادی حجت ذکر کی تھی کہ اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آسمان سے ہمارے سامنے پوری لکھی ہوئی کتاب اُتار لا اور اللہ تعالیٰ نے اسکے بعد یہ فرمایا کہ اُن کا یہ سوال ہدایت طلب کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ جھگڑا اور حجت پیدا کرنے کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے اُن کے فضائح اور قبائح ذکر کئے اب اللہ تعالیٰ اُن کے اس شبہہ اور اعتراض کا جواب

ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نوح سے اور ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام سے لیکر آج تک سب پیغمبروں پر وحی کرتے آئے ہیں اور اُن انبیاء کی نبوت کے ثبوت کے لئے صرف معجزات ہی پیش کئے گئے اور ہر ایک نبی کے معجزے الگ الگ قسم کے ہیں اور سوائے پہلے ہمنے کسی نبی پر پوری کتاب ایکدم نہیں اُتاری تو جب کتاب کا پورا نہ اُتارنا اُن انبیاء کی نبوت میں موجب قدح نہیں تھا بلکہ کسی قسم کا معجزہ جو اُن سے ظاہر ہوتا تھا وہی اُن کی نبوت کے لئے کافی تھا تو پھر اُس نبی کی نبوت میں کون سی قدح پیدا ہو سکتی ہے معلوم ہوا کہ یہود کا یہ شبہہ بالکل لغو اور لچر ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اثبات مدلول موقوف ہوتا ہے ثبوت دلیل پر اگر ایک چیز تو جب وقت ایک دلیل سے ثابت ہو چکی پھر اس دلیل کے علاوہ اور دلیل مانگنا دلیل عناد اور شرارت ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام زجاج کہتے ہیں کہ ایحاء (وحی کرنے) کے معنے یہ ہیں کہ خفیہ طریق سے کسی کو کوئی چیز معلوم کرانی۔ اور وہ دو قسم کا ہوتا ہے یقینی اور غیر یقینی اور وحی انبیاء یقینا یقینی ہوتی ہے اسی لئے اُن کی وحی کو لغۃً اور شرعاً وحی کہتے ہیں اور غیر انبیا کی یقینی نہیں ہوتی اسلئے اُسکو اصطلاح علمائے شرع میں الہام کہتے ہیں اور حفظ مراتب کے اعتبار سے بھی فرض ہے کہ انبیاء کے اور غیر انبیاء کے القاب میں فرق چاہیے تیسرا یہ کہ نوح کا اللہ تعالیٰ نے پہلے اس لئے ذکر کیا ہے کہ اولوالعزم انبیا میں سے یہ پہلے رسول ہیں۔ اور زبور میں دو قرائتیں ہیں ایک زائے مفتوحہ سے دوسری مضمومہ سے چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور تکلیما کا لفظ اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ کلام حقیقی تھا جس کو لغت میں اور عرف عام میں کلام کہتے ہیں اس میں کسی قسم کی تاویل کو گنجائش نہیں ہے اور اُس کلام میں آواز بھی تھی اور حروف بھی تھے یہی مذہب ہے تمام سلف صالحین کا سوائے جہمیہ اور معتزلہ وغیرہم کے کوئی اسکے خلاف نہیں۔ پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ مبشرین و منذرین سے مطلب یہ ہے کہ مقصود اُن سب پیغمبروں کے بھیجنے سے یہی ہے کہ لوگوں کو نیک اعمال کرنے پر جنت وغیرہ کی خوشخبری سناویں اور بداعمالوں کو دوزخ وغیرہ کا خوف دلاویں تاکہ پھر منکروں کو یہ کہنے کی جگہہ نہ ملے کہ ہم بے خبر تھے اور خدا پر حجت قائم کرنے لگیں اور یہی یہود کے شبہہ کا جواب ہے کیونکہ خوشخبری دینا اور ڈرانا بتدریج زیادہ اثر کرتا ہے اسلئے وحی کا تھوڑا تھوڑا اترنا زیادہ قرین مصلحت ہے اور ایک ہی دفعہ سب تکالیف پیش کرنے سے اکثر کو نفرت ہو جاتی ہے اسی لئے چونکہ توراۃ اکٹھی اُتری تھی یہود سرکش ہوگئے اور توراۃ کی مندرجہ تکالیف کے قبول کرنے سے انکار کیا اسی طرح نصاریٰ میں بھی پابند شریعت عیسویہ بہت ہی کم لوگ ہیں۔ اور امت محمدیہ میں بکثرت ایسے لوگ موجود ہیں جو کہ تکالیف قرآنیہ کے مطابق اکثر عمل کرتے ہیں اور اس امت میں تمرد اور سرکشی بہت ہی کم ہے۔ چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نقل پر موقوف ہے نہ عقل پر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل اور فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور فرماتا ہے ولو انا اھلکنٰھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع اٰیٰتک من قبل ان نذل ونخزیٰ

لکن اللہ یشھد بما انزل الیک انزلہ بعلمہ والملٰئکۃ یشھدون وکفی باللہ شھیدا ۰

ترجمہ لیکن (یہ کافر اسے ہی نہیں مانتے تو نہ سہی) جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا اللہ اُس پر (خود) گواہی دیتا ہے کہ اس نے

اسکو اپنے علم سے نازل فرمایا اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں اور اللہ تو بس ہے ؂

تفسیر یعنے اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے قرآن کے سچی وحی ہونے کے بارے میں اور نیز فرشتوں کی گواہی بھی کافی ہے مگر اصل شہادت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے پھر جو نہ مانے اور اُسکے صدق کی شہادت نہ دے تو کوئی ضرورت نہیں ہے اور علم بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے ہے ؂

ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ قد ضلوا ضلٰلاً بعیدا ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لهم ولا لیهدیهم طریقا الا طریق جهنم خٰلدین فیها ابدا وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا ہ

ترجمہ بے شک جن لوگوں نے ہمارے پیغمبروں کا) انکار کیا اور (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکا وہ یقیناً راہ (راست) سے بہت دور ہٹ گئے ہیں بے شک جن لوگوں نے (ہمارے پیغمبروں کا) انکار کیا اور (لوگوں کو) ستایا اللہ (ایسا) نہیں ہے کہ اُنکو بخشدے اور نہ (ایسا ہے کہ) راہ راست پر لے آئے مگر (ہاں) جہنم کی راہ (پر) اُنہیں پہونچا دیگا اُس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر (بہت) آسان ہے ؂

تفسیر یہ بھی صفت یہود میں سے ہے کہ خود بھی کافر ہوئے اور طرح طرح کے شبہہ ڈال ڈالکر اور لوگوں کو بھی بہکاتے ہیں

یا ایها الناس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیرا لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السمٰوٰت والارض وکان اللہ علیما حکیما ہ

ترجمہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (اللہ کے بھیجے) رسول (محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچائی کے ساتھ آئے ہیں پس (اب) تمہاری بہتر (اسی میں) ہے کہ (اُنپر) ایمان لے آؤ اور اگر (اُنکی نبوت سے) انکار کروگے تو اللہ (کا) کچھ نقصان نہیں کیونکہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا (اور) حکمت والا ہے ؂

تفسیر یہود وغیرہم قوموں کے شبہات کا رد کرکے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو عام خطاب کرتا ہے کہ جب کوئی شبہہ محمد کی صداقت اور راست بازی میں نہیں رہا تو پھر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اسلئے تم سب لوگوں کا بھلا اسی میں ہے کہ اُسپر سچا ایمان لاؤ خدا تو بے پروا ہے اُسکو تمہارے ایمان لانے سے کچھ نفع نہیں ہے اور نہ تمہارے کفر سے کچھ ضرر بلکہ نفع ضرر تمہاری ہی ذات کے لئے ہے ؂

یا اهل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمته القٰها الی مریم وروح منه فاٰمنوا باللہ ورسله ولا تقولوا ثلٰثة انتهوا خیرا لکم انما اللہ اله واحد سبحٰنه ان یکون له ولد له ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للہ ولا الملٰئکة المقربون ومن یستنکف عن عبادته ویستکبر فسیحشرهم الیه جمیعا فاما الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت فیوفیهم اجورهم ویزیدهم من فضله واما الذین استنکفوا واستکبروا فیعذبهم عذابا الیما ولا یجدون لهم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا ہ

ترجمہ اے اہل کتاب اپنے دین میں (بیجا) زیادتی نکرو اور اللہ پر سوا سچ کے (جھوٹ) نہ بولو سوا اسکے نہیں کہ مسیح (یعنے) عیسے مریم کے بیٹے اللہ کے رسول ہیں اور اُسکے (اُس) حکم (سے پیدا ہوئے) ہیں جسکو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا

اور اُسکی روح ہیں پس اللہ پر اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) نہ کہو (اس کہنے سے) باز آؤ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے سوا اسکے نہیں کہ اللہ (ہی) ایک (ہی معبود ہے) اُسکی پاکی (بیان کرو) اس (نقص) سے کہ اُسکے کوئی لڑکا ہو (اور اُسے لڑکے کی کیا حاجت کیونکہ) اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ (سب کا) کارساز بس ہے مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے اور نہ مقرب فرشتے (اس سے انکار کر سکتے ہیں) اور جو کوئی اُسکا بندہ ہونے سے انکار کرے اور غرور کرے تو (یہ سمجھ لے) اللہ اُن سب کو اپنی طرف اُٹھائے گا (اور ہر ایک کو اُسکے اعمال کی جزا دے گا) پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں تو اُنہیں اُن کے (اچھے کاموں کے) بدلے پورے (پورے) دیگا اور (بلکہ) اُنہیں اپنے فضل سے زیادہ دے گا اور لیکن وہ لوگ جنہوں نے اُسکے بندے ہونے سے انکار کیا اور غرور کیا تو اُنہیں تو درد دینے والا عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا کوئی اپنا کارساز اور مددگار نہ پائیں گے۔

تفسیر اللہ تعالیٰ جب یہود کے شبہات کے جواب دے چکا تو اب نصاریٰ سے خطاب شروع کیا فرماتا ہے کہ اے گروہ اہل کتاب تم دین میں افراط تفریط کے رستہ پر مت چلو یہود نے تو تفریط اختیار کی اور مسیح کو تہمت لگائی اور تم افراط کیا مسیح کو اللہ قرار دیا یہ دونوں طریق گمراہی اور بے انصافی کے ہیں اصل تو یہ ہے کہ مسیح اللہ کا رسول ہے اور اُسکے کلمہ کُن سے پیدا ہوا ہے اور اُسی کی بنائی ہوئی روح ہے۔ تم کو چاہیے کہ اللہ کو اللہ مانو اور اُسکے رسولوں کو رسول ہی مانو اُن کو درجہ الوہیت تک مت پہنچاؤ۔ اور مجہول مذہب مت اختیار کرو کہ کہنے لگو اللہ تعالیٰ با ‌ ر جوہر کے ایک ہے اور باعتبار اقانیم کے تین ہیں اور اُسکی ذات میں تعدد ثابت کرتے ہو اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ نصاریٰ حلول اور اتحاد کے قائل ہیں حلول کے معنے یہ ہیں کہ کسی شے میں سرایت کرے اور اتحاد یہ ہے کہ کسی چیز کا عین ہو یہ دونوں باتیں دین برحق کے خلاف ہیں نہ تو خدا تعالیٰ کسی چیز مخلوق کا عین ہے اور نہ مخلوق میں سرایت کرتا ہے بلکہ وہ مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اُس سے جدا ہے اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی ہے اُسکی ذات میں تعدد نہیں اور نہ اُسکی کوئی اولاد ہے وہ اولاد والا ہے کیونکہ اُسکی کوئی جورو نہیں اسلئے کہ اُسکے جوڑ کا کوئی نہیں نجران کے لوگ نصرانی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا کہ تو ہمارے صاحب پر عیب کیوں لگاتا ہے آپ نے پوچھا کہ تمہارا صاحب کون ہے اُنہوں نے کہا کہ عیسےٰ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کیا کہا تو اُنہوں نے کہا کہ تو اُسکو اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول کہتا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی یعنے جب یہ ثابت ہو چکا کہ عیسےٰ نہ . ہو سکتا ہے اور نہ خدا کا بیٹا تو یقیناً اُسکی مخلوق قرار پائیگا اور مخلوق کا ہر فرد اللہ کا بندہ ہے پھر خود مسیح خدا کا بندہ ہونے کا اقراری ہے بلکہ اسکو اپنے لئے فخر جانتا ہے اور اسی طرح مقربین فرشتے بھی عبادت کو فخر جانتے ہیں اور بندہ ہو کر جو عبادت سے اور بندہ ہونے سے عار کرے اور غرور و کبر کرے وہ سخت ذلیل ہونے کے قابل ہے ❊

یا ایہا الناس قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا ؁ فاما الذین اٰمنوا باللہ واعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمۃ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما ؁

ترجمہ اے لوگو بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (دین حق کی) دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف ایک واضح روشنی کو (یعنے قرآن مجید) نازل کیا ہے پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُسکے (نور) کو مضبوط پکڑ لیا تو اللہ عنقریب

اپنی رحمت اور فضل (کے گلشن بےخزاں) میں اُنہیں داخل کرے گا اور اُنہیں اپنی طرف (پہنچنے کے) سیدھے راستے ہدایت کرے گا ؛

تفسیر اِس آیت میں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو عام طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس بُرہان (دلیل روشن) یعنے محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صاف روشنی اور اُجالا یعنے قرآن پہنچ چکا اور اعتراض کرنے والوں کے سب شبہے دور کردئے گئے اب جس کسی کو سعادت سرمدی اور نجات ابدی منظور ہو وہ کتاب وسنت پر محکم چنگل مارے اور سمجھ لے کہ بدون کتاب وسنت کی پیروی کے نجات پانا ممکن نہیں ہے ؛

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ ان امرء ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترک وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد فان کانتا اثنتین فلھما الثلثن مما ترک وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین یبین اللہ لکم ان تضلوا واللہ بکل شیء علیم

ترجمہ (اے نبی) یہ لوگ تم سے فتوےٰ طلب کرتے ہیں (ان سے) کہدو کہ اللہ (خود) تمہیں کلالہ (کے بارہ) میں فتویٰ دیتا ہے (وہ فتویٰ یہ ہے کہ) اگر کوئی مرد مرجاوے (اور) اُس کے کوئی اولاد نہو اور اُسکی ایک بہن ہو تو اُس (بہن) کو اُسکے (مال) متروکہ کا نصف ملنا ضروری ہے اور (اگر کوئی عورت مرجاوے اور اُس کا بھائی زندہ ہو تو) وہ اُس (مردہ بہن) کا وارث ہوگا بشرطیکہ اُس (کی بہن) کے کوئی اولاد نہو اور اگر (کسی کی) دو بہنیں (وارث) ہوں تو اُن دونوں کو اُس (بھائی) کے (مال) متروکہ سے دو تہائی کا استحقاق ہے اور اگر وہ (وارث) کئی ہوں مرد (بھی) اور عورتیں (بھی) تو (ایک) مرد کو دو عورتوں کے حصہ کی برابر (ملنے کا استحقاق) ہے (یہ احکام) اللہ تمہارے لئے اسواسطے ظاہر فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہو جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر یعنے اگر کوئی مرد مرجاوے اور صرف بہن کو وارث چھوڑے اور میت کی کوئی اولاد نرینہ نہو اور نہ اولاد مادینہ ایک سے زائد ہو اور نہ باپ ہو تو بہن کو اس حالت میں نصف مال ملے گا اگر باپ بھی ہو تو بہن بالاجماع محروم ہوجاوے گی اور اگر بیٹا ہو تب بھی محروم ہوگی ہاں اگر ایک بیٹی ہے تب بہن کو نصف مل جاویگا اور اگر دو یا زیادہ بیٹیاں ہیں تو بہن کو ایک تہائی ملے گی۔ اور اگر میت عورت ہے اور وارث اُسکا بھائی ہے تو اس حالت میں اگر میت کی اولاد نہیں ہے تو سب مال بھائی کو ملے گا اور بصورت اولاد نرینہ کے بالکل محروم رہے گا اور بحالت اولاد مادینہ کے عصبہ ہوگا واللہ اعلم لیکن اس آیت میں بہن بھائی سے مراد اخیافی نہیں بلکہ اعیانی اور علاتی ہیں واللہ اعلم بالصواب ؛

سُورۃ المائدۃ مدنیۃ وھی مائۃ وعشرون آیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود

ترجمہ اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو ؛

تفسیر سب سے بڑا اقرار ایمان ہے اور اسکی شاخیں بھی ہیں جب آدمی ایمان لایا اس نے یہ اقرار کیا کہ میں سب احکام الٰہی مانوں گا۔ اسلئے احکام سنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ عام طور سے اقراروں کے پورا کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو اقرار کیا کرو اس کو نباہا کرو اقرار کا پورا کرنا ایمان کی بہت بڑی نشانی ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ یا اکثر وعدہ خلافی کیا کرتا ہے اور لفظ عقود جمع عقد کی ہے اور عقد کے معنے میں باندھنا اور گانٹھنا اور گانٹھ دینا اس میں عقد نکاح اور عقد بیع وشرا و دیگر عقود سب داخل ہو گئے لیکن وہی عقد پورا کیا جاوے گا جو خلاف شرع نہو اگر کسی نے مثلاً نذر مانی کہ میں عید کے دن روزہ رکھوں گا تو امام شافعی رح کے نزدیک بالکل یہ نذر لغو ہو گی اس کا ادا کرنا کسی صورت سے درست نہو گا اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک سوائے عید کے دن کے روزہ رکھ لے لیکن عید کے دن نہ رکھے ترجیح امام شافعی رح کے قول کو ہے واللہ اعلم۔

احلت لکم بهیمة الانعام الا ما یتلی علیکم غیر محلی الصید وانتم حرم ان اللہ یحکم ما یرید۝

ترجمہ (دیکھو) تمہارے لئے (سب) جانور چوپائے حلال کر دئے گئے سوائے اُن (جانوروں) کے جو تم پر (کتاب اللہ میں) پڑھے جائیں گے (اور) تم حالت احرام میں شکار کو جائز کرنے والے نہ ہو بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے ✤

تفسیر اب اللہ تعالیٰ نے احکام بیان کرنے شروع کئے ہیں اور کھانے پینے کے حلال حرام کے بیان کو مقدم کیا یعنے جتنے چوپائے ہیں خواہ جنگلی ہوں خواہ گھریلو سب حلال ہیں یہ حکم عام ہوا اس میں اللہ تعالیٰ نے دو استثنا کئے ایک استثنا یہ ہے کہ آیہ حرمت علیکم المیتة جو کہ آگے آئے گی اس میں جتنے حیوان مذکور ہیں وہ سب حرام ہیں دوسرا استثنا یہ ہے کہ احرام کی حالت میں جو حیوانات تمکو شکار سے ہاتھ لگیں اُن کو مت کھاؤ بلکہ اگر تمہاری نیت یا اشارہ سے بھی جو دوسرا آدمی شکار کرے اسکا شکار بھی تمہارے لئے حرام ہے اللہ تعالیٰ چونکہ خالق اور مالک حقیقی ہے اسکے حکم میں کوئی اعتراض نہیں کر سکتا وہ صاحب اختیار ہے جو چاہے سو حکم دے ✤

یا ایها الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشهر الحرام ولا الهدی ولا القلائد ولا امین البیت الحرام یبتغون فضلا من ربهم ورضوانا واذا حللتم فاصطادوا ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۝

ترجمہ اے ایمان والو اللہ کی نشانیوں کو بے حرمت نکرو اور نہ ماہ حرام کو اور نہ قربانی کو اور نہ (قربانی کے جانور پٹے والوں کو اور نہ (کعبہ جانے) کا قصد کرنے والوں کو جو اپنے پروردگار کا فضل اور اُسکی خوشنودی چاہتے ہیں اور جب تم احرام سے باہر ہو جاؤ تو (تمہیں اجازت ہے کہ) شکار کرو اور کسی قوم کی یہ عداوت کہ تمہیں اُنہوں نے کعبے (جانے) سے روکا تمہیں اس جرم سے مرتکب نہ بنائے کہ تم (انپر) زیادتی کرنے لگو اور تم (زیادتی کیسے کر سکتے ہو تمہیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ) باہم (ایک دوسرے کی) نیکی اور پرہیزگاری پر اعانت کرو اور گناہ اور ظلم پر (کسی کی) اعانت نہ کرو اور اللہ (کے عذاب سے) بچو بیشک اللہ (بڑا) سخت عذاب دینے والا ہے ✤

تفسیر شعائر جمع شعیرہ یا شعارہ کی ہے جسکے معنے ایک مہتم بالشان علامت کے ہیں اور یہ لفظ عام ہے جسمیں حج و عمرہ کے مقام اور حج وعمرہ کے افعال اور دیگر تکالیف شرعیہ سب داخل ہیں اور نیز اوقات عبادات اور عابد لوگ جو

اُن عبادات کے پابند ہیں داخل ہیں۔ یعنے کسی شرعی امر کی توہین مت کرو اور نہ اپنے توجہی سے پیش آؤ خصوصاً ماہ حرام (ذیقعدہ ذی الحجہ محرم رجب) کی اور قربانی کے چارپاؤں اور حاجیوں کی بے حرمتی مت کرو۔ اور احرام سے حلال ہوتے ہی شکار تمہارے لئے حلال ہو گیا۔ اور کسی قوم نے اگر تم کو جہالت سے مسجد حرام سے روکا ہو تو اُنکی عداوت کے مارے تم ایسی تعدی مت کرو کہ کسی کو مسجد حرام سے روکنے لگو غرض یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن عداوت اور شرارت میں کسی کا ساتھ مت دو خدا کی پکڑ سخت ہے ہمیشہ دل میں اُسی کا خوف رکھو ✦

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم ٥

ترجمہ (اور) تم پر حرام کر دیا گیا مردہ (جانور) اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جسپر غیر اللہ کا نام لیا جاوے اور گلا گھٹا ہوا اور چوٹ سے مرا ہوا اور گرنے (کے صدمہ) سے مرا ہوا یا سینگ مارے سے (مرا ہوا) اور وہ (جانور جسے درندہ نے کھایا ہو سوا اسکے جسے تم ذبح کرلو اور وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم پانسے کے) تیروں سے حصہ تقسیم کرو (غرض یہ سب چیزیں تم پر حرام ہیں کیونکہ) یہ سب چیزیں بُری ہیں اب کافر تمہارے دین سے (پھر جانے) سے ناامید ہو گئے پس تم اُن سے نہ ڈرو اور مجھ (ہی) سے ڈرو آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو میں نے پسند کر لیا پس جو کوئی بھوک میں مجبور ہو جاوے (اور) وہ گناہ پر مائل نہ ہو تو اُسے مذکورہ بالا محرمات کا کھانا جائز ہے کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ✦

تفسیر آیہ احلت لکم بھیمة الانعام میں سے پہلا استثناء اسی آیت سے شروع ہوا ہے یعنے سب چارپایوں میں سے یہ حرام ہیں (۱) جو حیوان بغیر ذبح مر جاوے (۲) بہنے والا خون (۳) سور کا گوشت وغیرہ (۴) جو چیز کسی بت یا قبر یا کسی ولی یا پیر شہید کے نام سے ذبح کی جاوے (۵) جو چیز گلا گھونٹ کر ماردی جاوے (۶) جو چیز ایسی چیز کی چوٹ سے ماری جاوے جو تیز دھار دار نہو جیسے غلہ اور لاٹھی وغیرہ (۷) جو اونچی جگہ سے گر کر مر جاوے (۸) جو دوسرے حیوان کے سینگ سے چوٹ کھا کے مر جاوے (۹) جو درندے کے پھاڑ کھانے سے مر جاوے اور ذبح کی نوبت نہ پہونچے (۱۰) اور کل درندے اس دلیل سے کہ جب اُن کا جھوٹا حرام ہے تو وہ بطریق اولیٰ حرام ہوں گے (۱۱) جو کسی تھان پر اُسکی تعظیم کی غرض سے ذبح کیا جاوے۔ لیکن سخت مجبوری کی حالت میں یہ جتنی چیزیں کہ حرام ہیں اُن کا کھانا حلال ہو جاتا ہے بشرطیکہ ضرورت کسی فعل حرام کی غرض سے بھی نہ لاحق ہوئی ہو۔ جیسے مثلاً چوری یا ڈاکہ زنی وغیرہ ناجائز کام کے لئے کہیں کو نکلا اس اثنا میں اُس کو ایسی بھوک لگی کہ اس سے اُس کو بچنا محال معلوم ہوا ایسی حالت میں بھی اُسکے لئے اِن حرام چیزوں میں سے کوئی چیز حلال نہیں ہو سکتی اور ازلام جمع زلم کی ہے اور زلم اُن تیروں کو کہتے ہیں جو کہ بتوں کے مجاوروں کے پاس ہوا کرتے تھے اور مشرکین اپنی ضروری حاجتوں کے

وقت اُن مجاوروں کے پاس جاکے سوال کیا کرتے تھے کہ مثلاً میں نکاح کروں یا نکروں تو وہ مجاور تھیلی میں سے جس میں تین قسم کے تیر ہوتے تھے ایک تیر نکالتے تھے اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ نکالتے تھے اور اگر ایسا نکلتا جسپر منع لکھا ہوا ہوتا تو سال بھر تک اس کام سے رُکا رہتا اور اگر ایسا نکلتا جسپر کرنے کا حکم لکھا ہوا ہوتا تب اس کام کو کرتا تھا اس سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے اور یہ ایک لغو حرکت ہے کوئی یقینی اور علمی بات نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ازلام وہ تیر ہیں جنکے ذریعہ سے جوا کھیلتے تھے لیکن پہلا قول راجح ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت دلاتا ہے کہ کافر اب اسبات سے مایوس ہو گئے ہیں کہ تم اپنا دین چھوڑ کے پھر مشرک ہو جاؤ گے اسلئے سوائے میرے اور کسی سے مت خوف کرو تمہارے کتنے بڑے فخر کی بات ہے کہ تمہارا دین کامل ہو چکا اب اسمیں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہیں رہی جو رسول آیا اُسکے بعد دوسرے رسول کی ضرورت پڑی اور دوسرے رسول کے وقت پہلے رسول کے بعض احکام منسوخ کر دئے گئے لیکن محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نبوت اور رسالت ختم ہو چکی ہے اُن کے بعد نہ کوئی نبی رسول آئے گا اور نہ کوئی نئی کتاب اُترے گی اسلئے تمام شریعتیں بنسبت شریعت اسلام کے ناتمام تھیں اور اسلام تمام اور کامل دین ہے جو کہ قیامت تک سلامت رہے گا اس میں ترمیم کی ضرورت +

یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبٰت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ ان اللہ

ترجمہ اے نبی! یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز اُن کے لئے حلال کی گئی (اُن سے) کہدو کہ (تمام) چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئیں تمہارا شکاری جانوروں کو تعلیم کرنا (یعنے) تم (اُنہیں شکار کا طریقہ) سکھانے والے ہو (اور) جو کچھ تمہیں اللہ نے تعلیم کیا ہے اُس سے اُن کو (بھی کچھ) تعلیم کردو (تو یہ بھی تمہارے لئے جائز ہے) پس وہ (شکاری جانور) جس (شکار) کو تمہارے لئے روک رکھیں اُس میں سے کھاؤ اور اُس (شکار) پر (جانور کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام پڑھ دو اور اللہ (کی نافرمانی) سے بچے رہو بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ؛

تفسیر جب حرام چیزوں کا ذکر ہوا تو پھر لوگوں نے حلال چیزوں کے بارے میں سوال کیا کیونکہ انعام تو صرف چوپائے ہوتے اُن میں پرندے اور مچھلی وغیرہ داخل نہیں ہو سکتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے عموم کے صیغہ سے جواب دیا کہ جتنی پاکیزہ مفید چیزیں ہیں سب تمہارے لئے حلال ہیں حرام تو صرف وہی چیزیں ہیں جنکا ذکر ہو چکا یا جو اُن کے حکم میں ہیں باقی سب کچھ حلال ہے اور جتنی چیزیں گندی اور پلید ہیں وہ سب حرام ہیں۔ اور کتے اور چیتے وغیرہ یا باز شکرے وغیرہ جس چیز کو تمہارے لئے شکار کریں وہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ خود نہ کھائیں اور اگر مار کے کھانے لگیں اور شکار مر جاوے تو وہ شکار حرام ہے کیونکہ اس شکاری جانور نے اس حیوان کو اپنے لئے شکار کیا تھا مالک کے لئے شکار نہیں کیا ورنہ کھاتا کیوں اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار پر بسم اللہ ضرور پڑھنی چاہیئے لیکن اس آیت میں یہاں تین احتمال ہیں (۱) علیہ کی ضمیر ما علمتم من الجوارح کی طرف راجع ہے یعنے کتے وغیرہ پر شکار کی طرف بھیجتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیئے (۲) ما امسکن کی طرف راجع ہے یعنے جب شکار زندہ ہے تو ذبح کے وقت اسپر بسم اللہ پڑھیں (۳) اکل کی طرف راجع ہے جو کہ کلوا سے مستنبط ہے یعنے جسوقت شکار کو کھانے لگو اُسوقت کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھو بسم اللہ کی پوری بحث آیہ و لا تاطوا ما

ہدیہ کرام ؑ علیہ کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ آوے گی ؂

الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنٰت من المومنات و المحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اذا اٰتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسٰفحین ولا متخذی اخدان ؕ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ۝

ترجمہ آج تمہارے لئے (تمام) پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کہانا تمہارے لئے حلال ہے اور آزاد مسلمان عورتیں اور وہ آزاد عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب تم انہیں اُن کے مہر دیدو (اور) پاکدامنی کا ارادہ کرنے والے ہو نہ نفس پرستی کا اور نہ چھپکے آشنا بناؤ اور (اے مسلمانوں اللہ کے حقوق ادا کرنے میں کمی نہ کرو کیونکہ جو کوئی ایمان سے انکار کرے تو دیہ سمجھ لوکہ) بیشک اُس کا ہر نیک کام ضائع ہو گیا (اللہ کے ہاں وہ ہرگز قبول نہ ہوگا) آخرت میں نقصان پانے والوں سے ہو گا ؂

تفسیر اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہل اسلام تم پر ہمنے بہت بڑا احسان کیا کہ تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں حالانکہ یہود پر بہت سی پاکیزہ چیزیں بھی حرام تہیں اُن کی سرکشی کے سبب سے اور اہل کتاب کا ذبیحہ تم پر حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ اُنپر حلال ہے اور جس طرح تمہارے لئے مسلمان اصیل عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی اصیل عورتیں نکاح کرنی تمہارے لئے جائز ہیں لیکن تمہاری عورتیں یعنے مسلمان عورت غیر قوم کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے اور نہ اہل کتاب کے مذہب کی باندیاں نکاح کرنی تمہارے لئے جائز ہیں اور مجوس کی عورتیں اور اُن کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیئے جائز نہیں ہیں اور نہ عرب متنصرہ کی عورتیں ۔ لیکن ابو حنیفہ کے نزدیک سب نصارے ایک ہی حکم میں ہیں خواہ عرب متنصرہ ہوں یا اور ۔ اور جس طرح مسلمان عورت کا مہر دینا واجب ہے اسی طرح کتابیہ عورت کا بھی مہر دینا ضروری ہے اور زنا اور یارانہ کسی قوم کی عورت سے جائز نہیں اسلام اور ایمان کا یہی مقتضا ہے اور اُسکے سوا اسلام کا مقتضا نہیں ہے ؂

یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین ؕ وان کنتم جنبا فاطھروا ؕ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر او جاء احد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ ؕ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولٰکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ۝

ترجمہ اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو (یعنے ارادہ کرو) تو اپنے چہرہ اور ہاتھ کہنیوں تک دہو ڈالو اور اپنے سروں کا مسح کرو (یعنے تر ہاتھ اُنپر پھیر لو) اور اپنے پیروں کو (بھی) ٹخنوں تک (دہو لو) اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو اُس سے بھی (زیادہ پاکی کرو (یعنے نہاؤ) اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے (قضائے حاجت کر کے) آئے یا تم نے عورتوں سے اختلاط کیا ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو (یعنے اُسپر اپنے دونوں ہاتھ مار کر اپنے مونہ اور اپنے ہاتھ اُس سے ملو (دیکھو تمہارے لئے اللہ نے کیسی آسانی کر دی) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے ولیکن یہ چاہتا ہے کہ تمہیں (ظاہری اور باطنی دونوں نجاستوں سے) پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے تاکہ تم شکر

گزار بن جاؤ۔

تفسیر اس آیت میں بہت مسائل ہیں (۱) داؤد ظاہری رح کا مذہب یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے ایک نماز کے لئے جو وضو کیا جاوے وہ وضو دوسری نماز کے لئے کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ اذا قمتم میں اذا عموم کے لئے ہے اور نیز یہ قول ہے اور حدیث شریف میں جو آیا ہے (کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں پڑہیں بلکہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے تھے لیکن فتح مکہ کے دن ایک ہی وضو سے سب نمازیں پڑہیں اور جب حضرت عمر رض نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ دیدہ و دانستہ یعنے عمداً میں نے یہ کام کیا ہے) وہ قول نہیں اور نیز مجمل ہے اور پھر خبر واحد ہے وہ قرآن شریف کو منسوخ نہیں کر سکتی اور نیز حدیث میں احتمال خصوصیت کا بھی ہے۔ تو حدیث خصم کے مدعا پر دلالت کرنے میں ظنی ہے۔ کیونکہ فعل قول کا مقابلہ نہیں کر سکتا خصوصاً جب محتمل ہو۔ اور فقہا اُسکے جواب میں کثرت طرق حدیث اور قراءت شاذہ دا نتم محدثین اور علت لوا نقض وضو بحث کرتے ہیں (۲) وضو نماز کی صحت کے لئے شرط ہے صرف وجوب نہیں اور یہی مذہب زیادہ ترصحیح ہے (۳) طہارت کی سب اقسام کے لئے نیت شرط ہے خواہ وضو ہو خواہ غسل خواہ تیمم لیکن امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وضو کے لئے نیت شرط نہیں ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کے لئے کوئی دلیل نقلی موجود نہیں ہے (۴) ترتیب بھی وضو میں شرط ہے لیکن امام مالک رح اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک شرط نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ شرط ہے۔ ترتیب ذکری اس آیت میں اور ترتیب فعلی تمام احادیث میں اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اسپر مواظبت اور اسی طرح تعلیم فرمانا اور فرمانا کہ ابدأوا بما بدء اللہ بہ اور فرمانا ھذا وضوء لا یقبل اللہ الصلوٰۃ الا بہ یہ سب امور ترتیب کی شرطیت پر دلالت کرتے ہیں (۵) امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اور شافعی رح کے قول جدید میں موالاۃ (پیہم وضو کرنا اور اُسکے اثنا میں کوئی اور کام نکرنا اور دوسرے عضو کو اتنی دیر بعد نہ دہونا کہ پہلا عضو سوکہہ جاوے بلکہ لگاتار سب اعضا کو دہونا) شرط نہیں ہے وضو میں اور امام مالک رح کے نزدیک شرط ہے لیکن کسی قدر موالاۃ تو ضرور شرط ہونی چاہیئے واللہ اعلم (۶) ملامسۃ سے مراد مطلق عورت کا چھونا ہے اور یہ ناقض وضو ہے امام شافعی رح کے نزدیک اور امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ظاہر اولہ امام شافعی رح کے قول کے موئد ہیں واللہ اعلم (۷) غسل کے معنے ہیں دہونا اور اُسمیں کم سے کم اتنا تو ضرور شرط ہے کہ پانی بدن پر بہتا ہوا یعنے ایک جگہہ سے دوسری جگہہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا صاف نظر آوے اگر صرف پانی سے بدن کو چپڑ لیوے اور بہے نہیں تو وہ وضو ہرگز صحیح نہو گا (۸) اگر اولے یا برف کے ٹکڑے کو وضو کے اعضا پر ملدے اور وہ گرمی بدن کی پاکر پگھلنے لگے اور بدن پر قطرے چلتے ہوئے نمودار ہوں تو وضو ہو جاوے گا (۹) مونہ کی حد طولاً پیشانی کی ابتدا سے تہوڑی کی انتہا تک ہے اور عرضاً ایک کان سے دوسرے کان تک ہے (۱۰) کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا امام شافعی رح کے نزدیک واجب نہیں ہے نہ غسل میں اور نہ وضو میں۔ اور امام احمد رح اور اسحٰق رح کے نزدیک دونوں میں واجب ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک غسل میں واجب ہے اور وضو میں واجب نہیں (۱۱) ڈاڑہی اور کان کے درمیان کی سفیدی کا دہونا امام ابو حنیفہ رح اور شافعی رح اور

محمد رح کے نزدیک واجب ہے اور قاضی ابویوسف رح کے نزدیک واجب نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ مونہ (چہرہ)
میں داخل ہے اور مونہ کا دہونا قرآن مجید سے واجب ثابت ہو چکا اور نیز داڑہی کے اُگنے سے پہلے اسکا دہونا اندر تک
واجب ہے بالاتفاق تو داڑہی کا حائل ہونا اسکی فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتا (۱۲) پتلی داڑہی کا دہونا اندر تک
واجب ہے اور گھنی کا اندر تک دہونا واجب نہیں ہے فقط خلال کرنا کافی ہے (۱۳) جمہور علما کا یہی مذہب ہے کہ ہاتھوں
کو کہنیوں سمیت دہوویں تو کہنیوں کا دہونا واجب ہوا اور امام مالک رح اور امام زفر کے نزدیک واجب نہیں اسلئے کہ انکے
نزدیک غایت مغیا میں داخل نہیں لیکن حق جمہور ہی کی طرف ہے کیونکہ کبھی غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی
نہیں ہوتی جیسا قرینہ پایا جاوے اور یہ بھی ایک اکثری قاعدہ ہے کہ اگر غایت مغیا کی جنس میں سے ہو تو داخل ہوتی
ہے اور اگر اسکی جنس میں سے نہو تو داخل نہیں ہوتی۔ لیکن اصل قرینہ ہے اس لئے ازروئے قرینہ فعل آنحضرت صلے اللہ تعالے
علیہ وسلم کہنیاں ہاتوں میں داخل ہیں جیسے کہ ٹخنے پاؤں میں داخل ہیں (۱۴) سیدہے عضو کو الٹے پر مقدم کرنا دہونے
میں ہمارے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک واجب ہے اور یہی حق ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک واجب
نہیں (۱۵) امام شافعی رح کے نزدیک سر میں تھوڑی ہی جگہ کے مسح کرنے سے مسح ہو جاتا ہے گو ایک انگلی ہی کی جگہ
کیوں نہو اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح واجب ہے اور امام مالک رح کے نزدیک تمام سر کا مسح ضروری
ہے۔ یہ سب اقوال بغیر حائل پر مبنی ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک سارے سر کا مسح فرض ہے
لیکن حائل کا نہونا ضروری نہیں اور یہی حق ہے واللہ اعلم۔

اسی لیے امام احمد رح اور اوزاعی رح اور ثوری رح کے نزدیک پگڑی پر مسح کرنا کافی ہوتا ہے (۱۶) لوگوں میں اسبارے
میں اختلاف ہے کہ پاؤں کو دہونا فرض ہے یا مسح اور اس میں اختلاف بہت ہے اصل یہ ہے کہ دہونا ہی فرض ہے
لیکن جوتیوں اور جرابوں اور موزوں اور بوٹوں پر مسح کر لینا کافی ہے۔ چنانچہ اسبارے میں کثرت سے حدیثیں
وارد ہیں۔ اور مسح خفین جمہور علما کا مذہب ہے اور مسح جوربین پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے (۱۷) جنابت (منی
شہوت سے نکلنے) سے غسل فرض ہو جاتا ہے اور بغیر شہوت نکلنے سے واجب نہیں ہوتا جیسے کہ جریان والے کی منی
جو بیماری سے ہر وقت اکثر نکل آتی ہے (۱۸) اور جو شخص کہ عورت سے صحبت کرے اور حشفہ اسکا غائب ہو جاوے اور
[illegible] انزال نہونے پاوے اور الگ ہو جاوے تو بھی غسل قریب قریب واجب ہی کے ہے (۱۹) وضو اور غسل دونوں
میں تمام بدن پر پانی کا بہ جانا شرط ہے ملنا ضروری نہیں ہے۔ اور غسل سے پہلے وضو جمہور کے نزدیک واجب
نہیں ہے اور وضو اور غسل میں کوئی ترتیب ضروری نہیں ہے اور اسحق بن راہویہ رح کے نزدیک واجب ہے (۲۰)
اگر عورت کے بال سر کے سخت گندہے ہوئے ہوں کہ کھل نسکیں یعنے اُن کے کھولنے میں دقت ہو تو فقط جڑ تک
[illegible] کھولنے کی ضرورت نہیں اور اگر دقت نہو تو کھولنا لازم ہے (۲۱) اگر آدمی ایسا بیمار ہو کہ پانی
کا استعمال اُسکے حق میں مضر ہو یا سفر میں ایسی جگہ جا پہنچے کہ اُسکے قریب پانی نہیں تو ایسی حالت میں تیمم
کرنا درست ہو جاوے گا۔ اور تیمم غسل اور وضو دونوں کے قائم مقام ہو سکتا ہے (۲۲) امام شافعی رح کہتے ہیں کہ
[illegible] ڈہیلے وغیرہ سے ہو خواہ پانی سے اور پانی ہی افضل ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہر

سے استنجا کرنا ہی ضروری نہیں (۲۳) وضو اور غسل وغیرہ کے لئے پاک پانی ہونا چاہئے۔ اور اگر پانی قلتین سے کم نہ ہو اور اُس میں نجاست پڑ جاوے اور اُس سے اسکا رنگ یا مزہ یا بو نہ بدلنے پا دے تو وہ پانی پاک ہے۔ اور اسی طرح تیمم کے لئے پاک جگہ یا پاک مٹی ہونی چاہئے۔ (۲۴) پانی سے ہر بہنے والی چیز مراد نہیں جیسے نبیذ وغیرہ بلکہ مشہور معروف پانی ہے جیسا کہ آسمان سے برستا ہے جو وقت یہ سادہ پانی مفقود ہوگا اسیوقت تیمم واجب ہوگا اور جو حکم غسل اور وضو کے ٹوٹنے کے ہیں وہی تیمم کے ہیں اور اُسپر مزید یہ ہے کہ پانی موجود یعنے حاصل ہونے سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے لیکن نماز میں نماز پڑھ چکنے کے بعد اگر پانی مل جاوے تو اعادہ ضرور نہیں ہے (۲۵) جسطرح غسل اور وضو میں نیت واجب ہے اسی طرح تیمم میں بھی واجب ہے۔ (۲۶) شریعت کا ایک اصل عظیم یہ ہے کہ سب منافع مباح ہیں اور سب مضار حرام ہیں اسکی دلیل یہ آیت ہے ماجعل علیکم فی الدین من حرج اور آیہ۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور احادیث میں سے آنحضرت علیہ السلام کا قول لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ہے اور عقل بھی اسی بات کی گواہی دیتی ہے کہ مضرت کا دفع کرنا مستحسن ہے تو ضرور ہوا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہو۔ اسلیئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن واللہ اعلم +

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

جب اللہ تعالیٰ نے وضو وغیرہ کی تکلیف دی اسکے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ اس تکلیف کو فراموش مت کرو اور ہماری نعمتیں اور احسان جو تم پر ہیں اُن کو یاد کرو اور میری اطاعت کا جو تم نے اقرار کیا ہے اسکو بھی یاد کرو اپنے اس محکم پیمان کو مت بھولو اور خدا سے ڈرو اسکی پکڑ سخت ہے اور پھر یہ تکلیفیں جو تم کو دی گئیں ہیں وہ اُن نعمتوں کے مقابل میں کچھ ہستی نہیں رکھتیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

یہ آیت بھی آیت ماقبل کی تاکید ہے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اطاعت دو باتوں سے مرکب ہے ایک اللہ تعالیٰ کی تعظیم دوسری خلق اللہ پر شفقت کرنا اور سکی جڑ سچ بولنا اور انصاف کرنا ہے خواہ دشمن ہو خواہ دوست ہو ہر ایک کی سچی گواہی دینا۔ انصاف اور سچ تقویٰ اور فلاح کے بہت پاس ہے جیسے کہ ظلم اور جھوٹ نجات سے بہت دور ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت وعدہ میں اور دوسری وعید میں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی عادت ہے کہ اکثر ہر وعدہ کے بعد وعید اور ہر وعید کے بعد وعدہ کا ذکر فرماتا ہے تاکہ خوف اور امید دونوں برقرار رہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ٥

یعنی اور مقاتل اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک فوج بنی عامر کیطرف بھیجی سو بئر معونہ میں وہ سب فوج قتل ہو گئی صرف تین ہی آدمی بچے جن میں سے ایک عمرو بن امیہ الضمری تھا سو وہ اپنے ساتھ ایک کو لیکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر کرنے کے لئے چلے راستہ میں دو آدمی کفار بنی سلیم سے ملے

ملے اور اُن کے پاس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پروانہ تھا امن کیلئے عمرو کو چونکہ اُس پروانہ کی خبر نہ تھی اُس نے اور اُسکے ساتھی نے ان دونوں کو مار ڈالا اس لیئے بنی سلیم نے آپ سے تاوان مانگا تو اُس تاوان کے اکٹھا کرنے کے لیئے آپ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو اپنے ہمراہ لیکر بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے اور بنی نضیر کا آپ سے عہد و پیمان تھا کہ آپ سے نہ لڑیں سو آپ نے فرمایا کہ مجھپر بنی سلیم کا تاوان دینا لازم ہو گیا ہے اسلیئے تم میری مدد کرو اس تاوان کے ادا کرنے میں انہوں نے کہا کہ یہ روٹی کا وقت ہے آپ کھانا تناول فرمایئے اور کھانا کھا لینے کے بعد آپ جو کچھ فرمائیں گے ہم حاضر کردیں گے اور دل میں شرارت تھی کہ کسی طرح آپ کو قتل کریں (چنانچہ اسی لیئے آپ کو ایک دیوار کی جڑ میں بٹھا دیا) اور چاہا کہ ایک چکی کا پاٹ آپ پر ڈالدیں اتنے میں جبرئیل ؑ نازل ہوئے اور آپ کو یہود کی شرارت سے مطلع کیا آپ اُٹھ کے چلدیئے۔ اور اُن کو مطلع کردیا کہ تمھارا یہ قصد تھا اِس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بھی شان نزول اس آیت کے ہیں مطلب سب کا ایک ہی ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو عہد و پیمان میں نے تم سے لیئے ہیں اور تم کو اُن کے پورا نباہنے کا حکم دیتا ہوں وہ عہد و پیمان کچھ نئے تمہیں سے نہیں لیئے گئے بلکہ بنی اسرائیل وغیرہم سے بھی یہی عہد و پیمان ہم نے لیئے تھے نقیب فعیل ہے نقب سے جسکے معنے ہیں سوراخ اور کرید کرنے کے اور فعیل بمعنے فاعل و مفعول دونوں کے آتا ہے اگر بمعنے فاعل ہے تو اسکے معنے ہوئے لوگوں کے احوال ٹٹولنے والا اور اُن کی طرف سے ذمہ داری کرنے والا۔ اور اگر بمعنے مفعول ہے تو اسکے معنی ہوئے معلوم الحال یعنی لوگوں نے اسکا تجربہ کرلیا ہے اور پرکھ لیا ہے اور بعد تجربہ کے اسکو اپنا سردار بنایا۔ چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ہر ایک قبیلہ پر ایک شخص کو سردار بنایا اور بوساطت نقیب سب سے یہ عہد کرلیا کہ تمہاری نجات اور مغفرت اور امداد اسی پر موقوف ہے کہ نماز کی پابندی کرو۔ اور زکات دو اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور نیکیاں کرو اور یقین رکھو کہ ہم گویا خدائے تعالےٰ کو قرض دے رہے ہیں وہ ہم کو ضرور ان نیکیوں کا نیک نتیجہ دیگا۔ اور جس نے اس سے انکار کیا وہ یقینا بہک گیا۔

فبما نقضھم میثاقھم لعناھم وجعلنا قلوبھم قاسیۃ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علی خائنۃ منھم الا قلیلا منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین ۝

اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے عہد و پیمان کو توڑ دیا تو اس سبب سے ہم نے اُن کو ملعون بنا دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کردیا اللہ کی کتاب کے معنے غلط غلط دیدہ و دانستہ کرنے لگے اور لوگوں کو بہکانے لگے اور کتاب اللہ سے جو مطلب حاصل کرنا تھا یعنے عبرت پکڑنا اسے فراموش کردیا اور اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ اکثر بنی اسرائیل کی خیانت پر تم مطلع ہوا کروگے لیکن حتی الامکان ندرگذر

سے کام لینا درگذر کرنا بھی نیکی ہے اور نیکیوں والے لوگ اللہ تعالٰے کے محبوب ہیں حاصل یہ ہے کہ بدعہدی سے آدمی کی شریفانہ خصلتیں گم ہوجاتی ہیں رذیل خصلتیں پیدا ہوجاتی ہیں اس آیت میں بنی اسرائیل سے مراد یہود ہیں

ومن الذین قالوا انا نصارٰی اخذنا میثاقھم فنسوا حظا مما ذکروا بہ فاغرینا بینھم العداوۃ
والبغضاء الی یوم القیمۃ وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون ہ

یعنی نصارٰی نے بھی ہم سے بدعہدی کی تو ہمنے ان میں آپسمیں پھوٹ ڈالدی کہ ہر ایک فرقہ ان میں کا دوسرے سے عداوت رکھتا ہے اور تاقیامت یہ عداوت قایم رہیگی اور قیامت کو اسکی سزا بھی بھگت لیں گے۔

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفوا عن کثیر قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور
باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم ہ

جب اللہ تعالٰے نے یہود و نصارٰی کی بدعہدی ذکر کی تو اسکے بعد اُن کو ایمان کی طرف ترغیب دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور جو کتاب ہمنے اسپر اُتاری ہے اسپر ایمان لاؤ یہ رسول اور یہ کتاب (قرآن مجید) دونوں نور ہیں اور کفر اور بدعہدی وغیرہ اندھیریاں ہیں اندھیرے کی طرف سے نکلکر روشن راستے کیطرف آؤ تاکہ اللہ کی رضامندی اور سلامت روی دینی اور دنیوی تمکو حاصل ہو اور ہلاکت سے بچ جاؤ گے اور جو کوئی سیدھے راستے پر چلا اُس نے دائمی نجات پائی۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم قل فمن یملک من اللہ شیئا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم وامہ ومن فی الارض جمیعا وللہ ملک السموات والارض وما بینھما یخلق ما یشاء واللہ علٰی کل شیء قدیر ہ

اس آیت میں حلولیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کسی معین انسان کے جسم میں حلول کرتا ہے یا اسکی روح میں گو یہ مذہب سب نصارٰی کا نہیں ہے لیکن جب حقیقت کی طرف غور کیا جاوے تو سب کا مطلب یہی نکلتا ہے کیونکہ نصارٰی کا قول ہے کہ کلمہ کا اقنوم عیسے کیساتھ متحد ہوگیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اقنوم کلمہ دو حال سے باہر نہیں یا تو ذات ہوگا یا صفت اگر اسکے معنی ذات کے ہیں تو عیسے میں ذات خدا نے حلول کیا تو بیشک عیسٰی اِلٰہ ہوگیا اور اگر کہیں کہ اقنوم سے مراد صفت ہے تو ایک ذات کی صفت کا انتقال دوسری ذات کی طرف معقول نہیں ہے اور بفرض تسلیم اگر اقنوم علم نے خدا کی ذات سے عیسٰی کی ذات کی طرف انتقال کیا تو ذات الٰہی علم سے خالی ہوگئی اور پھر عیسے کا اِلٰہ ہونا لازم آیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ گو سب نصارٰی صریح طور سے عیسٰی کو عین خدا نہ کہیں لیکن اُن کے مذہب کا مقتضا یہی ہے پھر اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ تم سب اسبات کا اقرار کرتے ہو کہ عیسے کو اللہ تعالٰی نے پیدا کیا ہے اور اُنکی صورت اور خلقت اور جسمیت اُنہیں آدمیوں کی طرح ہے جو زمین میں رہتے ہیں اور مخلوق خدا ہیں تو اگر اللہ تعالٰے عیسٰی کو اور اُن کی ماں (حضرت مریم علیہا السلام) کو اور تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہے تو خدا سے اُن کا کون انتقام لیگا۔ اور پھر ہلاک ہونے والا (خدا) نہیں ہوسکتا اور علاوہ کسی کا ملک ہوسکتا ہے حالانکہ عیسٰی اللہ کی ملک ہے اور اللہ تعالٰی ان کا مالک ہے ہاں پیدائش میں عیسے اور آدمیوں سے کسیقدر ممتاز

ہیں کہ بے باپ کے پیدا ہوئے لیکن اسمیں بھی اللہ تعالے کی قدرت ہے عیسیٰ کی قدرت کو اسمیں دخل نہیں
تو بیشک عیسیٰ کو خدا کہنا بالکل کفر اور شرک ہوا ؛

وقالت الیہود والنصاری نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق
یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء وللہ ملک السموات والارض وما بینہما والیہ المصیر ۝

یہود و نصاری کا دعوی تھا کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اُسکے پیارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اس دعوی کا رد کرتا ہے کہ اگر تم اُسکے بیٹے ہوتے تو تم کو عذاب نہ کرتا کہ تم میں سے بعضوں کو بندر بنایا اور بعضوں کو سور بنایا اور قیامت کے دن بھی تم کو عذاب کریگا۔ کیونکہ قیامت کے عذاب کے وہ خود اقراری ہیں کہتے ہیں لن تمسنا النار الا ایاما معدودہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُحد کے دن جو تکلیف پہنچی تھی وہ تو عذاب نہیں تھا اور نہ آپ نے ابن اللہ ہونیکا دعوی کیا تھا تو معلوم ہوا کہ مخلوق میں کوئی اللہ تعالے کا بیٹا نہیں ہے اور بیٹے کو باپ عذاب نہیں دیتا ؛

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد
جاءکم بشیر ونذیر واللہ علی کل شیء قدیر ۝

اللہ تعالیٰ پھر بنی اسرائیل کو تنبیہ فرماتا ہے کہ تخمیناً چھ سو برس کے بعد ہمنے نبی بھیجا اور اتنی گذشتہ مدت میں کوئی نبی نہیں آیا اسلئے بدعتیں لوگوں میں رواج پکڑ گئیں اور آسمانی کتابوں کی تحریفیں ہو گئیں سب دین مشکوک ہو گئے خصوصاً مذہب عیسوی قوت پکڑنے ہی نہیں پایا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھا لیے گئے تھے اور انجیل نامحفوظ تھی۔ حاصل یہ کہ بنی اسرائیل کی شریعت بالکل مسخ ہو گئی ہے اسلئے اصلاح شریعت کیلئے ہمنے محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بھیجا ہے تو کہ تم سنبھل جاؤ یا نہ سنبھلو تو قیامت کے دن تمکو اسبات کے کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمارے پاس کوئی بشارت سنانے والا نہیں آیا اور نہ کوئی ڈر سنانیوالا آیا سو بشیر و نذیر تمہارے پاس آن پہنچا اب تمکو کوئی شکایت کا موقع ہرگز نہیں ملیگا ؛

واذ قال موسیٰ لقومہ یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واتاکم مالم یؤت احدا من العالمین ۝ اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے احسان یاد دلاتا ہے تاکہ شاید اُن احسانات کو یاد کر کے اسلام کو اختیار کریں۔ چنانچہ منجملہ اُن احسانات کے تین قسم کے احسان اس آیت میں ذکر کئے (۱) تم بنی اسرائیل میں سب فرقوں سے زیادہ ہمنے نبی پیدا کئے (۲) تم میں بہت بادشاہ بنائے یعنی جو نبی ہوگا اسکا ہر حکم نافذ ہوتا ہے اسلئے نبی بھی اس اعتبار سے بادشاہ ہوا اور اس معنی کر بھی بادشاہ بنائے کہ ہر ایک اپنے مال کا مستقل مالک تھا کسی پر جزیہ ٹکس نہیں تھا اور واقعی حقیقۃً بھی بہت بادشاہ اُن میں پیدا ہوئے (۳) تمہاری عزت اور رعایتیں بھی سب قوموں سے زیادہ کیں چنانچہ تمہارے لیئے دریا کو چیر کر اسمیں تمہارے لئے راستہ بنایا۔ اور تمہارے دشمن کو ہلاک کر کے تم کو اُنکے مال کا وارث بنایا اور تمپر منّ اور سلوے نازل کیا۔ اور تمہارے لئے پتھر میں سے میٹھے پانی کے چشمے نکالے۔ اور جنگل میں تم پر بادل کا سایہ کیا۔ اور کسی قوم میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوئی تھی اور تم میں دونوں منصب جمع کیئے۔ تو موسیٰ نے اللہ کے احسانات جتا کر بنی اسرائیل کو جہاد

پر ابھارا اور اُن کو کامیابی کا یقین دلایا ؛

یٰقوم ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خاسرین ٥

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شام کی زمین کا وعدہ دیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارہ آدمی اشراف اپنی قوم میں سے شام کی طرف بھیجے تاکہ وہاں کا حال معلوم کر آدیں اور یہ بھی وصیت کی کہ اگر تم دشمن کو بہت قوی پاؤ تو آکر اُنکی قوت کا حال اپنی قوم سے ہرگز بیان نکرو اور اگر ضعیف دیکھو تو ضعف کا حال بے شک کہدینا جب وہ وہاں گئے تو اُن لوگوں کو بہت بڑا جسیم پایا کہ گویا اُن میں کا ایک آدمی اُن میں سے بارہ آدمیوں کو اپنی آستین میں رکھ لے - جب واپس آئے تو اُن میں سے دس نقیبوں نے موسیٰ علیہ السلام کا عہد توڑ دیا - اور صرف دو ہی آدمی اپنے عہد پر برقرار رہے ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا نام کالب بن یوقنا تھا - اُن دونوں نے کہا کہ گو اُن لوگوں کے جسم بہت بڑے ہیں لیکن اُنکے دل ضعیف ہیں - لیکن اُن دس کا اثر بنی اسرائیل پر زیادہ پڑا - اور اللہ تعالےٰ نے اُس زمین شام کو مقدس اسلیئے کہا کہ وہ نہایت عمدہ سبز و شاداب اور صاف تھی - اور اسلیئے بھی کہ اُسمیں بنی پیدا ہوئے اور ہوں گے ؛ قالوا یٰموسیٰ ان فیہا قوما جبارین وانا لن ندخلہا حتی یخرجوا منہا فان یخرجوا منہا فانا داخلون ٥

جب موسیٰ علیہ السلام نے انکو ترغیب ملک شام کی دی تو انہوں نے کہا اُس میں بہت بڑے زبردست لوگ ہیں جبتک وہ لوگ اُس میں موجود ہیں تب تک ہمارا قابو اسمیں داخل ہونیکا نہیں ہے ہاں اگر وہ خود وہاں سے نکل جاویں - یا غیب سے اللہ تعالیٰ اُنپر تباہی بھیجکر اُن کو ہلاک کردے تو ہم ضرور البتہ اس میں داخل ہوسکتے ہیں ؛

قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیہما ادخلوا علیہم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین ٥

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن بارہ میں سے وہی دو شخص جنکے دل میں خدا کا خوف تھا اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر احسان تھا - بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ اے قوم تم اُنکے بڑے بڑے جسم دیکھکر خوف مت کھاؤ - وہ بالکل بودے ہیں تم چلو تو سہی بس تم اُدہر شہر کے دروازے میں گہسے اور اُدہر اُن کے دل اکھڑے اور فوراً ہی تم اُنپر غالب ہو جاؤگے اور خدا پر بھروسا کرو اگر تم میں کچھہ ایمان کا جوش ہے ؛

قالوا یٰموسیٰ انا لن ندخلہا ابدا ما داموا فیہا فاذہب انت وربک فقاتلا انا ہٰہنا قاعدون ٥ ٥ ؛

چونکہ بنی اسرائیل کے مزاج میں تمرد اور سرکشی بھری ہوئی تھی اور اُسپر طرہ یہ کہ دشمن کا دہاکا دل پر بیٹھا ہوا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم تو ہرگز اُدہر رخ بھی نہیں کرنیکے - تو اور تیرا خدا دونوں جاکر اُن سے لڑ بھڑ - ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ؛

قال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفاسقین قال فانہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض فلا تأس علی القوم الفاسقین ؛

موسیٰ علیہ السلام نے دق ہوکر یہ دعا مانگی کہ یا اللہ میرے اختیار میں صرف میری جان اور میرا بھائی ہے اور یہ لوگ میرا کہا مانتے نہیں اسلیئے فاسقوں میں اور ہم میں جدائی ڈالدے جدائی کے دو معنی ہیں ایک حقیقۃً الگ ہونا -

دوسرے یہ کہ عیش و آرام میں فرق کر دینا۔ تو اللہ تعالٰے نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ چالیس برس تک یہ زمین اُن پر حرام ہے چالیس برس اسی جنگل میں ٹکریں مارتے رہیں گے اور پریشان رہیں گے اور تم اُن کے ساتھ عیش اور آسودگی میں ہوگے تم ان پر ترس مت کھانا کیسی ہی پریشانی میں ہوں کیونکہ یہ بے حکم ہیں اور فاسق ہیں۔ ان بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور سب سوار تھے ؛

واتل علیهم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنك قال انما یتقبل الله من المتقین لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف الله رب العلمین انی ارید ان تبوأ باثمی واثمك فتكون من اصحب النار وذلك جزاء الظلمین

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اسباب کی آگاہی دیتا ہے کہ حسد کا انجام بُرا ہوتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خطاب کر کے فرماتا ہے کہ آدم کے دو بیٹوں کا قصہ اُن کو سنا تاکہ عبرت پکڑیں۔ اسمیں اختلاف ہے کہ وہ دو شخص آدم کے حقیقی بیٹے تھے جنہیں قابیل اور ہابیل بولتے ہیں۔ یا بنی اسرائیل ہی میں سے دو آدمی تھے اور آدم کی طرف انکی نسبت مجازاً کی گئی ہے والعلم عند اللہ۔ حاصل یہ کہ جب ایک بھائی کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہوئی تو غیر مقبول قربانی والے کو دوسرے پر حسد آیا اور اسکو قتل کر ڈالا اور آخر سخت پشیمانی اٹھانی پڑی کہ ایک تو بھائی ہاتھ سے گیا۔ اور دوسرا خدا کا غضب تیسرا یہ کہ کسی نوع کی منفعت قتل سے حاصل نہوئی ؛

فطوعت له نفسه قتل اخیه فقتله فاصبح من الخسرین فبعث الله غرابا یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سوءة اخیه قال یویلتی اعجزت ان اکون مثل هذا الغراب فاواری سوءة اخی فاصبح من الندمین

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنی شامت اعمال سے اپنے بھائی کو قتل تو کر ڈالا لیکن اب یہ نہیں جانتا ہے کہ اسے کیا کرے آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا کہ اُسنے ایک مُردہ کوّے کیلئے زمین کُریدی اور اُس مردہ کوّے کو دفن کر دیا تب یہ اُسے دیکھکر حیران اور پشیمان ہوا کہ افسوس مجھ میں اس کوّے کی سی بھی عقل نہ تھی کہ زمین کھود کر اُسے گاڑ دیتا۔ اس قصہ کی دو صورتیں منقول ہیں اوّل یہ کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک ہابیل دوسرا قابیل۔ ہابیل بکریوں والا تھا اور قابیل کھیتی والا اور دونوں نے اللہ کی راہ میں صدقہ نکالنا چاہا تو ہابیل نے ایک بہت عمدہ بکری قربان گاہ میں رکھی اور قابیل نے بُرے سے بُرے گیہوں رکھے آسمان سے آگ آئی اُس نے ہابیل کی بکری کھائی اور قابیل کے گیہوں نکھائے اور آگ کا کھانا ہی قبولیت کی علامت تھی تو ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی قبول نہوئی۔ تو قابیل کے دلمیں حسد پیدا ہوا۔ اور اسی وجہ سے اپنے بھائی کے قتل کرنے کا قصد کیا۔ دوسری صورت یہ کہ آدم علیہ السلام کے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوا کرتی تھی اور ایک حمل کے لڑکے کو دوسرے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیتے تھے تو ایک حمل میں قابیل اور اسکی بہن اسکے ہمراہ پیدا ہوئی۔ اور ان دونوں کے بعد دوسرے حمل میں ہابیل اور اسکی بہن اسکے ساتھ پیدا ہوئی اور قابیل کی بہن بہت ہی خوبصورت تھی آدم نے چاہا کہ اسکا نکاح ہابیل سے باندھ دے۔ تو قابیل نے انکار کیا اور کہا کہ میں اسکا زیادہ مستحق ہوں تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں قربانی کرو جسکی قربانی قبول ہو جاوے وہی اسکا زیادہ مستحق ہے۔ سو دونوں نے قربانی کی تو ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی یعنی

آگ آئی اور اسکی قربانی کو کھا لیا۔ اور قابیل کی قربانی قبول نہوئی تو قابیل نے بوجہ حسد کے ہابیل کا قتل کرنا چاہا۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ کیونکر قتل کرے تو شیطان اسکے سامنے آیا اور ایک پرندے کو پکڑا اور پتھر سے اسکا سر کچل دیا۔ تو قابیل نے بھی اپنے بھائی ہابیل کو سوتا ہوا جو پایا تو پتھر سے اسکا سر کچل دیا اب حیران ہے اور اپنے بھائی مرے ہوئے کو لئے پھرتا ہے کہ کیا کروں تب اللہ تعالے نے ہابیل کی عزت کی غرض سے ایک کوا بھیجا جسنے زمین کھود کر دوسرے مردہ کوے کو دفن کیا تو اس کوے سے قابیل نے دفن کرنا سیکھا اور اپنے بھائی کو گاڑا واللہ اعلم

من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات ثم ان کثیرا منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون ہ

عبداللہ رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو قتل دنیا میں ظلم سے واقع ہوتا ہے اسکے گناہ کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر ہوتا ہے کہ اول اسی نے قتل کی رسم نکالی ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھدیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جسنے ایک کو قتل سے بچایا گویا اسنے تمام لوگوں کو قتل سے بچایا۔ اسلئے کہ آدم کے بیٹے نے اول قتل کی رسم نکالی تھی۔ پھر وہ کم ہوگئی پھر بنی اسرائیل نے اس رسم کو تازہ کیا اور قتل میں ایسے بڑھے کہ انبیا کو بھی قتل کرنا شروع کیا تو جسطرح آدم کا بیٹا اس رسم کا موجد ہے اسی طرح گویا بنی اسرائیل بھی اس کے موجد ہیں۔ اور رسم کا قاعدہ ہے کہ ایک نے نکالی اور سب میں پھیلی اور بنی اسرائیل کی خصوصیت اسی لئے کیگئی ہے کہ انمیں تمرد اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تھی:

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم ہ

اس آیت میں کئی مسائل ہیں (۱) یحاربون کے معنی یخالفون ہے (۲) اسمیں اختلاف ہے کہ اسجگہ محاربین سے مراد کفار ہیں یا مسلمانوں میں سے فاسق فاجر لوگ۔ ترجیح دوسرے قول کو ہے (۳) محاربین وہ گروہ ہے کہ حالت اجتماع میں دھاوا کرتا ہے اور دشمن کی مدافعت کی قوت رکھتا ہے اور یہی لوگ قطاع الطریق کہلاتے ہیں۔ اور اجتماع اور قوت مدافعت میں فرق ہے ڈاکو اور سارق میں (۴) ان یقتلوا او یصلبوا میں لفظ او حسن بصری رح اور سعید بن المسیب رح اور مجاہد رح کے نزدیک اور بروایت علی بن ابی طلحہ ابن عباس کے نزدیک بھی تخییر کے لئے ہے یعنی خواہ سب کے سب قتل کردیے جاویں یا سب کے سب سولی دیئے جاویں یا سب کے ہاتھ کاٹے جاویں جانب خلاف سے یعنی کچھ بائیں کے ہاتھ دائیں کے اور یا جلاوطن کردیے جاویں قطاع الطریق ڈاکوؤں کی یہی سزا ہے اور عطاء رح نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ او اس جگہ اختلاف احکام کیلئے ہے مختلف حالات میں یعنی جس نے صرف کسی کو قتل ہی کیا ہے اسکو صرف سزائے قتل ہوگا اور جس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا وہ قتل بھی کیا جاویگا اور سولی بھی دیا جاویگا اور جس نے صرف مال ہی لوٹا اسکی ہاتھ پاؤں الٹی طور سے کاٹے جائیں گے۔ اور جس نے صرف راہ والوں کو ڈرایا دھمکایا لیکن مال بہت لوٹا وہ جلاوطن

کر دیا جاویگا اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اور یہی مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے (۵) او ینفوا من الارض سے مراد قید اور حبس ہے اسلئے کہ کل زمین سے جلا وطن کرنا ممکن نہیں۔ اور ایک شہر سے نکال کے دوسرے شہر کی طرف بھیجنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کو ایذا پہنچائیں گے۔ اور کفار کے ملک کی طرف بھیجنا بھی جائز نہیں کیونکہ مرتد ہونے کا خوف ہے تو سوائے حبس اور قید کے اور کوئی معنے ٹھیک نہیں بیٹھتے تو یہ سزا اُن کے لئے دنیوی ذلت ہوئی۔ اور قیامت کو جو عذاب ہوگا وہ اسکے علاوہ ہے (۶) محاربین اور قطاع الطریق وغیرہم کا قصور محکمہ قضا میں ہرگز معاف نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ یہ انتظامی حق ہے اسمیں تساہل برتنے سے سلطنت کو مضرت پہنچتی ہے ہاں اگر وے لوگ پکڑے جانیسے پہلے ہی ان حرکات سے تائب ہوجائیں تو پھر اُن کا قصور معاف ہو جاویگا یعنی اُنکے پکڑنے کی کوشش نہ کیجاویگی۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون۝

اس آیت میں پہلا مسئلہ یہ ہے۔ کہ سب تکالیف شرعیہ دو امر میں منحصر ہیں ایک ترک منہیات اور دوسرے فعل ماموراتؔ اور چونکہ ترک منہیات فعل مامورات پر مقدم تھا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ذکر میں بھی اسی کو مقدم کیا اور ترک کو ہمنے فعل پر مقدم اس لئے کہا ہے کہ ترک کے معنے یہ ہیں کہ کسی شے کو اپنے اصلی عدم پر باقی رکھنا اور فعل کے معنے ہیں ایقاع اور تحصیل۔ اور اسمیں شک نہیں ہے کہ محدثات کا عدم اُن کے وجود سے پہلے تھا تو ضرور ہوا کہ ترک مقدم ہو فعل پر۔ اور نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ ترک بھی فعل ہے یعنی ایسا فعل جو کہ ضد منہی عنہ کی ہو اور یہی مذہب محققین کا ہے اسی لئے اختناع بھی اسباب میں از قبیل افعال ہوگا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وسیلۃ بروزن فعیلۃ لغت میں ہے وسل الیہ اذا تقرب الیہ لبید شاعر کا شعر ہے ؎

اری الناس لا یدرون ما قدر امرھم ❊ الا کل ذی لب الی اللّٰہ واسل

یعنے متوسل۔ تو وسیلہ کا معنی شریعت میں اللہ تعالیٰ کی طرف قرب حاصل کرنا ہے عبادات اور طاعات کے ساتھ اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقوی کو پہلے ذکر کیا اور طلب وسیلہ کو اُسکے بعد ذکر کیا اور تقوی اور ایمان عین معرفت ہے اور یہ بغیر وسیلہ کے حاصل ہوئی اور اسکے بعد اور کون شے ہے جو وسیلہ سے حاصل ہوگی اسلئے ضرور ہوا کہ ترک منہیات اور فعل مامورات ہی وسیلہ ہو اور وابتغوا میں واو عاطفہ نہیں بلکہ واو حال ہے یعنی تقوی کا مآل تقرب الی اللہ ہے اور وجاھدوا فی سبیلہ میں پابندی کی طرف اشارہ ہے اور لعلکم تفلحون میں کمال ترغیب و ترغیب ہے۔

ان الذین کفروا لو ان لھم ما فی الارض جمیعا ومثلہ معہ لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیمۃ ما تقبل منھم ولھم عذاب الیم یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخارجین منھا ولھم عذاب مقیم۝

مومنین کیلئے جب اللہ تعالیٰ نے سعادات اور خیرات کے مہمات بیان فرما دیئے اسکے بعد کفار کی عاقبت کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ سو دو خوفناک وعید کا ذکر کیا۔ ایک یہ کہ علاوہ دردناک عذاب کے انپر یہ تقید ہوگا کہ اُن سے کوئی تاوان یا جرمانہ وغیرہ منظور نہ کیا جاویگا تاکہ بیکر چھوٹ جاویں۔ دوسرا یہ کہ وہ دوزخ سے نکلنا